وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ

قرآنی تعلیمات

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

کی کتاب

مسائل السلوک کی توضیح و تشریح

سلیس زبان و عام فہم انداز بیان

تالیف

مولانا محمد عبد الرحمٰن استاذ حدیث و تفسیر

(خلیفہ مجاز حضرت محی السنۃ مولانا الشاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم)

حال مقیم جدہ (سعودی عرب) فون نمبر ۶۸۹۶۰۵۹

ناشر:

ربانی بک ڈپو کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی ۶

ظہیر مظفر نگری

نام کتاب :-	"قرآنی تعلیمات"
مؤلف :-	مولانا محمد عبدالرحمن صاحب، استاذ حدیث و تفسیر (خلیفہ مجاز حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم)
کتابت :-	محمد رفیع ابن محبوب الرحمن قاسمی بجنوری
باہتمام :-	ربانی برادران دہلی
طباعت :-	نازیہ پرنٹرز، رودگران، لال کنواں دہلی ۶
تعداد :-	ایک ہزار ایک سو (۱۱۰۰)
سن اشاعت :-	۱۴۱۸ھ م ۱۹۹۷ء
قیمت :-	Rs. 140.00

کتاب ملنے کے پتے

- سراج ٹیلرس تلک روڈ، عابڈس، حیدرآباد (اے پی) فون نمبر ۴۷۵۲۳۹۷
- مولانا محمد عبدالرحمن صاحب مسجد الہدیٰ کیلو ۳ طریق مکہ جدہ (سعودی عرب) فون ۶۸۹۶.۵۹
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان حیدرآباد (اے پی) فون ۵۲۳.۱۱
- مکتبہ احیاء سنت مکان ۱۱-۵-۵۹۷ مسجد مین پوش لال ٹیکری حیدرآباد فون ۳۴۲۵۹۵۲

ناشر

ربانی بک ڈپو کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی ۶

فون نمبر ۷۳۰۱۱۸ - ۳۵۵۷۸۴۰

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب
مؤلف کتاب ہٰذا کا خصوصی عربی تعارف جو ایک
موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے مکۃ المکرمہ میں
حاصل کیا گیا تھا. ترجمہ درج ذیل ہے:-

بعد حمد و صلوٰۃ:-

حضرت مولانا عبدالرحمٰن بن احمد شریف صاحب حیدرآبادی سے میں بخوبی واقف ہوں، مولانا علوم دینی و اسلامی کے فاضل ہیں. جنوبی ہند کے دینی و علمی حلقوں میں آپ کی بیش بہا خدمات رہی ہیں. مولانا نے ہندوستان کے مختلف اداروں سے استفادہ کیا ہے. آخر میں مدرسہ مظاہر علوم ضلع سہارنپور (یوپی) سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اصولِ دین و علم شریعت میں اعلیٰ سندیں حاصل کیں تحصیل علم کے بعد جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں تقریباً پندرہ سال درس تدریس کے خدمات انجام دی ہیں. اسکے علاوہ مولانا موصوف نے عامۃ المسلمین کی تعلیم و تربیت کی جانب بھی خصوصی توجہ دی. اس سلسلے میں اہل علم حضرات کیلئے "مجلس علمیہ" کی تاسیس رکھی جس کا دینی و علمی حلقوں میں اثر رہا ہے.

چونکہ مولانا توحید و سنت کے داعی و علمبردار تھے اپنے شہر میں اہل بدعت کی مخالفتوں سے دوچار ہوگئے. اسی سال موصوف نے فریضۂ حج ادا کیا اور ان کی خواہش ہے کہ کچھ عرصہ انہی مقاماتِ مقدسہ میں رہ کر علمی و دینی خدمت انجام دیں. چنانچہ انہیں اس مقصد کے حصول کے لئے تعاون کی ضرورت ہے.

مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ مولانا کے مقصد کی تکمیل ہو. اس بارے میں جو بھی ان کے ساتھ معاونت کریں میں ان کا شکر گزار رہوں گا.

والسلام

کتبہٗ الفقیر الی اللہ

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

مکۃ المکرمہ
۲ر صفر ۱۳۹۰ھ

عرضِ ناشر

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ربانی بک ڈپو لال کنواں دہلی نے روزِ اوّل ہی سے بتائیدِ خداوندی دینی و علمی کتب کی نشر و اشاعت کو اپنا مقصدِ اوّلین قرار دیا ہے۔

اس بک ڈپو سے درجنوں علمی و دینی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جنہیں خاص طور پر "فیض الباری شرح بخاری عربی" مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور "معارف القرآن" جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان کی مشہور اردو تفسیر ہے۔

ربانی بک ڈپو کے بانی حضرت مولانا قاری حکیم مصباح الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو محض ایک تاجر ہی نہیں بلکہ اللہ والے اور صاحب نسبت بزرگ تھے اس ادارہ کو خدمت علم و دین کے جذبہ سے قائم کیا تھا۔ ان کے اخلاص و للّٰہیت کی برکت ہے کہ آج ربانی بک ڈپو دہلی کے مشہور اشاعتی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب حیدرآبادی مدظلہٗ کی نہایت بلند پایہ علمی و اصلاحی تالیف ہے۔ جس کا نام انھوں نے "قرآنی تعلیمات" رکھا ہے۔

اس کتاب کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انھوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مسائل السلوک" سے قرآنی تعلیمات اور ربانی ہدایات اور معرفت و سلوک کی باتوں کا عطر پیش کر دیا ہے۔

کتاب و سنت پر خود صاحب کتاب کی نظر بہت وسیع ہے۔ اور پھر اس کتاب کو حضرت تھانویؒ کی مذکورہ نہایت ہی مشہور و اہم کتاب کی روشنی میں ترتیب دیکر مؤلف موصوف نے اسکی قیمت و اہمیت میں جو اضافہ کیا ہے اس کا اندازہ قارئین کو مطالعہ کے بعد ہی محسوس ہوگا۔

ربانی بک ڈپو نے حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کی متعدد کتابوں کو شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے مگر بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام کتابوں میں اس کتاب یعنی "قرآنی تعلیمات" کو بہت زیادہ امتیاز حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور ان سے مزید علم و دین کی خدمت کا کام لے۔

ربانی بک ڈپو پیشِ نظر کتاب کو پیش کرتے ہوئے بے انتہا خوشی محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو عامۃ المسلمین کے لئے باعثِ ہدایت بنائے اور قرآن کی تعلیمات کو سمجھنے کیلئے ایک اچھا ذریعہ بنادے۔

ربانی برادران

حاصلِ تصوّف

وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوّف کا
یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو،
سستی کا مقابلہ کر کے طاعت کو ادا کرے۔
اور جس گناہ کا تقاضہ ہو، تقاضے کا مقابلہ کر کے اُس
گُناہ سے بچے۔
اور جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اُس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں۔
کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی
اُس کی محافظ ہے اور یہی اُس کو بڑھانے والی ہے

(وعظ التقویٰ)

حکیم الامّت رح

المتوفی
۱۳۶۲ھ

فہرست قرآنی تعلیمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

کسی واعظ سے خواہش کی گئی کہ ہمیں سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ سنایا جائے۔

فرمایا۔ پدرے بُود، پسرے داشت، گم کرد و باز یافت۔

ایک باپ تھے اُن کا چہیتا بیٹا تھا، وہ گم ہو گیا پھر مل گیا۔

باقی تفصیل قرآن حکیم کی سورت یوسف پارہ ۱۲ میں دیکھ لی جائے۔

تصوّف کا معاملہ بھی کچھ ایسے ہی ہے، ایک قرن (ہزار سال) گزر گئے، اختلاف کو ختم نہ ہونا تھا، ختم نہ ہوا، جواب، جوابُ الجواب پھر جوابُ الجواب کا سلسلہ آج تک قائم ہے اور شاید........ قائم رہے۔

تفصیل کے لئے ہر دو جانب رسائل ہی نہیں ضخیم کتابیں موجود ہیں، جُویندہ یابندہ، ڈھونڈنے والوں کو حقیقت مل ہی جاتی ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کتنا ہے۔

چونکہ زیرِ مطالعہ کتاب کا یہ موضوع نہیں ہے لہٰذا ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی اس کتاب "قرآنی تعلیمات" کا تعارف کروانا چاہتے ہیں۔ زہے قسمت قبول اُفتد۔

مذکورہ کتاب کا موضوع تصوّف، بیعت وارشاد وسلوک سے متعلق ہے۔

علم تصوف دیگر علوم اسلامیہ کی طرح ایک مستقل علم ہے جیسا کہ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم کلام، علم تاریخ، علم سیرت وغیرہ علوم اسلامیہ ہیں۔ تاہم یہ علوم عہدِ نبوت میں اِن ناموں سے معروف نہ تھے۔

علم تصوف کا ترجمہ "علم اخلاق" کیا جاتا ہے جو مذکورہ بالا علوم میں ایک مستقل علم کی حیثیت سے ظاہر ہوا اور علوم اسلامیہ میں شامل ہو گیا اور یہ واقعہ ہے کہ اِن تمام علوم کی روح عہدِ نبوت، عہدِ صحابہ، اور تابعین کرام کے دور میں موجود تھی اور آج بھی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ قرآن وحدیث میں علم تصوف کے اصول صراحتاً وکنایۃً موجود ہیں اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علم تصوف قرآن وحدیث میں نہیں وہ یا تو بے علم ہیں یا کم علم ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب را چہ گناہ[1]

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ہندوستان میں وہ پہلے عالم ہیں جنھوں نے علم تصوف پر مستقل توجہ فرمائی اور تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ اس سلسلے میں دو اہم کتابیں تالیف فرمائیں "حقیقت الطریقت" "مسائل السلوک"۔

پہلی کتاب میں تصوف کے مسائل کو احادیث نبویہ سے ثابت کیا ہے اور دوسری کتاب میں انہی مسائل کو قرآن حکیم کی آیات سے مستنبط کیا ہے۔

ان دونوں کتابوں کے مطالعے کے بعد ایک حق طلب وحق پسند عالم کو پورا اطمینان ہو جاتا ہے کہ علم تصوف قرآن وحدیث ہی کی تعلیمات کا نام ہے۔

---

[1] اندھی چمگادڑ اگر دن کی روشنی میں آفتاب کو دیکھ نہ پائے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے؟

اور وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن و حدیث میں نہ ہو۔

حکیم الامت رحؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تو قرآن و حدیث سے تصوف کے تقریباً دو ہزار مسئلے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیئے ہیں اگر مزید غور کرتا تو اتنے ہی اور ثابت ہوتے،

ان مسائل میں اکثر تو منصوص ہیں اور دوسرے بعض اعتباراً و تاویلاً ہیں۔

اپنی ایک خانگی مجلس منعقدہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ علماء وصالحین کی موجودگی میں بطور تحدیث بالنعمۃ فرمایا۔

"یہ علم دنیا سے بالکل ہی مفقود ہو چکا تھا اللہ کا شکر ہے کہ اب مدتوں بعد زندہ ہو گیا" (اشرف السوانح)

کون نہیں جانتا کہ قرآن و حدیث میں زُہد، قناعت، خشوع و خضوع، تواضع، اخلاص، صبر و شکر، محبت و خشیت الٰہی، رضا بالقضاء، توکل و تسلیم وغیرہ کی فضیلت اور اس کی تحصیل کا حکم موجود ہے۔

اسی طرح ان اخلاق کریمہ کے اضداد حُبّ دنیا، حُبّ جاہ و مال، حرص و ہوس، ریا و تکبر وغیرہ۔

شہوت، غضب، عُجب، حسد، بُغض و عناد وغیرہ کی مذمت ہے اور اُن پر وعید و نکیر آئی ہے، اور ان بُرے اخلاق سے دُور رہنے کی تاکید موجود ہے۔

علم تصوف میں انہی اعمال کی اصلاح اور نیک اخلاق کی تعلیمات ہیں تو پھر اس علم کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھنا امانت و دیانت کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے؟

تصوف کی ان تعلیمات کو بیعت و ارشاد اور سلوک کا نام دیا گیا ہے

ان تعبیرات پر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ عنوانات عہد نبوّت میں نہیں ملتے لہٰذا بدعت ہیں تو یہ نہایت سطحی قسم کا اعتراض ہوگا۔

اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم کلام وغیرہ کا ذکر بھی اُس عہد مبارک میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود ان علوم کو کسی بھی عالم نے بدعت نہیں کہا، تو پھر علم تصوّف کو بدعت کس لئے کہا جائے گا؟ جبکہ اسکی حقیقت قرآن وحدیث میں موجود ہے تاہم بیعت وارشاد کی اسلامیت کو ہم یہاں دو محکم اسلامی ماخذ سے نقل کر رہے ہیں جس کے جاننے کے بعد معلوم ہوگا کہ علم تصوّف قرآن وحدیث ہی کی تعلیمات کا نام ہے۔

قرآن:۔ سورۃ الممتحنہ پارہ ۲۸ آیت ۱۲ میں بیعت علی الاعمال کی صراحت اس طرح آئی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۱۲

ترجمہ:۔ اے نبی جب مسلمان عورتیں آپکے پاس آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کریں گی اور نہ چوری کرینگی اور نہ بدکاری کرینگی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کرینگی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جیسے اپنے آپ گڑھ لیا ہو اور نہ نیک باتوں میں آپکی نافرمانی کرینگی تو آپ اُنکو بیعت کرلیا کریں اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کریں بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے وقت اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھوں میں رکھا نہیں کرتے تھے (بلکہ زبانی بیعت لیا کرتے)۔ (بخاری) تفصیل معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۴۱۶۔

حدیث:۔ حدیث صحیح میں مردوں سے بیعت کی تصریح اس طرح مذکور ہے۔

حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ کہتے ہیں کہ ہم سات آٹھ نو افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا تم رسول اللہ سے بیعت نہ کروگے؟

ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا یارسول اللہ کس بات پر آپؐ سے بیعت کریں؟

ارشاد فرمایا اللہ کی عبادت کریں، اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، پانچ وقت کی نماز پڑھیں اور دین کی باتیں سُنیں اور اُن کو قبول کریں۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

عورتوں اور مردوں کی یہ بیعت نہ بیعت علی الجہاد ہے نہ بیعت علی الاسلام بلکہ خالص بیعت علی الاعمال سے متعلق ہے تو پھر بیعت وارشاد کو بدعت یا غیرضروری سمجھنا کسقدر بے علمی کی بات ہوگی۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاہِلِیْنَ۔

حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر "بیان القرآن" کے حاشیہ پر عربی زبان میں "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" نام سے اُن مسائل تصوف کی نشاندہی کی ہے جو آیات قرآنی سے ماخوذ ہوتے ہیں پھر اُن مسائل کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ انہی مسائل سے زیرمطالعہ کتاب "قرآنی تعلیمات" مرتب کی گئی ہے لیکن یہ حقیقت بھی جاننا ضروری ہے کہ قرآن حکیم کے منشاء ومُراد کو "تفسیر قرآن" کہا جاتا ہے اور یہی قرآن کا حقیقی مفہوم ہوا کرتا ہے۔

البتہ آیت کے منشاء ومُراد سے ہٹکر اُسی آیت سے کوئی ایسی بات اخذ کیجائے

جو اُس آیت کے منشاء و مُراد کے نہ خلاف ہو اور نہ اصول دین سے ٹکراتی ہو ایسی کوشش کو "تاویل قرآن" کہا جاتا ہے جو اجتہاد و استنباط کی ایک شرعی قسم ہے۔

ہر زمانے میں اہلِ علم حضرات نے ایسی کوششیں کی ہیں جس طرح تفسیر قرآن پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ایسے ہی "تاویلاتِ قرآن" پر بھی کتابیں موجود ہیں۔

لیکن تاویلات قرآن کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو تفسیر قرآن کا ہوا کرتا ہے تاہم دونوں علوم قرآن حکیم سے متعلق ہیں اس لئے اہل علم حضرات نے تاویل قرآن کو بھی علوم شرعیہ میں شمار کیا ہے۔

حکیم الامتؒ کی مذکورہ کتاب "مسائل السلوک" جو زیر مطالعہ کتاب "قرآنی تعلیمات" کا ماخذ ہے اسی استخراج و استنباط سے تعلق رکھتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکیم الامتؒ کی کتاب "مسائل السلوک" کے تمام مسائل کو زیر مطالعہ کتاب "قرآنی تعلیمات" میں جمع نہیں کیا گیا بلکہ کتاب مذکور سے صرف وہی مسائل لئے گئے ہیں جو سالک کی عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں باقی تصوفی اشارات، لطائف، معارف، رموز سے تعرض نہیں کیا گیا ایسے نکات اہلِ علم کے لئے تو مفید ہیں عامۃ الناس کو انکی ضرورت نہیں۔

کتاب "مسائل السلوک" کے علاوہ دیگر تفسیری کتابیں، مثلاً تفسیر رُوح المعانی تفسیر کبیر امام رازیؒ، تفسیر ابن کثیر، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر قرطبی، تفسیر موضح القرآن تفسیر معارفُ القرآن، تفسیر ماجدی سے بھی بعض مسائل سلوک نقل کئے گئے ہیں اور وہاں انکا حوالہ بھی لکھدیا گیا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب "قرآنی تعلیمات" میں آٹھ سو سے زائد قرآنی آیات کا ترجمہ، تفسیر اور اُن سے اخذ کردہ مسائل جمع کئے گئے ہیں، ان میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جو شریعت کے منشا و مُراد سے ٹکراتا ہو، اور ہم نے اسے نقل کر دیا ہو، اس سلسلے میں

جا بجا اُن مسائل کی تردید بھی ملیگی جو قرآن وحدیث کے منشا و مُراد سے ٹکراتے ہوں، ابو عبد اللہ الحُمیدی (المتوفی ۴۸۸ھ) مشاہیر محدثین میں شامل ہیں اُن کا یہ شعار رہا ہے جو ایسے مواقع پر سُنا گیا۔

کِتَابُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ قَوْلِیْ
وَمَا صَحَّتْ بِهِ الْاٰثَارُ دِیْنِیْ

ہمارا بھی یہی شعار ہے اور قارئین حضرات سے بھی یہی خواہش کیجاتی ہے آخر میں شیخ سعدیؒ کے ابدی پیغام پر اپنا پیش لفظ ختم کیا جاتا ہے۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ، کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدیؒ کہ راہِ صفا ، تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

خادمُ الکتاب والسنۃ
محمد عبد الرحمٰن اُستاذ حدیث وتفسیر
حال مقیم جدّہ (سعودی عرب)
فون نمبر ۶۸۹۶۰۵۹
یکم رجب ۱۴۱۷ھ

لہ قرآن حکیم میرا قول ہے اور احادیث نبویہ میرا عمل ہے۔
امام ابو عبد اللہ الحُمیدیؒ (ولادت ۴۲۰ھ وفات ۴۸۸ھ) کو شیخ ابو اسحٰق اسفرائینیؒ کی قبر کے قریب دفن کیا گیا تھا پھر کسی ہنگامی ضرورت کے تحت ۴۹۱ھ میں انکی لاش کو نکالکر حضرت بشر حافیؒ کے قریب دفن کیا گیا اس عرصہ میں ان کا کفن اور جسم صحیح وسالم اور معطر تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآنی تعلیمات

مسائل السلوک

سورۃ الفاتحہ پارہ ۱

(۱) اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ الآیۃ۔ آیت ۴

ترجمہ:۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

تفسیر:۔ سورۃ فاتحہ کی اس آیت میں عبادت اور استعانت (مدد طلبی) کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کیا گیا ہے ایسے طور پر کہ اسمیں کسی غیر کی ذرا بھی گنجائش باقی نہ رہی۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ بندگی کی نسبت سالک کے مقام کا منتہیٰ ہوا کرتی ہے اور کوئی مقام (درجہ) اس سے بلند تر نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ کامل بندہ ہو جانا انسانیت کی معراج ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کو عباد اللہ (اللہ کے بندے) کہا گیا ہے اور خود کلمۂ شہادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عبدہٗ ورسولہٗ" کے لقب سے مشرف کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے کامل ترین بلکہ اکمل ترین بندے اور رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

آیت کا دوسرا جزو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے۔ اقرارِ عبادت کے بعد اللہ سے مدد طلبی کی درخواست کرنا سالک کا مقامِ تمکین ہے۔ یعنی اظہارِ بندگی کے بعد اس میں رسُوخ و پختگی کی درخواست کرنا اور اس کا خواہش مند ہونا انسان کو درجہ تمکین میں داخل کر دیتا ہے۔

اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ سے (کہ گمراہ اور بے دین لوگوں سے محفوظ رہے) مقامِ تلوین سے مؤمن پناہ چاہتا ہے۔ علم تصوف کی یہ چار اصطلاحات۔

مقام، سالک، تمکین، تلوین کی علم تصوف میں یہ وضاحت کیجاتی ہے

مقام: درجے اور رُتبے کو کہا جاتا ہے جو ایمانیات سے تعلق رکھتا ہے۔

سالک: اس شخص کو کہتے ہیں جو صراطِ مستقیم اختیار کر چکا ہو اور اُس پر گامزن بھی ہے۔

تمکین: نفس کی اُس کیفیت کو کہتے ہیں جو مسلسل عبادت و کثرت ذکر و فکر کی وجہ سے نفس میں پختہ ہو جاتی ہے اس کیفیت کے حاصل ہو جانے کے بعد عبادات میں دوام اور اخلاص کی دولت نصیب رہتی ہے۔ ایسی کیفیت والے کو صاحبِ تمکین کہا جاتا ہے۔

تلوین: تمکین کے بالمقابل تلوین کی کیفیت ہے یعنی نفس کی وہ کیفیت جو غیر یقینی اور متزلزل سی رہا کرتی ہے کہ وہ کبھی عبادات میں مشغول رہتا ہے کبھی غفلت و نسیان کا شکار ہو جاتا ہے، کبھی گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر نادم و شرمندہ بھی ہو جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں سالک کا مقام ظاہر ہوتا ہے جو عبادت میں لگا ہوا ہے۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں صاحب تمکین کا مقام مفہوم ہوتا ہے جو عبادات پر

مزید استعانت طلب کرتا ہے

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے مقام تلوین کا ثبوت ملتا ہے۔

ملحوظہ:۔ سالک کو مقامِ تمکین نصیب ہو جانے کے بعد عبادات، معاملات اخلاقیات غرض دین کے ہر شعبہ میں استقامت و اخلاص کی دولت نصیب رہتی ہے گویا وہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں۔

حدیث صحیح میں ایسی کیفیت کو "احسان" کہا گیا ہے:

قَالَ مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ. (بخاری و مسلم)

(۲) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. الآیۃ آیت ۵

ترجمہ:۔ چلا ہم کو سیدھا راستہ، راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔

تفسیر:۔ صراطِ مستقیم سے تکوینی (دُنیاوی) راستہ مراد نہیں ہے وہ تو ساری مخلوقات کو حاصل ہے۔ بلکہ تشریعی راہ (اُخروی راہ) مراد ہے جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے جس راہ پر چلکر آدمی انعام یافتہ حضرات میں شامل ہوتا ہے وہ انعام یافتہ حضرات نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین ہیں۔

(نساء۔ آیت ۶۹)

اِنکی زندگی کے حالات و واقعات قرآن حکیم میں بکثرت نقل کئے گئے ہیں۔ (ہماری کتاب "ہدایت کے چراغ" حصّہ اوّل و دوم انہی واقعات پر مشتمل ہے۔ مطالعہ کیجئے۔)

سُلوک:۔ حکیم الاُمّت نے مذکورہ آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ صراطِ مستقیم میسّر نہیں آتی جب تک کہ اہلِ صراطِ مستقیم کی پیروی نہ کی جائے محض

اوراق و کتب بینی کافی نہیں ہیں۔
(شریعت میں بیعت کی یہی حقیقت ملتی ہے کہ اہلِ علم سے علم ملتا ہے اور اہلِ عمل سے عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے، یہی تصوّف کی رُوح اور اُس کا خلاصہ ہے۔)

(۳) اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ الآیۃ۔

(بقرہ آیت ۳)

ترجمہ: جو لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

تفسیر: آیت میں متقین کی پہلی اور دوسری صفت بیان کی گئی ہے۔

صلوٰۃ کے لفظی معنیٰ دُعا ہیں (راغب) لیکن شریعت کی زبان میں ایک مخصوص طریقے کی عبادت کا نام صلوٰۃ ہے۔ اہلِ تحقیق علماء نے کہا ہے کہ نماز تو سراپا دُعا ہے، دُعا زبان سے بھی دل سے بھی اور اعضاء ظاہری سے بھی یعنی دُعا قولی، دُعا قلبی، دُعا فعلی، تینوں کے مجموعے کا نام صلوٰۃ ہے۔

سُلوک: مذکورہ آیت میں اقامتِ صلوٰۃ کا ذکر ہے، ادائے صلوٰۃ کا نہیں۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے صلوٰۃ میں فرق یہ ہے کہ چند ظاہری اشکال کا نام تو صلوٰۃ ہے اور اقامتِ صلوٰۃ کے معنیٰ نماز کو کامل مکمل طور پر ظاہری و باطنی کیفیت سے ادا کرنا۔

(عربی لغت کے امام راغبؒ نے اقامت کے یہی معنیٰ لکھے ہیں)

اِقَامَۃُ الشَّیْءِ تَوْفِیَۃُ حَقِّہٖ (راغب) اِقامت شی کے معنیٰ اسکے حق کو پورا ادا کرنا، جسکا خلاصہ یہ کہ نماز مداومت کے ساتھ، تعدیلِ ارکان اور خشوع و خضوع سے اللہ کے سامنے جھک جانا، سرِ عبودیت خم کر دینا، اور اللہ کا گہرا ربط و تعلق قائم کر لینا۔ (ابن جریر، تفسیر کبیر)

یَأتُوْنَ بِھَا بِحُقُوْقِھَا۔ (جلالین) نماز کو اسکے تمام حقوق کیساتھ ادا کرنا، ایک عام سالک تو ادائے صلوٰۃ کا فریضہ انجام دیتا ہے لیکن اہلِ تمکین (جنکی تعریف لکھی جا چکی ہے) اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ انجام دیا کرتے ہیں۔

(۴) وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ الآیۃ۔ (بقرہ آیت ۳)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر:۔ متقین کی یہ تیسری صفت بیان کی گئی ہے۔

لفظ رزق قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے معنیٰ میں وسعت اور تنوع پایا جاتا ہے۔ ہر قسم کی نعمت خواہ وہ ظاہری و مادی ہو جیسے مال و دولت اولاد و تخت تاج وغیرہ۔ (راغب)

یا معنوی و روحانی ہو جیسے علم و حکمت، فہم و فراست، محبت و خشیت، تقویٰ و طہارت وغیرہ۔

اَلرِّزْقُ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ ھُوَالْحَظُّ۔ (تفسیر کبیر)

اللہ کی ہر عطا و بخشش کو رزق کہا جاتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نیک بندے اللہ کی دی ہوئی ظاہری و باطنی نعمتیں راہِ حق میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ احکامِ الٰہی کی مخالفت اور اُسکی ناشکری میں صرف نہیں کرتے۔

سلوک ۵:۔ حکیم الامت رحؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ کثرتِ عبادت

وکثرتِ ذکر و فکر سے اہل اللہ کو جو انوارات معرفت و کیفیاتِ قلبی ملتی ہیں یہ حضرات اُنکا افاضہ اپنے طالبین پر برابر کرتے رہتے ہیں۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (اکبر)

۵ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۴)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور (اُن کتابوں پر) جو آپؐ سے پہلے اُتاری گئی ہیں۔

تفسیر:۔ متقین کی یہ چوتھی صفت بیان کی گئی کہ وہ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کو دل سے قبول کرتے ہیں بلکہ گزشتہ سارے انبیاء و رسل کی ذوات اور اُنکے پیغامات کی بھی تصدیق کرتے ہیں گویا مؤمن متقی کے لئے صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کافی نہیں بلکہ سارے انبیاء و رسل کی تصدیق کرنی ضروری ہے، خواہ اجمالی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اطاعت و پیروی صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کی جائے گی۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اعتقاد تو تمام اہلِ حق مشائخ سے ایسے ہی رکھنا چاہئے جیسا اپنے شیخ و مرشد سے رکھا جاتا ہے، البتہ اتباع و پیروی اپنے شیخ کی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ بعینہ یہی حکم انبیاء کرامؑ کے بارے میں آیا ہے۔ تصدیق و تعظیم تو تمام انبیاء کرام کی یکساں رکھنی چاہئے البتہ اطاعت و پیروی صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گی۔

(۶) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآيۃ (بقرہ آیت ۹)

ترجمہ:۔ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور اُن لوگوں سے جو ایمان لاچکے ہیں۔

تفسیر: یہاں منافقوں کی ایک بدخصلت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے زعم میں ایمان و اسلام کا اقرار کرکے اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمانوں جیسے مؤمن ہیں۔ اس طرح اس چالبازی سے اسلام کے منافع حاصل کرلیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اللہ کو دھوکہ دینے سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا مُراد لیا ہے۔ (مدارک)

مقصود یہ ہے کہ یہ بدخصلت لوگ اللہ و رسول کو تو کیا دھوکہ دیتے خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جسکا عنقریب وہ مزہ چکھیں گے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے اس مضمون سے یہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ سے ایسا کوئی معاملہ کرنا جو فریب یا عداوت کی شکل کا ہو ایسے ہی ہے جیسا اللہ اور رسول سے فریب کرنا۔

(ایک حدیث قدسی سے بھی اسکی تائید ملتی ہے)

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ۔ الحدیث۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو کوئی میرے ولی (دوست) سے عداوت رکھے گا اُس سے میرا اعلانِ جنگ ہے۔

(۷) فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ اُنکے دلوں میں بڑا مرض ہے سو اللہ نے اُنکی بیماری اور بڑھادی۔

تفسیر:۔ منافقوں کی بدباطنی کا ذکر کیا گیا ہے کہ اُنکی یہ بدخصلتیں درحقیقت اُنکے دل کی بیماری کا سبب ہے، دل میں کھوٹ و مرض (کفر و شرک، بغض و عناد) بھرا ہوا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ نے یہ تنبیہ فرمائی کہ جیسے جسم کی بیماریاں ہیں دل کے بھی امراض ہیں، تصوّف میں دل کی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے، حسد کینہ بغض و عداوت، غضب و شہوت، کبر و عُجب، ریا و تفاخر وغیرہ یہ سب قلبی امراض ہیں جنکو علم تصوّف میں امراضِ قلب کہا جاتا ہے۔

(۸) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا۔ (بقرہ آیت ۲۶)

ترجمہ:۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کر دیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو۔

تفسیر:۔ شرک و کفر کی مذمت کے سلسلے میں قرآن حکیم نے بُتوں کی بے بسی و بے کسی کا ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ جن جن بتوں کی پوجا کر رہے ہیں وہ تو مکھی مچھر تک بھی پیدا نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ انسان و زمین و آسمان پیدا کر سکیں، اس مثال پر منافقوں نے مذاق اڑایا کہ اللہ کا کلام اور پھر اس میں مکھی مچھر حقیر جانوروں کا بیان؟ یہ بھی کوئی خدائی کلام ہو سکتا ہے؟ اس پر آیت مذکورہ میں جواب دیا گیا۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ نے مذکورہ آیت سے یہ آگاہی دی کہ حضرات صوفیہ کرام بھی عوام کی تفہیم و تذکیر کیلئے کوئی بھی مثال بیان کرنے میں عُرفی شرم و عار کی پروا نہیں کرتے۔

(مطلب یہ کہ کسی بھی کلام کا یہ مقصد ہوا کرتا ہے کہ وہ سننے والوں کو فائدہ پہنچائے اب اسی غرض کے تحت جس مثال سے بھی یہ مقصد حاصل ہوگا اسکے بیان کرنے میں شرم و حیا کا لحاظ کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

حضرات صوفیہ کرام میں خاص طور پر مولانا رومیؒ برجستہ مثالیں دینے میں

عام شہرت رکھتے ہیں۔ انکی کتاب مثنوی میں اسکی بکثرت مثالیں ملتی ہیں)

۹ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ الآیۃ (بقرہ آیت نمبر ۳۰)

ترجمہ:۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپکے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں۔ الخ

تفسیر:۔ جس وقت سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت و خلافت کیلئے پیدا کرنا چاہا اور اُس کا ذکر فرشتوں سے کیا اُس وقت سب فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ معروضہ پیش کیا تھا کہ ہم آپکی تسبیح و تقدیس کیلئے موجود ہیں پھر نئی مخلوق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو زمین پر فتنہ و فساد مچائیگی ہم آپکے منشاء و مُراد کو پورا کرنے کیلئے حاضر ہیں۔ (تفصیل مذکورہ آیات میں دیکھ لی جائے۔) پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو دولتِ علم سے نوازا جو فرشتوں کو حاصل نہ تھی پھر یہی علم و حکمت خلافت و نیابت کا معیار ثابت ہوا۔

سلوک:۔ حکیم الامت اس واقعہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی خلافت کا مدار علم و فہم پر رکھا گیا ہے بشرطیکہ بدعملی نہ ہو، مجاہدۂ اعمال اور کثرت ذکر و فکر معیارِ خلافت نہیں ہیں۔

اسی بنیاد پر مشائخ طریقت نے خلافت دیتے وقت اس کی زیادہ رعایت رکھی ہے۔

(مطلب یہ کہ خلیفہ اس شخص کو بنایا جائے گا جو علم و فہم، معاملہ فہمی، مزاج شناسی اور ماحول سازی کی صلاحیتیں رکھتا ہو ان اوصاف کے علاوہ بدعمل یا بے عمل بھی نہ ہو۔)

بنی اسرائیل کے ایک نبی نے (جنکا نام اشموئیل بیان کیا جاتا ہے) طالوت کو جب اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہا تو قوم کو یہی جواب دیا تھا طالوت علم وطاقت میں تم سب سے بڑا ہے۔ (بقرہ آیت ۲۴۷)

(۱۰) وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الآیۃ (بقرہ آیت ۳۵)

ترجمہ:۔ اور قریب نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ تم بھی ان لوگوں میں شمار ہوجاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

تفسیر:۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں پہنچا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں اور انکی بیوی کو حکم دیا کہ وہ فلاں درخت کے قریب تک نہ جائیں (مقصود اس درخت کا پھل نہ کھانا تھا) لیکن ابلیس لعین سیدنا آدمؑ کو دھوکہ و فریب سے درخت کے قریب لے آیا اور اسکا پھل کھلا دیا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے مشائخ اہل طریقت کے اس عمل کی توثیق کی کہ وہ کبھی اپنے مریدوں کو جائز اور مباح کام سے بھی روک دیتے ہیں تاکہ وہ عمل غیر مباح و ناجائز عمل کا ذریعہ نہ بنے۔

جیسا کہ درخت کے قریب ہونا فی نفسہ منع نہ تھا صرف پھل کھانا ممنوع تھا تاہم سیدنا آدم علیہ السلام کو درخت کے قریب ہونے سے منع فرما دیا گیا۔

(۱۱) فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ الآیۃ (بقرہ آیت ۳۶)

ترجمہ:۔ پس لغزش دیدی شیطان نے آدمؑ اور حواؑ کو اس درخت کیوجہ سے سو برطرف کر کے رہا ان دونوں کو اس عیش سے جنمیں وہ دونوں تھے۔

تفسیر:۔ سیدنا آدم علیہ السلام یقیناً اشرف المخلوقات تھے اور ابلیس لعین مردود و ملعون قسم کا تھا اس کے باوجود ناقص نے کامل و اعلیٰ رتبے والی

مخلوق کو دھوکہ دیدیا سیدنا آدم علیہ السلام اس سے متاثر ہوگئے۔
سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے اس حادثے سے یہ اخذ کیا کہ امت کے کاملین بھی شیطانی مکروفریب سے محفوظ نہیں ہوتے انھیں ہر وقت نفس وشیطان کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

(۱۲) وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ الآیۃ (بقرہ آیت ۴۵)

ترجمہ:۔ اور مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔
تفسیر ایمان واخلاص کی زندگی بسر کرنے کیلئے صبر اور نماز کا سہارا لیا جانا آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اسلامی زندگی بسر کرنے میں خواہشاتِ نفسانی اور تقاضائے کبر ونخوت حائل ہوتے ہیں۔ اس لئے ایمان والوں کو صبر (روزہ) اور نماز کا حکم دیا گیا۔
روزہ شہوت کو توڑتا ہے اور نماز تواضع پیدا کرتی ہے اور کبر ونخوت کو دور کرتی ہے۔ (جلالین)
سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ جن لوگوں میں شہوت وغرور وکبر کا غلبہ ہو انھیں کثرت سے روزے اور نمازوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔
حضرات مشائخ ایسے لوگوں کو انہی امور کی تلقین کیا کرتے ہیں۔

(۱۳) وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ الآیۃ (بقرہ آیت ۴۵)

ترجمہ:۔ اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو انپر کچھ بھی بھاری نہیں۔
تفسیر:۔ آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ نماز اُن لوگوں پر بھاری نہیں جنھیں یقین ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچنا ہے اور آخرت ہماری آخری و دائمی منزل ہے۔

سُلوک :- حکیمُ الامّت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ مُراقبۂ موت نماز کو آسان اور محبوب بنا دیتا ہے۔

(یعنی موت کا اور ما بعد الموت کا استحضار اور اُس کا دائمی خیال انسان میں فکرِ آخرت پیدا کرتا ہے۔ اور فکرِ آخرت سے نماز آسان ہوجاتی ہے۔

(۱۴) وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۔ الآیۃ (البقرہ آیت ۵۱)

ترجمہ :- اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس راتوں کا وعدہ کرلیا تھا پھر تم نے انکے پیچھے گوسالہ کو اختیار کرلیا اور تم سخت ظالم تھے۔

تفسیر:- اللہ تعالیٰ نے سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی کتاب تورات دینے سے پہلے چالیس دن کا اعتکاف اور روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا، سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے اِن ایّام کی تکمیل کی اور کوہِ طور سے کتابِ الٰہی لے آئے۔

سُلوک :- حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ اہلِ سلوک کے ہاں چلّہ (چالیس دن رات) کی جو میعاد متعارف ہے اُسکی اصل اسی آیت سے نکالی گئی ہے۔

(اگرچہ یہ قصہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہے لیکن جب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اسکو ہمارے لئے نقل فرمایا اور کوئی نکیر نہیں فرمائی تو ہمارے لئے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، علاوہ ازیں اس سلسلے میں ایک حدیث بھی موجود ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن اللہ کیلئے اخلاص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرلے اسکے قلب سے علم و حکمت کے چشمے (اُبل کر) اس کی زبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں (رزین)

شریعت و طریقت ص۴۲۷

(۱۵) قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۳۸)

ترجمہ:۔ ہم نے حکم دیا نیچے اُتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے کسی قسم کی ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کریگا تو اُنپر نہ کچھ اندیشہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

تفسیر:۔ درخت کا پھل کھانے کے بعد سیّدنا آدم علیہ السلام کو اغوارِ شیطانی کا احساس ہوا فوری توبہ کی اللہ تعالیٰ جو نیتوں کا جاننے والا ہے سیّدنا آدم علیہ السلام کو معاف کر دیا تاہم انکو اور انکی بیوی کو زمین پر اُتر جانے کا حکم فرمایا، زمین پر اُترجانے کا یہ حکم بطور سزا یا عتاب نہ تھا کیونکہ خطا تو معاف ہو چکی تھی، البتہ یہ خطا ولغزش کے طبعی اثرات تھے جو شجرہ ممنوعہ کے پھل کھانے سے پیدا ہو رہے تھے اس لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی، علاوہ ازیں خلافتِ ارضی بھی جاری کرنی تھی۔

سلوک:۔ عارفین کہتے ہیں کہ توبہ و استغفار سے رُوح کے داغ دھبے تو دُھل جاتے ہیں لیکن جسم و مادہ پر خطا و نسیان کے نقوش بہرحال باقی رہتے ہیں مثلاً کوئی شخص خودکشی کے ارادے سے زہر کھالے پھر معاً اُسے اپنی خطا و نسیان پر تنبہ ہو اور وہ اللہ کی جناب میں روئے گڑگڑائے دل سے توبہ کرے تو اس عمل سے گناہ تو عجب نہیں معاف ہو جائے لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظامِ جسم پر مرتب ہوتے ہیں وہ بہرحال ہو کر رہیں گے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے گو سیّدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی لیکن دنیا میں رہنے کا جو حکم تھا وہی برقرار رہا۔ محققین اہلِ طریقت نے یہ اخذ کیا کہ گناہوں کے طبعی اثرات کبھی ظاہری جسم پر بھی مرتسم ہو جاتے ہیں، گنہگار کے چہرے مہرے سے ایسی کیفیات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۶) وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا۔ الآیۃ ۔ البقرہ آیت ۴۸

ترجمہ:- اور ڈرو اُس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی اور قبول نہ ہو اسکی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے کوئی بدلہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر:- بنی اسرائیل جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا نام ہے انھیں یہ زعم پیدا ہو گیا تھا کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں انکا سہارا کافی ہے آخرت میں ہمیں کسی بات کا اندیشہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس زعم کو باطل قرار دیا ہے۔

سلوک:- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ اسمیں یہ صراحت ہے کہ محض خاصانِ خدا سے تعلق ہو جانا بغیر ایمان و عمل صالح کے مفید نہیں۔

(۱۷) وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى الآیۃ (بقرہ آیت ۵۷)

ترجمہ:- اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادل کا اور اُتارا تم پر مَنّ و سلویٰ، کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں انھوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے تھے۔

تفسیر:- یہ صحراِ سینا میں وادیِ تیہ کا واقعہ ہے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لیکر اس وادی میں مقیم تھے اللہ تعالیٰ نے اس لق و دق وادی میں قوم کو طرح طرح کی نعمتیں مہیا فرمادی تھیں لیکن یہ قوم بغاوت و نافرمانی پر اس نعمت کے ماحول میں بھی قائم رہی۔

سلوک:- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہوں کی کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا رزق بند نہیں ہوتا، لیکن اس حالت کو استدراج کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی کی خطرناک علامت ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے کثرتِ مال و جاہ کو مقبولیت کی علامت سمجھی ہے۔

(۱۸) وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ

الآیۃ (بقرہ آیت ۶۱)

ترجمہ:۔ اور جب کہا تم نے اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی قسم کے کھانے پر سو تو دعا کر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے کہ نکالدے ہمارے لئے جو زمین سے اُگتا ہے، ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور (دال) اور پیاز، موسیٰ ؑ نے کہا کیا تم وہ چیز لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ درجے کی ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے؟ لہٰذا اترو تم کسی (قریب کے) شہر میں تم کو ملیگا جو کچھ طلب کرتے ہو، (ان نا شکری فرمائش پر) اور ڈال دی گئی اُنپر ذلت اور محتاجی اور وہ لوٹے اللہ کا غضب لیکر، یہ اس لئے ہوا کہ وہ تسلیم نہیں کرتے تھے اللہ کے احکام کو اور خون کیا کرتے تھے نبیوں کا ناحق، یہ اس لئے کہ وہ نافرمان لوگ تھے اور کسی حد پر قائم نہیں رہتے تھے۔

تفسیر:۔ یہ واقعہ بھی وادی تیہ کا ہے جہاں قوم پر آسمان سے تازہ تازہ رزق من وسلویٰ کی شکل میں نازل ہوا کرتا تھا نہ زراعت و کھیتی کی ضرورت تھی نہ پکانے و تیار کرنے کی، اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے آسمانی نعمت کی بے قدری کرنے لگے اور دال ترکاری کی فرمائش کی کہ ہم خود زراعت کریں گے اور سبزی و ترکاریاں کھائیں گے۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے اس واقعہ سے یہ درس دیا کہ عارف کو ان لوگوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے جو لوگ قضائے الٰہی پر راضی نہ ہوتے اور نعمت پر شکر اور بلاؤں پر صبر نہ کیا۔

ایسے لوگ ذلت اور مشقت کے علاوہ غضب الٰہی میں بھی مبتلا ہو گئے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ جو بندوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے اسکو بدلنا اور اپنی تجویز پر اصرار کرنا، مثلاً متوکل آدمی کا تلاشِ معاش میں پڑجانا، اسی طرح صاحبِ کسب و محنت کا بلاضرورت ترک کسب کرنا، اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ قوم بنی اسرائیل کو بلا محنت و مشقت رزق ملتا تھا مگر انھوں نے اسباب کو طلب کیا اور پھر ذلیل و خوار ہو گئے۔

(۱۹) ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۶۱)

ترجمہ:۔ یہ سبب (یعنی قتل انبیاء اور احکام الٰہی کا انکار) اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حدود سے تجاوز کر جاتے تھے۔

تفسیر:۔ قوم بنی اسرائیل کی سرکشی اور بغاوت کا آیت میں تجزیہ کیا گیا ہے کہ یہ بڑے بڑے جرائم نبیوں کو ناحق قتل کرنا، آیاتِ الٰہی کا انکار کرنا وغیرہ اطاعت گریزی اور گناہوں پر جمے رہنے کی وجہ سے تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی بھی گناہ کو خفیف (ہلکا) سمجھنا نہ چاہئے۔ ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے یہاں تک کہ کفر تک لے آتا ہے۔

جیسا کہ مذکورہ آیت میں بنی اسرائیل کا عصیان اور تجاوز عن الحدود اُن کو کفر اور قتل انبیاء تک لے آیا۔

مفسر بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ جیسے چھوٹی نیکی بڑی نیکی کا سبب ہوجاتی ہے ایسے ہی چھوٹا گناہ بڑے گناہ تک پہنچ جاتا ہے۔

یہاں فقہاء کرام نے یہ حقیقت اخذ کی ہے کہ صغائر (چھوٹے گناہ) پر اصرار کرنا (یعنی دائمی کرتے رہنا) کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔

(۲۰) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ع۶۵)

ترجمہ :۔ اور تم خوب جان چکے ہو جنھوں نے تم میں سے ہفتہ والے دن میں زیادتی کی تھی تو ہم نے اُن سے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل وخوار، پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت اُن لوگوں کیلئے جو پیچھے آنے والے تھے (مستقبل کے انسانوں کیلئے) اور نصیحت ڈرنے والوں کے لئے۔

تفسیر :۔ آیت میں زمانۂ قدیم کے اُس رُسوا کن واقعہ کا تذکرہ ہے جس کو "اصحابُ السَّبت" کہا جاتا ہے۔ (واقعہ کی تفصیل ہماری کتاب "ہدایت کے چراغ" جلد دوم ص۱۸۹ پر مطالعہ کیجئے جو اس واقعہ کی مکمل تفصیل ہے)

خلاصہ یہ کہ قوم بنی اسرائیل کو ہفتہ کا دن عبادت کیلئے مقرر کیا گیا تھا اور حکم دیا گیا تھا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کریں۔ اس قوم کا گذر بسر مچھلی کے شکار پر تھا لیکن ان لوگوں نے حیلہ وچالبازی سے ہفتے کے دن شکار کرنا شروع کر دیا۔ اس مکر وفریب کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو بندر کی شکل میں مسخ کر دیا۔ یہ اس حالت میں ایک دوسرے کو دیکھتے اور روتے تھے مگر بات نہیں کر پاتے تھے، تین دن اسی حالت میں رہے پھر انھیں فنا کر دیا گیا۔

یہ واقعہ سیّدنا داؤد علیہ السلام کے عہد کا تھا۔ المتوفی ۱۰۲۴ قبل مسیح۔

سُلوک :۔ تفسیر روح المعانی کے مفسر علامہ آلوسیؒ نے اہلِ عرفان کیلئے یہ نکتہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات کو مخصوص صورت اور شکلوں میں خاص خاص اوقات میں متعین کیا ہے۔

تاکہ عبادتوں سے طبعی ظلمت وقساوت دور ہوں۔ لہٰذا جو شخص ان خاص ہیئتوں کی رعایت نہیں کرتا اسکا نورِ ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور وہ اصحاب السبت کی طرح معنوی مسخ کر دیا جاتا ہے یعنی جس جانور کے اوصاف ان میں راسخ ہوں

انہی کی طبیعت اسمیں پیدا کر دی جاتی ہے۔

لہٰذا انسان کو عبادات کی مقررہ صورتیں اور شکلیں اور اوقات کا پاس و لحاظ رکھکر اپنی انسانیت کو باقی رکھنے کی کوشش میں رہنا چاہیئے۔ (روح المعانی)

چنانچہ بعض اہلِ کشف ایسے بھی پائے گئے ہیں جنہوں نے انسان کو اسی حیوانی شکل میں دیکھا ہے جو اُس پر غالب تھی مثلاً جس شخص میں ظلم و شقاوت غالب ہوتی ہے اسے آتا دیکھکر پکار اُٹھے، بھیڑیا آرہا ہے یا جس پر حرام خوری کی گندگی غالب ہوتی ہے اسکو دیکھکر یوں بول پڑے۔ سُوّر آرہا ہے۔

اسی طرح بعض صالحین کو آتا دیکھکر کہنے لگے۔ مَردُماں می آیند، مَردُماں می آیند (انسان آرہے ہیں)۔ (ارواح ثلاثہ)

(۲۱) قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۶۷)

ترجمہ:۔ وہ بولے (اے موسیٰؑ) کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہو؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اللہ مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں۔

تفسیر:۔ قومِ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا اسکے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے بطور معجزہ یہ فیصلہ دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اسکا ایک ٹکڑا مقتول پر مارا جائے تو وہ مُردہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتا دیگا (چنانچہ ایسا ہی ہوا) لیکن اس تجویز پر قوم نے کہا یہ کیا مذاق کی باتیں ہیں؟ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ٹھٹھا مذاق کرنا تو جاہلوں کا کام ہے اور وہ بھی احکام شرعیہ میں پیغمبر سے ہرگز ممکن نہیں۔

سُلوک:۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ دین اور احکام دین کا مذاق اڑانا جہل اور گناہِ عظیم ہے۔ البتہ مزاح و خوش طبعی کو تمسخر اور استہزاء سے

تعلق نہیں ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے، خوش طبعی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔ (رُوح المعانی)

(۲۲) قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ الآیۃ

(البقرہ آیت ۹۴)

ترجمہ:۔ (اے نبیؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت (جنّت) صرف تمہارے لئے خاص ہے دوسروں کو چھوڑ کر تو پھر موت کی آرزو کر کے دیکھو اگر تم سچے ہو؟

تفسیر:۔ یہودیوں کا یہ زعم تھا کہ عالم آخرت کی نعمتیں صرف ہمارے لئے ہیں کیونکہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور اُن کے وارث بھی، اور عالم آخرت تو نبیوں کا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس خام خیالی کو اس طرح باطل قرار دیا کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر جلد موت کی تمنا کرو، کیونکہ موت کے بغیر آخرت میں داخلہ ممکن نہیں ؟ اور یہودیوں سے یہ تمنا ممکن ہی نہ تھی۔

قرآن حکیم نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ لوگ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ (دنیاوی زندگی پر سب سے زیادہ حریص و طمّاع ہیں) دنیاسازی اور دنیا پرستی اِن کا محبوب مشغلہ ہے پھر یہ مرنے کی تمنا کیونکر کر سکیں گے؟ تو خود بخود اِن کا دعویٰ خام خیالی ثابت ہو جاتا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت ؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ موت کی محبت خواہ طبعی ہو یا عقلی ولایت (اہل اللہ) کی علامتوں میں سے ہے۔

(قرآن حکیم نے نیک بندوں کی علامتوں میں لِقاءِ ربّ کو بھی شمار کیا ہے)

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۔ الاٰیۃ

(العنکبوت آیت نمبر ۵)

جو شخص اللہ کی ملاقات چاہتا ہے سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور آنیوالا ہے۔

حدیث شریف میں بھی یہ حقیقت بیان کی گئی ہے۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَآءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ ۔ الحدیث۔

جو شخص اللہ سے ملاقات پسند کرتا ہے اللہ بھی اسکی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔)

(۲۳) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۔ الاٰیۃ (بقرہ آیت ۹۸)

ترجمہ :۔ جو کوئی مخالف ہو اللہ کا یا اُسکے فرشتوں کا یا اُسکے رسولوں کا یا جبرئیل کا یا میکائیل کا تو اللہ بھی یقیناً ایسے کافروں کا مخالف ہے۔

تفسیر :۔ یہودی کہا کرتے تھے کہ جبرئیل فرشتہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وحی لایا کرتا ہے وہ تو ہمارا دشمن ہے، ہمارے آباء واجداد کو اس سے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، اگر جبرئیل کے بجائے اور کوئی فرشتہ وحی لائے تو ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں گے۔

اس خام خیالی پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا کہ اہل اللہ (اللہ والوں) سے عداوت رکھنا خود اللہ تعالیٰ سے عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔

(فرشتے، جبرئیل، میکائیل اور انبیاء و رسل خاصانِ خدا ہیں ان سے عداوت

رکھنا اللہ سے عداوت کا سبب بن گیا)۔

(۲۴) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا الآیۃ (بقرہ آیت ۱۰۴)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو تم (نبی سے خطاب میں) رَاعِنَا نہ کہو (بلکہ) اُنْظُرْنَا کہدیا کرو اور سنتے رہو۔

تفسیر:۔ بعض دفعہ یہودی آپؐ کی مجلس مبارکہ میں آبیٹھتے اور آپکی باتیں سُنا کرتے تھے کبھی کوئی بات اچھی طرح سُن نہ پاتے تو اسکو مکرر سننا چاہتے تو کہا کرتے رَاعِنَا (یعنی ہماری جانب توجہ فرمائیے) اور ہماری رعایت کیجئے، یہ کلمہ سنکر کبھی صحابہ بھی ایسا ہی کلمہ کہدیا کرتے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے کلمے کے کہنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا کلمہ کہنے کی ضرورت ہو تو اُنْظُرْنَا کہدیا کرو اس لفظ کے بھی وہی معنیٰ ہیں جو رَاعِنَا کے ہیں، لیکن یہودی لفظ رَاعِنَا کو بدنیتی اور فریب سے کچھ زبان دبا کر رَاعِیْنَا کہتے تھے جسکے معنیٰ (اے ہمارے چرواہے) توہین آمیز کلمہ بن جاتا تھا۔

علاوہ ازیں یہودیوں کی زبان میں رَاعِنَا کے معنیٰ بیوقوف اور احمق کے بھی ہیں۔

اس طرح یہ بے ادب اپنے زعم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا چاہتے تھے۔

سلوک:۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے (غیر شرعی طور پر) اہانت یا بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو ایسے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (ابن العربی)

بلکہ امام مالکؒ کے قول کے مطابق ایسے کلمات استعمال کرنے والے پر حد (شرعی سزا) جاری کی جائے گی۔

حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر کسی معاملہ سے اپنے شیخ کے ادب واحترام میں خلل پڑنے کا امکان ہو تو ایسے معاملہ سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

(۲۵) مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۰۶)

ترجمہ:۔ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو (کوئی) اس سے بہتر ہی یا اسکے مثل لے آتے ہیں۔ الخ

تفسیر:۔ قرآن حکیم میں نسخ کے معنیٰ کسی بات کو دل و دماغ سے بھلا دینا ہیں۔ (راغب) اور ایسا نسخ قرآن حکیم کی صرف چند آیات میں جاری رہا ہے جو احکام سے متعلق تھے۔ مثلاً کوئی وقتی حکم تھا وہ اٹھا لیا گیا پھر دوسرا حکم نازل کیا گیا یا کوئی خاص حکم تھا اسکو عام کر دیا گیا یا کوئی مطلق حکم تھا اسکو مقید کر دیا گیا۔ وغیرہ۔

بہر حال مذکورہ آیت میں اس بات کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ جو حکم بھی اٹھا لیا جاتا ہے یا تبدیل کر دیا جاتا ہے اُس سے بہتر اور مفید حکم آجاتا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے فرمایا آیت سے یہ اشارہ سمجھا جاتا ہے کہ سالک کا کوئی نیک حال یا روحانی وارد بلا اختیار زائل ہو جائے یا مغلوب ہو جائے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر یا اسکے مثل دوسرا حال عطا کر دیتے ہیں لہٰذا بندے کو چاہیئے کہ زائل شدہ حال پر حسرت یا افسوس نہ کرنا چاہیئے۔

(۲۶) وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۱۳)

ترجمہ:۔ اور یہودی کہتے ہیں نصاریٰ (قوم عیسیٰ علیہ السلام) کسی بنیاد پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی (قوم موسیٰ علیہ السلام) کسی بنیاد پر نہیں ہیں، حالانکہ وہ سب ایک ہی کتاب پڑھتے ہیں۔ (یعنی اللہ کی کتاب) اسی طرح

وہ لوگ بھی ایسا کہنے لگے جو کچھ بھی علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب) سو اللہ
اُن کے درمیان قیامت کے دن اس بات کا فیصلہ کر دیں گے جس میں وہ
جھگڑتے رہتے ہیں۔

تفسیر:۔ یہ جھگڑا تو قدیم جاہلی مذاہب کا تھا جو آج بھی ان قوموں میں باقی ہے لیکن معلوم نہیں کس زمانے میں یہ بلا مسلمانوں میں بھی پھیل گئی ہے ہر جماعت اپنے آپکو حق پرست، صراط مستقیم پر دائم و قائم کہنے لگی ہے اور دوسرے کو ناحق، باطل و گمراہ؟

سلوک:۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں چشتیہ، نقشبندیہ کی تنقیص کرتے ہیں اور نقشبندیہ چشتیہ کی، اسی طرح قادریہ، سہروردیہ کی اور سہروردیہ قادریہ کی، حالانکہ یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔)

(۴۷) وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۴۸)

ترجمہ:۔ اور ہر ایک کیلئے کوئی ایک رُخ ہوتا ہے جدھر وہ متوجہ رہتا ہے
سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو۔

تفسیر:۔ یعنی ہر قوم اور ہر اُمت نماز و عبادت کیلئے ایک مرکزی رُخ مقرر کرتی ہے لہٰذا امت اسلامیہ کیلئے بھی ایک متعین قبلہ ضروری ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسجد الحرام (بیت اللہ شریف) ساری دنیا کا قبلہ ہے اور خانہ کعبہ اُس مسجد کا قبلہ ہے۔

نماز میں جو استقبال قبلہ فرض ہے وہ نماز پڑھنے والے کے صدر (سینے) کا ہے، چہرے کا استقبال سنت ہے۔ مُصلّی نماز سے اُس وقت خارج سمجھا جائیگا جب قبلہ سے سینہ پھر جائے منہ پھرنے سے نہیں۔

سُلوک :- حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ بعض عارفین نے مذکورہ آیت کو حدیث نبوی کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ (ہر ایک کیلئے وہی عمل آسان ہے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے) سے مؤید کر کے اس کی شرح میں کہا ہے کہ تکوینی و تشریعی (دُنیاوی و اُخروی) دونوں حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے حالات مختلف رکھے ہیں اور متعدد طبقے ان میں پیدا کر دیئے ہیں کوئی کاشتکاری میں لگا ہوا ہے، کوئی تجارت میں کوئی صنعت و حرفت میں، اسی طرح تشریعی حیثیت سے بھی کوئی احادیث نبوی میں مشغول ہے کوئی حفظ قرآن کر رہا ہے، کوئی مسائل فقہ کا استنباط کر رہا ہے، کوئی قرآن کی تفسیر و ترجمانی میں لگا ہوا ہے یہ سب اللہ کی طرف مختلف طریقے اور راستے ہیں، اللہ تعالیٰ ان طریقوں کو اپنے بندوں کے ذریعہ آباد رکھنا چاہتا ہے لہٰذا جو شخص جس طریقے پر بھی اللہ کی رضا و خوشنودی کی نیت سے چلیگا اللہ اس کے لئے قبول اور وصول آسان کر دیگا (اسی کو صوفیہ کرام اپنی اصطلاح میں "واصل باللہ" کہا کرتے ہیں)۔

(۲۸) وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۔ الآیۃ (بقرۃ آیت نمبر ۱۵۰)

ترجمہ :- اور تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کروں اور تاکہ تم راہ پر قائم رہو۔

تفسیر :- نماز میں استقبالِ قبلہ کی یہ غرض و غایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ اسکے ذریعہ اپنی نعمتیں پوری کرتے ہیں اور ہدایت نصیبی باقی رہتی ہے۔

نماز میں استقبال قبلہ بہر حال ضروری ہے خواہ سفر ہو یا حضر، دُور ہو یا نزدیک مکاں ہو یا صحرا، قبلہ کی یہ مرکزیت ہر وقت دائم و قائم رہے گی۔

سُلوک :- حکیم الامت فرماتے ہیں کہ جو لوگ (صحابۂ کرامؓ) پہلے ہی سے ہدایت پر قائم ہیں اُنکو ہدایت نصیبی سے سرفراز کرنا اس بات کی علامت ہے کہ مدارجِ قرب میں ترقی کی کوئی متعین حد نہیں ہے۔

(۲۹) فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۵۲)

ترجمہ:۔ سو تم مجھکو یاد کرتے رہو میں بھی تم کو یاد کرتا رہونگا۔

تفسیر:۔ ذکر اللہ کا مفہوم نہایت وسیع ہے اس میں ذکرِ لسانی، ذکرِ قلبی بھی شامل ہیں، یعنی زبان وقلب سے ذکر کرنا بھی ذکر اللہ میں شامل ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ بندے کے ذکر الٰہی کا یہی ثمرہ اور انعام ہے کہ ابھی اُس نے اللہ کا نام لیا اُدھر سے سرفرازی شروع ہوگئی۔
(اسلئے صوفیہ کرام کے ہاں ذکر اللہ کی کثرت سے تلقین کی جاتی ہے)۔

(۳۰) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۵۵)

ترجمہ:۔ اور ہم تمہاری آزمائش کریں گے کچھ خوف اور بھوک اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان سے اور آپ خوشخبری دیجئے صبر کرنے والوں کو۔

تفسیر:۔ صبر کے یہ معنٰی نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہوجائے اور غم کو محسوس نہ کرے، اسکا نام صبر نہیں ہے بلکہ اسکو بے حسی کہا جاتا ہے۔ صبر کے معنٰی یہ ہیں کہ انتہائی غم ناک اور درد انگیز واقعات پر بھی عقل کو نفس پر غالب رکھے اور دل وزبان کو شکوہ وناشکری سے آلودہ نہ کرے، نظر مسبب الاسباب پر ہو۔

اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں۔

غم میں بھی قانون فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں

سُلوک:۔ حکیم الامت آیت سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ بندے کو کبھی اضطراری مجاہدہ

پیش آسکتا ہے جسمیں اسکے عمل و نیّت کو دخل نہیں ہوتا، لیکن ایسے مجاہدہ اضطراریہ سے بھی اسکو نفع ہوا کرتا ہے۔

(لہٰذا سالک کو ایسے موقعہ پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔)

(۳۱) اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۵۶)

ترجمہ :- جب اُن صبر کرنے والے بندوں پر مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ملک ہیں، اور ہم سب اللہ ہی کے ہاں جانے والے ہیں۔

تفسیر :- اس کلمہ کو کلمۂ استرجاع کہا جاتا ہے (رُجوع الی اللہ کے کلمات) آیت میں نیک بندوں کی علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر آفت و مصیبت میں یہی کلمہ دُہرایا کرتے ہیں۔

سُلوک :- حکیم الامت فرماتے ہیں کہ کلمۂ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور انہی مصیبتوں میں حالتِ قبض بھی داخل ہے جو سالکوں کو اکثر پیش آیا کرتی ہے۔

(قبض دراصل قلب کی اُس مضمحل حالت کا نام ہے جسمیں بندے کو خستگی پستگی اور بے لطفی کی کیفیات محسوس ہوتی ہیں، عبادتی ذوق و شوق، لطف و مسرت مغلوب ہوجاتے ہیں سالک کو اپنی "زندگی بے بندگی" محسوس ہونے لگتی ہے لیکن یہ کیفیت عارضی ہوا کرتی ہے پھر سابقہ کیفیت لوٹ آجاتی ہے)۔

(۳۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی الآیۃ (بقرہ آیت ۱۵۹)

ترجمہ :- بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں اُس چیز کو جو ہم کھلی نشانیوں اور ہدایت میں سے نازل کر چکے ہیں بعد اسکے کہ ہم اسے لوگوں کے لئے کتاب الٰہی میں

کھول چکے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور اُن پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

تفسیر:۔ علم اور احکام کو چھپانے والے یہودی ہیں جو کتاب تورات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپکی اور آپکے اصحاب کی علامات وغیرہ درج تھیں۔

لعنت کے معنیٰ اللہ کی رحمت سے دوری کے ہیں اور یہ لعنت کرنیوالے انسان و جنات اور فرشتے حتیٰ کہ سب حیوانات ہیں کیونکہ حق پوشی اور حق کشی کی وجہ سے دنیا میں قحط و وبا اور طرح طرح کی بلائیں زمین پر پھیلتی ہیں تو اس سے کل مخلوقات کو تکلیف پہنچتی ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت مذکورہ آیت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آیت میں ایسے شخص کی مذمت ہے جو اپنے مریدوں کے سوا دوسروں سے علوم شریعت کو چھپاتا ہے۔

البتہ علوم مکاشفہ کا دوسرا حکم ہے۔ (اس کیلئے اہلیت شرط ہے)۔

(۴۳) لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ. الآیۃ (بقرہ آیت ۱۶۴)

ترجمہ:۔ (ان سب امور میں) اُن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

تفسیر:۔ یعنی رات دن کا آنا جانا، سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا پھرنا، بادلوں سے پانی برسنا، زمین پر حیوانات کا منتشر رہنا، ہواؤں اور بادلوں کا ہجوم کرنا۔ نظام فلکی کے بیشمار اجزاء و عناصر کی باہمی ترکیب و ترتیب وغیرہ یہ سب اللہ عظیم و قدیر کے علاوہ اور کس کی مشیئت اور قدرت کے ماتحت ہیں؟

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جسقدر بھی غور و فکر کریگا توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ ہوتا جائیگا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے مراقبہ کی اصل اس آیت سے ثابت کی ہے۔
(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تصور اس غرض سے کرنا کہ اسکا دائمی استحضار ہوجائے اصطلاح صوفیہ میں اسکو مراقبہ کہا جاتا ہے، مراقبہ کا تعلق قلب کے عمل سے وابستہ ہے، صوفیہ کرام میں یہ عمل بکثرت رائج ہے)۔

(۳۴) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ۔ (بقرہ آیت ۱۶۵)

ترجمہ:۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی شریک بناتے ہوئے ہیں اُن سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے رکھنی چاہیے۔

تفسیر:۔ آیت کا مصداق یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب ہیں چنانچہ آج بھی عیسائیوں کو محبت وتعلق خاطر اللہ سے کہیں زیادہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس اور مقدس کنواری مریم (علیہا السلام) سے پائی جاتی ہے۔ اور یہودیوں کو سیدنا عزیر علیہ السلام سے اور ہندوستان کے ہندوؤں کو اپنے ایشور و پرماتما سے کہیں زیادہ محبت وتعلق درگا مائی، لکشمی مائی، اگنی دیوتا، رشیوں، منیوں، سادھوؤں سے ہے اور ایسا ہی کچھ معاملہ مسلمانوں کے جاہل سلسلوں میں بھی چل پڑا ہے۔

سلوک:۔ امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ صوفیہ عارفین کے ہاں اللہ کے سوا کسی بھی شیٔ کی محبت جو قلب کو مشغول کردے شرک کی تعریف میں آجاتی ہے۔
(تفسیر کبیر)

(۳۵) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (بقرہ آیت ۱۷۲)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو پاک چیزوں میں جو ہم نے تمہیں دی ہیں کھاؤ پیو اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو مگر تم خاص اس کی بندگی کرنے والے ہو۔

تفسیر:۔ آیت میں پاک اور حلال غذاؤں کے کھانے کا حکم دیا جارہا ہے حرام اور ناپاک چیزوں سے پرہیز کرنے کی تاکید مفہوم ہوتی ہے۔ ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا سعد بن ابی اوقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دُعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھکو مستجابُ الدعوات (ایسا شخص جسکی دُعائیں قبول ہوتی ہوں) بنادے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا لقمہ حلال کا اہتمام رکھو خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت ؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ پاکیزہ لذائذ کا تناول کرنا نہ تقویٰ کے خلاف ہے نہ زہد و قناعت کے، بلکہ یہ عمل کبھی اللہ تعالیٰ کی محبت و شکر گزاری تک پہنچا دیتا ہے

(۳۶) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۷۹)

ترجمہ:۔ اور تمہارے لئے (قانون) قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

سُلوک:۔ قتل کے بدلے کو قصاص کہا جاتا ہے (یعنی قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا ہے)۔

یہ بدلہ قاتل کے علاوہ اور لوگوں کیلئے بھی حیات کا سبب بن جاتا ہے۔ اس طرح عام زندگی محفوظ ہو جاتی ہے۔ قصاص کا منظر قاتلوں خاص طور پر مجرموں کو

عبرت اور غور و فکر کا سامان فراہم کرتا ہے. جن ممالک میں (خاص طور پر سعودی عرب میں) قصاص اور تعزیرات کا جو سلسلہ قائم ہے پورے ملک میں جرائم خال خال ہی پائے جاتے ہیں۔

سلوک :- حکیم الامت نے آیت سے "فنا و بقا" کا جو صوفیہ کی معروف اصطلاح ہے اثبات کیا ہے کہ فنا میں بقا ہے۔

(فنا کی حقیقت یہ ہے کہ نفس کے صفاتِ ذمیمہ اور خصائل رذیلہ مغلوب ہو جائیں ایسے طور پر کہ ارادۃً گناہ نہ ہوں اور قلب غیر اللہ کی محبت سے خالی ہو جائے۔ اور بقا کی حقیقت اس کے بر عکس ہے کہ نفس میں اخلاقِ حمیدہ، صبر، شکر، زہد، قناعت خشوع و خضوع، رضا و تسلیم، توکل، تقویٰ و طہارت، خشیت و انابت، محبت و شوق الٰہی پیدا ہو جائیں. فنا و بقا کا یہ مطلب نکلا کہ انسان اپنے اخلاق رذیلہ سے پاک ہو کر اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو جائے)۔

اسی کو شیخ عبد القدوس گنگوہی فرماتے ہیں. ع

گفت قدوسی فقیری در فنا و در بقا

(۳۷) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ ھِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. الآیۃ (البقرہ آیت ۱۸۹)

ترجمہ :- (اے نبی) آپ سے لوگ چاند کی (مختلف کیفیات) کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ چاند لوگوں کے لئے اور حج کے لئے شناخت اوقات کا آلہ ہے۔

تفسیر :- سورج ہمیشہ ایک صورت پر قائم رہتا ہے البتہ چاند کی شکل و صورت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے اس لئے لوگوں نے چاند کی اس کیفیت کے بارے میں آپ سے سوال کیا کہ اسکی کیا وجہ ہے؟

آیت میں اس کا جواب دیا گیا کہ اس سوال سے کیا حاصل ہے البتہ اسکا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اپنے معاملات، عبادات، ادائے قرض، مدت حمل، مدت رضاعت عدت، روزہ، زکوٰۃ، حج کے اوقات معلوم کر لیتے ہیں، بس یہی حقیقت چاند کے گھٹنے بڑھنے کی ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے آیت کے جواب سے یہ اخذ کیا کہ مشائخ کو فضول اور بے جا سوالات کا جواب نہ دینا چاہئے بلکہ اسکا کوئی مفید جواب دینا چاہئے جیسا کہ آیت میں جواب دیا گیا ہے۔

(۳۸) وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ الآیۃ

(بقرہ آیت ۱۸۹)

ترجمہ :۔ یہ تو کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنے گھروں میں اسکی پشت کیطرف سے آؤ۔

تفسیر :۔ زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب آدمی گھر سے احرام باندھکر باہر نکل گیا پھر کسی ضرورت سے گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے تو اب عام دروازے سے داخل نہ ہوتا تھا بلکہ چھت پر چڑھکر یا گھر کی پشت میں نقب لگا کر داخل ہوا کرتا، اور یہ عمل بہت بڑی نیکی و عبادت خیال کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو فضول اور غلط قرار دیا۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ اہل باطل کے کسی بھی رسوم وعادات کی نقل کرنی درست نہیں ہے۔

(۳۹) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ الآیۃ

(بقرہ آیت ۱۹۸)

ترجمہ :۔ تم کو اسمیں ذرا بھی گناہ نہیں کہ روزی کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے مقرر ہے۔

تفسیر:۔ زمانۂ قدیم میں حج کے موقع پر لوگ تجارت بھی کر لیا کرتے تھے مسلمانوں کو اس پر شبہ ہوا کہ یہ بات حج کی عبادت کے ساتھ درست نہیں ہے، آیت نے اسی شبہ کی تردید کر دی۔

یعنی جسکا مقصود اصلی حج ہو اور اُس کے ضمن میں تجارت بھی کر لے تو حج کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ استنباط کیا کہ دنیا سے دین پر استعانت لینا بھی طاعت ہے۔ (اس لئے کہ جو دنیا حصولِ دین کا ذریعہ بنے وہ بھی دین بن جاتی ہے دنیا دراصل ہر اس معاملہ کو کہا جاتا ہے جو دین و آخرت سے غافل کر دے اور ایسی ہی دنیا کی مذمت بیان کی گئی ہے ویسے اپنی ذات میں دنیا بُری نہیں ہے۔

صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ کُلُّ مَا اَنْهَاكَ فَهُوَ دُنْيَا۔

جو عمل آخرت سے غافل کر دے وہ دنیا ہے۔

(۴۰) وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۱۹)

ترجمہ:۔ اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔

تفسیر:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں عفو سے مُراد اتنا خرچ جو خود پر بار نہ ہو۔ (بیان القرآن)

شاہ رفیع الدین صاحب محدث رح لکھتے ہیں کہ "جو حاجت سے زیادہ ہو"۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رح لکھتے ہیں "جو بچے اپنے خرچ سے"۔

امام جلال الدین سیوطی رح لکھتے ہیں "اَلْفَاضِلُ عَنِ الْحَاجَةِ" حاجت ضروری سے زیادہ (جلالین)

حضرت سیدنا ابن عباس رض سے مروی ہے "مَا فَضَلَ مِنَ الْقُوْتِ وَاَكْلِ الْعِيَالِ" (جو اپنی اور بچوں کی ضرورت سے زیادہ ہو)۔

بہرحال صحابہ کے سوال پر کہ کتنا خرچ کریں؟ قرآن حکیم نے مقدار عفو اس کا جواب دیا ہے۔

عفو سے مراد خواہ آسان خرچ یا حاجت سے زیادہ خرچ یا جو بھی مراد لی جائے وہ آیت کا منشا و مراد ہوگی۔

صحابہ کرام میں چند حضرات ایسے بھی گزرے ہیں جو کل کا خرچ آج رکھنا یا شام کا اندوختہ صبح کو رکھنا پسند نہیں کیا ہے "یَوْمٌ جَدِیْدٌ رِزْقٌ جَدِیْدٌ" کے اصول پر قائم تھے۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس آیت میں اصل ہے ذخیرہ نہ رکھنے کی جیسا کہ بعض بزرگوں کی عادت رہی ہے۔

(۴۱) اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۲۹)

ترجمہ: طلاق تو دو ہی بار کی ہے۔

تفسیر: میاں بیوی میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اگر طلاق دینی ضروری ہوجائے تو شوہر کو چاہیئے کہ صرف ایک یا دو طلاق دیکر قصہ ختم کردے۔ تین طلاق سے پرہیز کرنی چاہیئے کیونکہ اس کے بعد طلاق کو واپس لینے کا اختیار ختم ہوجاتا ہے۔ (تفصیل کتب فقہ میں دیکھ لی جائے)۔

سلوک: حکیم الامتؒ آیت سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ کسی بھی معاملہ میں فوری ترک تعلقات کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

(۴۲) وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۳۲)

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت گزرنے پر پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے پھر نکاح کرلیں۔

تفسیر:۔ عورتوں کو طلاق ملجانے کے بعد عورت کے ولیّ الامر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ عورت کو اس بات کا پابند کرے کہ وہ اپنے پہلے شوہر سے پھر نکاح نہ کرے۔

عورت کو طلاق کی عدّت گزارنے کے بعد کامل اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اپنے سابقہ شوہر سے پھر نکاح کرلے یا کسی اور مرد سے اپنا رشتہ طے کرلے، ہر دو صورت عورت کے لئے جائز ہیں۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ مذکورہ ہدایت میں یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امرِ مباح (جائز کام) کے منع کرنے میں تشدّد نہ کرنا چاہیئے (جیسا کہ بعض خشک و متشدد مفتی صاحبان کیا کرتے ہیں)۔

(۲۳) وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ. الآیۃ (بقرہ آیت ۲۴۵)

ترجمہ:۔ اور اللہ (روزی کے بارے میں) کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر:۔ یعنی کسی کی روزی گھٹا دیتے ہیں اور کسی کی بڑھا دیتے ہیں، رزق کا مسئلہ اپنے دست خاص میں رکھا ہے کسی کی قوّت و طاقت، جدّوجہد اور قابلیت پر موقوف نہیں ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ قبض و بسط (جو صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے) دونوں اللہ تعالیٰ کا عمل ہے جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔

(قبض و بسط کی تعریف سلوک ۱۲ میں آچکی ہے)۔

(۲۴) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ۔ (بقرہ آیت ۲۴۸)

ترجمہ:۔ اِن سے اُن کے نبی نے فرمایا کہ (طالوت) کے بادشاہ ہونے کی یہ

علامت ہے کہ (اس کے عہد میں) تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں
تسکین کی چیزیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ آثار ہے جن کو موسیٰ
وہارون (علیہما السلام) کی اولاد چھوڑ گئے ہیں۔

تفسیر:- بنی اسرائیل کے خاندان میں زمانۂ قدیم سے ایک صندوق چلا آرہا تھا
اسمیں کچھ تبرکات تھے سیدنا موسیٰ وسیدنا ہارون علیہم السلام کے (لباس، عصا اور
آسمانی کتاب تورات کا اصلی نسخہ وغیرہ)۔

قوم بنی اسرائیل اس صندوق کو جہاں بھی رکھتے خیر و برکت اور کامیابی
ہوا کرتی تھی حتیٰ کہ جنگی موقعوں پر بھی یہ صندوق ان کے ساتھ رہا کرتا تھا اس کی
برکت سے دشمنوں پر کامیابی حاصل ہوتی تھی۔

موجودہ یہودیوں کے علماء کی تحقیق کے مطابق اس صندوق کی پیمائش
حسب ذیل تھی۔

طول ½۲ فٹ، عرض ½۱ فٹ، اونچائی ½۱ فٹ، مدت ہوئی اس **صندوق کو**
فلسطینی بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئے تھے، طالوت کی بادشاہت کے **وقت**
۱۰۲۸ تا ۱۰۱۲ قبل مسیح یہ صندوق من جانب اللہ بنی اسرائیل کو پھر مل گیا۔ سیدنا سلیمان
علیہ السلام المتوفی ۹۳۳ قبل مسیح تک یہ صندوق باقی رہا۔

یہودیوں کا عام خیال ہے کہ یہ صندوق سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ہیکل سلیمانی
(مسجد) کی بنیادوں میں رکھدیا تھا اور آج تک اُسی میں مدفون ہے۔ واللہ اعلم
تفصیل کیلئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ ص ۶۰۹ دیکھئے۔

(۲۵) فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا الآیۃ (بقرۃ آیت ۲۵۶)

ترجمہ:- سو جو کوئی طاغوت (شیطان) سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے

اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جسکو کسی قسم کی شکستگی نہیں ہے۔

تفسیر:۔ طاغوت کا لفظی ترجمہ اُردو میں ممکن نہیں اسکا قریب ترین لفظ "شیطان" کیا جاسکتا ہے عربی زبان میں ہر باطل معبود اور سرکش مخلوق کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جسمیں شیطان ابلیس اور سرکش جن وانس بھی شامل ہیں، مطلب یہ کہ ہر باطل سے منھ موڑ کر جو اللہ پر ایمان لایا اُس نے مضبوط حلقہ یا رسی کو تھام لیا۔ عُروۃ الوثقیٰ کے معنی مضبوط رسی یا حلقہ ہیں جو ٹوٹ نہ سکے۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ بعض اہل تحقیق صوفیہ نے عُروۃ الوثقیٰ سے "نسبت مع اللہ" مراد لی ہے جو حاصل ہوجانے کے بعد زائل نہیں ہوتی۔

(نسبت کہتے ہیں دائمی ذکر اللہ اور معصیت سے کامل پرہیز کرنیکی پختہ عادت وکیفیت کو)۔

(۲۶) اِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔ الآیۃ

(بقرہ آیت ۲۵۸)

ترجمہ:۔ جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اُس (نمرود) سے کہا میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ نمرود کو دو بدو یہ جواب دیا تھا جو اپنے آپ کو رب کہا کرتا تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت سے مناظرہ، مباحثہ کرنا ثابت ہوتا ہے جبکہ دینی ضرورت داعی ہو۔

علاوہ ازیں یہ عمل تجرید (گوشہ نشینی) کے خلاف بھی نہیں ہے (جیسا کہ بعض جاہل صوفیوں نے سمجھا ہے) دین میں مداہنت کسی کیلئے بھی درست نہیں ہے (یعنی اظہار حق سے چشم پوشی کرلینا)۔

(۴۷) إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ:۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ ارشاد ہوا کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا ضرور ہے لیکن (یہ درخواست) اسلئے ہے کہ قلب کو (مزید) اطمینان ہو جائے۔ الخ

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ مذکورہ آیات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

(ہدایت کے چراغ جلد ا صفحہ ۱۹۸ پر اسکی پوری تفصیل موجود ہے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی ظاہری آنکھوں سے حیات بعد الممات کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے جیسا کہ سیدنا عزیر علیہ السلام نے بھی ایسی درخواست پیش کی تھی اللہ تعالیٰ نے انھیں اس زمین پر سو سال موت کی آغوش میں رکھکر زندہ کیا۔ (بقرہ آیت ۲۵۹)

سلوک:۔ حکیم الامت رح اس واقعہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کامل سکون کا نہ ہونا ایمان و عرفان کے مخالف نہیں ہے۔

(مطلب یہ کہ ایمان کامل اور یقین صادق کے باوجود انسان چین و سکون کا طالب رہا کرتا ہے انسانی طبیعت کبھی بھی سیر نہیں ہوا کرتی خاص طور پر صفات الٰہی کی معرفت اور عرفان کے لئے انبیاء کرام ہر وقت طالب رہے ہیں، سکون و اطمینان کے سینکڑوں درجے ہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام انہی درجات عالیہ کے متلاشی رہے ہیں)۔

ملفوظہ:۔ ایمان کی ترقی سے قلب میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے یہ ترقی کبھی

تو مشاہدہ اور معائنہ سے ہوتی ہے (جیسا کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی تمنا تھی) اور کبھی محض وجدان و ذوق و شوق سے پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲۸) لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ. (بقرہ آیت ۲۷۲)

ترجمہ:۔ اُن کافروں کی ہدایت یابی آپ کے ذمّے نہیں ہے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر:۔ تعلیم و تبلیغ تو رسولوں کا منصب ہوا کرتا ہے البتہ ہدایت نصیبی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ کسی کی تعلیم و تبلیغ کے زیادہ درپئے نہ ہونا چاہیئے۔ تدبیریں بھی بہت زیادہ انہماک نہ رکھا جائے۔
(مطلب یہ کہ دعوت و تبلیغ تو جاری رکھنی چاہیئے غم و فکر میں گھلنا نہ چاہیئے۔

(۲۹) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ. الآیۃ (بقرہ آیت ۲۷۲)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کی غرض سے کرتے ہو اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے سوائے اللہ کی رضاجوئی کیلئے۔

تفسیر:۔ آیت میں انفاق فی سبیل کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے کہ خرچ کا نفع خود خرچ کرنے والے کو ملتا ہے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے جس کا انجام جنت اور اسکے رَوح و ریحان ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا کہ کسی بھی نیک عمل سے ثواب کی نیت کرنا اخلاصِ عمل کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ بعض بے علم

صوفیہ نے سمجھا ہے۔

(۵۰) لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۷۳)

ترجمہ:۔ (صدقات کا) اصل حق اُن حاجت مندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں مقید ہو گئے ہیں وہ لوگ ملک میں کہیں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے ناواقف اِنکو تونگر خیال کرتا ہے۔

تفسیر:۔ یعنی ایسے لوگوں کا دینا دلانا بڑا ثواب کا کام ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دین کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو کر چلنے پھرنے، کھانے کمانے سے معذور ہو گئے ہیں وہ کسی پر اپنی ضرورت اور احتیاج ظاہر نہیں کرتے ہیں جیسے اصحاب الصفہ نے اپنا گھر بار چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لی تھی۔ علم اور دین حاصل کرنے میں مشغول تھے انھیں اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ روزی کمانے کے لئے محنت مزدوری کر لیں آیت میں ایسے لوگوں پر خرچ کرنیکی ترغیب دی گئی ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو لوگ دینی خدمات میں مشغول ہو گئے ہیں انھیں طلب روزگار کی فرصت نہیں ملتی انھیں اسباب معیشت کا ترک کرنا ہی افضل ہے، اگرچہ اختیار کرنے میں منافات نہیں۔

(۵۱) یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۷۳)

ترجمہ:۔ ناواقف (ان حاجت مندوں کو) غنی خیال کرتا ہے اُن کے سوال نہ کرنے پر (اے مخاطب) تو اُنکو اُنکے چہرے بُشرے ہی سے پہچان لیگا (کہ یہ حاجتمند ہیں) وہ لوگ کسی سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے اور تم مال میں سے جو کچھ بھی

خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں ان غریب نادار صحابہ کا تذکرہ ہے جو غیرت و خودداری کی وجہ سے اپنی حاجات کا ذکر کسی سے بھی نہیں کرتے اور اپنے تقاضوں کو دبائے رکھتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ سالکین کو اپنی کوئی خاص ہئیت نہ بنانی چاہئیے جو عام لوگوں میں امتیاز پیدا کر دے۔

(جیسا کہ موجودہ دور میں بعض سلسلے والوں نے سیاہ، سبز، لال پیلے لباس سے اپنا تشخص پیدا کر لیا ہے)۔

(۵۲) اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۷۵)

ترجمہ:۔ جو لوگ سود کھا رہے ہیں وہ (قیامت کے دن) کھڑے نہ ہو سکیں گے سوائے اس کے جیسے کھڑا ہوتا ہو وہ شخص جسکو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔

تفسیر:۔ سود خوروں کا یہ منظر ہے قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو سیدھے کھڑے ہونیکی طاقت کھو دیں گے، کھڑے ہونا بھی چاہیں گے تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے رہیں گے، دنیا کی حرام خوری کا یہ ابتدائی اثر ہوگا، انجام اس سے کہیں شدید تر ہے۔

ان کا یہ قیامتی نقشہ کچھ دنیا کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے کہ مہاجن، ساہوکار، جو روپے پیسے کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکو جن یا بھوت نے پکڑ لیا ہے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، جاگتے سوتے ہر وقت اس پر سود، بیاج کا بھوت سوار رہا کرتا ہے جو بیس گھنٹے بیس اکیس کے چکر میں۔

سلوک:۔ اہل کشف محققین کا بیان ہے کہ قیامت کے دن حشر میں انسان

اسی صورت کے ساتھ اٹھیگا جس قسم کی سیرت اور خصلت دنیا میں اس پر غالب تھی۔ (ایک حدیث میں اسکی تائید ملتی ہے اِنَّکُمْ تَمُوْتُوْنَ کَمَا تَحْیَوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ کَمَا تَمُوْتُوْنَ۔ (الحدیث) تمہاری موت اُسی حالت پر آئیگی جیسی تم نے زندگی بسر کی ہے اور تمہارا حشر اُسی حالت پر ہوگا جس حالت پر موت آئی تھی)۔

(۵۳) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۸۲)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب اُدھار کا معاملہ طے کرنے لگو ایک میعاد معین تک تو اُسکو لکھ لیا کرو۔ الخ۔

تفسیر:۔ معاملات، تجارت، لین دین میں جو بھی طے ہو جائے اُس کو لکھ لینا چاہیئے، اسکو نظام معاشرت کہا جاتا ہے جو اصولی وغیر نزاعی زندگی کے لئے مفید ہوا کرتا ہے فقیہ ابن العربی مالکیؒ نے اس آیت کے ذیل میں باون (۵۲) مسائل استنباط کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ آیت مسائل بیع وشراء میں اہم ترین آیت ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے مذکورہ آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ معاشرت وتمدن کی اصلاح کے لئے کام کرنا طریق تصوف کے خلاف نہیں ہے۔ (جیسا کہ بعض غالی قسم کے صوفی اِسکو دنیاداری، دنیاسازی کہدیا کرتے ہیں)۔

(۵۴) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ (بقرہ آیت ۲۸۲)

ترجمہ:۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں (حکمت کی) باتیں سکھاتا ہے۔

تفسیر:۔ تقویٰ اللہ کا اُردو ترجمہ "اللہ سے ڈرنا" "خوف کرنا" کیا جاتا ہے لیکن اس خوف سے مراد وہ خوف نہیں جو انسان کو کسی موذی درندے یا ظالم

ڈاکو یا وحشی قاتل کو دیکھکر پیدا ہوا کرتا ہے. یہ طبعی خوف ہے جو ایسے وقت ہر انسان اپنے آپ میں محسوس کرتا ہے۔

عربی میں تقویٰ کے یہ معنیٰ مراد نہیں ہوتے۔

اس کے علاوہ ایک ڈر اور خوف وہ بھی ہے جو بیٹے کو باپ سے، بیوی کو شوہر سے، شاگرد کو استاذ سے، رعایا کو اپنے عادل بادشاہ سے یا چھوٹوں کو اپنے بزرگوں سے ہوا کرتا ہے۔

یہ خوف و ڈر قلب کا وہ گہرا احساس اور پاس ولحاظ ہوا کرتا ہے جو آدمی کو ادب و احترام، اطاعت شعاری و فرمانبرداری کے لئے مجبور کر دیتا ہے اس احساس کے بعد انسان بغاوت یا مخالفت کے لئے قطعاً آمادہ نہیں ہوتا قرآن حکیم میں جہاں بھی تقویٰ اللہ کا ذکر آیا ہے اس سے یہی پاس ولحاظ، فکر و احساس مُراد ہے۔

الغرض آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی تعلیم فرمائی ہے اور علم و حکمت کا احسان جتلایا ہے۔

سُلوک:- حکیم الامت ؒ لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم حضرات نے آیت کے ایک جزء "یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ" کو سابق فقرہ "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" سے مربوط پاکر یہ استنباط کیا ہے کہ علم حقیقی نتیجہ ہوا کرتا ہے تقویٰ الٰہی کا، تقویٰ اختیار کرو از خود علم الٰہی مرحمت ہونے لگے گا۔

(۵۵) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۰۷)

ترجمہ:- اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ اللہ کی خوشنودی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے۔

تفسیر:۔ اس سے پہلے کی آیت میں اس مُنافق کا ذکر ہے جو دین کے بدلے دنیا لیتا تھا۔

مذکورہ آیت میں اُس مخلص کامل الایمان کا ذکر ہے جو دنیا بلکہ اپنی جان تک کو دین کے لئے صرف کر دیتا ہے اور یہ صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے۔

روایات میں حضرت صُہیب رومیؓ کا تذکرہ ملتا ہے جب یہ مکۃ المکرمہ سے سے ہجرت کی نیّت سے مدینہ منوّرہ جانے لگے تو درمیانِ راہ مشرکوں نے انھیں روک لیا، صُہیب رومیؓ اپنی سواری سے اُتر پڑے اور اپنی تیر کمان سنبھال لی اور اس طرح خطاب کیا،

اے قریش کی جماعت تم کو معلوم ہے کہ میں تیر اندازی میں کیسا کچھ ماہر ہوں ؟ اللہ کی قسم جب تک میرے تیر کش میں تیر باقی رہے گا تم میں سے ایک شخص بھی میرے قریب نہ آسکے گا اس کے بعد اپنی تلوار ہاتھ میں لے لوں گا اور اس کے ٹوٹنے تک تمہارا مقابلہ جاری رکھوں گا اس کے بعد پھر تم کو جو کچھ کرنا ہو کر لینا۔

اور اگر تم میرا گھر اور تمام مال و متاع لیکر مجھے مدینہ منوّرہ جانیکی اجازت دیدو اور ہجرت سے نہ روکو تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ مشرکوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔

صُہیبؓ مدینہ منورہ آپکی خدمت میں پہنچ گئے یہ ابھی مسجد نبویؐ شریف میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی آپؐ نے صحابہ کو بشارت دی کہ صُہیبؓ اپنی جان و مال کو راہ خدا میں فروخت کر کے آرہا ہے اس نے اپنی تجارت میں خوب نفع پایا، اس نے اپنی تجارت میں

خوب نفع پایا۔ (بیان القرآن)
سلوک: حکیم الامتؒ نے مذکورہ آیت سے یہ اخذ کیا کہ آیت میں فنار نفس پر دلالت ہے کیونکہ اسکا حاصل دواعی نفس کا ترک کرنا ہے۔
علم تصوف میں فنار نفس کی اصطلاح معروف ہے جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خواہشات نفسانی کا اِمالہ کردیا جائے، نفس کے خواہشات دو قسم کے ہوا کرتے ہیں، ۱۔ حرام وناجائز خواہشات، ۲۔ جائز اور حلال خواہشات۔
ناجائز خواہشات کا رُخ جائز خواہشات کی طرف موڑ دیا جائے ایسے طور پر کہ اب کوئی خواہش حرام وناجائز پیدا ہی نہ ہو۔ نفس کی ایسی حالت کو فنار نفس کہا جاتا ہے۔

سورۃ آل عمران پارہ ۳

(۵۶) قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۱۳)

ترجمہ:۔ ابھی گزر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں کا جن میں مقابلہ ہوا، ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ انکو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جسکو چاہے، اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کو۔

تفسیر:۔ آیت میں جنگ بدر کا تذکرہ ہے جو اسلام اور کفر کا پہلا میدانی مقابلہ تھا اس جنگ میں مشرکین مکہ تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ، ایک سو گھوڑے تھے۔

دوسری جانب مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی جن کے پاس ستر اونٹ دو گھوڑے، چھ زرہ، آٹھ تلواریں تھیں معرکہ کے ایک موقع پر کافروں کو مسلمان اپنے سے دو چند تعداد نظر آنے لگے جس کا یہ اثر پیدا ہوا کہ کفار کے دل مسلمانوں کی کثرتِ تعداد سے لرزاں و مرعوب ہونے لگے اور دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہوگیا۔ اس موقعہ پر مسلمان بھی اپنی اصلی تعداد کو دو چند دیکھکر فتح و نصرت کی امیدیں دلیری اور کامل استقلال قدمی سے اپنے دلوں میں جرأت و قوت محسوس کر رہے تھے پھر

اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان دشمن پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے کافروں کی جماعت نے شکست کھائی اور منھ پھیر دیا۔

آیت کی یہ تشریح مفسرین کے اس قول کے مطابق کی گئی جسمیں "یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ" کی ضمائر کا مصداق مختلف قرار دیا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے اس واقعہ سے "خوارقِ عادت" کا اثبات کیا ہے۔

خارقِ عادت صوفیہ کی ایک اہم اصطلاح ہے جسکا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ کوئی بات یا عمل ایسا سرزد ہوجائے جو عام قانونِ فطرت کے خلاف ہو مثلاً پتھر مٹی یا جانور جو کلام کرنیکی طاقت نہیں رکھتے یہ کبھی بول پڑیں، یا آگ میں جلانے اور فنا کرنے کی طاقت ہے لیکن وہ کبھی گل وگلزار ہوجائے۔ یا پانی حیات کا ذریعہ ہے لیکن یہ کبھی موت کا پیغام ثابت ہوجائے وغیرہ۔

ایسے واقعات کو "خارق عادت" کہا جاتا ہے جو عام طور پر پیش نہیں آتے ہیں غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کافروں کی تعداد کم نظر آنا یا اپنی تعداد زیادہ **نظر آنا** یہی "خارقِ عادت" عمل تھا جو منجانب اللہ ہوا کرتا ہے۔ اب اگر یہی **خارق عادت** کسی غیر مسلم یا بے دین واہی تباہی انسان سے سرزد ہو تو اسکو استدراج، سحر، مسمریزم، نظر بندی وغیرہ کہا جائے گا اسمیں اللہ کی تائید یا نصرت نہیں ہوتی اس کے اجراء میں پوشیدہ اسباب کارفرما ہوا کرتے ہیں۔

(تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ جلد ۱ صہ ۱۵۳ دیکھئے)

(۵۷) فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ۔

الآیہ۔ (آل عمران آیت ۲۰)

ترجمہ:۔ پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کئے جائیں تو آپ کہدیجئے کہ میں تو اپنا رُخ اللہ کی طرف کرچکا ہوں اور وہ لوگ بھی جو میری پیروی کرتے ہیں (یعنی صحابہ)

تفسیر: اصل خطاب اس میں شہر نجران کے عیسائیوں سے ہے جبکہ یہ بحث کرنے مدینہ منورہ آئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوالات کا جواب دیا لیکن یہ لوگ بغض و عناد میں واپس چلے گئے۔

سلوک: حکیم الامت ؒ نے اس واقعہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ کسی بھی معاملہ میں جب حق واضح ہو جائے اور مخاطب اسکو قبول نہ کرے تو اب بحث و مباحثہ قیل وقال ترک کر دینا چاہیئے۔

(۵۸) قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ ـ اِلٰی ـ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ـ الآیۃ (آل عمران آیت ۲۶)

ترجمہ: آپ کہئے اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دیدے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔

تفسیر: شہر نجران (یمن) کے رئیس ابوحارثہ بن علقمہ اور اسکے ساتھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے بارے میں بات چیت کرنے مدینہ منورہ آئے اثنائے گفتگو اس رئیس نے کہا اگر ہم آپ کی اطاعت قبول کرلیں اور ایمان لے آئیں تو روم کا بادشاہ جو ہماری عزت کرتا ہے اور مالی خدمت بھی یہ سب بند ہو جائیگا۔

آیت میں اسی کا جواب بطور مناجات دیا جا رہا ہے کہ کل سلطنتوں اور عزتوں کا مالک خداوند قدوس ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

سلوک: حکیم الامت ؒ نے "بِیَدِكَ الْخَیْرُ" کے کلمہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ کائنات میں وجود ایجابی صرف خیر کا ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مقابل کی چیز شر ہے جو سلبی حقیقت کا نام ہے۔

آیت میں "بِیَدِکَ الْخَیْرُ" کہا گیا جبکہ شر بھی اللہ کے دست قدرت میں ہے۔
عارفین نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ جس چیز میں بندے کے قصد و اختیار کو
دخل نہ ہو وہ خیر ہی خیر ہے اسکو ناگوار نہ سمجھے اور نہ عذاب ومصیبت۔
(یعنی اگر کوئی چیز بے قصد و اختیار آجائے اس کو مِنَ اللہ ہی سمجھنا چاہیئے
اسی میں خیر ہے)۔

(۵۹) لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِیْنَ الآیۃ (آل عمران آیت ۲۸)۔

ترجمہ:۔ مومنوں کو نہیں چاہیئے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا دوست
بنائیں اور جو کوئی ایسا کریگا تو وہ اللہ کے ہاں کسی شمار میں نہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں کافروں سے دوستی نہ رکھنے کا حکم دیا جارہا ہے جو اللہ
اور اس کے رسول اور اسکے دین کے دشمن ہیں ایسے لوگوں سے اسلام اور مسلمانوں
کی فلاح وبہبودی کی کیونکر توقع کی جاسکتی ہے۔ خواہ مخواہ دشمنانِ دین سے
دوستی وتعلق خاطر رکھکر اپنا اور دین کا نقصان کیوں کیا جائے؟
ایک مسلمان کی ساری امیدیں اور خوف صرف اللہ ربّ العزت سے
وابستہ ہونی چاہیئے۔
سورۂ مائدہ میں کافروں خصوصًا یہود ونصاریٰ سے دوستی رکھنے کی صراحتًا
ممانعت موجود ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی
اَوْلِیَآءَ۔ (مائدہ آیت ۵۱)

اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بنانا۔

دوسری آیت میں مشرکین کو بھی مسلمانوں کا شدید دشمن قرار دیا ہے۔

(مائدہ آیت ۸۲)

سلوک: تفسیر روح المعانی کے مفسر علامہ آلوسی بغدادی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے تحت اہل اللہ نے اپنے مریدوں کو منکرین کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کیا ہے کیونکہ انکار کی ظلمت و تاریکی کفر کی ظلمت و تاریکی سے مشابہت رکھتی ہے اور بعض دفعہ دونوں ظلمتیں (ظلمت کفر اور ظلمت انکار) جمع ہوکر مومن کے نور ایمان کو کمزور کر دیتی ہیں۔ البتہ ان لوگوں سے کچھ اندیشہ ہو تو ظاہراً دوستی کر لینا جائز ہے اور یہ اجازت بھی صرف ضعیف و کمزور ایمان والوں کیلئے ہوگی، لیکن جو لوگ اللہ پر کامل یقین رکھتے ہیں انھیں اس ظاہری دوستی کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

ملحوظہ:- کافروں کے ساتھ حسن سلوک کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) موالات (قلبی تعلق)۔ (۲) مواسات (احسان و نفع رسانی)۔ (۳) مدارات (ظاہری خوش خلقی و خاطرداری) اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ موالات تو کافروں سے کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ (کیونکہ دل کا یہ گہرا تعلق صرف اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں ہی سے وابستہ رہے گا)۔

دوسری صورت مواسات کی تو اہل حرب (برسرپیکار کافروں) کے ساتھ جائز نہیں غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے۔

تیسری صورت مدارات یہ کافروں کے ساتھ تین صورتوں میں جائز ہے۔

اوّل:- دفع ضرر کے لئے ان لوگوں سے تعلق رکھنا کہ ان کے نقصان سے حفاظت رہے۔

دوم:- خود کافروں کی مصلحت دینی کے لئے تعلق رکھنا یعنی اسلام لانیکی

توقع پر تعلق رکھنا۔

سوم: اکرامِ ضیف کے طور پر جبکہ کوئی کافر ہمارے ہاں مہمان ہو، اسکی بھی خاطر مدارات کرنا درست ہے۔

بس ان صورتوں کے علاوہ اپنے کسی ذاتی غرض و منفعت کے لئے کافروں سے مدارات درست نہیں ہے۔

(۶۰) كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا. الآیۃ۔ (آل عمران آیت ۳۷)

ترجمہ: جب کبھی زکریا (علیہ السلام) مریم کے حجرے میں آتے تو اُن کے پاس کوئی چیز کھانے پینے کی پاتے (ایک بار) بولے اے مریم یہ چیزیں کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آتی ہیں۔

تفسیر: سیدنا زکریا علیہ السلام سیدہ مریم کے خالو ہوتے ہیں سیدہ مریم کے بچپن میں سرپرست اور مربی تھے جبکہ سیدہ مریم بیت المقدس کی خدمت کے لئے مسجد کے حجرے میں مقیم تھیں۔

سیدنا زکریا علیہ السلام جب بھی نگرانی و انتظام کے لئے سیدہ مریم کے حجرے میں آتے تو وہاں بے موسم تازہ تازہ پھل اور میوے رکھے ہوئے دیکھتے ایک دفعہ پوچھ ہی لیا سیدہ مریم نے مذکورہ جواب دیا۔

سلوک: تفسیر روح المعانی کے مفسر علامہ آلوسی بغدادی نے اس واقعہ سے "کرامات" کا اثبات کیا ہے۔ سیدہ مریم اپنی ساری عظمت و جلالتِ شان کے باوجود نبی یا رسول نہ تھیں، ولی اور صدیقہ تھیں۔ غیب سے ہر روز تازہ تازہ پھل آجانا کرامت ہی کہا جائے گا۔

(۶۱) هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۳۸)

ترجمہ :۔ بس وہیں (حجرۂ مریم میں) زکریا نے اپنے پروردگار سے دُعا کی عرض کیا اے میرے ربّ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر بیشک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔

تفسیر :۔ سیدنا زکریا علیہ السّلام بالکل بوڑھے ہوچکے تھے بیوی بانجھ تھی اولاد سے گود خالی، بظاہر اولاد سے نا امیدی سی تھی سیدہ مریم کے حجرے میں کرامت دیکھکر کہ غیب سے ہر روز تازہ تازہ پھل آجاتے ہیں اپنے لئے بھی گود کے پھل کی دُعا کی، دعا قبول ہوگئی اور وہیں بشارت بھی ملی کہ تم کو لڑکا ہوگا جس کا نام ہم نے یحییٰ دیا ہے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ آیت سے تین مسئلے معلوم ہوتے۔

پہلی بات تو یہ کہ اولاد کی خواہش کرنا تقویٰ و زُہد کے خلاف نہیں (انبیاء کرام سے ایسی خواہشات کا اظہار ہوا ہے)

دوسری بات یہ کہ دعا کرنے والے کی نظر عالم اسباب میں اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر رہنی چاہیئے جیسا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کے ہاں اسباب ولادت موجود نہ تھے۔

تیسری بات یہ کہ صرف اولاد کی خواہش نہیں بلکہ اولادِ صالحہ (نیک اولاد) کی خواہش کرنی چاہیئے۔

حکیم الامت نے مزید ایک مسئلہ اور مستنبط کیا ہے کہ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً کی قید سے دُعا کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ مشائخ طریقت کو اپنا خلیفہ بناتے وقت صلاحیت اور قابلیت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے نہ کہ محض اولاد ہونا یا مُرید یا عقیدتمند ہونا کافی نہیں۔

(٦٢) وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۔ (آل عمران آیت ۴۲)

ترجمہ: اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم بیشک اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک کر دیا ہے اور جہاں بھر کی عورتوں کے مقابلے میں تم کو برگزیدہ کرلیا ہے۔

تفسیر: سیّدہ مریمؓ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہونے والی تھیں جو انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم النبیین ہونے والے تھے اللہ تعالیٰ نے سیّدہ مریمؓ کو کمالات و فضائل سے نوازا تھا اسی کا تذکرہ آیت میں کیا جا رہا ہے۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ فرشتوں کا نبیوں کے علاوہ غیر نبیوں سے کلام کرنا ثابت ہوتا ہے البتہ جو کلام فرشتوں کا انبیاء کرام سے ہوا کرتا ہے وہ پیام برائے تبلیغ ہوا کرتا ہے۔

سیّدہ مریمؓ یقیناً غیر نبی تھیں ولی اور صدیقہ صفت تھیں۔ انکے علاوہ سیّدہ اُمّ موسیٰؓ سیّدہ سارہؓ، سیّدہ ہاجرہؓ وغیرہا سے فرشتوں کا کلام کرنا ثابت ہے یہ سب مقدس خواتین تھیں نبی یا رسول نہ تھیں۔

نوٹ:۔ تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۲۷۵ دیکھئے۔

(٦٣) قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۚ الآیۃ (آل عمران آیت ۵۲)

ترجمہ:۔ کہا کوئی ایسے بھی آدمی ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے مددگار۔

تفسیر:۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے دین کی دعوت و تبلیغ کیلئے عام لوگوں کی تعاون چاہا حواریوں نے کہا ہم اللہ کی مدد کرنے کیلئے حاضر ہیں۔

سُلوکؒ:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے دُو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ تو یہ کہ دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے مدد طلب کرنا جائز ہے یہ بات توکّل کے خلاف نہیں۔
دوسرا مسئلہ یہ کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ایسا ہے جیسا اللہ کے ساتھ کرنا ہے۔
کیونکہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پُکار پر کہ کوئی میری مدد کریگا؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ اصل جواب اس طرح ہونا چاہیئے تھا "نَحْنُ اَنْصَارُکَ اِلَی اللّٰہِ"، ہم اللہ کے بارے میں آپکے مددگار ہیں۔
معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔
ملحوظہ:۔ حواری کپڑے دھونے والوں کو کہا جاتا ہے سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر سب سے پہلے دُو حواری نے اپنی خدمات پیش کیں تھیں پھر رفتہ رفتہ اور بھی شریک ہو گئے اِن سب کا لقب حواری پڑ گیا۔

(۶۴) وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ ۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۷۳)
ترجمہ:۔ اور کسی شخص کے روبرو اقرار نہ کرو مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو۔
تفسیر:۔ یہ اہل کتاب نصاریٰ کا باہمی مشورہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی باتوں کا اقرار نہ کریں بلکہ اُنہی لوگوں کا کہا مانا جائے جو ہمارے دین و مذہب کی پابندی بھی کرتے ہیں۔
سُلوکؒ:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے اُن جاہل مشائخ کا رد کیا ہے جو اپنے سلسلہ کی تعلیمات کو اوروں سے چھپاتے ہیں اور صرف انہی لوگوں کو تعلیم و تلقین

کرتے ہیں جو اُن کے مسلک و سلسلے سے وابستہ ہیں۔

(۶۵) وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۷۹)

ترجمہ:۔ (کوئی بھی نبی ورسول اپنی عبادت نہیں کروائے گا) بلکہ وہ کہیگا کہ تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم اللہ کی کتاب کی تعلیم کرتے ہو اور اسکو پڑھا کرتے ہو۔

تفسیر:۔ آیت میں انبیاء کرام کا مقام و منصب بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنی اطاعت میں اللہ کی عبادت کرواتے ہیں یعنی وہ انسانوں کو تلقین کرتے ہیں کہ ربانی ہوجاؤ۔

سلوک:۔ تفسیر رُوح المعانی کے مفسر نے سیدنا علیؓ، سیدنا ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ربانی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عالم اور فقیہہ ہو۔

مشہور صوفی حضرت شبلیؒ کہتے ہیں ربانی وہ شخص ہے جو ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے ربانی وہ عالم باعمل ہے جو لوگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے تربیت کرتا ہو۔

(۶۶) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۶۴)

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں برابر ہے کہ سوائے اللہ کے ہم اور کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی کسی اور کو اللہ کے سوا رب نہ قرار دے لے۔

تفسیر:۔ شہر نجران (یمن) کے عیسائیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

جھگڑا کیا اور کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بندہ نہیں اللہ کا بیٹا ہیں۔ پھر کہنے لگے اگر وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو بتاؤ کس کا بیٹا ہیں؟ (کیونکہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام سیّدہ مریم کے بطن سے بے باپ پیدا ہوئے ہیں)۔

انکے اس سوال پر یہ آیت نازل ہوئی کہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے ہاں آدم (علیہ السلام) کی سی ہے۔ ان کے نہ تو باپ تھا اور نہ ماں۔

عیسیٰ (علیہ السلام) کے صرف باپ نہ ہوں تو تعجب کیا ہے؟ (موضح القرآن)

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ سیّدنا آدم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینے پر زور دینا چاہیئے؟ حالانکہ عیسائی بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔

اور سیّدہ حوّا جو حضرت آدم علیہ السّلام کی بیوی ہیں بغیر ماں کے پیدا ہوئیں، سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام کی ماں تو موجود تھیں؟

مذکورہ آیت میں ایک ایسی بات کی دعوت دی جارہی ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے یعنی عبادت صرف اللہ کی کرنی چاہیئے کسی اور کو رب قرار نہ دیا جائے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جو لوگ شیوخ کی اطاعت و تعظیم میں خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ غلو کرتے ہیں انکی اس آیت میں تردید ہو رہی ہے (کہ بندہ کو بندہ ہی رہنے دینا چاہیئے)

(۶۷) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ (آل عمران آیت ۸۱)

ترجمہ:۔ اور جب اللہ نے عہد لیا تمام نبیوں سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب و علم دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری تصدیق کرنے والا ہو

اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم اس رسول پر ضرور اعتقاد رکھنا اور
اُس کی طرفداری بھی کرنا۔

تفسیر:۔ تمام انبیاء و رسل سے یہ جو عہد لیا گیا جس کا تذکرہ آیت میں موجود ہے یہ عالم ارواح کا واقعہ ہے جہاں دنیا میں آنے سے پہلے سب کی روح کا مستقر تھا، تمام انبیاء و رسل کی مشترکہ تعلیم ایک ہی رہی ہے یعنی توحید کا اقرار کرنا اور شرک سے دور رہنا، اس دعوت میں ہر نبی دوسرے کی تصدیق کرنیوالا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ سلسلے کے شیوخ پر لازم ہے کہ جو کوئی علم و عمل میں اُن سے بڑا ہو اُنکے مساوی بھی ہو تو ایسے شخص سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ اعراض و تکبّر نہ کرنا چاہیئے۔

(۶۸) وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۱۳۴)

ترجمہ:۔ اور وہ بندے غصّہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے
والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں نیک بندوں کی صفات بیان کی گئیں ہیں کہ وہ فراخی اور تنگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور غصّہ کو پی جاتے ہیں اور عام لوگوں کے قصور اور زیادتیوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ غصّے کو پی جانا خود بڑا کمال ہے اُس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتیوں کو معاف کر دینا اور نہ صرف معاف کر دینا بلکہ معافی کے بعد انپر احسان و نیکی کرنا، انسان کو فرش سے عرش تک پہنچا دیتا ہے ایسے لوگوں کو اللہ اپنا دوست بنا لیتا ہے۔

محدث بیہقیؒ نے حضرت علی بن حسینؓ سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ کو اُنکی باندی وضو کروا رہی تھی کہ اچانک پانی کا لوٹا اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر

آپ پر گر پڑا، غصّہ کے آثار دیکھکر باندی نے فوراً الفاظ قرآنی اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ پڑھ دیا حضرت علی بن حسین رضؓ کا غصّہ دور ہوگیا، پھر باندی نے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کہا، آپ نے فرمایا میں نے تجھکو معاف بھی کر دیا، پھر باندی نے آیت کا آخری جملہ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ پڑھا۔ آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے آزاد بھی کر دیا۔ (روح المعانی)

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ سے یہ حقیقت استنباط کی ہے کہ غصّہ آنا کمال کے منافی نہیں ہے۔

(مطلب یہ کہ کاملین اور اونچے درجے کے لوگوں کو بھی غصّہ آسکتا ہے یہ کوئی عیب نہیں ہے البتہ اس کا بیجا اظہار عیب ہے)۔

(۶۹) اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ الآیۃ

(آل عمران آیت ۱۴۴)

ترجمہ :۔ سو اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انتقال کر جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے؟

تفسیر :۔ یہ آیت غزوۂ اُحد شدہ کے سلسلے کی ہے واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد میں بنفس نفیس جنگ کا نقشہ قائم فرمایا تھا تمام صفوں کو درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درّہ باقی رہ گیا تھا جہاں سے دشمن کی یلغار کا اندیشہ تھا اس درّے پر آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جن کے سردار حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ تھے مامور فرمایا اور تاکید فرما دی کہ میدان میں ہم کسی بھی حالت میں ہوں تم لوگ اس جگہ سے حرکت نہ کرنا، مسلمان غالب ہوں یا مغلوب حتیٰ کہ اگر تم یہ دیکھو کہ پرندے ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہوں تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا، ہم برابر اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ پر قائم رہو گے۔

الغرض آپؐ نے پوری ہدایات دیکر جنگ کا آغاز کیا، میدان کارزار گرم ہوا مسلمانوں نے بڑھ بڑھکر جوہرِ شجاعت دکھائی، حضرت ابودجانہؓ، حضرت علیؓ، اور دوسرے مجاہدین کی بے جگری اور بسالت کے آگے دشمنوں کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں اب ان کو راہِ فرار کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا بدحواس ہوکر بھاگنے لگے انکی عورتیں جو غیرت دلانے کے لئے میدانِ جنگ میں آئی تھیں اپنے پائنچے چڑھاکر بھاگ کھڑی ہوئیں، مجاہدین نے مال غنیمت جمع کرنا شروع کیا میدان دشمنوں سے خالی ہوگیا۔ یہ منظر دیکھکر درّے والے بعض تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب کامل فتح ہوچکی ہے دشمن چوطرف سے بھاگ رہا ہے، "اب درّے پر ٹھہرے رہنے کا مقصد پورا ہوچکا ہے چلو ہم بھی مال غنیمت جمع کریں، اور دشمنوں کا تعاقب کریں حضرت عبداللہ بن جبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا اور تیر اندازوں کو روکا اور منع کیا لیکن انکی اکثریت نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مقصد تھا کہ فتح تک درّے پر ٹھہرے رہیں فتح ہوچکی ہے لہٰذا اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں۔ یہ خیال کرکے سب نکل پڑے، درّے پر حضرت عبداللہ بن جبیر اور انکے صرف گیارہ ساتھی رہ گئے۔

مشرکین کے سواروں کا دستہ جو خالد بن الولید کی زیر کمان تھا (خالد ابھی مسلمان نہ تھے مشرکین کی جانب سے لڑنے آئے تھے) موقعہ شناسی سے کام لیا بھاگتے بھاگتے پلٹ کر درّے کی طرف سے حملہ کردیا۔

دس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کی اچانک یلغار کا کہاں تک مقابلہ کرسکتے تھے تاہم حضرت عبداللہ بن جُبیرؓ اور اُن کے ساتھیوں نے مدافعت کی اور اسی حالت میں سب نے جان دیدی اور شہید ہوگئے۔

میدان اُحد کے مسلمان مجاہدین اپنے عقبی والے درّے سے مطمئن تھے سامنے سے

بھاگی فوج اچانک پلٹ کر حملہ آور ہوگئی تھیں عقبی جانب سے خالد بن الولید کا دستہ ٹوٹ پڑا، مسلمان دونوں جانب سے گھر گئے اور بہت زور کا رن پڑا، ستّر مسلمان شہید ہوگئے اور بیسوں زخمی، اسی افراتفری میں بے نصیب ابن قمئہ نے ایک بھاری پتھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا آپ کا چہرہ اقدس زخمی ہوا اور خود کی آہنی کڑیاں چہرے مبارک میں دھنس گئیں، دندانِ مبارک شہید ہوئے آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔

مردود ابن قمئہ نے آپکو قتل کرنا چاہا مگر حضرت مصعب بن عمیرؓ جنکے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا تھا سامنے آگئے اور آپ کو اپنی آڑ میں لے لیا۔

شیطان نے یہ افواہ عام کردی کہ آپ قتل کر دیئے گئے ہیں یہ سنتے ہی مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے، اور پیر اکھڑنے لگے، مجاہدین میں افراتفری پھیل گئی جسکا رخ جس پر تھا دوڑ پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں صرف چند مسلمان رہ گئے تھے، بعض منافقین جو مسلمانوں کی صفوں میں تھے یہ اعلان کر دیا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیئے گئے ہیں تو پھر سب کو اسلام چھوڑ کر اپنے سابقہ دین پر آجانا چاہیئے اسی میں نجات ہے۔

حضرت انس بن مالک رضؓ کے چچا انس بن النضرؓ نے بلند آواز سے اعلان کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہوگئے ہوں تو ربّ محمد مقتول نہیں ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا زندہ رہنا کس کام کا ہے؟ آؤ جس کام پر آپ شہید ہوگئے ہیں ہم بھی شہید ہوجائیں یہ کہکر بے تحاشہ دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑے اور پھر ایسی بے جگری سے وار کرنا شروع کیا کہ دشمنوں کی صفوں میں انتشار پھیل گیا، دشمنوں کی درجنوں گردنیں کٹ کٹ کر گرنے لگیں، آخری لمحہ خود بھی شہید ہوگئے۔ تیر و تبر کے ستّر سے زائد زخم صرف سینے پر شمار کیئے گئے۔

اللّٰھم ارفع درجتہ

اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو آواز دی۔

اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت کعب بن مالک رضؓ نے آپؐ کی آواز سنی اور مسلمانوں کو للکارا کہ لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آواز کا سننا ہی تھا کہ مسلمانوں کا منتشر مجمع واپس آیا پھر سب نے ملکر مشرکوں کی فوج کو منتشر کر دیا پھر فتح و کامیابی نصیب ہوئی۔

اس حادثے پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تھیں۔ جسکا خلاصہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تو نہیں ہیں بلکہ رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں جنکے بعد انکی پیروی کرنے والوں نے ان کا دین سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے دین قائم و باقی رکھا لہٰذا اگر کسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوجائے یا آپؐ شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم دین کی خدمت و حفاظت چھوڑ بیٹھو گے۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے مذکورہ بالا آیات سے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی بزرگ اور صاحب سلسلہ کی موت پر اتنا جزع و فزع کرنا کہ دین کی خدمت متزلزل ہوجائے بڑی بات ہے جیسا کہ عوام بلکہ بعض خواص کا بھی یہ طرز رہا ہے۔

(۷۰) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

الآیۃ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ:- اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت بھی رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور برائی سے روکا کرے اور ایسے ہی لوگ کامل فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر:۔ اسلامی معاشرے کی بقا و تحفظ کے لئے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا ہر وقت رہنا ضروری ہے جو عام مسلمانوں کو نیکی کی دعوت دے اور برائیوں سے منع کرتی رہے، ظاہر ہے یہ کام وہی حضرات کر سکتے ہیں جو قرآن و سنت سے واقف ہوں اور معروف و منکر کا علم رکھتے ہوں۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے مذکورہ آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل طریق مشائخ میں جو لوگ اہل دعوت و ارشاد ہیں وہ اُن مشائخ سے افضل ہیں جو دعوت و ارشاد کا کام نہیں کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کو ہم المفلحون فرمایا ہے جو دعوت و تبلیغ کے کام میں مشغول ہیں۔ (یہی کامل فلاح والے ہیں)
(غالباً قطب الارشاد کی اصطلاح اسی مضمون سے نکالی گئی ہو)۔

(۷۱) إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۱۵۵)

ترجمہ:۔ یقیناً جو لوگ تم میں اُس دن پھسل گئے تھے جس دن دونوں جماعتیں باہم مقابل ہو گئیں تھیں (یہ پھسل جانا) اُس سبب سے ہوا تھا کہ شیطان نے انھیں اِن کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دیدی تھی۔

تفسیر:۔ آیت میں وہی لوگ مراد ہیں جنھوں نے شیطانی افواہ پر مرکز چھوڑ دیا تھا خاص طور پر وہ تیر انداز بھی مُراد ہیں جنھوں نے جبل اُحد کے عقبی درّے کو خالی کر دیا تھا۔ (تفسیر الدر المنثور للسیوطیؒ)۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے بھولے بھالے مسلمانوں کی خطا کو معاف کر دیا کیونکہ انکے اس اقدام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت یا اطاعت گریزی نہ تھی بلکہ شیطان نے اپنے مکر و فریب سے انھیں لغزش دیدی تھی۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ مخالفتِ رسول سے دل میں ظلمت پیدا

ہوتی ہے اور شیطان کا تصرف صرف انھیں ہی قلوب پر چلتا ہے جس میں ظلمت ہو۔

(قرآن حکیم کی دیگر آیات بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔)

آیت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ہر پچھلا گناہ سبب بن جاتا ہے مزید اور جدید گناہ کا (بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا)

آیت میں اس ادب کی تعلیم ملتی ہے کہ جو گناہ بھی سرزد ہوجائے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلکہ شیطان کی طرف کرنی چاہیے۔

(تفسیر کبیر، مدارک)

(۴۲) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ. الآیۃ (آل عمران آیت ۱۵۹)

ترجمہ:- اور ان (صحابہ) سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے۔

تفسیر:- مشورہ کی بڑی فضیلت آئی ہے مشورہ کرنے والا ناکام نہیں ہوتا، جب مشورہ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جارہا ہے تو دوسروں کے لئے اسکی ضرورت کہیں زیادہ ہی ہوگی۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ بعض حالات میں چھوٹوں سے مشورہ لینا بھی بڑوں کو مفید ثابت ہوا ہے۔

(۴۳) اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

الآیۃ (آل عمران آیت ۱۹۱)

ترجمہ:- علم و عقل والے لوگ وہ ہیں جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر:- ایسے لوگوں کا ذکر و فکر کرنا قلوب میں اللہ کی خالقیت و مالکیت کا یقین پیدا کرتا ہے۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے دو مسئلے مستنبط کئے ہیں۔

(۱) ذکر کی طرح فکر بھی عبادت ہے۔

(۲) فکر خالق کی ذات میں نہیں بلکہ مخلوقات کی پیدائش اور اسکی حکمتوں میں کی جاتی ہے۔

(اہل تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ ذاتِ الٰہی میں بحث و غور فکر کرنا ممنوع ہے احادیث میں بھی یہ مضمون ملتا ہے)۔

سورۃ النسآء پارہ ۴

(۴۲) وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ الآیۃ

(النسآء آیت ۱)

ترجمہ:۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطے سے آپس میں سوال کیا کرتے ہو اور خبردار رہو قرابت والوں سے بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

تفسیر:۔ مطلب یہ کہ تم لوگ اپنی تمام حاجات وضرورتوں میں اللہ کے محتاج ہو تم اللہ ہی کے واسطے سے ایک دوسرے سے اپنے حقوق اور فوائد طلب کرتے ہو اور قرابت داری کا بھی پاس و لحاظ رکھو انکے حقوق اور ذمہ داریوں کو پورا کرو، قطع رحمی اور بدسلوکی سے احتیاط کرو۔

رَحم کہتے ہیں قرابت و رشتہ داری کو جو جتنا قریب ہے اس کے حقوق اتنے ہی قریب تر ہیں۔

رَحم کے سلسلے میں ایک حدیث صحیح آئی ہے اللہ نے اپنی مخلوقات کیساتھ رحم کو بھی پیدا کیا اور اس کو اپنے پاس عرش پر رکھا وہ عرش الہٰی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رکھے اللہ اُسے جوڑے رکھے اور جو مجھے کاٹے اللہ اُسے کاٹے۔ (الحدیث)

سلوک:۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ قرابت و رشتہ داری کا لحاظ رکھنا واجب ہے اور اسے قطع کرنا جرم ہے۔ (قرطبی)

(۴۵) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ۔ الآیۃ (النسآء۔ آیت ۳)

ترجمہ:۔ اور عورتوں میں تم کو جو پسند ہوں نکاح کرلو۔ دو دو عورتوں سے تین تین عورتوں سے چار چار عورتوں سے پھر اگر تم کو اندیشہ ہو کر ان میں عدل و انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔

تفسیر:۔ ملّت کے مردوں کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر لینا جائز ہے لیکن اس میں یہ شرط بھی ہے جسکو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہ یہ کہ آپس میں سب کے حقوق مساوی ادا کئے جائیں اور اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر ایک سے زائد نکاح ممنوع ہو جاتا ہے، قیامت کے دن ایسا شخص فالج زدہ اٹھیگا جس کا ایک پہلو زمین سے گھسیٹتے ہوئے رہے گا۔ یہ وہ شخص ہوگا جو دنیا میں ایک سے زائد بیویوں میں عدل و انصاف نہ کیا ہوگا۔

تفسیر ماجدی کے مفسر (مولنا عبدالماجد دریا آبادی) لکھتے ہیں کہ تعدد ازواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مغرب زدہ انسان کو شرمانے اور اسکی طرح طرح تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے قویٰ اور اُس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی اس نوعیت کی ہے کہ عورتوں میں ایک بیوی اُس کی طبعی خواہش کی تشفی کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ مرد اور عورت کے اتحاد و تناسل کا جہاں تک تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ میں ختم ہو جاتا پھر اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری ہی نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے عورت کیلئے اس ذو منٹی عمل کے نتائج کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں نہیں حمل و رضاعت (بچہ کو دودھ پلائی) کی مدت ملا کر ڈھائی ڈھائی سال تک سلسلہ پھیلا ہوا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں حمل کے بغیر بھی ہر جوان و تندرست عورت کیلئے ہر ماہ ایک ہفتہ

کی معذوری ایک طبعی امر بھی ہے لہٰذا مرد کو تقاضائے فطرت پوری کرنے کے لئے ایک سے زائد عورتوں کی ضرورت ہے، قطع نظر ان سب کے مرد کی شہوانی جبلت تنوع پسند بھی ہے جس سے عورت فطرۃً خالی ہے ایک تندرست مرد ایک عورت کی طبعی خواہش کے لئے کافی ہوجاتا ہے اس لئے شریعت اسلامی نے ہر ایک کی جبلت اور فطرت کی رعایت رکھی ہے لہٰذا عورت کو ایک مرد کافی ہے۔

جو مذاہب اپنے ہاں ان فطری تقاضوں کی رعایت نہیں رکھتے وہ خواہ کچھ بھی ہوں لیکن خدائی اور فطری مذاہب نہیں کہے جاسکتے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے مذکورہ آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مباحات (جائز چیزوں) سے لذت حاصل کرنا اور اس میں کسی قدر کثرت کرنا اور اچھی اچھی چیزیں منتخب کرنا زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں (بعض اہل اللہ کے ہاں اس کا اہتمام پایا جاتا ہے) البتہ جس شخص کو افراط یا تفریط کا اندیشہ ہو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ قدرِ ضرورت پر اکتفا کرے۔

(۴۶) فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔ الآیۃ (النسآء آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ پھر اگر دونوں (میاں بیوی) توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض (چھیڑ خانی) نہ کرو بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

تفسیر:۔ اس سے اوپر والی آیات میں میاں بیوی کے احکام بیان کئے گئے ہیں ان کے آپس کا اختلاف اور ایک دوسرے کی خطاؤں کا محاسبہ کیا گیا ہے پھر یہ بھی ہدایت دی گئی کہ اگر دونوں سچی توبہ کرلیں اور اپنا حال درست کرلیں تو پھر ان کو معاف کردیا جانا چاہیئے یہ نہیں کہ انکی سابقہ غلطیوں کو دُہرایا جائے اور انھیں بار بار شرم دلائی جائے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ توبہ کر لینے والے پر طعن و تشنیع نہ کرنی چاہیئے، کیونکہ یہ ایذاء پہنچانا ہے۔ (اور مسلمان کو ایذاء دینا حرام ہے)۔

(۷۷) فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۔ الآیۃ

(النساء آیت ۳۴)

ترجمہ :۔ پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تو اُنکے خلاف بہانہ نہ تلاش کرو۔

تفسیر :۔ آیت میں میاں بیوی کی معاشرت کا ذکر ہے اور بیوی کی اصلاح و تربیت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، جبکہ اُس سے بدکلامی یا نافرمانی سرزد ہونے لگے اگر بیوی نے اپنی اصلاح کر لی اور شوہر کی شکایات کو دور کر دیا تو پھر شوہر کو درگزر کر دینا چاہیئے اور بعد میں بہانے تلاش کر کے بیوی کو پریشان نہ کرنا چاہیئے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ محض بُغض نفسانی کیوجہ سے کسی کو سزا دینا دُرست نہیں۔ (جیسا کہ بعض ذمہ دار لوگ اپنے ماتحت ملازمین اور شاگردوں کو سزا دینے میں زیادتی کر دیتے ہیں۔)

(۷۸) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ ۔ الآیۃ

(النساء آیت ۴۹)

ترجمہ :۔ کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپکو مقدس بتاتے ہیں۔

تفسیر :۔ توحید اور تقویٰ الٰہی جو تقدس کا معیار ہے اسکو چھوڑ کر لوگوں نے رشتہ ناطہ، حسب و نسب، نسبت و تعلق کو معیار شرف و بزرگی بنا لیا ہے ان بنیادوں پر اپنے آپ کو معظم و محترم سمجھنے لگے ہیں۔

اپنے آپ کو نیک اور مقدس سمجھنا اکثر احوال میں فخر و کبر کی وجہ سے بھی ہوا کرتا ہے جو نفسِ امارہ کے مخفی امراض میں شمار کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے اپنے آپ کو پاکیزہ سمجھنے سے منع کیا ہے۔

سُلوک ۵ :۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ تقدس کا دعویٰ کرنیکی آیت میں مذمت نکلتی ہے اس مرض میں سوائے اہلِ فنا اکثر مشائخ مبتلا ہیں۔ (اہلِ فنا کی تعریف سلوک ۳۶ میں آچکی ہے)۔

(۴۹) فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ الآیۃ (النساء آیت ۷۷)

ترجمہ :۔ پھر جب حکم ہوا اُن پر لڑائی کا تو اُسی وقت اُن میں سے ایک جماعت لوگوں سے ڈرنے لگی جیسا کہ اللہ کے (عذاب سے) ڈرا جاتا ہے یا اُس سے بھی زیادہ ڈر۔

تفسیر :۔ ہجرت مدینے سے پہلے کافر لوگ مسلمانوں کو مکۃ المکرمہ میں بہت ستایا کرتے تھے اور ظلم بھی کرتے تھے بعض مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کرتے اور اجازت طلب کرتے کہ ہمیں کافروں سے مقابلہ کرنیکی اجازت دی جائے؟ لیکن آپ ایسے لوگوں کو صبر و تحمل کی تلقین فرماتے اور ارشاد فرمایا کرتے، اللہ تعالیٰ نے کافروں سے جنگ و جدال کرنے کی ابھی اجازت نہیں دی ہے، جب ہجرت ہو چکی اور مسلمان مدینہ منورہ میں آگئے یہاں جنگ وجدال کی اجازت نازل ہوئی، بعض عافیت طلب مسلمانوں پر یہ حکم بھاری محسوس ہوا اور لڑنے مرنے کا اندیشہ کرنے لگے اسپر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور انھیں مکۃ المکرمہ کا جوش وجذبہ یاد دلایا گیا اور نصیحت کی گئی۔

سُلوک ۱ :۔ امام ابو منصور ماتریدیؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا یہ خوف و ڈر طبعی قسم کا تھا جیسا کہ کسی درندے موذی جانور کو دیکھکر دل میں خوف پیدا ہوتا ہے ایسے خوف و اندیشے پر گناہ نہیں اور نہ یہ خوف ایمان و اعتقاد کے خلاف ہے، البتہ غیر اللہ کا وہ خوف جو اعتقاداً پیدا ہوتا ہے وہ شرک کہلاتا ہے۔

(۸۰) إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا۔ الآیۃ (النسآء آیت ۵۸)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ پہنچادو امانتیں امانت والوں کو۔

تفسیر:۔ لفظ امانت اُردو میں بھی اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ امانت میں خیانت کئی طرح سے ہوا کرتا ہے۔ ایک یہ کہ امانت ہی کا انکار کر دیا جائے یا اس میں کسی قسم کی کمی کر دی جائے یا اسکو اپنے استعمال میں لایا جائے یا اُس سے نفع کمایا جائے یا اس میں ردّوبدل کر دیا جائے یا اسمیں نقصان پیدا کر دیا جائے یا اسکی حفاظت نہ کی جائے یا پھر اُس کے مالک کو واپس کرنے میں ٹال مٹول کی جائے وغیرہ۔

بعض روایات میں منقول ہے کہ فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہا تو آپکو کلید بردار عثمان بن طلحہ نے خانہ کعبہ کی کنجی دینے سے انکار کر دیا تھا (زمانہ قدیم سے کلید برداری کی خدمت اسی خاندان میں چلی آ رہی تھی) سیدنا علیؓ نے اُس کے ہاتھ سے کنجی چھین کر خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے اور نماز پڑھکر باہر تشریف لائے، سیدنا عباسؓ نے آپ سے گزارش کی کہ کنجی ہمیں دیدی جائے۔

اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور کنجی ہمیشہ کے لئے عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دی گئی (اور آج ۱۴۱۵ھ اسی خاندان میں کلید برداری کا یہ منصب باقی ہے) پھر عثمان بن طلحہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ آیت مذکورہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ آیت میں امانت کے معنیٰ کو عام لیا جائے تو اس سے مشائخ طریقت پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے فیوض و برکات کو اُن حضرات تک پہنچادیں جو خلافت ارشادیہ کے اہل ہیں ایسے حضرات کو خلافت کی اجازت دیدینی چاہیئے۔

(۸۱) وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ
الآیۃ (النسآء آیت ۸۳)

ترجمہ:- اور انہیں جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ اُسے پھیلا دیتے ہیں۔ الخ

تفسیر آیت میں منافقوں کی اُس عادت کا ذکر کیا گیا ہے کہ کسی بھی اُڑتی ہوئی خبر کو فوری عام کر دیتے ہیں۔ تحقیق کرنا یا اس پر غور کرنا نہیں چاہتے کہ واقعہ کی کیا حقیقت ہے؟ بس جونہی سُنا اسکو پھیلا دیا۔

ایسے ہی بعض کمزور ضعیف مسلمان بھی اس افواہ میں مُبتلا ہو جاتے تھے ایسے لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ کسی بھی خبر کے سننے یا اسکو عام کرنے سے پہلے ذمہ داروں سے اس کی حقیقت معلوم کر لینی چاہیئے پھر ضروری ہو تو اُسکا اعلان کر دینا چاہیئے ورنہ سنکر خاموش ہو جانا چاہیئے۔

عہد نبوت میں ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ایک قبیلہ کی جانب روانہ کیا گیا تھا وہ قوم اس کے استقبال کیلئے باہر نکلی اُس شخص نے خیال کیا کہ میرے قتل کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں، فوری لوٹ کر مدینہ منورہ آگیا اور یہ خبر دی کہ فلاں قوم مرتد ہو گئی ہے اور میرے قتل کے لئے جمع ہو گئے تھے، تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔

سُلوک:- امام رازیؒ نے آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ عام لوگوں کو اہلِ علم حضرات کی تقلید کرنی ضروری ہے۔ (جو ذمہ دار لوگ ہیں اُنہی کی بات تسلیم کر لینی چاہیئے)

(۸۲) وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا
الآیۃ (النساء آیت ۸۶)

ترجمہ:- اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اُس سے بہتر طور پر سلام کرو یا اُسی

(الفاظ) کو لوٹا دو. بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

تفسیر:۔ اسلامی معاشرت کی یہ چھوٹی چھوٹی باتیں راہ نما اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن اس سے پروان چڑھتے ہیں، سلام کا جواب دینا تو بہر حال واجب ہے البتہ جواب دینے والے کو دو اختیار دئے گئے ہیں. سلام کا جواب اُن الفاظ سے بہتر دو تم کو جن الفاظ میں سلام کیا گیا ہے یا پھر وہی الفاظ لوٹا دو جو سلام میں مخاطب نے استعمال کئے ہیں۔

بہترین قول بعض صحابہ اور تابعین حضرات کا ہے جو حدیث رسولؐ سے ثابت ہے. سلام کرنے والا اگر مسلمان ہو تو اس کا جواب الفاظ کی زیادتی کے ساتھ دیا جائے مثلاً کسی نے السّلامُ علیکم کہا تو تم وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ کہو اور اگر اس نے السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو تم وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہو، اور اگر سلام کرنے والا غیر مسلم ہو تو جواب میں اُسی کے الفاظ لوٹا دو۔ (ابن عباسؓ)۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تعلیم ہے. (یعنی آپس میں اعلیٰ ترین برتاؤ کرنا چاہئیے۔)

(۸۳) وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ۔ الآیۃ (النساء آیت ۱۰۱)

ترجمہ:۔ اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر کوئی گناہ نہیں نماز کو کچھ کم کر لو۔

تفسیر:۔ یہ حالتِ سفر کے احکام ہیں جسکی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر لینا درست ہے اس عمل کو قصر فی الصلوٰۃ

کہا جاتا ہے، سفر خواہ جہاد فی سبیل اللہ کا ہو یا سیر و سیاحت، ملاقات و زیارت یا تعلیم و تجارت یا کسی بھی قسم کا ہو دوران سفر چار رکعت والی نماز کو دو رکعت بنا کر ادا کرنی چاہیئے یہ اللہ کا فضل و انعام ہے اسکو شکریہ کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت رح لکھتے ہیں کہ جب سفر میں فرض نمازوں کے اندر تخفیف رکھی گئی تو سالک کے روزمرّہ اوراد و وظائف میں بدرجۂ اولیٰ تخفیف روا رکھی جائے گی۔

(۸۴) فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ الآیۃ۔

(النسآء آیت ۱۰۳)

ترجمہ:۔ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدے کے موافق پڑھنے لگو۔

تفسیر:۔ یہ حکم حالتِ سفر ختم ہو جانے کے بعد کا ہے سفر خواہ جہاد فی سبیل اللہ کا جسمیں ہر وقت دشمن کا خطرہ لگا رہتا ہے یا اپنا خانگی سفر ہو جس میں حرج مرض کا اندیشہ رہا کرتا ہے جب یہ ہر دو صورتیں ختم ہو جائیں اور وطن میں قیام ہو جائے تو پھر نمازیں قاعدے کے مطابق ادا کی جائیں گی۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت رح نے آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ سفر میں عذر کی وجہ سے جو اوراد و وظائف چھوٹ جاتے ہیں بعد زوال عذر اُنکی تکمیل کرنی چاہیئے۔

(۸۵) لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ۔

الآیۃ (النسآء آیت ۱۱۴)

ترجمہ:۔ سرگوشیاں بہت سی ایسی ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں البتہ بھلائی

یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے یا کسی نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اِصلاح کی۔

تفسیر:۔ منافق اور حیلہ باز لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آکر آپ سے سرگوشیاں کرتے تھے تاکہ مسلمانوں میں اپنا اعتبار پیدا کرلیں، لیکن جب وہ اپنی مجلسوں میں بیٹھتے تو بیہودہ سرگوشی کرتے مسلمانوں کی غیبت کرتے اور اسلام کے خلاف سازشیں بنایا کرتے تھے۔

آیت میں اس راز کو فاش کیا گیا ہے اور ہدایت کی گئی کہ اچھی باتوں کو چھپانے یا سرگوشی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو مخفی تعلیم کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے موافق نہ ہو جیسا کہ بعض جاہل صوفیہ میں کچھ باتیں سینہ بہ سینہ جاری ہیں اس آیت سے اِسکا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۸۲) وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۔ الآیۃ

(النسآء آیت ۱۱۹)

ترجمہ:۔ اور انھیں حکم دوں گا پھر وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیل کرینگے۔

تفسیر:۔ آیت کا یہ جملہ "نقلِ حکایت" ہے یعنی سیدنا آدم علیہ السّلام کو سجدہ نہ کرنے پر ابلیس کو آسمانوں سے نیچے پٹک دیا گیا تھا اُس وقت اِس مردود نے اللہ کی جناب میں اس طرح خطاب کیا تھا۔

میں تیرے بندوں میں اپنی گمراہی کا حصّہ لے کر رہوں گا اور انھیں گمراہ کرکے رہوں گا اور ان میں طرح طرح کی امیدیں اور خواہشات پیدا کروں گا اور انھیں تعلیم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی صورت کو بگاڑا کریں۔

سلوک:۔ قدیم مفسرین نے صورت بگاڑنے میں ڈاڑھی منڈانے کو بھی شامل کیا

ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے ڈاڑھی منڈانے کو طریقِ قلندریہ کہا ہے۔ مذکورہ آیت میں اسکو شیطانی عمل قرار دیا ہے۔

(اسی طرح مرد کو عورتوں کی شکل اختیار کرنا اور عورت کو مردوں کی نقل کرنا، لباس، چال ڈھال، وضع قطع میں یا آپریشن کرواکر جنس تبدیل کروالینا وغیرہ سب کچھ اسی شیطانی عمل میں آجاتا ہے)

(۸۷) وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ۔ الآیۃ (النسآء آیت ۱۲۸)

ترجمہ :۔ اور طبیعتوں میں تو بخل ہوتا ہی ہے۔

تفسیر :۔ اَلشُّحُّ ایسے بخل کو کہا جاتا ہے جس میں حرص و ہوس بھی ہو یعنی شدید قسم کا بخل۔

بخل ویسے بھی روحانی مرض ہے لیکن حرص و ہوس کے ساتھ ہو تو ایسا بخل خود بخیل کے لئے عذاب بن جاتا ہے آیت میں طبیعت انسانی کا مزاج بیان کیا جارہا ہے کہ ہر نفس میں اپنے مال و نفع کی حرص گھسی ہوئی ہے۔ طبیعتوں میں بخل کا وجود ایک حقیقت ہے لیکن اس کا استعمال دوسری نوعیت ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامت آیت سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ امور طبیعہ کاملین سے بھی زائل نہیں ہوتے۔ لہٰذا اگر کسی انسانِ کامل میں بخل کے کچھ اثرات کبھی نظر آجائیں اس کے کمال کے منافی نہیں ہے۔ (البتہ بخل کے ناجائز تقاضوں پر عمل کرنا عیب و گناہ ہے)۔

(۸۸) وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَ لَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ ۔ الآیۃ (النسآء آیت ۱۲۹)

ترجمہ :۔ اور تم سے تو یہ کبھی نہ ہوسکیگا کہ سب بیویوں میں برابری رکھو گو تمہارا جی کتنا ہی چاہے تو تم بالکل ہی ایک طرف ڈھل نہ جاؤ۔

تفسیر:- ایک سے زائد بیویوں میں عدل وانصاف ومساوات کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن یہ مساوات حقوق اور ضروریات میں واجب ہے البتہ کسی ایک بیوی کی جانب قلبی رجحان اور لگاؤ زیادہ ہو تو یہ بات عدل وانصاف کے خلاف نہیں سمجھی جائے گی تاہم ایسی صورت میں دوسری بیوی کی ایسی حالت نہ کردینی چاہیئے کہ وہ معلق ہو کر رہ جائے۔ اسکے ساتھ بھی کچھ قلبی رجحان کا تعلق رکھنا چاہیئے۔

سُلوک:- حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی بھی عمل کے اعلیٰ درجے پر قدرت نہ ہو ادنیٰ درجے ہی پر عمل کرنا چاہیئے، یہ نہیں کہ اعلیٰ درجے کی اُمید میں ادنیٰ کو بھی ترک کر دیا جائے، بعض لوگوں کی عمر اسی انتظار میں ختم ہوجاتی ہے وہ ادنیٰ سے بھی محروم رہتے ہیں۔

(۸۹) اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ الآیۃ (النسآء آیت ۱۳۹)

ترجمہ:- وہ لوگ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہوتے ہیں کیا یہ لوگ اُنکے پاس عزت کی تلاش کر رہے ہیں؟

تفسیر:- منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن کافروں سے سازباز کرتے ہیں اور اپنا قلبی لگاؤ اُن سے ظاہر کیا کرتے ہیں۔

سُلوک:- فقہاء کرام نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ منکروں اور کافروں سے میل جول، خلا ملا رکھنا اور انکی وضع قطع بنانا، انکا فیشن اختیار کرنا، اُن کی تہذیب وتمدن کو عزت وفخر کی چیز سمجھنا یہ سب باتیں داخل نفاق ہیں۔

(۹۰) يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَآءِ ۔ الآیۃ (النسآء آیت ۱۵۳)

ترجمہ:- آپؐ سے اے نبی اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) فرمائش کرتے ہیں کہ

آپ انکے لئے ایک کتاب آسمان سے نازل کروادیں۔ الخ

تفسیر:- یہ فرمائش کرنے والے مدینہ منورہ کے یہودی تھے جن کا سرغنہ کعب بن اشرف تھا یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم ایسی وحی کی قائل نہیں جو فرشتے کے ذریعہ سے نبی پر نازل کی جاتی ہو ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرح لکھے لکھائے تختیاں آسمان سے نازل ہوں۔

سلوک:- حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جو لوگ برکات سماوی کو اپنے شیخ کے اختیار میں سمجھکر اُس سے افاضہ کی درخواست کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

(۹۱) وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا۔ الآیۃ (النساء آیت ۱۴۲)

ترجمہ:- اور یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو صرف دکھانے کے لئے اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر مختصر طور پر۔

تفسیر:- یہ منافقین کی صفات ہیں کہ اوّل تو یہ نماز ہی نہیں پڑھتے اور اگر کبھی شرما شرمی میں پڑھ لیتے ہیں تو صرف ظاہری لحاظ سے اٹھک بیٹھک کر لیتے ہیں محض لوگوں میں اپنی ساکھ رکھنے کیلئے کہ ہم بھی مسلمان ہیں وبس۔

سلوک:- عارفین نے لکھا ہے کہ اخلاص کا عمل خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو اللہ اسکو کثیر قرار دیتا ہے۔ (مدارک)

حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ آیت میں نماز کے لئے کاہلی سے کھڑا ہونا (کسلِ اعتقادی) مراد ہے۔ یعنی نماز کی فرضیت کا اعتقاد ہی نہیں ہے۔ کسلِ طبعی مراد نہیں یعنی سستی و غفلت۔

(کسلِ اعتقادی کفر کی قسم ہے اور کسلِ طبعی فسق و گناہ سمجھا جاتا ہے)۔

(۹۳) لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔ الآیۃ (النساء آیت ۱۴۸)۔

ترجمہ: اللہ کو پسند نہیں کسی کی بُری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو (وہ ظاہر کر سکتا ہے)

تفسیر: اگر کسی میں دین یا دنیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہ کرنا چاہیے اللہ سب کی بات سنتا ہے اور سب کے کام جانتا ہے ہر ایک کو اسی کے موافق جزا دے گا، کسی کا عیب ظاہر کرنا غیبت کہلاتا ہے جو بدترین گناہ ہے، البتہ مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ ظالم کی ظلم و زیادتی لوگوں سے بیان کرے تاکہ دوسرے بھی اسکے ظلم سے محفوظ رہیں۔

سلوک: حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جب ظالم سے انتقام لینے کی اجازت ہے تو اس میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ دوسروں سے حکایت شکایت کی جاسکتی ہے اس میں کمزور اور ضعیف لوگوں کی رعایت ہے اس عمل سے اُن کے دل کا بخار اُتر جاتا ہے۔ (ظاہر ہے کمزور آدمی اور کیا انتقام لے سکتا ہے؟)۔

(۹۴) اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ۔ الآیۃ (النساء آیت ۱۴۹)

ترجمہ: تم کسی بھلائی کو ظاہر کر دیا چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کر جاؤ تو اللہ ہر صورت بڑا معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے۔

تفسیر: نیکی کے اخلاقی حیثیت سے تین درجے الگ الگ ہیں۔

پہلا درجہ تو یہ کہ نیکی کرے اُس کا اظہار بھی کر دیا جائے (بشرطیکہ اُس میں ریا

وشہرت نہ ہو) یہ نیکی کا ادنیٰ درجہ ہے۔
دوسرا درجہ یہ کہ نیکی کرے اور اُس کو پوشیدہ رکھے بلکہ اُس کو مخلوق کے علم میں آنے ہی نہ دے مقصود صرف رضائے الٰہی ہو نیکی کا یہ کامل درجہ ہے۔
تیسرا درجہ یہ کہ انسان کو ناگواریاں پیش آئیں اور وہ انھیں نظرانداز کردے اور بُرائی کرنے والوں سے بدلہ نہ لے، یہ نفس کے لئے بہت شاق ہے اسکا مرتبہ علم سلوک واخلاق میں سب سے اُونچا ہے یہ کامل ترین انسان ہی کو میسر ہوتا ہے۔
سُلوک:۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت کے ان مختصر فقروں میں سلوک واخلاق کا خلاصہ آگیا ہے۔ (تفسیر کبیر)
حکیمُ الامتؒ نے لکھا ہے کہ پہلی آیت (ظلم کا بدلہ لینا) میں کمزور اور ضعیف لوگوں کی رعایت ہے دوسری آیت (معاف ودرگزر کرنا) اہلِ ہمت لوگوں کے مناسب حال ہے۔

(۹۴) فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ ۔ الآیۃ (النساء آیت نمبر ۱۶۰)

ترجمہ:۔ سو یہودیوں کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کردی اُن پر بہت سی پاک چیزیں جو اُنپر حلال تھیں۔
تفسیر:۔ یہودیوں کی اپنے نبیوں کے ساتھ مسلسل بغاوت وسرکشی کا انجام یہ ظاہر ہوا کہ انکی شریعت میں جو چیزیں پاک وحلال تھیں انھیں حرام کردی گئیں اور انکی شریعت کو سخت ترین شریعت بنادیا گیا تھا۔
سُلوک:۔ حکیمُ الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ گناہوں کے سبب سالک کے واردات کا قبض ہوجاتا ہے۔ (قلب کی اُن کیفیات کو واردات کہا جاتا ہے جو علم ویقین، ذوق وشوق، محبت الٰہی اور لذّتِ عبادات سے تعلق رکھتی ہیں۔)

(۹۵) يَاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔ الآیۃ (النساء آیت ۱۷۱)

ترجمہ:۔ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں کوئی بات حق کے سوا نہ کہو۔

تفسیر:۔ دین میں غلو کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ عقائد یا اعمال میں کمی یا زیادتی کردی جائے نیت خواہ کسی بھی قسم کی ہو۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ یہودیوں کا یہ غلو تھا کہ وہ ظاہری احکام میں کانٹ چھانٹ کیا کرتے تھے اور باطنی احکام (قلبی احکام) سے آنکھ بند کئے ہوئے تھے۔

اور عیسائی باطنی احکام میں شدت کرتے تھے اور ظاہری احکام سے منہ موڑے ہوئے تھے۔

لیکن طریق حق یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں کو جمع کیا جائے۔

(۹۶) لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ الآیۃ (النساء آیت ۱۷۲)

ترجمہ:۔ مسیح (علیہ السلام) اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ مقرب فرشتے۔

تفسیر:۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور مقرب فرشتے دنیا میں کثرت سے پوجے گئے ہیں۔

مشرکوں نے فرشتوں کو دیوی، دیوتاؤں کا نام دیکر پوجا ہے اور عیسائیوں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کو خدائی درجہ دیکر خدا، خدا کا بیٹا، تین خداؤں میں ایک خدا قرار دیا ہے۔

آیت میں بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ کی عبدیت کوئی توہین والی چیز نہیں ہے بلکہ اللہ کا بندہ ہونا کمالِ انسانیت کی دلیل ہے حضرت مسیح علیہ السلام ہوں یا یا مقرب فرشتے انھیں اپنی عبدیت پر نازاور فخر ہے۔

سُلوک:- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ بزرگی کے مراتب میں عبدیت (بندۂ کامل ہونا) اعلیٰ درجے کی بزرگی ہے، غالی قسم کے مریدوں اور عقیدتمندوں نے اپنے شیوخ و مرشدوں کو عبدیت سے باہر نکال کر اتنا اونچا کرنا چاہا کہ وہ عبدیت سے کچھ اوپر ہی ہیں۔

ضَلُّوا فَاَضَلُّوا۔ خود بھی گمراہ تھے اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

عارفین نے لکھا ہے۔

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ اِنْ تَرَقّٰی — وَالرَّبُّ رَبٌّ اِنْ تَنَزَّلْ

بندہ عرش پر پہنچکر بھی بندہ ہی رہے گا - اور اللہ نیچے اتر کر بھی اللہ ہی رہے گا۔

قرآن حکیم نے عبدیت سے عار کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ (النسآء آیت ۱۷۳)

سورۃ المائدۃ پارہ ۶

۹۷ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۲)

ترجمہ:- اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر لیا کرو۔

تفسیر:- حج یا عمرہ کے احرام میں جن امور کا کرنا منع ہے ان میں جنگل کا شکار کرنا بھی شامل ہے، البتہ احرام سے فارغ ہو کر شکار وغیرہ کر سکتے ہیں۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جس مباح (جائز) کام کے ترک کرنے پر بظاہر اس کے ممنوع ہونے کا شبہ پیدا ہو جائے اس جائز کام کا کرنا پسندیدہ عمل ہوگا۔

بعض شدت پسند سالکین جائز کاموں کے ترک کرنے میں حرام کی طرح احتیاط کرتے ہیں انکا یہ عمل غلو اور تشدد قسم کا ہے (جو قابل اصلاح ہے)۔

۹۸ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۲)

ترجمہ:- اور ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ کسی قوم سے تمہیں بیزاری اس بنا پر ہو کہ انھوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا کہ تم اس بیزارگی کے باعث (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔

تفسیر:- یعنی عقلی ناگواری اور طبعی بیزارگی کے باوجود اپنے فریق مخالف سے عدل و انصاف ہی کا معاملہ رکھا جائے، آیت میں مکۃ المکرمہ کے کافر مراد

ہیں جنھوں نے ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بیت اللہ تک پہنچنے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا ایسے موذی اور ظالم دشمنوں سے بھی اچھا سلوک کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ جس کسی سے بھی بغض فی اللہ ہو اس کے ساتھ معاملات میں بھی حدود شرعی سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے۔

(۹۹) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ (المآئدہ آیت ۲)

ترجمہ :- ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں کرتے رہو اور گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

تفسیر :- تقویٰ کی تعریف سلوک ۵۴ پر آ چکی ہے۔ دیکھ لی جائے۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مجالس خیر میں جس کا مقصد اشاعت دین و نصرت دین ہو شرکت کرنا واجب ٹھہرا، اسی طرح ان اداروں میں شرکت کرنا جن سے بے دینی یا بد عملی کی تائید ہوتی ہو ممنوع اور ناجائز قرار پاتا ہے۔ اس ہدایت کے بعد وَاتَّقُوا اللّٰهَ کی صراحت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خشیت الٰہی ایسی چیز ہے۔ جو ہر مجاہدہ کو آسان اور ہر پابندی کو سہل بنا دیتی ہے۔

(۱۰۰) وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۔ الآیۃ

(المآئدہ آیت ۳)

ترجمہ :- (تم پر حرام کی گئی ہیں مذکورہ چیزیں) اور یہ کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ گناہ کا کام ہے۔

تفسیر :- ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جنکے ذریعہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین مکہ

کسی اشکال یا تردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کیا کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ میں قریش کے سب سے بڑے بُت ہُبُل کے قریب رکھے رہتے تھے اِن میں کسی تیر پر اَمَرَنِیْ رَبِّیْ لکھا تھا (میرے رب نے حکم دیا ہے) کسی دوسرے پر نَہَانِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے منع کیا ہے) اس طرح ہر تیر پر اٹکل پچو باتیں لکھ چھوڑی تھیں جب کسی کام میں تردد ہوتا تو ایک تیر نکال کر دیکھ لیتے اگر اس پر اَمَرَنِیْ رَبِّیْ والا تیر نکل آیا تو کام شروع کر دیتے اور اگر اس کے خلاف والا تیر نکل آتا تو کام سے رُک جاتے۔ گویا یہ بتوں سے ایک قسم کا مشورہ اور استعانت سمجھی جاتی تھی قرآن حکیم نے ایسے خیالی وہمی عمل کو فسق (گناہ) قرار دیا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ آجکل چٹھی ڈالنے کا جو رواج چل پڑا ہے وہ اسی جوّے کی ملتی جلتی شکل ہے۔

(۱۰۱) اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ الآیۃ

(المائدہ آیت ۳)

ترجمہ:۔ آج کے دن میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین اور پورا کر دیا تم پر اپنا احسان اور پسند کر لیا تمہارے لئے دین اسلام کو۔

تفسیر:۔ حجۃ الوداع ۹ ذی الحجہ ۹ھ مطابق ۱۵، ۱۶ مارچ ۶۳۲ء یوم جمعہ بعد نماز عصر میدان عرفات میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے اردگرد چالیس ہزار سے زائد کا مجمع تھا مذکورہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد آپ صرف اکیاسی (۸۱) دن اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ فقہاء ظاہر و باطن نے

آیات سے جو مسائل اخذ کئے ہیں وہ سب دین ہیں ورنہ اکمالِ دین کے بعد اسکی اجازت نہ ہوتی (حالانکہ روز اوّل سے آج تک یہ عمل جاری رہا ہے) نیز آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہدین و مشائخ کی اتباع کرنی چاہیے۔

نیز آیت میں تکمیل دین کی بشارت دی گئی ہے اس سے کسی خوشخبری کا اعلان کرنا مفہوم ہوتا ہے (مرتب)

(۱۰۲) فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ الآیۃ (المآئدہ آیت ۳)

ترجمہ:- پھر جو شخص شدّتِ بھوک سے بے تاب ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ معاف کرنے والے رحمت والے ہیں۔

تفسیر:- یعنی حلال و حرام کا قانون تو مکمل ہو چکا اب اس میں کوئی تغیر و تبدیل کی گنجائش نہیں البتہ "مضطر" جو بھوک و پیاس کی شدّت سے بیتاب اور لاچار ہو جائے وہ اگر حرام چیز کھا پی کر اپنی جان بچالے تو اس کو اجازت ہے، لیکن اس اجازت میں یہ شرط بھی ہے کہ مقدار ضرورت سے زیادہ نہ کھائے اور لطف و لذت مطلوب نہ ہو۔ (غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ)۔

ایسے کھانے پینے کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے معاف کر دیا ہے گویا وہ چیز اپنی ذات میں حرام ہی رہے گی مگر اس کو کھا پی کر اپنی جان بچانے والا گنہگار نہ ہوگا۔

سُلوک:- حکیم الامت رحؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جس حرام چیز کی ضرورۃً اجازت حاصل ہو گئی اس سے حظِ نفس (لطف اندوزی) کی اجازت نہیں ہوگی۔ جیسے ڈاکٹر و طبیب، علاج معالجہ کرنے والے حضرات کو عورت یا اس کے جسم کو دیکھنا یا چھونا پڑے تو بقصد شہوت دیکھنا یا چھونا حرام ہوگا۔

نیز آیت میں قلب کی حفاظت کا خاص اہتمام کرنا ثابت ہوتا ہے۔

(۱۰۳) مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۶)

ترجمہ:۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے۔

تفسیر:۔ آیت میں وضو اور تیمم کے مسائل بیان کئے گئے ہیں اور اس میں سہولت بھی دی گئی ہے کہ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو مٹی سے تیمم کر لیا جائے ایسے ہی پانی کے استعمال سے تکلیف ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر لیا جا سکتا ہے یہ اللہ کی طرف سے سہولت اور نرمی ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ شرعی رخصتوں سے تنگدل ہونا اور اس پر نفس پرستی کا شبہ کرنا حق کی مزاحمت ہے (جو بڑی خطرناک حالت ہے)۔

(یعنی شریعت نے جن مسائل میں سہولت و نرمی دی ہے اُن سے استفادہ نہ کرنا یا اسکو اچھا خیال نہ کرنا حق کی مخالفت جیسا عمل سمجھا جائے گا۔ (سبحانہ وتعالیٰ)

(۱۰۴) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۸)

ترجمہ:۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اُس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو۔ انصاف کرتے رہو یہ بات تقویٰ سے بہت قریب ہے۔

تفسیر:۔ گویا ادائے حقوق کا دوسرا نام تقویٰ بھی ہے جس قوم یا جماعت سے مسلمانوں کو دشمنی ہو گی ظاہر ہے وہ دشمن ہی ہوں گے، تو مطلب یہ نکلا کہ

دشمنوں تک سے ادائے حقوق میں کمی نہ ہونی چاہیئے، جب کافروں سے ادائے حقوق کی تعلیم دی جارہی ہو تو پھر کفر سے کم درجہ اہلِ فسق و اہلِ بدعت وغیرہ کے ساتھ کیونکر انصاف نہ کیا جائیگا؟۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ معاملات میں طبیعت کے تقاضوں کے خلاف کرنا ایک مجاہدہ ہے اور یہاں اسی کی تعلیم دی جارہی ہے (یعنی شریعت کے منشاء و مراد کو اپنی طبیعت کے تقاضوں کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے)۔

عام طور پر معاملات میں بے انصافی کے دو سبب ہوا کرتے ہیں یا تو کسی فریق کی رو رعایت کرنا یا کسی فریق کی عداوت و مخالفت کرنا۔

سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں عدل و انصاف کا حکم سبب اوّل کی وجہ سے ہے اور یہاں سورۃ المآئدہ آیت ۸ میں سبب دوم کیوجہ سے ہے۔

(۱۰۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۔ الآیۃ (المآئدہ آیت ۱۱)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے ٹھان لی تھی کہ تم پر اپنے ہاتھ دراز کریں لیکن اللہ نے اُن کے ہاتھ تم سے روک لئے۔

تفسیر:۔ مکۃ المکرمہ کے مشرکین نے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن اللہ نے انکی ساری تدبیروں کو الٹا کر دیا اور وہ لوگ اپنے ناپاک ارادوں میں ناکام ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا تھا اللہ تعالیٰ نے وقت سے پہلے آپ کو مطلع فرما دیا، اس طرح ایک بڑے حادثے سے حفاظت ہو گئی۔ (ابن کثیر) اسی احسان کو آیت میں بیان کیا جارہا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے فرمایا اس آیت میں تردید ہے ان افراط پسند صوفیوں کی جو دنیا کی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ (نعمت خواہ آخرت کی ہو یا دنیا کی بہرحال وہ فضل الٰہی ہے)۔

(۱۰۶) وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے انمیں بارہ نقیب (سردار) مقرر کئے تھے

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں پر بارہ سردار مقرر فرمادیے تھے جو انکے دینی و دنیاوی معاملات کی نگرانی کیا کرتے تھے اس طرح چین وسکون سے انکی زندگی بسر ہوا کرتی تھی یہ عجیب بات ہے کہ ہجرت سے پہلے مکۃ المکرمہ میں جب انصار مدینہ نے لیلۃ العقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اُن میں سے بھی آپ نے بارہ نقیب کو نامزد فرمایا تھا ان ہی بارہ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے آپکے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔

تفسیر:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ اس آیت سے تائید ہوتی ہے مشائخ کے اس عمل کی جو اپنے مریدوں کی اصلاح کے لئے نائب مقرر کرتے ہیں تاکہ انپر نگرانی قائم رہے۔

(۱۰۷) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً۔ الآيۃ (المائدہ آیت ع۱۲)

ترجمہ:۔ غرض انکی عہدشکنی کی بنار پر ہم نے انھیں رحمت سے دور کر دیا اور انکے دلوں کو سخت کر دیا۔

تفسیر:۔ رحمتِ الٰہی سے دوری کو لعنت کہا جاتا ہے یعنی اللہ کے فضل و انعامات سے محرومی و تنگی ہوجائے۔

سلوک:۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے قبض طاری ہوجاتا ہے۔

(قبض کی تعریف سلوک ۳۱ میں آچکی ہے) نیز جس طرح گناہوں سے قبض طاری ہوجاتا ہے اسی طرح قبض سے بھی گناہ پیدا ہوجاتے ہیں۔

(۱۰۸) وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ الآيۃ (المائدہ آیت ع۱۴)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے اُن سے بھی عہد لیا تھا سو جو کچھ انھیں نصیحت کی گئی تھی اُسکا بڑا حصّہ وہ بھلا بیٹھے تو ہم نے اُن میں باہم بغض و عداوت قیامت تک ڈالدی۔

تفسیر:۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ گناہ جس طرح عذاب آخرت کا سبب بنتے ہیں اسی طرح عذاب دنیا کا بھی سبب بن سکتے ہیں (خانہ جنگی بھی یقیناً دنیا کا عذاب ہے)۔

(۱۰۹) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ الآيۃ (المائدہ آیت ع۱۵)

ترجمہ:- اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تمہارے پاس ہمارے یہ جو رسول آئے ہیں۔ یہ تمہارے آگے کتاب الٰہی کے وہ مضامین کثرت سے کھول دیتے ہیں جنھیں تم چھپاتے رہے ہو اور بہت سے امور کو نظر انداز بھی کر دیتے ہیں۔

تفسیر:- یہود و نصاریٰ کی اس خیانت کا ذکر کیا جا رہا ہے جو آسمانی کتاب تورات و انجیل میں انھوں نے بہت سی باتوں کو چھپایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن خیانتوں کو ظاہر کر دیا اور اپنے حلم و عفو کی خصلت کی وجہ سے تمہاری بہت ساری شرارتوں سے بھی صرف نظر کر لیا ہے۔

سلوک:- حکیم الامت نے لکھا ہے ایسے ہی کچھ عادت اہل اللہ کی رہی ہے جب تک کوئی دینی مصلحت نہ ہو اپنے غیظ و غضب پر عمل نہیں کرتے اور اگر کسی سے عداوت بھی کرتے ہیں تو اپنے نفس کی تسکین کیلئے نہیں کرتے (بلکہ اسکی اصلاح یا شعائر اسلامی کی سربلندی کے لئے کرتے ہیں)۔

(۱۱۰) قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ. الآية

(المآئدہ آیت ۲۷)

ترجمہ:- کہا اللہ تو متقین کا عمل قبول کرتا ہے۔

تفسیر:- حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹے ہابیل و قابیل کا واقعہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے جبکہ ہابیل کے ایک نیک عمل کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا تھا اور قابیل کا عمل مردود ہو گیا تھا، اس پر ہابیل نے اپنے بھائی قابیل سے کہا تھا کہ اللہ تو صرف متقین کا عمل قبول کرتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ ص ۴۸ دیکھئے)۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اپنے کسی کمال کا اظہار کرنا بطور شکر گزاری جائز ہے۔

(۱۱۱) لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ - الآيۃ (المائدہ آیت ۲۸)

ترجمہ:- اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کیلئے دست درازی کریگا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کے لئے ہرگز دست درازی نہ کروں گا میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

تفسیر:- قابیل اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنے کے درپے ہوگیا تھا لیکن ہابیل جو اللہ والا تھا اپنے بھائی کے خون سے اپنے ہاتھ ملوث کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ ہابیل نے اپنے بھائی قابیل کو جواباً قتل نہیں کیا اور خود قتل ہوگیا۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ ہابیل نے جواباً اپنے بھائی کے قتل سے احتیاط برتی۔ معلوم ہوا کہ شبہات سے احتیاط کرنا چاہئے (چونکہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب کہ مدافعۃً قتل کرنے کی اجازت نازل نہ ہوئی تھی)۔

ملحوظہ:- شاہ عبدالقادر صاحب محدث لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کو ناحق مارنے لگے تو اس کو اجازت ہے کہ ظالم کو مار دے اور اگر صبر کرے گا تو شہادت کا درجہ پائے گا۔

یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلے میں ہے ورنہ جہاں انتقام و مدافعت میں شرعی مصلحت و ضرورت ہو وہاں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنا جائز نہیں، مثلاً کافروں اور ظالموں سے قتال کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک شرعاً گنجائش ہے مسلمان بھائی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہ کئے جائیں۔

حضرت ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ میں پہلا شخص جس نے

مذکورہ آیت پر عمل کر دکھایا وہ سیدنا عثمان بن عفان رضؓ ہیں جنھوں نے باغیوں کے محاصرے کے وقت اپنا گلا کٹوا دیا لیکن کسی مسلمان کی انگلی کٹنے نہ دی۔
(ابن کثیر)

(۱۱۲) فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۳۱)

ترجمہ:۔ پھر وہ بڑا شرمندہ ہوا۔

تفسیر:۔ قابیل اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے شرمندہ ہوا کیونکہ روئے زمین پر قتل انسانی کا یہ پہلا حادثہ تھا اس سے پہلے کسی کو مرتا ہوا نہ دیکھا گیا تھا اور نہ مُردہ انسان کی لاش کا انجام معلوم تھا (کہ کیا کیا جائے؟) بھائی کے مُردہ جسم کو اٹھائے اٹھائے پھرتا رہا اور ایک مصیبت میں پڑ گیا۔

آخر ایک حقیر پرندہ کوّے کی ہدایت و رہنمائی پر بھائی کے مُردہ جسم کو دفن کر دیا، پھر حسرت و ندامت میں یہ کہنے لگا افسوس مجھے اس حقیر پرندے کے برابر بھی عقل و شعور نہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے فرمایا کہ قابیل کی یہ ندامت، توبہ و استغفار کی قسم نہیں ہے کیونکہ توبہ کی حقیقت میں ندامت و شرمندگی کے ساتھ معذرت اور فکر تدارک بھی شامل ہے (جو قابیل سے ثابت نہیں) بلکہ یہ طبعی ندامت تھی

(۱۱۳) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۳۵)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اللہ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

تفسیر:۔ وسیلہ کی تفسیر ابن عباس رضؓ، مجاہد رحؒ، قتادہ رحؒ، حسن بصری رحؒ وغیرہم نے "قربت" لکھی ہے۔ وسیلہ تلاش کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کا قرب

اور وصول تلاش کرو اور یہ نیک اعمال اختیار کرنے اور گناہوں سے دور رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ (ابن جریر، قرطبی، ابن قتیبہ، مدارک، روح المعانی)

اور جن لوگوں نے وسیلہ کے لفظ سے بزرگانِ دین سے استعانت اور استغاثہ (فریاد کرنا) ثابت کیا ہے انھوں نے عربی لفظ وسیلہ کو اُردو لفظ وسیلہ کا ہم معنیٰ سمجھا ہے جو ایک فاش غلطی ہے۔

روح المعانی کے مفسر علامہ آلوسیؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کر کے لکھا ہے کہ میت یا غائب شخص سے دُعا کروانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں اور یہ ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔

حضرات صحابہ سے بڑھکر نیکی و ثواب کا اور کون حریص ہوگا لیکن کسی ایک صحابی سے بھی ثابت نہیں کہ انھوں نے کسی بھی صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کے سامنے دُعا کرنے اور آپ کے وسیلے سے دعا کرنے سے بڑھکر اور کوئی مقام نہیں ہو سکتا لیکن یہاں بھی صحابہ کرام نے دُعا کرتے وقت قبلہ رُخ ہو کر دعا کی ہے۔ حالانکہ روضۂ مبارکہ عرش عظیم سے بھی افضل مقام ہے۔

علاوہ ازیں وفات نبویؐ کے بعد مسلمانوں پر بے پناہ مصائب و حوادث پیش آئے ہیں لیکن کسی صحابی نے بھی مرقدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت یا استغاثہ نہیں کیا۔

تو پھر بزرگانِ دین، اولیاء اللہ کی قبروں سے استغاثہ کرنا کہاں درست ہوگا؟ یہ ساری گمراہی لفظ وسیلہ کے اُردو معنیٰ لینے سے پیدا ہوئی ہے جبکہ وسیلہ

عربی لفظ ہے جس کے معنیٰ قربت ونزدیکی ہیں (یعنی اللہ کی رضا وخوشنودی) اور اللہ کی رضا وخوشنودی صرف اعمال صالحہ سے ملتی ہے نہ کہ بزرگانِ دین کی نذرونیاز، یاد وفریاد، استعانت واستغاثہ سے، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ

سُلوک:۔ رُوح المعانی کے مفسر نے لکھا ہے کہ توسل بالصالحین کے مسئلہ کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۱۴) فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۳۹)

ترجمہ:۔ پھر جو شخص اپنی ناشائستہ حرکت سے توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو بیشک اللہ اس پر توجہ کریگا۔ یعنی اس کا گناہ معاف کردیگا۔

تفسیر:۔ آیت میں توبہ کے ساتھ اصلاح کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسی کی توبہ قبول فرمائیں گے جو توبہ کے بعد اپنی اصلاح بھی کرلے۔ مثلاً چوری، رشوت وغیرہ کا جو مال لیا تھا وہ اس کے مالک کو واپس کردے یا اس سے معاف کروالے اور جب مالک معلوم نہ ہو تو اتنا مال فقیروں میں صدقہ کردے اسی طرح جھوٹ، غیبت، عزت ریزی وتہمت انگیزی وغیرہ میں صاحب حق سے معافی حاصل کرلینا بھی ضروری ہوگا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا توبہ کا معتبر ہونا اصلاح پر موقوف ہے۔

(۱۱۵) اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۵۰)

ترجمہ:۔ اب کیا جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہو؟ اور جو قوم اللہ پر ایمان رکھتی ہو اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہوسکتا ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں اُن لوگوں پر لتاڑ ہے جو خدائی نظام کے مقابلہ میں

غیر قوموں کے قانون چلاتے ہیں یا اپنے خود ساختہ نظریات کو جاری کرنا چاہتے ہیں
سُلوک :۔ علاّمہ ابن کثیرؒ نے ایسے لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا ہے اور ان سے جہاد کرنا واجب قرار دیا ہے۔

(۱۱۶) فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ. الآیۃ (المآئدہ آیت ۵۶)

ترجمہ :۔ اللہ کی جماعت ہی سب پر غالب ہے۔

تفسیر: اللہ کی جماعت سے مراد اہلِ ایمان ہیں جن میں اہل اللہ وخاصان خدا شامل ہیں۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّتؒ لکھتے ہیں کہ اہل اللہ پر اسبابِ مغلوبیت کا بظاہر کتنا ہی ہجوم ہو لیکن بوجہ توکل وتعلق مع اللہ اُن کے قلوب غالب اور پُر ہمّت ہی رہتے ہیں۔

(۱۱۷) قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ. الآیۃ (المآئدہ آیت ۶۰)

ترجمہ :۔ آپ کہدیجئے میں تم کو بتاؤں اُن میں سے کس کی بُری جزا ہے اللہ کے ہاں ؟ وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اُن پر غضب نازل کیا اور اُن میں سے بعض کو بندر کر دیا اور بعض کو سوّر بنا دیا اور جنھوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں درجے میں اور بہکے ہیں سیدھی راہ سے۔

تفسیر :۔ یہودیوں کے ان فرقوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو سرکشی وبغاوت میں اتنی دور نکل گئے تھے کہ آخر اُن کا انجام خسف ومسخ کی شکل میں ظاہر ہوا انھیں ذلیل وخوار بندر اور سوّر بنا دیا گیا۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر دینی مصلحت ہو تو کسی کی مذمت کو کھول کر بیان کر دیا جائے یہ عمل صبر وحلم کے خلاف

نہیں ہوگا۔

(۱۱۸) وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۶۲)

ترجمہ:۔ اور آپ ان میں بہت سے ایسے آدمی دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں۔

تفسیر:۔ یہودیوں کے عام اخلاق وعادات کا ذکر کیا جارہا ہے کہ انکے اکثر افراد بہت ہی شوق و ذوق سے ہر قسم کے گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں ان گناہوں کا اثر خواہ اپنی ذات تک محدود ہو یا دوسروں تک پہنچ جائے۔

(اِثم سے مراد لازمی گناہ جس کا اثر انکی اپنی ذات تک رہتا ہے اور عدوان سے مراد متعدی گناہ جس کا اثر دوسروں تک بھی پہنچ جائے) اسکے علاوہ حرام خوری، تو انکا عام شیوہ رہا ہے۔

یہ تو عام یہودیوں کے اخلاق وکردار تھے انکے خاص علماء ومشائخ کا حال اس سے بھی بدتر تھا جس کا دوسری آیت میں تذکرہ موجود ہے۔

(التوبہ آیت ۳۴)

سلوک:۔ قدیم حکماء کی نفسی تحلیل کے مطابق اِثم قوتِ نطقیہ سے صادر ہوتا ہے اور عدوان قوتِ غضبیہ سے پیدا ہوتا ہے اور حرام خوری قوت شہوانیہ سے پیدا ہوتی ہے۔

(علم تصوف میں ان قوتوں کو ملکات نفسیہ کہا جاتا ہے انہی کی اصلاح سے انسان کامل ہوجاتا ہے)۔

(۱۱۹) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۶۷)

ترجمہ:۔ اے پیغمبر جو کچھ آپؐ پر آپکے پروردگار کیطرف سے نازل ہوا ہے
وہ سب کا سب لوگوں تک پہنچادیں، اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے
اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں منصبِ رسالت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی جانب سے جو بھی اعلانات، احکامات، ہدایات و تذکیر نازل ہو رہی ہے اُنکو مِنْ وَعَنْ انسانوں تک پہنچادیا جائے اس میں کسی بھی قسم کی رُو رعایت، خوف و اندیشہ نہ کیا جائے اللہ آپ کی حفاظت کے لئے کافی ہیں۔

منصبِ رسالت کی تکمیل و تعمیل کے لئے آپ کو ایسے الفاظ سے نصیحت کی گئی کہ اس سے زیادہ مؤثر عنوان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اگر آپؐ نے آیات کا کوئی حصہ چھپالیا یا نظر انداز کر دیا تو سمجھا جائیگا کہ رسالت کا حق ادا نہ کیا۔

چنانچہ آپ نے تیس بائیس سال تک جس بے نظیر اُولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل صبر و استقلال سے منصب رسالت کو ادا کیا ہے اسکی مسلمانوں ہی نے نہیں غیر مسلموں نے بھی کھلی شہادت دی ہے۔

پھر خود آپؐ نے بھی اپنی وفات سے ڈھائی ماہ پہلے حجۃ الوداع کے موقعہ پر چالیس ہزار سے زائد مسلمانوں کے اجتماع میں علی الاعلان یہ فرمادیا "اے اللہ تو گواہ رہ میں نے تیری امانت کو پہنچا دیا"۔

ملحوظہ:۔ آیت مذکورہ سے شیعہ مذہب کی کھلی تردید ہو جاتی ہے کہ اُن لوگوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ موجود قرآن حکیم ناقص ہے، اصل قرآن ان کے تیرھویں امام "غارِ سُرَّ مَنْ رَّاٰیَ" (غار کا فرضی نام) میں لئے بیٹھے ہیں جب شیعہ برادری دنیا میں غالب آجائیگی تو وہ قرآن کا اصلی نسخہ لیکر باہر آئیں گے اور صحیح اسلام (یعنی شیعوں کا مذہب) پیش کریں گے پھر قیامت تک

شیعہ مذہب ہی باقی رہیگا، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کا مقولہ کس قدر برمحل معلوم ہوتا ہے۔ فرماتی ہیں۔

اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن حکیم کا کوئی سا بھی جزء چھپایا ہوتا تو کم از کم یہی آیت ہوتی "وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔ الآیۃ (ابن کثیر)

سُلوک :۔ فقہاء کرام نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح علماء اُمت کے لئے بھی کسی مسئلہ شرعی کو چھپانا جائز نہیں۔ (قرطبی)

اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حق پرست علماء، دین کے کام کو اپنے ذمے سمجھیں اور اپنی ضرورتوں کا کفیل اللہ کے فضل وکرم ہی کو سمجھتے رہیں۔

(۱۲۰) كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۷۰)

ترجمہ :۔ جب کبھی کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسا حکم لایا جس کو ان کا نفس نہیں چاہتا تھا تو بعض کو تو جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔

تفسیر :۔ یہودیوں کی قدیم تاریخ قتل انبیاء سے بھری پڑی ہے یہ بے نصیب قوم نبیوں کو قتل کرنا اپنا کارنامہ سمجھا کرتی تھی تاریخی کتابوں میں لکھا ہے کہ بسا اوقات ایک ایک دن میں ستر نبیوں کو قتل کیا ہے۔

اُولوالعزم رسولوں میں سیدنا زکریا اور سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو انھوں نے قتل کر دیا تھا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بھی درپے ہو گئے تھے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا کہ تمام گناہوں کی بنیاد "اتباع ہویٰ" (نفسانی خواہشات کی پیروی) ہے۔

اس لئے صوفیہ کرام اس کو ضعیف وکمزور کرنے کے لئے سخت کوشش

کرتے ہیں (مجاہدات کی غرض وغایت یہی ہوا کرتی ہے)۔

(۱۲۱) وَحَسِبُوْٓا اَنْ لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۔ الآیۃ

(المائدہ آیت ۷۱)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ یہی گمان کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے نظر فرمائی پھر بھی اُن میں بہت سارے اندھے وبہرے ہی رہے۔

تفسیر:۔ آیت میں یہودیوں کی آخرت فراموشی اور دنیا سازی کا حال بیان کیا گیا ہے کہ پختہ عہد وپیمان اطاعت توڑ کر اللہ سے بغاوت کی اس کے رسولوں کو جھٹلایا بعض کو قتل کیا اور بعض کو قید کیا ایسے شدائد جرائم کرکے مطمئن و بے فکر ہو گئے کہ اس کا انجام کچھ نہ ہوگا، اس طرح خدائی نظام سے بالکل ہی اندھے وبہرے ہو گئے؛ اللہ نے اُن پر ظالم بادشاہ بُخت نصر (بابل کا بادشاہ) مسلط کر دیا جس نے صرف ایک دن میں ستر ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور بیتُ المقدس کو ویران کیا اور ستر ہزار سے زائد یہودیوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے آیا۔ اس وقت ان لوگوں نے توبہ کی اللہ ان پر متوجہ ہوا پھر فارس کے بادشاہوں نے انھیں بُخت نصر کی غلامی سے نجات دلا کر بیت المقدس واپس کروا دیا۔

لیکن اس کے کچھ عرصے بعد پھر وہی شرارتیں کرنے لگے اور بالکل اندھے بہرے ہو گئے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے آیت مذکورہ سے استنباط کیا کہ گناہوں پر اصرار سے استعداد بالکل ہی مضمحل ہو جاتی ہے۔ اسی کو بُطلان استعداد کہا جاتا ہے۔ (یعنی گناہوں کو مسلسل کرتے رہنے سے حق قبول کرنے کی صلاحیت جوہر

انسان کے قلب میں اللہ نے ودیعت رکھی ہے سُست وکمزور ہوجاتی ہے پھر نیکی اور سچائی کی طرف قلب مائل نہیں ہوتا صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو بطلانِ استعداد کہا جاتا ہے)

قرآن وحدیث میں بھی اس بُری کیفیت کا ذکر ملتا ہے۔

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ الآیۃ (التطفیف آیت ۱۴)

ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔

(۱۲۲) لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۷۲)

ترجمہ:۔ یقیناً وہ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا خدا ہی تو مسیح بن مریم ہے۔

تفسیر:۔ عیسائیوں کا بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو حقیقی خدا سمجھا کرتے ہیں اور اس کی تاویل ان لوگوں نے یہ کی کہ خدا خود اپنے آپ مسیح بن مریم میں حلول (جذب) کر چکا ہے۔

دنیا کے عجائبات میں ایک یہ بھی ہے کہ عقلاً جو عقیدہ جتنا زیادہ مستبعد ہو اُسی قدر خوش عقیدگی سے قریب ہوتا ہے، عیسائیوں کے ہاں یہی حال مسیح بن مریم کا ہے کہ وہ بندہ اور خدا ایک ہونے پر غور تک نہیں کرنا چاہتے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں حلول واتحاد کا کھلا رد ہے جیسا کہ بعض جاہل صوفیہ اسکے قائل رہے ہیں۔

(۱۲۳) قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۷۶)

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نقصان پہنچا سکے نہ نفع۔

تفسیر: عیسائیوں کے ہاں یہ بات نہایت فخر سے بیان کی جاتی ہے کہ کلیسا نے اپنی طویل تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کہ خدا کے ساتھ مسیح سے بھی دعا نہ کی ہو۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں تردید ہے اُن لوگوں کی جو مشائخ کو مستقل متصرف سمجھتے ہیں۔ (اور اختیارات کا انھیں حامل سمجھتے ہیں)۔

(۱۲۲) لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا۔ (المائدہ آیت ۸۲)

ترجمہ: آپ لوگوں میں ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھکر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین کو پائیں گے۔ اور ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب اُنھیں پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

تفسیر: آیت میں مسلمانوں کا شدید دشمن یہودیوں اور مشرکین کو بتایا گیا ہے اور دوستی و محبت میں قریب تر نصاریٰ کو کہا گیا ہے کہ یہ لوگ دوستی میں مسلمانوں سے قریب تر ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ ان میں علم دوست شب بیدار علماء اور تارک دنیا درویش ہوا کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ان کے قلوب میں تواضع و انکساری پائی جاتی ہے۔ (جو اسلامی اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں)۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و اخلاق کو اعمال میں عظیم دخل ہے۔ اس لئے مشائخ طریقت نے علم و اخلاق کا اہتمام عمل سے زائد رکھا ہے۔

ملحوظہ: مذکورہ آیت میں نصاریٰ کو مسلمانوں کا قریبی دوست قرار دیا گیا ہے یہاں عوام الناس کو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے انھوں نے لفظ نصاریٰ اور عیسائیوں کو ایک ہی سمجھا ہے اور پھر یہ فرض کر لیا ہے کہ یہودیوں اور مشرکوں کی بہ نسبت

عیسائی لوگ مسلمانوں کے قریبی دوست ہیں، یہ ایک قدیم غلط فہمی چلی آرہی ہے جس میں بعض اہل علم بھی شریک ہو گئے ہیں۔

آیت میں عیسائی یا مسیحی سرے سے مراد ہی نہیں ہیں بلکہ نصاریٰ سے مراد نصاریٰ ہی ہیں (جمع نصرانی) یہ فرقہ توحید کا قائل تھا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نبی و رسول تسلیم کرتا تھا خدا یا خدا کا بیٹا یا شریکِ خدا نہیں کہتا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہی فرقہ حق پر تھا اسی فرقے کا ذکر قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت میں کیا جارہا ہے۔ یہ حق پرست فرقہ نصرانی یا ناصری کہلاتا تھا جو عہد نبوت میں موجود تھا اسی فرقے کے نصرانی بکثرت اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ موجودہ زمانے ۱۹۹۶ء میں ان کا وجود خال خال ہی پایا جاتا ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آبائی وطن ناصرہ ملک شام (موجودہ فلسطین) کا چھوٹا شہر تھا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یہاں آکر بس گئے تھے اسی نسبت سے جو لوگ آپ پر ایمان لائے اُنھیں ناصری یا نصرانی کہا جانے لگا یہ لوگ اصلی دین پر قائم تھے اور اس کی سچی پیروی کرتے تھے یہ لوگ موجودہ اناجیل اربعہ کے قائل نہ تھے صرف انجیل متیٰ کو تسلیم کرتے تھے جو حقیقی آسمانی کتاب تھی یہ کتاب بھی صدیوں سے اب غائب ہے اس کا کوئی صحیح نسخہ موجودہ دنیا میں پایا نہیں جاتا۔ بس ترجمے در ترجمے رہ گئے ہیں۔

(۱۲۵) وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ الآیۃ

(المآئدہ آیت ۸۳)

ترجمہ:- اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو پیغمبر پر نازل کیا گیا ہے تو آپ انکی آنکھیں دیکھیں گے کہ اُن سے آنسو بہہ رہے ہوں گے یہ اسلئے کہ انھوں نے

حق کو پہچان لیا۔

تفسیر:۔ اسلام کی پہلی ہجرت جو مکۃ المکرمہ سے ملک حبشہ کی طرف کی گئی تھی اس کے شرکاء میں حضرت جعفر طیارؓ بھی تھے جنھوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا تعارف کروایا تھا شاہ نجاشی کی خواہش پر حضرت جعفر طیارؓ نے سورہ مریم کی آیات تلاوت کیں، نجاشی اور اہل دربار رو پڑے اور اقرار کیا کہ بیشک یہ وہی کلام ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم نصاریٰ پر مشتمل تھا مدینہ منورہ آیا یہ لوگ مسجد نبوی میں قرآن پاک کی سماعت سے اسقدر متاثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر ربنا آمنا کے الفاظ جاری ہو گئے۔

سلوک:۔ تفسیر قرطبی کے مفسر نے لکھا ہے کہ اکثر ایسے مواقع پر اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوا کرتا ہے وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ ان کے آنسو بہنے لگتے ہیں (زیادہ ہنسنا جس طرح غفلت کی دلیل ہے اسی طرح رقت قلب بیداریٔ روح کی علامت ہے)۔

حکیم الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ کلام حق سے متاثر ہو کر آبدیدہ ہونا اور گریہ طاری ہو جانا صالحین کی سنت ہے۔

(۱۲۶) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۸۷)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اپنے اوپر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرلو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حدود سے آگے نہ نکلو بیشک اللہ حدود سے آگے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر:- اہل علم حضرات نے لکھا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں حلال و پاکیزہ ہیں ان کو ترک کر دینے میں کوئی فضیلت نہیں ہے جیسا کہ بعض خود ساختہ مذہبوں نے ترک لذائذ کو ایک معیاری اور بزرگی سمجھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ، بکری، اونٹ وگائے کے علاوہ مرغ کا گوشت بھی تناول کیا ہے فواکہ اور حلوے وشیرینی اور دوسری لذیذ اشیاء بھی آپ نے نوش فرمائی ہیں۔ (جصاص، مدارک)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ پیو البتہ اسراف اور فخر ونمائش سے احتراز رکھو (جصاص)

سلوک:- حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ آیت میں ترک حیوانات کا ابطال ہے جو بعض مدعیان طریقت کا شیوہ رہا ہے۔

(۱۲۷) اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ الاٰیۃ (المائدہ آیت ۹۱)

ترجمہ:- شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ شراب اور جوئے کے ذریعہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، سو اب بھی تم باز آؤ گے؟

تفسیر:- شراب نوشی اور جوے بازی کی مضرتوں اور آفتوں پر اگر لکھا جائے تو ضخیم کتاب مرتب ہو جائیگی، لیکن قرآن حکیم نے اس کی دو بنیادی مضرتیں بیان کی ہیں جو جسم وروح سے متعلق ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ملت میں اختلاف وفساد کا ذریعہ ہیں اور دوسری مضرت یہ کہ وہ اللہ کی یاد اور نماز سے دور کر دیتی ہیں۔ شرابی اور جواری کو نماز پڑھتے کم دیکھا گیا ہے۔

ہندوستان کے قدیم ترین قصے مہابھارت، عرب جاہلیت کی عام معاشرت

کے علاوہ موجودہ دنیا کے فرنگی نظام کی مہذب آبادی اس نجاست کیوجہ سے جس دلدل میں پھنسی ہوئی ہے اس کا مشاہدہ آنکھوں سے کیا جاسکتا ہے۔

سُلوک :- حکیم الامتؒ نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ گناہوں میں جہاں اُخروی مضرتیں ہیں دنیاوی قباحتیں بھی بہت ہیں۔

ملحوظہ :- صحابہ کرام جو آیت کے اوّل مخاطب ہیں آیت کے سنتے ہی پکار اٹھے اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا، اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا اے رب ہم باز آگئے، ہم باز آگئے، اس دن مدینہ کی نالیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔

یہ انقلاب عرب کے اُس اُمی صفت معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے عمر بھر کے شرابیوں، جواریوں کو پاکباز دمتقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا۔

اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱۲۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۹۵)

ترجمہ :- اے ایمان والو شکار نہ مارو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور اگر تم میں سے کوئی اسکو دانستہ مارے گا تو اُسکا جُرمانہ اسی طرح کا جانور ہوگا جس کو اُس نے مارا ہے اور اسکا فیصلہ تم میں دو معتبر آدمی کریں گے، خواہ وہ جرمانہ جانوروں کا ہو جو نیاز کے طور پر خانہ کعبہ تک پہنچائے جاتے ہوں خواہ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے یا اس کے مساوی روزے رکھ لئے جائیں تاکہ وہ اپنے کیئے کی شامت کا مزہ چکھے۔ الخ

تفسیر:- اللہ کی طرف سے مطیع فرمانبردار بندوں کا امتحان لیا جاتا ہے جیسا کہ سابقہ امتوں کے انسانوں کا امتحان لیا گیا ہے وہ یہ کہ حالت احرام میں (خواہ وہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا) شکار نہ کیا جائے جبکہ شکار سامنے ہو بسہولت پکڑنے کی صورت بھی موجود ہے، ظاہراً یہ حکم وہی شخص پورا کر سکتا ہے جو اللہ کے احکام پر یقین رکھتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب یہ حکم نازل ہوا تھا تو اسوقت شکار اس قدر قریب اور کثیر تھا کہ ہاتھوں اور نیزوں سے مار سکتے تھے مگر صحابہ کرام نے اس کا ایسا امتحان دیا کہ ان کے برابر دنیا کی کوئی قوم کامیاب نہ ہو سکی۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر حالت احرام میں شکار پکڑ لیا ہو تو ضروری ہے کہ اسکو چھوڑ دیا جائے اور اگر مار دیا ہو تو دو تجربہ کار معتبر آدمی (جنھیں جانوروں کی خرید و فروخت کا تجربہ ہو) اس مارے ہوئے جانور کی قیمت کا تعین کریں پھر اُس قیمت سے ایک جانور خرید کر کعبہ کے قریب حدود حرم میں ذبح کر دیں اور اس کا گوشت صدقہ کر دیا جائے۔

یا دوسری صورت یہ کہ اُسی قیمت کا غلّہ خرید کر محتاجوں میں ہر ایک مسکین کو بقدر صدقۃ الفطر تقسیم کر دیا جائے۔ یا تیسری صورت یہ بھی ہے کل غلّہ بقدر صدقۃ الفطر جتنے فقیروں کو پہنچتا ہے اتنے دنوں کے روزے رکھے جائیں (مثلاً جنس کی صدقۃ الفطر کی مقدار دس مسکینوں کو ملتی ہو تو دس روزے رکھے جائیں۔

ملحوظہ:- حالت احرام میں جنگل کا شکار کرنا تو منع ہے لیکن دریا کا شکار یعنی مچھلی پکڑنا جائز ہے اسی طرح دریا کا طعام یعنی جو مچھلی پانی سے جدا ہو کر مر گئی ہو وہ بھی حلال ہے۔ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ - الآیۃ۔

البتہ حدود حرم کے اندر شکار پکڑنا یا مارنا ممنوع ہے بلکہ شکار کو ڈرانا اور

وحشت زدہ کرنا بھی ممنوع ہے خواہ حالتِ احرام میں ہوں یا غیر احرام میں، عام حالت میں ہوں۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اس پوری آیت میں اہل ریاضت کے اس طریق کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ لوگ اپنی پہلی خطا پر اپنے نفس کو ایسی سزا دیتے ہیں جس کا تحمل کچھ آسان ہوتا ہے اور اگر وہ خطا پھر عود کر آئے تو اُسے ایسی سزا دیتے ہیں جو اُس پر قدرے بھاری و دشوار ہو۔

(۱۲۹) اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۹۶)

ترجمہ:۔ تمہارے لئے دریائی شکار اور اسکا طعام حلال کیا گیا ہے تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے۔

تفسیر:۔ حالت احرام میں مطلقاً شکار کرنا تو منع تھا لیکن دریائی سمندری شکار جائز رکھا گیا ہے یہ حاجیوں اور مسافروں کی نفع رسانی اور فائدے کے لئے حلال کیا گیا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ زہد میں تعدیل رکھنی چاہئے غلو و شدت سے احتراز ضروری ہے (زہد کے معنیٰ یہ نہیں کہ ترک حیوانات، ترک لذات کر دیا جائے بلکہ اس میں اعتدال رکھا جائے نہ اسراف ہو نہ بے جا خرچ ہو اور نہ نام و نمود و شہرت ہو)۔

(۱۳۰) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۱۰۰)

ترجمہ:۔ آپ فرما دیں کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے گو تم کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو۔

تفسیر:۔ ناپاک وحرام چیزوں کی کثرت خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو اور وہ بھلی بھی لگتی ہوں اس کے قریب نہ جانا چاہیے ہر زمانے میں بدی اور ناپاک چیزوں کی کثرت رہی ہے اور آج بھی موجود ہے۔

ایمان والوں کے لئے یہی چیزیں ابتلاء وآزمائش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے عالم روحانیات میں جو چیزیں گندی اور خبیث ہیں وہ عالم جسمانیت میں خوبصورت اور لذت والی دکھائی دیتی ہیں۔

لیکن ان کی ظاہری کثرت اور لطف ولذت عالم آخرت میں دائمی وابدی لذتوں سے محروم کر دینے والی ہیں۔

اس لئے آیت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ پاکی اور ناپاکی کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ (تفسیر کبیر)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ حق پرستوں کی قلت کے مقابلہ میں اہل باطل کی کثرت سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ (کہ حق انہی کے پاس ہے)

(سنت اللہ یہی رہی ہے کہ حق قلت ہی میں رہا ہے)۔

(۱۳۱) مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۱۰۳)

ترجمہ:۔ اللہ نے نہ بحیرہ کو جائز کیا ہے نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو۔ البتہ جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ پر جھوٹ جوڑتے رہتے ہیں۔

تفسیر:۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی یہ زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نذر ونیاز والے جانور کے نام ہیں۔

حضرت سعید بن المسیبؒ نے انکی وضاحت اس طرح کی ہے۔

بحیرہ۔ ایسا جانور جس کا دودھ بتوں کے نام وقف کیا جاتا تھا کوئی اپنے استعمال میں نہیں لایا کرتا۔

سائبہ۔ ایسا جانور جو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا پھر اسکا کوئی مالک نہ ہوا کرتا۔

وصیلہ۔ وہ اونٹنی جو مسلسل مادہ بچے جنے درمیان میں نر بچہ نہ جنی ہو۔

حامی۔ وہ نر اونٹ جو ایک خاص عدد جفتی کر چکا ہو اسکو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ (بخاری)

مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کی گھڑی ہوئی رسمیں اور ایسے جانوروں کا ادب و احترام من گھڑت اور خام خیالی ہے ان کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ یہ جانور اسطرح قابل احترام ہو جاتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ آیت شریفہ میں اہل جاہلیت کی ان بدعتوں کا ابطال ہے جو جانوروں کو غیر اللہ (بتوں) کے نامزد کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ آج کے دور میں بعض جہلاء ارواح طیبہ سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ایسا ہی کرتے ہیں۔ (جیسا شاہ مدار کی گائے، شیخ سدو کا بکرا، جہانگیر پیران کی بکری، اجالے شاہ کا مرغا، بی بی کی صینک، شیخ جیلانی کے گنڈے، اجمیر شریف کا حلوہ وغیرہ وغیرہ)

(۱۳۲) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۔ الآیۃ

(المآئدہ آیت ۱۰۴)

ترجمہ:۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ؟ تو کہتے ہیں ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر

ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے۔

تفسیر:۔ زمانہ قدیم کے ہر دور میں اسی جواب سے نبیوں کا انکار کیا گیا ہے اور ہر قوم نے یہی بات دُہرائی ہے اور آج بھی جاہلی مذاہب اسی فلسفہ پر قائم ہیں۔ ہندوستان کی بڑی آبادی کے پاس آج نہ کتاب ہے نہ کسی آسمانی رسول کی تعلیم محفوظ ہے بس رسومات کا ایک مجموعہ ہے جو مجہول الحال پنڈتوں، رشیوں، جوگیوں، برہمنوں سے چلا آرہا ہے اور اس پر آنکھیں بند کر کے پوجا ہو رہی ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں تردید ہے جاہل صوفیوں کے اُن طریقوں کی جب اُن کے سامنے کتاب اور سنت پیش کی جاتی ہے تو وہ اپنے مشائخ کے معمولات سے سند پکڑتے ہیں اور اسکو کافی سمجھتے ہیں۔

(۱۳۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۱۰۵)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو تم اپنی فکر میں لگے رہو کوئی بھی گمراہ ہو جائے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں جبکہ تم راہ پر ہو۔

تفسیر:۔ مطلب یہ کہ آباء و اجداد کی اندھی تقلید کفر و شرکیہ رسم و رواج سے نصیحت کرنے کے بعد بھی لوگ باز نہیں آتے لہٰذا تم اس غم میں نہ پڑو کسی کی گمراہی سے تمہارا نقصان ہونے والا نہیں جبکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، سیدھی راہ یہ ہے کہ ایمان و تقویٰ اختیار کر لیں خود بُرائی سے بچتے رہیں اوروں کو بھی روکنے کی امکانی کوشش میں لگے رہیں وبس۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ یہی طریقہ عارفین سالکین کا ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر دینے کے بعد نتائج کا انتظار نہیں کرتے

(١٣٤) اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ الآیۃ (المائدہ آیت ۱۱۲)

ترجمہ:۔ جب حواریوں نے کہا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے بھرا دسترخوان اتارے۔ الخ۔

تفسیر:۔ یہ بیہودہ فرمائش یہودیوں کی کوئی نئی نہ تھی اس سے پہلے بھی عجیب و غریب فرمائشیں کرتے رہے ہیں جس سے صرف نبیوں کو پریشان کرنا مقصود ہوا کرتا تھا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو؟

سلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اولیاء اللہ سے خرقِ عادت اشیاء کا طلب کرنا اسی قسم میں شمار ہوتا ہے۔ (خرقِ عادت قانون فطرت کے خلاف عمل کو کہا جاتا ہے)۔

(١٣٥) وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ الآیۃ

ترجمہ:۔ (اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو بھی معبود بنا لو؟

عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے پاک ہے تو (اس نسبت سے) میرے لئے یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں ایسی بات کہدوں جسکا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً آپکو اس کا علم ہوتا۔ الخ۔

تفسیر:۔ اللہ کے اس سوال کا منشا۔ استفہام یا استفسار کرنا نہیں ہے

بلکہ مسیح پرستوں اور مریم پرستوں پر مزید حجت قائم کرنا اور انھیں اور زیادہ لاجواب کرنا ہے۔

سلوک :- امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب بجائے "مَا قُلْتُ" (میں نے ایسا نہیں کہا) کہنے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اس علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا کہ "آپ بہتر جانتے ہیں"۔ یہی عنوان ادب و احترام کے زیادہ مناسب ہے کہ بڑوں کو دو بدو جواب دینے میں اکثر بے ادبی کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے۔

---

(۱۳۶) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ - الآیۃ (انعام آیت ۷)

ترجمہ :- اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل کرتے پھر اسکو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر کھلا ہوا جادو ہے۔

تفسیر: کافروں کے ضد و عناد کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ قرآن سننا تو در کنار اس بارے میں غور و فکر کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں تو پھر انھیں ہدایت و رہنمائی کیونکر ملے گی۔

جیسا کہ بعض معاندین کا اصرار تھا کہ اگر قرآن اللہ کی کتاب ہے تو پھر تورات و انجیل کی طرح کتابی شکل میں کیوں نازل نہیں ہوئی؟ آیت میں اسی کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی حق قبول کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کی مخالفت ہی کرنی مقصود ہے تو کوئی بھی دلیل اس کے لئے بے کار اور غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔

سلوک :- حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ آیت میں معاندین (عناد والوں) کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ کسی بھی طرح مستفید نہیں ہوتے، اہل طریق ایسے لوگوں کے زیادہ درپے نہیں ہوا کرتے ہیں۔

(۱۳۷) قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ الآیۃ (انعام آیت ۱۴)

ترجمہ:۔ آپ فرمادیں کہ مجھکو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور تم کہیں مشرکین میں نہ ہوجانا۔

تفسیر:۔ ایمان اور ایمان کے تقاضوں کا سب سے پہلے خود نبی ورسول کو پابند ہونا پڑتا ہے، وہ اُمت کے لئے نمونہ اور رہنما دونوں حیثیت والا ہوتا ہے اس لئے وہ اہل ایمان کی صفوں میں سب سے آگے ہوا کرتا ہے، اسی کا ذکر کیا جارہا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ تکالیف شرعیہ (احکامات وہدایات شرعیہ) کسی سے تاحیات ساقط نہیں ہوتے، حتیٰ کہ نبیوں سے بھی (زندگی کے آخری لمحہ تک وہ پابند شریعت ہی رہتے ہیں۔)

(۱۳۸) وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ۔ الآیۃ (انعام آیت ۱۷)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ تجھکو کچھ دُکھ پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا کوئی نہیں سوائے اللہ کے اور اگر وہ تجھکو کچھ بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر:۔ آیت مذکورہ توحید کی اساس ہے کہ دنیا کا کوئی نفع یا نقصان اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا، کائنات کی تمام حرکات وسکنات اللہ کے قائم کردہ نظام کے تحت قائم ہیں وہ اس کائنات میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے ساری مخلوق جواب دہ ہے وہ کسی جواب کا پابند نہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ آیت میں نفی ہے غیر اللہ سے مستقل تصرف کی حتیٰ کہ مقبولین بارگاہ سے بھی۔

(۱۳۹) وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ

إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۔ الآیۃ (انعام آیت ۲۶)

ترجمہ :- اور یہ لوگ اُس نبی سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے الگ رہتے ہیں، ایسے لوگ خود اپنے آپکو تباہ کر رہے ہیں اور وہ اسکا شعور نہیں رکھتے۔

تفسیر :- آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ خاندانِ نبوت کے بعض لوگ جیسے خواجہ ابو طالب اور اُن کے ماتحت لوگ مخالفین کے ضرر و نقصان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روکا کرتے تھے لیکن خود یہ لوگ آپ پر ایمان لانے سے دور رہا کرتے تھے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و دفاع میں مستعد تھے لیکن اپنی نجات کی انھیں فکر نہ تھی۔ اس طرح یہ لوگ خود اپنے آپ ہلاکت سے دوچار رہے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

سلوک :- حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ طبعی محبت بغیر عقلی محبت کے مفید نہیں۔

مطلب یہ کہ جب کسی سے طبعی محبت ہے تو اس کا اتباع کرنا چاہیئے اور اسکے منشا، و مُراد کو بھی پورا کرنا چاہیئے محض رشتہ ناطہ آخرت کی نجات کے لئے کافی نہیں ہوتا، عقلی محبت یہ ہے کہ عقل سے کام لے اور ایمان قبول کرے۔

(۱۴۰) فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۔ الآیۃ (انعام آیت ۴۴)

ترجمہ :- پھر جو وہ لوگ اُن چیزوں کو بھولے رہے جنکی انھیں نصیحت کی جاتی رہی ہے تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اترانے لگے اِن نعمتوں پر جو انھیں دی گئیں اچانک انھیں ہم نے پکڑ لیا اور پھر وہ نااُمید رہ گئے۔

تفسیر:۔ آیت میں انسان کی اُس خطرناک غفلت پر تنبیہ کیجا رہی ہے کہ کسی بھی جرم و گناہ پر انسان کو متنبہ ہو جانا چاہیئے لیکن مجرم نے ایسا نہ کیا اور مستقل گناہ و غفلت میں پڑا رہا تو سنتُ اللہ بھی رہی ہے کہ مجُرم کو لمبی ڈھیل دی جاتی ہے اور اسکو اللہ کی نعمتوں میں اضافہ ہی نظر آنے لگتا ہے اور وہ اسپر مزید بھول و غفلت میں پڑ جاتا ہے ایسی حالت میں کسی بھی وقت اسکو دفعتہً پکڑ لیا جاتا ہے اور ساری نعمتیں اور چین و سکون چھین لئے جاتے ہیں۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ بعض سالکین کو گناہ اور غفلت کے باوجود ذوق و حال باقی رہا ہے جس پر وہ فخر کرنے لگتا ہے کہ اب اللہ کا فضل و کرم شاملِ حال ہو گیا ہے نسبت مع اللہ مضبوط ہو گئی ہے اب کوئی اندیشہ نہیں، یہ کیفیت استدراج کہلاتی ہے (خطرناک ڈھیل) جو کسی بھی وقت سلب کر لی جا سکتی ہے۔

(۱۲۱) وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ الآیۃ (انعام آیت ۵۲)

ترجمہ:۔ اور آپ ان لوگوں کو اپنے سے دُور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کو اسکی رضا جوئی کے لئے پکارا کرتے ہیں۔

تفسیر:۔ مراد اس سے وہ غریب مسلمان ہیں جنھوں نے اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا ہے ان کی غربت اور ان کا خستہ حال ایسا نہیں ہے کہ محض اس وجہ سے انھیں اپنے سے دور رکھا جائے۔

یعنی کسی شخص کی عزت و تکریم اس کی خوش لباسی کی بناء پر اور کسی کی تحقیر و تذلیل اس کی بد لباسی کی بناء پر کرنا دونوں درست نہیں۔ (قرطبی)

اصل عزّت و فضیلت ایمان اور نیک عمل کی وجہ سے ہوا کرتی ہے دنیا کے

مال ومتاع کی کثرت یا قلت عزت وذلت کا معیار نہیں ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے فرمایا آیت سے یہ بھی اخذ ہو سکتا ہے کہ مشائخ اپنے مریدوں کو بلا مصلحت شرعی اپنے سے دُور نہ رکھیں ان کے پاس مقید ہو کر بیٹھیں رہیں اور انھیں رحمت وسلامتی کی بشارت دیں۔

(۱۴۲) قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔ الآیۃ (انعام آیت ۶۳)

ترجمہ:۔ آپ کہیے کہ تمہیں کون نجات دیتا ہے خشکی وسمندر کی تاریکیوں سے اور تم اسے پکارتے رہتے ہو عاجزی سے اور چپکے چپکے کہ اگر وہ ہم کو نجات دیدے ان مصیبتوں سے تو ہم یقیناً شکر گزاروں میں داخل ہو کر رہیں گے۔

تفسیر:۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مصائب وآلام کے وقت جبکہ تمام ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں اور نجات وخلاصی سے نا امیدی ہو جاتی ہے خاص طور پر سمندروں میں سفر کرتے وقت تو ایسے مواقع پر تمہاری بشری فطرت خود بخود پکار اٹھتی ہے اور اللہ کی جانب متوجہ ہو کر دُعا وزاری کے لئے ہاتھ اٹھوا دیتی ہے اس وقت آدمی سوائے خدا کے سہارے کے اور کوئی سہارا نہیں پاتا، کیا یہ بات کافی نہیں کہ خدا ہی تمہارا مالک اور خالق ہے؟

پھر اس کو چھوڑ کر دوسروں کا سہارا کیوں تلاش کرتے ہو۔

توحید کا یہ فطری تقاضہ ہے جو اللہ نے ہر انسان کے قلب میں امانت رکھی ہے اسی تقاضے سے انسان اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اور یہی فطری احساس ایمان لانے کیلئے حجت ودلیل بھی ہے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں مصیبت زدہ انسان کے لئے چار

صفات کا اثبات کیا ہے۔

(۱) دُعا (۲) تضرّع (۳) اخلاص قلب۔ (۴) احساس شکر گزاری۔

گویا مصیبت کو دور کرنے کیلئے یہ چار عمل ہیں۔

سُلوک :- حکیم الامت نے فرمایا کہ مذکورہ آیت کے عموم سے ذکرِ الٰہی کی مختلف صورتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

خفی، جلی، قلبی، لسانی، آیت سے ہر قسم کے ذکر کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

(۱۴۳) وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ الآیۃ (انعام آیت ۷۰)

ترجمہ :- اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش ہوجایئے جنھوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ الخ

تفسیر :- دین کی دعوت و تبلیغ سے صرف وہی لوگ ہدایت پاتے ہیں جن میں اپنے انجام کا احساس باقی ہے، رہے وہ لوگ جنھوں نے دین و مذہب کو خواب و خیال سمجھ رکھا ہے اور دنیا کی زندگی ہی کو اپنا میدان سمجھ رکھا ہے ایسے لوگ نصیحت و خیر خواہی کو خاطر میں نہیں لاتے ایسے لوگوں سے دور رہنا ہی بہتر ہوا کرتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں دین کے ایک معنیٰ عَادَۃً بھی ہیں اور عید کو عید اس وجہ سے بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ہر سال عود کر آتی ہے۔ (روح المعانی)

کافروں نے اپنی عیدوں کو کھیل کود کی طرح بنا لیا ہے لہٰذا آپ اِنکے

میلے ٹھیلوں سے دور رہتے، اسلام کی عیدیں لہو ولعب کی طرح نہیں یہ خالص عبادتیں ہیں جنکو عبادت ہی کے طور پر منانا چاہیئے، اور عبادات بندگی کے قوانین ہیں جکڑے ہوئے ہیں کھیل تماشہ نہیں جیسا کہ غیر مسلموں کی عیدوں کا حال ہے۔

قرآن حکیم نے کافروں اور مشرکوں کی عبادات کا یہی حال نقل کیا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً الآية

(انفال آیت ۳۵)

ان کی نمازیں (عبادت) بیت اللہ کے پاس صرف سیٹیاں بجانا اور تالی پیٹنا ہی تھا۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے روح المعانی کی تفسیر سے اخذ کیا ہے کہ موجودہ زمانے کے عرس و اعراس، میلے ٹھیلے، منکرات و بدعات کی شمولیت کی وجہ سے مشرکین کی عبادات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اللّٰہم اھدہم۔

(۱۲۷) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً الآية (انعام آیت ۷۴)

ترجمہ :۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم انبیاء کے جدِ اعلیٰ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسی لقب سے یاد فرمایا ہے قرآن حکیم نے اسلام کو "ملت ابراہیم" اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مسلمانوں کا باپ قرار دیا ہے سیدنا ابراہیم

کی ساری زندگی بُت پرست ستارہ پرست مشرکوں سے بحث ومناظرہ، دعوت وتبلیغ میں صرف ہوئی ہے طبقۂ انبیاء میں توحید کے علمبردار اور داعی کی حیثیت سے ممتاز رہے ہیں۔

مذکورہ آیت میں اپنے باپ آزر اور اپنی قوم سے توحید پر بحث کر رہے ہیں۔ (تفصیل ہدایت کے چراغ جلد ۱ ص ۱۷۱ پر دیکھئے)۔

سُلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ مشغول مع الحق اور اہلِ باطل سے بحث ومناظرہ کرنے والوں میں کوئی تنافی نہیں بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ ہو۔

(مطلب یہ کہ کامل طور پر اپنے اکثر اوقات عبادات میں مشغول رکھنا یا اہلِ باطل فرقوں سے بحث ومناظرہ میں اپنے اوقات صرف کرنا دونوں ہی عبادت ہیں ہر دو عمل کے حدود ہیں جن کا پاس ولحاظ رکھنا دونوں صورتوں میں ضروری ہے)۔

(۱۲۵) وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْــًٔا۔ الآیۃ (انعام آیت ۸۰)

ترجمہ:- میں اُن سے نہیں ڈرتا جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو، البتہ اگر میرا ربّ ہی کوئی بات چاہے۔

تفسیر:- سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعوت وتبلیغ، بحث ومناظرہ کا ذکر کیا جارہا ہے جبکہ قوم کے بڑوں نے انھیں دھمکی دی کہ اگر ہمارے بتوں کو ایسے ہی بُرا بھلا کہا جاتا رہیگا تو یاد رکھو وہ تمہاری ایسی خبر لیں گے کہ تم کو نجات کا کوئی راستہ نہ ملے گا ان کی قوت وغضب سے تم واقف نہیں ہو وہ تمہیں کسی بھی وقت تہس نہس کر ڈالیں گے۔

جیساکہ آج کے دور میں توحید و سنّت کے حامیوں کو قبر پرست، مُردہ پرست ضعیف الاعتقاد مسلمان ڈراتے دھمکاتے ہیں کہ تم پر فلاں بزرگ کی مار پڑے گی، فلاں ولی کا غضب ٹوٹ پڑے گا، فلاں شاہ صاحب کی رحمت و برکت سے محرومی رہے گی۔ وغیرہ وغیرہ)۔

بہر حال مشرکوں کی دھمکی پر سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے مذکورہ جواب دیا کہ میں ان سے ذرّہ برابر بھی نہیں ڈرتا جن کو تم لوگوں نے خدا کا شریک قرار دے رکھا ہے۔

سُلوک: حکیمُ الامّت ؒ نے مذکورہ آیت سے ایک ادب اخذ کیا ہے وہ یہ کہ قوم کی دھمکی پر سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا وَلَآ اَخَافُ (میں قطعی نہیں ڈرتا) اس عنوان میں دعویٰ اور شان کا پہلو نکل سکتا تھا جو سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام جیسے باادب، خاشع، متواضع نبی و رسول سے ممکن نہیں لیکن اسکے ساتھ " اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ " کہکر اپنے کلام کی صورت دعویٰ کو دور کر دیا (البتہ میرا رب چاہے تو اور بات ہے میں ڈر بھی سکتا ہوں اور نقصان بھی اٹھا سکتا ہوں) بات چیت اور کلام و خطاب میں شان و فخر کا عنوان نہ ہونا چاہیے۔

(۱۳۶) وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ الآیۃ (انعام آیت ۸۷)

ترجمہ: اور ہم نے ہدایت اُن کے باپ داداؤں اور انکی اولاد اور اُن کے بھائیوں میں سے چند ایک ہی کو دی اور ہم نے ان کو پسند کیا اور انھیں سیدھی راہ چلایا۔

تفسیر: سابقہ آیتوں میں اٹھارہ اولوالعزم رسولوں کے نام مسلسل ذکر کئے گئے ہیں کہ یہ سب انبیاء صادقین اللہ کے برگزیدہ اور مطیع و فرمانبردار بندے تھے۔

ان کے آباء واجداد و خاندان میں بعض کو ہدایت دی گئی اور بعض کو منتخب کر لیا گیا یہ سب رسول واجبُ الاتباع، ہادی مہدی شخصیات ہیں۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامت نے آیت کے لفظ "اِجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ" سے یہ اخذ کیا ہے کہ اجتباء (منتخب کر لینا) کا حاصل "جذب" ہے اور ہدایت (رہنمائی) کا حاصل "سلوک" ہے۔

(جذب و سلوک علم تصوف کی خاص اصطلاح ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ راہ کی نشاندہی کر دی جائے کہ اس پر چلکر بندہ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اسکو "طریق سلوک" کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے فضل و کرم سے کسی کو منزل تک پہنچا دیں اس کو "طریق جذب" کہا جاتا ہے)۔ ہر دو طریق میں عبادت و ریاضت ضروری رہتی ہے۔

انبیاء کرام کو "طریق جذب" سے سرفراز کیا جاتا ہے اور غیر انبیاء کو دونوں طریق سے ہدایت نصیبی دی جاتی ہے۔

(۱۳۷) وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ الآیۃ

(انعام آیت ۸۸)

ترجمہ :۔ اور اگر بالفرض یہ سب نبی شرک کرتے تو ان کا سارا کیا کرایا ضائع ہو جاتا۔

تفسیر :۔ اوپر کی آیات میں جن اٹھارہ انبیاء و رسل کے نام آئے ہیں انکا تذکرہ کر کے فرمایا گیا کہ یہ سب توحید کے داعی و علمبردار تھے اگر یہ حضرات بھی (نعوذ باللہ) شرک کرتے تو انکی زندگی کے سارے اعمال غارت ہو جاتے یعنی شرک ایسا گھناؤنا جرم ہے کہ نبیوں سے بھی بخشا نہ جاتا انکی مقدس و پاکیزہ زندگی بھی ضائع ہو جاتی۔ وَقَدْ اَعَاذَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ۔

سُلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا ایسا کوئی خاص بندہ نہیں جس پر کسی بھی حال میں مواخذہ نہ ہوسکے جیسا کہ بعض جاہل صوفی امت کے بعض اولیاء اللہ کو "اللہ کا معشوق" سمجھا کرتے ہیں (کہ ان پر اللہ کا عقاب یا عتاب ہو ہی نہیں سکتا۔ [1]

(۱۲۸) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ۔ الآیۃ (انعام آیت ۹۳)

ترجمہ :۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت گھڑ لے یا کہنے لگے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے جبکہ اس پر کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ الخ

تفسیر :۔ عہد نبوت میں چند ایک ایسے افراد بھی گذرے ہیں جنھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اللہ کے کلام کی طرح ہم بھی کلام پیش کر سکتے ہیں۔ احادیث کی کتابوں میں کم از کم ایسے دو نام ملتے ہیں۔ (۱) نضر بن حارث، (۲) عبداللہ بن ابی سرح، عبداللہ بن ابی سرح تو سیدنا عثمان غنی رضؓ کے رضاعی بھائی ہوتے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہ چکے ہیں لوگوں میں اپنی شہرت کیلئے یہ مشہور کر دیا کہ رات کے کسی خاص حصے میں ایک جن آیا کرتا ہے اور وحی کے نام سے اپنا کلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سناجاتا ہے جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صبح میں مجھ سے لکھوا لیتے ہیں یہ اسلام چھوڑ کر مشرکین سے جا ملے ایک مدت تک مرتد اور واجب القتل رہے۔ فتح مکہ کے دن جب انھوں نے اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سُنی تو روپوش ہو گئے پھر سیدنا عثمان غنیؓ کی سفارش کے ساتھ

---

[1] اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اولیاء اللہ پر عقاب یا عتاب ہوگا، قرآن حکیم نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ اولیاء اللہ پر نہ خوف ہے نہ غم کا اندیشہ۔ الآیۃ۔
عتاب کا ہونا اور چیز ہے کہ وہ تو نہ ہوگا البتہ اللہ تعالیٰ اُس پر قادر ہونا اور چیز ہے۔ سلوک میں یہی قدرت کی بات کہی جا رہی ہے۔ (فافہم وتدبر) منہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور آخر وقت تک اسلام پر قائم رہے۔

عہد خلافت میں بڑے بڑے معرکہ انجام دیئے ان میں فتح مصر اور فتح حبشہ شامل ہیں۔

یہ زندگی بھر دعا کرتے رہتے تھے کہ اپنی موت نماز کی حالت میں آجائے چنانچہ ایسے ہی ہوا فجر کی نماز کا سلام پھیر رہے تھے کہ وفات ہوگئی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا۔

بہرحال مذکورہ بالا آیت عہد نبوت کے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سلوک: حکیم الامت رحمہ اللہ نے آیت مذکورہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی خواب تراشے یا کسی وارد قلبی و جھوٹے الہام کا دعویٰ کرے یا اپنے اوہام وخیالات کو فیضانِ غیبی ظاہر کرے ایسا شخص بھی آیت کے مفہوم میں آجاتا ہے۔

بعض فقہاء کرام و مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ جو شخص فقہ و سنت و آثار صحابہ سے اپنے آپکو مستغنی سمجھکر خود رائی اختیار کرلیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری رائے فلاں مسئلہ میں یہ ہے یا یہ مسئلہ عوام الناس کے لئے ہے مجھ جیسے خواص کے لئے نہیں وہ بھی مذکورہ آیت کی وعید میں آجاتا ہے۔ (قرطبی)

(۱۲۹) وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢبِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ الآیۃ (انعام آیت ۱۰۸)

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو گالی نہ دو جن کو یہ کافر لوگ اللہ کے سوا پکارا کرتے ہیں ورنہ یہ لوگ بھی اللہ کو حد سے گزر کر براہِ جہالت گالی دینگے۔

تفسیر: مطلب یہ کہ غیر مسلموں کو تو تبلیغ کی جائے گی البتہ یہ ضروری ہے کہ

ہم اپنی جانب سے ان کے مزید کفر و شرک کے سبب نہ بنیں، مثال کے طور پر اُن کے مذہب کی تردید یا بحث و مناظرہ میں غصہ ہو کر ان کے معبودوں اور مقتداؤں کو بُرا بھلا کہنے لگو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی جواب میں اللہ اور اسکے رسولوں کی بے ادبی اور گستاخی کرنے لگیں گے، اس صورت میں آپ کا گالی دینا اللہ اور رسولوں کو بُرا کہنے کا ذریعہ بنے گا لہٰذا ایسے عمل سے احتراز کرنا ضروری ہے تنقید تو بہر حال کرنی ہوگی لیکن تحقیر نہ کی جائیگی۔

سُلوک:۔ فقہاء کرام نے اس آیت سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو غیر واجب طاعت گناہ کا سبب بن جائے اس طاعت کو ترک کر دیا جائے گا۔ (جیسا کہ یہاں بتوں کو بُرا بھلا کہنا جائز تھا (لیکن واجب نہیں) لیکن جب یہ بُرا بھلا کہنا اللہ اور رسولوں کی بے ادبی و گستاخی کا ذریعہ بنا تو اب بتوں کو بُرا کہنا جائز نہ ہوگا)۔

حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ اہل ارشاد علما کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بعض دفعہ اپنے مُریدوں کو ایسے امور سے منع کر دیتے ہیں جو بظاہر طاعت معلوم ہوتے ہیں (جس سے لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے) حالانکہ اُنکی نظر میں یہ مُفضی الی المفاسد ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔

(۱۵۰) وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا ۔ الآیۃ

(انعام آیت ۱۱۱)

ترجمہ:۔ اور خواہ ہم اُن پر فرشتوں ہی کو اُتار دیں اور خواہ اُن سے مُردے بھی کلام کرنے لگیں اور خواہ ہم ہر چیز کو ان کے پاس سامنے لاکر جمع کر دیں تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

تفسیر:۔ آیت میں مشرکین کی ضد و عناد کا ذکر ہے کہ اگر انکی ہر خواہش

پوری بھی کردی جائے حتیٰ کہ آسمان سے فرشتے اتر کر یہ تصدیق کردیں کہ اسلام حق مذہب ہے تب بھی یہ لوگ ضد و عناد میں حق کو تسلیم کرنے والے نہیں کیونکہ ہدایت و نصیحت اسی کو ملتی ہے جو حق کا طالب اور اسکا خواہشمند ہو محض دنیا بھر کے معجزات و کرامات سے نفع نہیں ہو سکتا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اپنے شیخ میں بھی کشف و کرامات تلاش نہ کرنی چاہیئے بلکہ اُس کے کمال علم و عمل کی تحقیق کے بعد اس کا اتباع کرلیا جائے (ہدایت نصیب ہو جاتی ہے) خوارق و کرامات سے نفع ہونا ضروری نہیں ہے۔

(١٥١) إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ.

الآیۃ (انعام آیت ۱۱۶)

ترجمہ:۔ یہ لوگ تو بس اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں اور محض گمان ہی میں پڑتے رہتے ہیں۔

تفسیر:۔ وحی الٰہی کے سوا دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں خواہ ارسطو کی منطق ہو یا کینٹ کے معقولات ہوں سب کے سب ظن و تخمین کے دائرے سے باہر نہیں، وحی الٰہی صرف اور صرف ایک ہی علم ہے جو قطعی، یقینی لازوال، ترمیم و تغیر و تبدیل سے پاک اور محفوظ ہے۔

وَمَا قَالَ الرَّسُولُ فَصَدِّقُوهُ - فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَ الرَّسُولُ.

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بھی ارشاد فرماویں اس کی تصدیق کردو، قول اسی کو کہا جاتا ہے جو آپ نے ارشاد فرمایا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ شرعی احکام میں کشف و الہام حجت و دلیل نہیں بنتے خاص طور سے ہر کشف و الہام پر یقین کرنا تو

بالکل باطل ہے۔

ملحوظہ:۔ دل کی بات یا پیش آنے والی بات کا ظاہر کر دینا علم غیب نہیں بلکہ کشف و کرامات کہلاتا ہے علم غیب ایسے علم کو کہتے ہیں جو بلا کسی ظاہری و باطنی اسباب کے حاصل ہو، جیسا کہ علم الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو براہ راست بلا کسی واسطے کے حاصل ہے ایسے علم کو غیب کہا جاتا ہے۔

اور جو علم بذریعہ کشف و الہام حاصل ہو اس میں کشف و الہام واسطہ ہیں اس لئے اسکو علم غیب نہیں کہا جائے گا۔

(۱۵۲) وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الآیۃ

(انعام آیت ۱۱۹)

ترجمہ:۔ اور تم کو کونسا امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے ذبح شدہ جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے جبکہ حرام چیزوں کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

تفسیر:۔ حلال چیزوں کو حرام کر لینا یا اُن کے ساتھ حرام اشیاء جیسا معاملہ کرنا ایمان کے منافی ہے۔ اہل تحقیق نے یہ بھی لکھا ہے کہ جائز و مباح اُسی وقت ہے جبکہ اس کو اپنے ذائقہ و لُطف کے لئے کھایا جائے باقی اگر نیت یہ ہو کہ اس اکل و شرب سے طاعتِ الٰہی میں مدد ملے گی تو یہی چیز باعثِ اجر بن جاتی ہے۔

سلوک:۔ تفسیر روح المعانی میں امام ابو منصور سے منقول ہے کہ بعض مسلمان بطور زہد و قناعت عمدہ چیزیں کھایا نہیں کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ زہد و قناعت اگرچہ اعلیٰ صفت ہے لیکن اس میں غلو کرنا درست نہیں جیسا کہ بعض جاہل صوفی کیا کرتے ہیں۔

(۱۵۳) وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۔ الآیۃ (انعام آیت ۱۲۰)

ترجمہ:۔ اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی کو بھی چھوڑ دو بیشک جو لوگ گناہ کر رہے ہیں اُن کو انکے کئے ہوئے کی عنقریب سزا ملیگی۔

تفسیر:۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کرنا انسان کا اختیاری عمل ہے ایسا عمل نہیں کہ جو انسان کی ہمت و ارادے سے باہر ہو کیونکہ قرآن حکیم نے گناہ کو ترک کرنیکی بار بار ترغیب دی ہے گناہ کرنا اگر اختیار سے باہر ہوتا تو اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسا حکم نہیں دیتے جو اُن کے اختیار میں نہ ہو، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ الآیۃ۔

گناہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ گناہ جو دوسروں کو بھی نظر آجائے اسکو ظاہری گناہ کہا جاتا ہے جیسے جھوٹ بولنا، غیبت، شراب کباب، زنا و چوری درشوت وغیرہ۔

دوسرے وہ گناہ جو دوسروں کو تو نظر نہیں آتے گناہ گار آدمی خود دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے اس کو باطنی گناہ کہا جاتا ہے۔ جیسے حسد، کینہ، بغض، تکبر ریا، حرام محبت وغیرہ۔

اس تفصیل کو آسان عنوان میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جو گناہ اعضاء وجوارح سے جاری ہوں انکو ظاہری گناہ کہا جائے گا اور جو گناہ قلب و نگاہ سے جاری ہوں انکو باطنی گناہ کہا جاتا ہے۔

بہرحال ہر دو قسم گناہ ہی ہیں۔ مذکورہ آیت میں ان سب گناہوں سے احتراز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اعضاء وجوارح سے گناہ جاری ہوتے ہیں اسی طرح دل ودماغ سے بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

(۱۵۴) فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔
الآیۃ (انعام آیت ۱۲۵)

ترجمہ :- اللہ جس کے لئے ارادہ کرلیتا ہے کہ اسے ہدایت نصیب کرے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کردیتا ہے۔

تفسیر :- اللہ کے ارادے سے مشیت تکوینی یعنی اللہ کی مرضی مراد ہوا کرتی ہے اللہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جسکو چاہے روک دے جب وہ چاہتا ہے تو اسباب فراہم ہوجاتے ہیں (عمل تو بہرحال آدمی کو کرنا ہی پڑتا ہے) جب اسباب فراہم ہوجاتے ہیں تو انسان کا ارادہ مضبوط ہوجاتا ہے اور وہ اسلام قبول کرنے کیلئے بے چین ہوجاتا ہے یہی مشیت تکوینی ہے۔

سلوک :- حکیم الامت نے فرمایا کہ آیت سے قبض وبسط کے بعض اقسام نکلتے ہیں جو سلوک میں ہر سالک کو پیش آیا کرتے ہیں (قبض وبسط کی تعریف سلوک ۱۲ میں آچکی ہے۔)

(۱۵۵) ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ الآیۃ
(انعام آیت ۱۴۶)

ترجمہ :- (یہودیوں پر بعض حلال جانور حرام کردیئے گئے تھے) یہ انکی شرارت کے سبب سے ہم نے سزا دی تھی اور ہم اس معاملہ میں یقیناً سچے ہیں۔

تفسیر :- یہودیوں کو اپنے نبیوں سے بغاوت وسرکشی کرنے پر بطور سزا انھیں بعض حلال چیزوں سے محروم کردیا گیا تھا یہ دنیاوی سزا تھی جو نبیوں کی مخالفت کرنے پر دی گئی آخرت کا معاملہ تو بہرحال پورا ہونا ہی ہے۔

سلوک :- حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا کہ بعض دفعہ دنیاوی نعمتوں سے محرومی کا سبب گناہ بھی ہوا کرتے ہیں۔ (نیکوں سے جہاں خیروبرکت

آتی ہے ایسے ہی گناہوں سے ناکامی و محرومی پیدا ہو جاتی ہے۔)

(۱۵۶) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا۔ الآیۃ (انعام آیت ۱۶۰)

ترجمہ:۔ جو کوئی (قیامت کے دن) نیکی لیکر آئے گا اس کو اس کے مثل دس نیکیاں ملیں گی اور جو بدی لیکر آئے گا بس اس کو اُس کے برابر ہی بدلہ ملیگا اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر:۔ یعنی آخرت میں ہر نیکی پر دس گنا اجر و ثواب ملیگا گویا اُس نے وہ نیکی دس بار کی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم کا یہ اقل درجہ ہے ورنہ بعض نیکیوں پر سات سو اور اس سے بھی زائد نیکیوں کا وعدہ بیان کیا گیا ہے۔

لیکن بدی کے بارے میں ایسا نہیں ہوگا بلکہ اسمیں قانون عدل ہی کو باقی رکھا گیا ہے کہ ایک بدی ایک ہی گناہ کے مساوی ہوگی اور اسکی سزا جو ہوگی وہی ملیگی۔

سلوک:۔ اہل علم صوفیہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جب ہر نیکی پر کم از کم دس گنا اجر و ثواب ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ محبّت الٰہی اور شوق لقاء خداوندی بھی ایک بڑی نیکی ہے تو جن بندوں نے اپنے آپ کو لقاء الٰہی کا مشتاق و منتظر بنائے رکھا ہے تو انہیں یہ امید رکھنی چاہیئے کہ اللہ جل شانہ خود انکی لقاء کا کم از کم دس گنا مشتاق ہوگا۔

(۱۵۷) قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الآیۃ (انعام آیت ۱۶۲)

ترجمہ:۔ آپ کہدیجئے کہ میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب جہان کے پروردگار اللہ ہی کیلئے ہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اور لُبِ لُباب بیان

کیا گیا ہے۔

سلوک حکیم الامت نے فرمایا آیت توحید کامل کی دعوت دیتی ہے اس میں تفویض وتسلیم کی تعلیم ہے۔

(تفویض وتسلیم علم تصوف میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اپنی زندگی کے سارے معاملات کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے اور جو بھی فیصلہ نازل ہو اس کو دل سے قبول کر لیا جائے اِسکا یہ مطلب نہیں کہ اسباب ترک کر دیئے جائیں؟ اسباب تو بہر حال کئے جائیں گے لیکن نتیجہ کو قلب کی گہرائیوں سے اللہ کا فیصلہ یقین کیا جائے خواہ وہ فیصلہ اپنی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اسی کا نام توکل ہے، اور اسباب ترک کر کے اللہ سے اُمید رکھنا تعطل کہلاتا ہے جو ممنوع ہے۔)

(۱۵۸) کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۲)

ترجمہ:- یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر نازل کی گئی کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو خبردار کریں (آخرت سے اور بدی کے انجام سے) لہٰذا آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونا چاہیئے۔

تفسیر:- قرآن حکیم سے نصیحت تو صرف وہی لوگ لیں گے جو حق کے متلاشی ہیں البتہ ضد و عناد والے تو اپنی حالت ہی پر قائم رہیں گے، لہٰذا آپ یہ خیال کرکے اپنا دل تنگ نہ کرلیں کہ یہ لوگ ہدایت کیوں نہیں قبول کرتے؟ آپ اپنا کام جاری رکھیں نصیحت تو ایمان لانے والوں کو مفید ہوا کرتی ہے۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے فرمایا شیخ و مرشد کے لئے اسمیں اشارہ ہے کہ مخاطب اگر اسکی بات قبول نہ کرے تو مرشد کو غم نہ کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ اپنے آپ کو مستغنی بھی نہ سمجھنا چاہیئے، اپنا کام جاری رکھے۔

(۱۵۹) وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۔ (اعراف آیت ۱۰)

ترجمہ:- بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کو جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اسمیں سامانِ زندگی پیدا کیا تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

تفسیر:۔ آیت میں تمام عالم انسانی کو خطاب کیا جارہا ہے کہ زمین کو تمہارے رہنے بسنے کے لئے بنایا اور اس میں کھانے پینے کا سامان بھی مہیا کیا گیا لیکن اتنی صاف بات کو بھی تم نہیں سمجھتے شکر گزاری تو کیا ناشکری کرتے رہتے ہو۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ مستفاد کیا ہے کہ جن دو نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے (تمکین فی الارض اور سامان معیشت) ان میں اول کا حاصل جاہ اور دوسرے کا خلاصہ مال ہے (یعنی مال وجاہ بھی اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں)۔

جاہ ومال کا ذکر نعمت کے عنوان میں قابلِ شکر ہوتا ہے البتہ اس میں بالکل انہماک بُرا ہے۔

(۱۶۰) قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ کہا میں اس (آدمؑ) سے بہتر ہوں مجھکو تونے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

تفسیر:۔ ملعون ابلیس کا یہ جواب اس وقت کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنیکا حکم دیا تھا، جواب کا خلاصہ یہ کہ آگ مٹی سے افضل ہے کیونکہ آگ کی طبیعت بلندی چاہتی ہے اور مٹی کی طبیعت پستی ونزول چاہتی ہے لہٰذا آگ غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی۔

جاہلوں اور بد دماغوں کے جوابات ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ ہر ایسا شخص شیطان کا وارث ہے جو اپنی رائے ورویت کو خواہ وہ کشف ووجدان پر مبنی ہو شریعت کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہو۔

(۱۶۱) قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ

فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (الاعراف آیت ۱۳)

ترجمہ:- اللہ نے فرمایا تو جنت سے اتر جا تو اس لائق نہیں کہ جنت میں رہکر بڑائی کرتا رہے، بس تو نکل، بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے۔

تفسیر:- جنت تو اطاعت گزار، صالحین خاشعین کی جگہ ہے بڑائی جتانے والے کا یہاں کیا کام لہٰذا ذلیل و خوار ہو کر جنت سے نکل جا، چنانچہ بیک بینی دو گوش جنت سے نکال دیا گیا۔

سلوک:- مفسرین نے آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندے کی ذلت ہے۔ (قرطبی)

حکیم الامت نے لکھا ہے کہ کبر و غرور کی بنا پر جنت سے نکالا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ کبر وصول حق سے مانع ہے (یعنی جن کے قلوب میں کبر و نخوت ہوگا انھیں رضائے الٰہی حاصل نہیں ہوتی)۔

(۱۶۲) قَالَ أَنْظِرْنِيْ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۴-۱۵)

ترجمہ:- بولا تو مجھے اس دن تک مہلت دے جبکہ سب اٹھائے جائیں گے، اللہ نے فرمایا بیشک تجھے مہلت دیدی گئی۔

تفسیر:- ابلیس ملعون کو جب جنت سے نکالا جارہا تھا اس وقت اس نے اللہ سے مذکورہ دعا مانگی کہ قیامت تک میری عمر دراز کردی جائے، چنانچہ اسکی درخواست منظور کرلی گئی۔

اللہ کی رحمت و علم کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ایسے نازک و انتہائی عتاب کے وقت بھی گستاخ ابلیس کی درخواست کو قبول کرلیا گیا اور اس کو قیامت تک کیلئے مہلت زندگی دیدی گئی۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے اس واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی کی دعا کا قبول ہوجانا اللہ کے ہاں مقبولیت یا رضائے الٰہی کی کافی دلیل نہیں ہے، دعا تو شیطان مردود کی بھی قبول ہوگئی لیکن مردود تو مردود ہی رہا۔

(۱۶۳) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا۔ الآیۃ (اعراف آیت ۲۰)

ترجمہ :۔ پھر دونوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ کھول دے اُن پر وہ چیز جو ان کی نظروں سے پوشیدہ تھی (یعنی دونوں کا ستر)

تفسیر :۔ جنت میں سیدنا آدم و سیدہ حوا کا لباس نور کا تھا جو جسم سے کبھی نہ اُترتا تھا اور نہ اُترنے کی ضرورت پیش آتی تھی لیکن جب شیطان کی وسوسہ اندازی سے متاثر ہوکر دونوں نے درخت کا پھل کھا لیا جس کے قریب ہونے سے بھی منع کردیا گیا تھا، تو سیدنا آدم علیہ السلام کی یہ لغزش بھول کا نتیجہ تھی، کیونکہ اس لغزش میں نیت و ارادے کا کوئی دخل نہ تھا، خطا یا گناہ اس عمل کو کہا جاتا ہے جس میں ارادہ یا کم از کم نیت شامل ہو، سیدنا آدم علیہ السلام کا یہ عمل دونوں سے خالی تھا۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۵)

سلوک :۔ حکیم الامت نے واقعہ سے یہ استنباط ہے کہ عصمتِ انبیاء کے باوجود شیطان کا تصرف و اثر اندازی ممکن ہے (البتہ شیطان کے لئے گناہ کروا دینا ممکن نہیں) اہل تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام کے ان جیسے واقعات کو زلات کہا جاتا ہے جسکا اردو ترجمہ لغزش لکھا جاتا ہے۔

(۱۶۴) قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۲۳)

ترجمہ :۔ دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنی جان پر بڑا ظلم

کیا ہے اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں اور ہم پر رحم نہ کریں تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

تفسیر:۔ یہ دعا سیدنا آدم علیہ السلام و سیدہ حوا رضی اللہ عنہا کی لغزش کھا جانے کے بعد کی ہے جو دونوں نے حضور رب میں پیش کی تھی جو قبول کرلی گئی۔

سلوک:۔ تفسیر ماجدی کے مفسر نے لکھا ہے کہ ابو البشر اور ام البشر کی اس مؤثر مناجات میں ادب و استغفار کی تعلیم، سارے آدم زادوں کے لئے قیامت تک ہے۔

(۱۲۵) اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ. الآیۃ (اعراف آیت ۲۷)

ترجمہ:۔ بیشک وہ (ابلیس) اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھ لیتا ہے کہ تم انھیں نہیں دیکھتے۔

تفسیر:۔ شیطان اور اس کی ذریت چونکہ آگ سے پیدا کی گئی ہے جو مٹی کی جنس سے بالکل مختلف ہے اس مخالف جنسیت کی وجہ سے انسان، شیطان اور جنات کو دیکھ نہیں پاتا۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شیاطین یا جنات کا نظر نہ آنا عام عادت کے مطابق ہے کہ عام طور پر وہ نظر نہیں آتے لیکن ان کو دیکھ لینے کی قطعی نفی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات انبیاء کرام اور اولیاء اللہ بلکہ عام انسانوں نے بھی جنات کو دیکھا ہے، یہ بات مذکورہ آیت کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۲۶) وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۴۳)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ ان کے قلوب میں غبار رہا ہوگا اسے ہم دور کر دینگے انکے نیچے

نہریں بہہ رہی ہونگی۔

تفسیر:۔ اہل جنت کی حالت بیان کی جارہی ہے جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے سینے کینہ وبغض وحسد وغیرہ سے پاک وصاف ہونگے حتیٰ کہ اگر کچھ میل کچیل بھی ہوگا وہ بھی دور کردیا جائیگا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ ایسا کینہ وبغض جو طبعی اور غیر اختیاری ہو مضر نہیں (البتہ اختیاری کینہ مذموم رہے گا ایسے لوگ جنت میں داخل نہ ہوسکیں گے۔)

(۱۶۷) وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۵۰)

ترجمہ:۔ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور کوئی چیز دیدو جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے۔

تفسیر:۔ دوزخی بدحواس ہوکر اہل جنت کے آگے دست سوال دراز کریں گے کہ ہم جلے بھنے جارہے ہیں تھوڑا پانی ہی ہم پر ڈالدو یا جو نعمتیں اللہ نے تمہیں دی ہیں انکا کچھ بچا کچا ہی دیدو؟

اہل جنت انھیں جواب دیں گے کہ اللہ نے کافروں پر ان چیزوں کی بندش کردی ہے۔

اہل دوزخ اور اہل جنت کا یہ مکالمہ اپنے اپنے مقام ہی سے ہوگا، عالم آخرت کے جغرافیائی حدود عالم دنیا سے بالکل مختلف ہیں، نزدیکی ودوری اس عالم کے حدود ہیں جس پر عالم آخرت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ بعض عادتیں مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں، چونکہ یہ کفار دنیا کی زندگی میں شکم پروری اور کھانے پینے کے

حریص وطماع تھے اور اسی حالت میں فوت بھی ہوتے تو اسی حالت میں انکا حشر بھی ہوگا کہ کھانا پانی مانگتے رہیں گے۔

(۱۶۸) وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا - الآیۃ (اعراف آیت ۵۸)

ترجمہ:- اور جو سرزمین صاف ستھری ہوتی ہے اسکی پیداوار اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اسکی پیداوار بہت کم نکلتی ہے۔

تفسیر:- ہدایت نصیبی اور محرومی کی مثال بارش اور زمین سے دی گئی کہ زمین میں صلاحیت اور پاکیزگی ہو تو بارش سے اسمیں سبزہ اور پھل پھول پیدا ہوتے ہیں اور اگر یہی زمین کھاری اور پتھریلی ہو تو اسی بارش سے خس وخاشاک پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء ورسل جو خیر وبرکت لیکر آتے ہیں اُن سے مستفید ہونا بھی انسان کی استعداد پر موقوف ہے۔ جو لوگ اُن سے متفع نہیں ہوتے دراصل ان کی استعداد ناقص اور خراب ہوچکی ہے وہ آیاتِ الٰہی سے فیض یاب نہیں ہوتے۔

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

بارش کی لطافت ونظافت میں کوئی کلام نہیں ہے البتہ جب یہ باغ میں گرتی ہے تو پھل وپھول پیدا کرتی ہے اور کھاری وبنجر زمین میں خس وخاشاک اُگتے ہیں۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جن لوگوں پر وعظ ونصیحت اثر کرتا ہے ان کی استعداد وصلاحیت زندہ اور عمدہ ہے اور جو لوگ نصیحت قبول

نہیں کرتے ان کی استعداد ناقص ومُردہ ہو چکی ہے۔

(۱۶۹) اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۶۳)

ترجمہ :۔ اور کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت نصیحت آئی ہے جو تم ہی میں کا ایک ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔

تفسیر:۔ قدیم زمانے میں نبیوں کی ہدایت سے اکثر قوموں نے یہ تاثر لیا ہے کہ یہ تو ہم جیسا ہی آدمی ہے کمزور بے طاقت نہ اسکی شان وآن ہے نہ مال و دولت نہ ریاست وحکومت، قوم نوح سے لیکر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر قوم نے اپنے نبی و رسول کو یہی طعنہ دیا ہے اور انکی تعلیمات کا انکار بھی۔

(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صا۸ پر دیکھئے جو اس حادثہ کی قرآنی تشریح ہے۔)

سُلوک :۔ حکیم الامت رح نے اس عنوان سے یہ اخذ کیا ہے کہ ہر زمانے میں اولیاء اللہ کے ساتھ بھی جاہلوں نے یہی طرز اختیار کیا ہے اپنے زمانے کے اولیاء اللہ سے محض ہم زمانہ ہونیکی وجہ سے دور رہے ہیں۔

(گویا مُردہ ولی کو تو تسلیم کیا ہے تب ہی تو قبروں پر سجدے ہوتے ہیں لیکن زندہ ولی کا اعتراف نہیں)۔

(۱۷۰) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۶۶)

ترجمہ :۔ ہود کی قوم میں جو کافر سردار تھے کہنے لگے کہ اے ہود ہم دیکھتے ہیں کہ تجھ میں بالکل عقل نہیں ہے۔

تفسیر:۔ ہر زمانے میں قوم کے روشن خیالوں نے داعیانِ حق کو ایسا ہی کہا ہے، سیدنا ہود علیہ السلام کو بھی انکی قوم کے روشن خیالوں نے یہی طعنہ دیا کہ تم بے عقلی کی باتیں کرتے ہو کیا ہمارے بڑوں کو عقل نہیں تھی کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے بھلا ایک خدا کتنے کام انجام دیگا؟ اور کس کس کی مدد کرے گا؟ سیدنا ہود علیہ السلام نے فرمایا اے قوم کوئی بات بے عقلی کی نہیں ہے جو منصب مجھے دیا گیا ہے میں اسکا حق ادا کر رہا ہوں یہ تمہاری بے عقلی ہے کہ اپنے خیر خواہوں کو جن کی امانت وصداقت کا تم سب کو پورا پورا یقین ہے بے عقل کہکر خود اپنا نقصان کر رہے ہو، میں نے تو تم سے کبھی بھی کوئی بدلہ وصلہ طلب نہیں کیا میرا اجر تو اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ الخ۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ دین کے خیر خواہوں کو بے عقل وفرسودہ کہنا قدیم زمانے سے آج تک چلا آرہا ہے۔

(۱۷) وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۶۹)

ترجمہ:۔ اور وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین پر آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا، سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

تفسیر:۔ سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جو انھیں میسر تھیں ان میں یہ کہ قوم نوح کے بعد جبکہ کوئی حکومت وسرداری باقی نہ تھی اللہ نے تمہیں زمین کا مالک بنایا اور تمہاری حکومتیں قائم کیں، علاوہ ازیں مال ودولت کے ساتھ جسمانی قوت وطاقت بھی نسبتاً دوسری قوموں کے کچھ زیادہ ہی دیا، اللہ کے دیگر احسانات کو یاد کرو اور نافرمانی وبغاوت سے

احتراز کرو۔

سُلوک:- حکیمُ الامّتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ قوت وجسامت بھی اللہ کی نعمت ہے دنیاوی نعمتوں سے احتراز کرنا زہد وتقویٰ کے خلاف ہے جیسا کہ بعض متشدد صوفیہ کا مذاق ہے۔

(۱۷۴) وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۸۰)

ترجمہ:- اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا اے تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہان والوں نے کبھی نہیں کیا ہے۔

تفسیر:- اس بے حیائی کے کام سے لواطت (اغلام بازی) مراد ہے جو اس قوم نے تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ ایجاد کیا تھا، مرد، مردوں سے (اغلام بازی) اور عورت، عورتوں سے (مساحقت) کیا کرتی تھی۔

نہ مردوں کو عورتوں سے رغبت نہ عورتوں کو مردوں سے دلچسپی، یہ حد درجہ غلاظت پسندی اور گھناؤنے پن کا ناپاک عمل قوم میں عام ہو چکا تھا موجودہ زمانے میں:

یورپ وامریکی تمدن اس خبیث حرکت کی بھرپور تائید کر رہے ہیں اور اس ناجنس عمل کو طبعی تحریک قرار دیا جا رہا ہے۔ ع

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد۔

سُلوک:- حکیمُ الامّتؒ نے آیت کے ایک جزء "مَا سَبَقَكُم بِهَا" سے استدلال کیا ہے کہ اس بدکاری کو اس قید کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اغلام بازی کے عمل سے زیادہ شدید بُرائی اس عمل کا ایجاد کرنا تھا

اس طرح منکرات پر عمل کرنے سے کہیں زیادہ بُرا عمل ایجاد منکرات ہے۔

پھر حکیم الامتؒ یہ بھی تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہاں غور کرو بدعات کی شناعت کس قدر شدید ہو گی؟

(۱۷۳) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ. الآیۃ (اعراف آیت ۸۵)

ترجمہ:۔ اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں نہ کرو۔

تفسیر:۔ سیدنا شعیب علیہ السلام اپنی دعوت و تبلیغ میں قوم کو یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ ناپ تول میں کمی و زیادتی نہ کرو یہ حق تلفی ہے جو بہت بڑا ظلم ہے، قوم میں یہ مرض عام ہو چکا تھا۔

سلوک:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے آیت کے مدلول پر قیاس کر کے لکھا ہے کہ جو اہل علم حضرات اپنے ہم زمانہ علماء و فضلاء کی تعظیم و تکریم کا حق ادا نہیں کرتے ہیں وہ اس آیت کی زد میں آجاتے ہیں۔

(۱۷۴) وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا. الآیۃ (اعراف آیت ۸۹)

ترجمہ:۔ اور ہم سے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم تمہارے دین میں آجائیں البتہ ہمارے پروردگار ہی کی مرضی ہو تو اور بات ہے۔

تفسیر:۔ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبرین نے دھمکی دیدی کہ اے شعیبؑ اپنی دعوت و تبلیغ بند کر دو ورنہ ہم تم سب کو شہر بدر کر دیں گے یا پھر یہ کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ۔

سیدنا شعیب علیہ السلام نے جواب دیا جب اللہ نے ہم پر جاہلی مذہب کی حماقتیں واضح کر دی ہیں تو کیا ہم جانتے بوجھتے اس جہالت کو اختیار کر لیں گے یہ تو ہم سے ممکن ہی نہیں ہے الّا یہ کہ اللہ کی مشیت ہی ہو تو اور بات ہے۔

سُلوک :- حکیم الامتؒ آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ عارف ہمیشہ تقدیرِ الٰہی کے سامنے لرزاں و ترساں رہا کرتا ہے۔

(تفصیل اس کی یہ ہے کہ سیدنا شعیب علیہ السلام نے پہلے تو قوم کے متکبرین پر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کر دیا کہ ہم کفر ہرگز اختیار نہ کریں گے لیکن چونکہ یہ عنوان ایک دعویٰ اور خود اختیاری کی صورت میں تھا اسلئے متّایہ جملہ بھی اضافہ کر دیا کہ اللہ ہی کی مشیت ہو تو اور بات ہے۔

اللہ کے مقبول بندے دعویٰ اور بڑائی کے اظہار سے اپنے آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھتے ہیں جو عام طور پر جرأت و بیباکی کی علامت سمجھی جاتی ہے، رہا انبیاء کرام کا اپنی نبوت و صداقت کا اعلان کرنا اظہارِ رسالت کے تحت ہوا کرتا ہے جو فرائضِ نبوت کے لوازم میں شامل ہے، اکابر انبیاء سے ایسے کلمات برابر منقول ہوتے رہے ہیں۔

(۱۷۵) فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۔

(اعراف آیت ۹۳)

ترجمہ :- اسوقت شعیب قوم سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے مری قوم میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی بھی کی تھی تو پھر میں کافر لوگوں پر کیوں غم کروں؟

تفسیر :- سیدنا شعیب علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ بڑی صبر آزما رہی ہے طبقہ انبیاء میں آپکو "خطیب الانبیاء" کہا جاتا ہے، باغی و سرکش قوم کو نہایت دل سوزی سے بلیغ عنوانات میں سمجھاتے رہے ہیں لیکن قوم کا انکار اور کفر بڑھتا ہی رہا آخر اللہ کے عذاب نے ایک بھیانک زلزلے کی شکل میں پوری قوم کو غارت کر دیا۔

سرسبز و شاداب شہر مُردوں کا قبرستان بن گیا، سیّدنا شعیب علیہ السّلام نے عذاب کے بعد مُردوں کی آبادی سے اسطرح خطاب کیا جس طرح زندوں سے خطاب کیا جاتا ہے۔ یہ عنوان صرف نبیوں کے ساتھ مخصوص رہا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے غضب یافتہ لوگ مستحقِ ترحّم نہیں ہوتے ہیں۔

(۱۵۶) ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا

آلایۃ۔ (اعراف آیت ۹۵)

ترجمہ:۔ پھر ہم نے بدحالی کی جگہ بدل کر خوشحالی پھیلا دی چنانچہ انھیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی اور خوشحالی تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی رہی ہے (یہ کوئی خاص نعمت تو نہیں؟) اس حالت پر ہم نے انکو اچانک پکڑ لیا اور وہ اس کا اندیشہ بھی نہ رکھتے تھے۔

تفسیر:۔ آیت میں ضدّی اور متکبّر قوموں پر اللہ کی گرفت کا قانون معلوم ہو رہا ہے کہ انھیں اللہ نے مال و دولت، چین و راحت، طاقت و قوت، حکومت و اقتدار سب کچھ دیکر انھیں لمبی ڈھیل دی لیکن جب وہ خوب بڑھے، خوب پھلے پھولے اور غفلت و مدہوشی میں ڈوب گئے، تو کسی نہ کسی عذابِ شدید میں انھیں اچانک پکڑ لیا گیا۔

سُلوک:۔ اہلِ تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر و رجوع الی اللہ حاصل ہو جائے ایسی حالت عند اللہ پسندیدہ ہوا کرتی ہے۔

اسی طرح جس نعمت کے بعد غفلت و سرکشی اور مصیبت کے بعد شکایت و بیزارگی ہو یہ حالت سرتاسر مذموم ہے۔

حکیمُ الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ نبیوں کے مخالفین کو دنیا میں بھی سزا ملی ہے

تاکہ اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور نبوت واضح ہو، ایسی ہی علانیہ نصرت و اعانت اولیاء اللہ اور صالحین کے لئے بھی ہوتی ہے۔

(۱۷۷) یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ

الآیۃ (اعراف آیت ۱۱۰)

ترجمہ :۔ موسیٰ (علیہ السلام) چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے بے دخل کر دے اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟

تفسیر :۔ یہ بات فرعون نے اپنے درباریوں سے کہی کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت و تبلیغ کا مقصد تو کچھ اور ہے وہ دراصل تم کو شہر بدر کر کے ملک میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔

نکتہ :۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کو ایک اور پُر فریب شکل میں ظاہر کیا تاکہ قوم کو اُن کے خلاف اُکسایا جائے۔

یہی حال ہر زمانے کے اہلِ باطل کا ہے کہ عوام کو اہلِ حق سے نفرت دلانے کے لئے حق بات کو بُرے بُرے عنوانات سے ظاہر کرتے ہیں۔

(۱۷۸) قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ قَالَ اَلْقُوْا ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۱۵)

ترجمہ :۔ جادوگر بولے اے موسیٰ یا تو تم پہلے ڈالو یا ہم ہی پہلے ڈال دیں؟ موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالدو۔

تفسیر :۔ جادوگروں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے وقت یہ گفتگو کی تھی کہ مقابلہ کا آغاز تم کرو یا پھر ہم شروع کریں؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے تم ہی ابتداء کرو۔

جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسّیاں زمین پر پھینک دیں جس سے زمین پر سانپ ہی سانپ دوڑتے نظر آئے، پھر سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا وہ اچانک پھرتیلا سانپ بن کر جادوگروں کے کرتب کو نگلنے لگا حق کا حق ہونا ظاہر ہوگیا اور باطل فنا و ناکام۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام نے جادوگروں کو سحر کرنیکی اجازت اس لئے دی کہ کفر کو شکست دینے کا اس وقت یہی ذریعہ تھا اور اپنے معجزے کا معجزہ ثابت ہونا بھی اسی اجازت پر موقوف تھا، (یہ وضاحت اسلئے کی گئی کہ سحر کی اجازت دینا بھی ممنوع ہے)۔

حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ ایسی ہی مصلحت کے تحت بعض مشائخ نے ایسے امر میں اپنے بعض مریدوں کو اجازت دی ہے جس کا بظاہر معصیت ہونا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً وہ معصیت نہیں ہوتی، کوئی دینی مصلحت ہوتی ہے اور وہی مصلحت ان کو مقصود ہوا کرتی ہے، جو گناہ نہیں۔

(١٧٩) فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۱۶)

ترجمہ :۔ پھر جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسّیاں ڈالدیں لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کردی اور بڑا جادو کر دکھایا۔

تفسیر :۔ ساحر اپنے فن کے ماہر تھے انھوں نے اس موقع پر اپنے کمالِ فن کا پورا ثبوت دیا، زمین پر ڈالی ہوئی رسّیاں سانپوں کی طرح دوڑتی نظر آنے لگیں، یہ نظر بندی اور سحر اندازی کا اثر تھا، جادو نے بھی وہی شکل دکھلائی جو عصائے موسیٰ نے دکھلایا تھا لیکن انجام بالکل مختلف تھا، عصائے موسیٰ

جادوگروں کے ایک ایک کرتب کو اس طرح نگلنے لگا جیسے بھوکا پیاسا جانور پانی کے گھونٹ نگلنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف ہوگیا اور جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔

آیت میں یہ بھی تصریح ہے کہ جادوگروں کے کرتب نے ابتداً موجودہ آدمیوں کو خوف زدہ کردیا جس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ آیت ۶۷ میں مذکور ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ سے چار امور مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) خوارق سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اس لئے کہ یہ اہلِ باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔

(۲) سحر کی ایک خاص قسم خیال میں تصرف کرنا بھی ہے اسی قسم میں مسمریزم وغیرہ داخل ہیں۔

(۳) سحر اور مسمریزم وغیرہ سے متاثر ہونا باطنی کمال کے منافی نہیں چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی خوفزدہ ہو گئے تھے۔

(۴) اہلِ حق کا ایسے امور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا ضروری نہیں۔

(۱۸۰) قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ. الآية (اعراف آیت ۱۲۹)

ترجمہ:۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کردے گا اور تم کو زمین کا حاکم بنادے گا پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو؟

یعنی خلافتِ ارضی کے فرائض و ذمہ داریاں کہاں تک پورے

کر سکو گے۔ سو دیکھنے اور فکر کرنے کی اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں نہ کہ انسان کا عالمی و تکوینی موقف، کہ وہ غالب ہے یا مغلوب وغیرہ۔

شاہ عبدالقادر محدث رح لکھتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ مذکورہ کلام مسلمانوں کو سنانے کے لئے نقل کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اس وقت مکۃ المکرمہ میں مسلمان ایسے ہی مظلوم و محکوم تھے جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی دور میں بنی اسرائیل مظلوم و محکوم تھے گویا آیت میں مسلمانوں کو بشارت دی جا رہی ہے کہ عنقریب اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ ہوگا اور کفر اور اہل کفر مغلوب و مقہور ہوں گے۔ چنانچہ فتح مکہ ۸ھ کے بعد ایسا ہی ہوا۔

سُلوک :- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کافروں کا مغلوب ہونا اور مسلمانوں کا غالب ہونا ایک عظیم نعمت ہے۔ لہٰذا ترک دنیا کے یہ معنیٰ نہیں کہ مومن کافروں کے ہاتھ میں بلا کسی عذر و مجبوری، ذلت و خواری کے ساتھ پڑا رہے۔

(۱۸۱) فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۳۶)

ترجمہ :- غرض ہم نے انھیں سزا دے دی اور انھیں سمندر میں ڈبو دیا، اسی لئے کہ وہ ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان کی طرف سے بالکل غفلت میں پڑے رہتے تھے۔

تفسیر :- انتقام کے معنیٰ عربی میں عذاب و عقاب کے ذریعہ کسی نعمت کو چھین لینے کے آتے ہیں۔ فرعون اور قوم فرعون کی گناہ و معصیت کاری نے انھیں اس انجام تک پہنچا دیا کہ نعمت اور حیاتِ دنیا دونوں سے محروم ہو گئے یعنی پوری قوم کو ڈبو دیا گیا۔

سُلوک: حکیم الامت رحؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ دنیاوی سزا کبھی گناہوں پر بھی مرتب ہو جاتی ہے۔

(۱۸۲) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - الآیۃ (اعراف آیت ۱۳۹)

ترجمہ: یہ لوگ (مشرکین اور کافرین) جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہو کر رہیگا اور یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ بھی باطل (ضائع ہونیوالا) ہے۔

تفسیر: یعنی ان کا شغل بُت پرستی بجائے خود باطل ہے اور انجام کار تباہی و بربادی بھی ہے پھر مسلمانوں کو خطاب ہے کہ کیا تم ایسوں کی تقلید کی طرف جانا چاہتے ہو؟

سُلوک: حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ اہلِ باطل کے ساتھ تشبّہ تو دنیاوی عادت و اطوار تک میں بُرا ہے چہ جائیکہ عبادت کے طور و طریقوں میں؟

(۱۸۳) وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً - الآیۃ (اعراف آیت ۱۴۲)

ترجمہ: اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس ۳۰ راتوں کا پھر ان کا تکملہ مزید دس ۱۰ راتوں سے اور کیا، سو موسیٰ کے پروردگار کی مدّت (مقررہ) چالیس ۴۰ راتیں پوری ہوئیں۔

تفسیر: یہ چالیس راتیں کوہِ طور پر اعتکاف کرنے کے لئے مقرر کی گئیں تھیں تاکہ کتاب تورات دی جائے۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام نے یہ مدّت پوری کی اور کتاب تورات لیکر اپنی قوم میں تشریف لائے۔

سُلوک: حکیم الامت رحؒ نے مذکورہ آیت سے دو مسئلے اخذ کئے ہیں۔

اوّل: لفظ لَیلَۃً سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کا حساب رات سے شروع ہونا چاہیئے جیسا کہ اسلامی تاریخ، غروبِ آفتاب کے بعد شروع ہوتی ہے۔ (قمری حساب)۔
دوّم۔ لفظ اَربَعِینَ لَیلَۃً سے صوفیہ کرام کے چلّہ کی اصل مفہوم ہوتی ہے اس مخصوص عدد کی برکتیں مشہور اور معروف ہیں جو مشاہدہ کی جا سکتی ہیں۔

(١٨٤) وَقَالَ مُوسٰی لِاَخِیہِ ھٰرُونَ اخلُفنِی فِی قَومِی وَاَصلِح۔ الآیۃ (اعراف آیت ١٤٢)

ترجمہ:۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں تم میری جانشینی کرنا اور اُن کی اصلاح کرتے رہنا۔

تفسیر:۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کتاب تورات لینے کے لئے جب کوہِ طور جا رہے تھے اس وقت اپنے بھائی سیّدنا ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور جانشین بنایا اور مذکورہ ہدایت فرمائی۔
سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی یہ نیابت وخلافت اُسی طرح کی تھی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جاتے (سفر یا غزوات وغیرہ کے لئے) تو کبھی سیدنا علیؓ اور کبھی سیدنا ابن اُم مکتومؓ اور کبھی اور صحابی کو اپنا نائب مقرر کرتے۔

سلوک:۔ حکیم الامّتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اس میں اصل ہے شیوخ کے اس عمل کی کہ وہ اپنے بعض مریدوں کو اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ اُن پر نگرانی قائم رہے۔

(١٨٥) اِتَّخَذُوہُ وَکَانُوا ظٰلِمِینَ۔ الآیۃ (اعراف آیت ١٤٨)

ترجمہ:۔ اِسی کو انھوں نے معبود بنا لیا اور وہ اپنے بارے میں بڑا ظلم کر بیٹھے۔

تفسیر:۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی کتاب تورات لینے کے لئے کوہِ طور پر چالیس راتوں کا اعتکاف کیا تھا اس عرصے میں اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور قوم کا ذمہ دار قرار دیا تھا، لیکن قوم نے انھیں خاطر میں نہ لایا اور سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پوجا شروع کردی بچھڑے کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ اس کے اندر سے بھیں بھیں کی آواز آتی تھی جیسے بعض الموئیم کے کھلونوں سے مختلف جانوروں کی آوازیں پیدا کی جاتی ہیں۔

جاہل قوم نے اس کو خدائی حیثیت دیدی اور اس کی پرستش شروع کردی یہ فریب سامری نامی شخص نے ایجاد کیا تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے اس واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ دلائل شرعیہ کی موجودگی میں خوراق وکرشموں سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے یہ کم عقلی کی بات ہے۔

(۱۸۶) وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ۔ الآیۃ (اعراف آیت نمبر ۱۵۰)

ترجمہ:۔ اور موسیٰ نے تورات کی تختیاں تو ایک طرف ڈالدیں اور اپنے بھائی ہارون کا سر پکڑ کر اپنی جانب کھینچنا شروع کیا۔

تفسیر:۔ یہ واقعہ بھی اس وقت پیش آیا جب سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چالیس یوم تکمیل کر کے قوم میں واپس آئے تو دیکھا کہ ساری قوم گوسالہ پرستی میں مبتلا ہے۔ اپنے بھائی ہارون پر ناراض ہوئے کہ تمہاری موجودگی میں یہ کیا ہوتا رہا؟ غیظ وغضب میں تورات کی تختیاں تو ایک جانب رکھدیں اور بھائی پر برس پڑے سیّدنا ہارون علیہ السلام اپنی مجبوری ظاہر کرنے لگے لیکن سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا غصہ اتار ہی دیا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام

کا یہ عمل غیرتِ توحید کے جوش میں سرزد ہوا ہے اس لئے نہ اُن پر گرفت کیجا سکتی ہے اور نہ یہ عمل دوسروں کے لئے حجت و دلیل بن سکتا ہے۔

بعض جاہل صوفیوں نے ان اعمال موسوی سے وجد اور رقص میں اپنے کپڑے پھاڑ دینے کو سند اور نظیر بنایا ہے۔ یہ قیاس مع الفارق ہے جو باطل نظریہ ہے۔ (قرطبی)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے گوسالہ پرستی کی ذمہ داری اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام پر ڈال دی تھی جو بعد میں غلط ثابت ہوئی۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کاملین سے جب اجتہادی خطا ہو سکتی ہے تو شیوخ سے بھی ممکن ہے کیونکہ یہ معصوم بھی نہیں ہیں۔

(۱۸۷) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۵۲)

ترجمہ:- بیشک جن لوگوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنالیا تھا اُن پر انکے پروردگار کی طرف سے غضب اور ذلت بہت جلد پڑے گی اسی دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو۔

تفسیر:- چنانچہ اللہ کا غضب اس طرح ہوا کہ جن لوگوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا تھا اُنھیں سجدہ نہ کرنے والوں سے قتل کروایا گیا اس طرح شام تک ستر ہزار آدمی مارے گئے اور ذلت یہ کہ دشمنوں نے نہیں خود اپنوں نے قتل و غارت کیا۔ (بقرہ آیت ۵۴)

سلوک:- حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ دنیا میں ذلت و رسوائی کبھی گناہوں کے سبب سے ہو جاتی ہے۔

(۱۸۸) كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۶۳)

ترجمہ:۔ ہم نے اُنکی آزمائش اسطرح کی کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے۔

تفسیر:۔ یہ واقعہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے شہر ایلہ جو بحر قلزم کے کنارے آباد تھا یہاں کے لوگ مچھلی کے شکار پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے یہ لوگ نبیوں کی مخالفت و نافرمانی کے عادی تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ انپر ہفتہ کا دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ یہ دن عبادت میں گزاریں لیکن یہ لوگ چند دن تو پابندی کئے پھر حیلہ سازی میں پڑ گئے ہفتہ کے دن شکار تو نہیں کرتے تھے البتہ دریا کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیا کرتے تھے مچھلیاں اُن میں آجاتی تھیں دوسرے دن پکڑ لیا کرتے تھے اس حیلہ سازی سے ہفتہ کے دن شکار بھی نہ کیا اور مچھلیوں سے بھی محروم نہ رہے۔

سلوک:۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ احکام شریعت سے بچنے کیلئے حیلہ حوالہ کرنا حرام ہے۔

حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ جن حیلوں کا جائز ہونا فقہاء اُمت سے ثابت ہے وہ احکام شرعی کی تعمیل کے لئے ہے (یعنی شریعت کا منشاء پورا کیا جائے) نہ کہ ان سے بچنے اور دُور رہنے کے لئے اختیار کیا جائے۔

(قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کے بعض حیل کا ذکر موجود ہے۔ ہماری کتاب "ہدایت کے چراغ" جلد ا صفحہ ۲۱ مطالعہ کیجئے جو اس مسئلہ کی قرآنی تشریح ہے)۔

(۱۸۹) وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ - الآیۃ (اعراف آیت ۱۶۴)

ترجمہ:۔ اور جب اُن میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنکو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا کسی سخت عذاب میں مبتلا

کرنے والا ہے؟ وہ بولے ہم اپنے پروردگار کے ہاں عذر پیش کرنے کے لئے
اور شاید کہ یہ لوگ احتیاط کریں۔

تفسیر:۔ یعنی ہمارے سمجھاتے رہنے پر شاید وہ لوگ (مچھلی کا شکار کرنے والے) مان جائیں اور اپنی حیلہ بازی سے باز آجائیں ورنہ کم ازکم ہم اپنے رب کے آگے عذر تو پیش کرسکیں گے کہ باری تعالیٰ ہم نے انھیں خوب سمجھایا اور ڈرایا تھا، لیکن انھوں نے نہ مانا ہم تو انکے عمل سے دور تھے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت رحؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ جب نصیحت کے مؤثر ہونیکی قطعاً اُمید نہ رہے تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا اگرچہ عالی ہمتی تو یہی ہے کہ نصیحت جاری رکھی جائے۔

(۱۹۰) وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔

الآیۃ (اعراف آیت ۱۶۸)

ترجمہ:۔ اور ہم اُنھیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے ہیں کہ شاید وہ باز آجائیں۔

تفسیر:۔ حسنات وسیئات سے جہاں نیکی و بُرائی مُراد ہے وہاں خوشحالی و بدحالی بھی مراد لی گئی ہے۔ زمانے کے حوادث صرف عذاب ہی عذاب نہیں ہوتے ان میں بھی خیر کے پہلو بکثرت پوشیدہ ہوا کرتے ہیں۔ قومی خوشحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم معزز ہو، دولتمند ہو، صحیح و تندرست ہو، قوت وطاقت والی ہو، وغیرہ۔

اور قومی بدحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم محکوم وماتحت ہو، ذلیل وخوار ہو، مفلس و تنگدست ہو، وغیرہ۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت نے لکھا ہے کہ آیت میں اگرچہ ظاہری ومادّی تنگی

وفراخی کا ذکر ہے۔ لیکن بندے کا ابتلاء کبھی حسناتِ باطنی سے بھی کیا جاتا ہے۔
مثلاً بعض آدمی کو معصیت شعاری کے ساتھ ذوق وشوق الٰہی بھی قائم رہتا ہے اس سے بندے کو دھوکہ لگ جاتا ہے کہ میں حق پر ہوں حالانکہ وہ باطل پر ہوتا ہے لہٰذا گناہوں و غفلتوں کے ساتھ بسط (ذوق وشوق) بھی جمع ہوجائیں تو یہ استدراج (الٰہی مہلت وڈھیل) ہے جو خطرناک حالت شمار کی جاتی ہے۔

(۱۹۱) فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۶۹)

ترجمہ:۔ پھر ان کے بعد انکے جانشین ہوئے ایسے نالائق کہ کتاب اللہ کو تو اُن سے حاصل کیا لیکن اُس کے ذریعہ دنیا کا مال حاصل کرتے رہے اور یہ کہتے تھے کہ ہماری تو ضرور مغفرت ہوگی۔

تفسیر:۔ یہودی حرام خوری اور رشوت و بددیانتی کے اسقدر حریص کہ آسمانی ہدایات تک کو معمولی معمولی مال و دولت کے عوض میں بیچ ڈالتے تھے حالانکہ انکی شریعت اتنی سخت تھی کہ رشوت و خیانت تو الگ رہی دین کی خدمت پر ہدیہ لینا بھی ممنوع تھا۔

جیسے ان کے بڑے مال کے طمّاع تھے اِن کے اَخلاف بھی ان سے آگے ہی نکلے۔

اس کے باوجود یہودیوں کو اپنی نجات و مغفرت پر گھمنڈ تھا وہ اس خام خیالی میں مُبتلا تھے کہ ہم نبیوں کی اولاد اور اُن کی نسل سے ہیں ہمیں جہنّم سے کیا واسطہ؟

سلوک:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ جو دو سو سال پہلے کے مفسّرِ قرآن ہیں اپنی کتاب رُوح المعانی میں لکھتے ہیں۔ یہی حال ہمارے زمانے کے بکثرت صوفیہ کا ہے۔ شہوات

ولذاتِ دُنیاوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو یہ بات نقصاندہ نہیں اس لئے کہ ہم واصل باللہ ہو چکے ہیں۔ اور بعضوں کے بارے میں یہ بھی سُنا گیا ہے کہ وہ خالص حرام کھاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ذکر اثبات ونفی (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) اس ضرر کو دفع کر دیتا ہے۔ یہ صریح گمراہی ہے اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

(رُوحُ المَعانی)

تفسیر ماجدی کے مفسر لکھتے ہیں کہ ہند وپاک کے صُوفیہ کے لئے یہ قصہ عبرت ہے۔

(۱۹۲) وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۷۵)

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کو اُس شخص کا حال پڑھکر سُنایئے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں پھر وہ اُن سے بالکل نکل گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا۔

تفسیر:۔ اکثر مفسّرین کا کہنا ہے کہ یہ قصہ بَلعم بن باعُوراء کا ہے جو قوم بنی اسرائیل میں ایک عالم اور صاحبِ تصرّف درویش تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات کا علم دیا تھا جس کے ذریعہ وہ بڑے بڑے کام کر جاتا تھا۔ لیکن ایک عورت کے عشق ومحبت اور مال ودولت کے حرص میں سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلے میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کیلئے تیار ہو گیا اور آسمانی ہدایات وبرکات سے منہ موڑ کر زمینی لذّات وشہوات کی طرف جُھک پڑا۔ شیطان اس کا تعاقب کرتا جارہا تھا آخر گمراہوں کی قطار میں جا ملا اس وقت اس کا حال اُس کتے کی طرح ہو گیا جو ہر وقت زبان لٹکائے ہانپتا پھرتا ہے۔

سلوک:۔ محدث طِیبی نے لکھا ہے کہ جو شخص اس مثال میں غور کرے گا اُسپر

یہ بات واضح ہوجائیگی کہ علماء سوء (بد عمل عالم) اس سے بھی بدتر حالت میں ہیں، مال وجاہ اور دنیاوی لذتوں میں کھپے ہوئے ہیں۔ (روح المعانی)

حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ انسان جب اپنے ارادے سے فسق وفجور اختیار کر لیتا ہے تو شیطان لازمی طور پر اُس سے مستقل رفاقت پیدا کر لیتا ہے، قرآن حکیم نے ایسی رفاقت والے کو قرین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی ہمیشہ ساتھ رہنے والا دوست۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

(۱۹۳) أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۷۹)

ترجمہ:۔ وہ ایسے ہیں جیسے کہ چوپائے بلکہ اس سے بھی زیادہ بے راہ، وہی لوگ غافل ہیں۔

تفسیر:۔ یعنی آخرت سے غافل ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں دل دماغ، آنکھ کان، احساس وشعور سب کچھ دیئے ہیں لیکن اللہ کی ان نعمتوں کو حق کی تلاش میں صرف نہیں کرتے بس جانوروں کی طرح شکم سیری میں مشغول ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر حالت ہے کیونکہ جانور اپنے مالک کی آواز پر چلا آتا ہے اس کے ڈانٹنے پر رُک جاتا ہے لیکن یہ غافل لوگ کبھی بھی اپنے خالق ومالک کی آواز پر کان تک نہیں دھرتے۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ آیت کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ اللہ سے غفلت جہنم کا سبب ہوتی ہے لیکن اس کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ اللہ سے غفلت، شہوت اور حرص دنیا کا سبب بن جاتی ہے پھر حرص وشہوت سے جہنم مرتب ہوجاتی ہے۔

(۱۹۴) وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ

وَمَا مَسَّنِيَ السُّوٓءُ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۸۸)

ترجمہ:۔ اگر میں غیب کو جانتا رہتا تو اپنے لئے بہت سے نفع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی۔

تفسیر:۔ آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو نہ اپنے اندر "اختیار مستقل" رکھتا ہے نہ "علم محیط" (یعنی کل علم) سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم اوّلین وآخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے ہیں ان کو بھی یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ غیب دانی صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ میں دوسروں کو تو کیا خود اپنی ذات کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا نہ کسی نقصان سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہوں مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت ساری بھلائیاں کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو مجھکو علم غیب نہ ہونیکی وجہ سے فوت ہو جاتی ہیں نیز مجھکو کبھی کوئی ناگوار حالت پیش نہ آتی۔

بہر حال مذکورہ آیت میں واضح طور پر یہ بتلایا جا رہا ہے کہ "اختیار مستقل" اور "علم محیط" نبوّت کے لوازم میں شامل نہیں ہیں نبیوں کو غیب کی اطلاع دی جاتی ہے لیکن عالم الغیب اللہ کی ذات ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت صراحتاً بتلاتی ہے کہ "قدرت مستقلہ" اور "علم محیط" (کل علم) مقبولین سے بھی منفی ہے، جاہل لوگوں نے اپنے اپنے مشائخ سے کس کس طرح کا گمان قائم کر لیا ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

(۱۹۵) إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۹۴)

ترجمہ:۔ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ تم جیسے بندے ہیں، بھلا پکارو تو ان کو پس چاہیئے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر:۔ اللہ کے سوا جن جن ہستیوں کو پکارا جا رہا ہے اور اُن سے استغاثہ و نذر یا دطلب کی جا رہی ہے وہ سب ہم جیسے بندے ہیں مخلوق ہیں، نہ اُن سے فائدہ اور نہ نقصان پہنچ سکتا ہے وہ بھی اپنے نفع نقصان میں دوسروں کے محتاج ہیں تو بھلا ایک محتاج دوسرے محتاج کو دینے دلانے کا کیا اختیار رکھ سکتا ہے؟

قرآن حکیم نے یہ واضح اعلان کر دیا ہے۔

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔ (فاطر آیت ۱۵) اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی غنی و بے نیاز سب تعریفیں والا ہے۔

یعنی جن جن کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور وہ بالفرض توجہ کرتے بھی تو کام نہ آسکتے بلکہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات کا علانیہ بیزارگی کا اظہار کریں گے، اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہونگے۔ (الفاطر آیت ۱۴)

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے اخذ کیا ہے کہ ندائے غیر اللہ بطور استعانت ناجائز ثابت ہو رہی ہے۔

(جیسا کہ بے علم لوگ بزرگان دین کو طرح طرح کے ناموں سے پکارا کرتے ہیں)۔

(۱۹۶) خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ الآیۃ (اعراف آیت ۱۹۹)

ترجمہ:۔ آپ درگذر اختیار کیجئے اور نیک کام کا حکم کرتے رہئیے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیے۔

تفسیر:۔ آیت مذکورہ سے اہل علم حضرات نے طرح طرح کے سبق حاصل کیئے ہیں۔ حضرت جعفر صادقؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ اور کوئی آیت اخلاق کی جامع ترین نہیں ہے۔ (روح المعانی)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے فرمایا آیت میں عام لوگوں کے ساتھ شفقت و نرمی کے برتاؤ اور جاہلوں کے ساتھ حلم سے پیش آنیکی تعلیم ہے۔

(۱۹۷) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ الآیۃ

(اعراف آیت ۲۰۱)

ترجمہ:۔ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب انھیں کوئی خطرہ شیطانی لاحق ہو جاتا ہے تو وہ فوری یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں جس سے یکایک اُن میں سوجھ بوجھ پیدا ہو جاتی ہے۔

تفسیر:۔ گناہ کا نقطہ آغاز وسوسہ ہوا کرتا ہے پھر بات آگے بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن جن کے قلوب میں خوف الٰہی رہتا ہے وہ وسوسے پر فوری خبردار ہو کر اللہ سے پناہ طلب کرنے لگتے ہیں اس طرح وہ شیطانی وسوسہ ناکام ہو جاتا ہے۔

سلوک:۔ اہل تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ شیطانی وسوسے سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ کاملین پر بھی وسوسہ اندازی ہو جاتی ہے، وسوسہ سے محفوظیت کے تین درجے ہیں۔

اعلیٰ درجہ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو جیسا کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ و سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہم السلام کے واقعۂ ذبح میں منقول ہے۔

اوسط درجہ یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے مگر فوراً آگاہی ہوجائے اور وسوسے کے شر سے حفاظت بھی، یہ مقام صدّیقین کا ہے سیّدنا یوسف علیہ السلام اور زُلیخا کے قصے میں اِسکا ثبوت ملتا ہے۔

اَدنیٰ درجہ یہ کہ پھسلے مگر معاً سنبھل جائے، ڈرے جھجکے پھر باز آجائے یہ مقام تائبین (توبہ کرنیوالوں) کا ہے۔

ان تینوں مقامات کا صاحب عارف، متقی، ولی، صاحب دل سمجھا جاتا ہے۔

حکیمُ الامت نے فرمایا کہ آیت میں وسوسہ کا علاج استعاذہ اور ذکراللہ بیان کیا گیا ہے (یعنی جب بُرا خیال آجائے تو اللہ سے پناہ طلب کی جائے اور یا ذالہی میں مشغول ہوجائیے)۔

ملحوظہ:- اہل تحقیق علماء نے وسوسہ کے چار درجے شمار کئے ہیں اس میں ہر درجہ اپنے دوسرے درجے سے بڑا ہوتا ہے اور آخری درجہ تو عمل کی شکل میں ظاہر ہوجاتا ہے۔

ہاجِس:- ایسے وسوسے کو کہتے ہیں جو قلب میں آئے اور گزر جائے۔

خاطِر:- ایسا وسوسہ جو بار بار آئے اور چلا بھی جائے۔

ہَم:- ایسا وسوسہ جو دل میں قرار پائے لیکن پختہ نہ ہو۔

عَزم:- ایسا وسوسہ جو پختہ ہو اور نیّت اور اِرادۂ عمل بھی اس میں شامل ہوجائے۔

(۱۹۸) وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ. الآیۃ (اعراف آیت ۲۰۵)

ترجمہ:- اپنے پروردگار کو اپنے دل میں یاد کیا کر عاجزی اور خوف کیساتھ

نہ کہ چلانے کی آواز سے صبح وشام اور اہل غفلت میں شامل نہ ہوجانا۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت نے فرمایا کہ ذکر اللہ کی دو قسمیں خفی و جلی تو ثابت ہیں، مذکورہ آیت سے تیسری قسم یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ غفلت نہ ہو یعنی فکر ہو، فکر میں اگرچہ زبان کی حرکت نہیں ہوتی تاہم قلب بیدار رہتا ہے جو ایک قسم کا ذکر ہے۔

(علم تصوف میں ذکر و فکر کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں فکر سے یہی مراد ہے کہ غفلت نہ ہو یاد الٰہی برابر قائم رہے)۔

(۱۹۹) إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ۔

(اعراف آیت ۲۰۶)

ترجمہ:۔ بیشک جو مخلوق تیرے پروردگار کے قریب (مقرب) ہیں وہ اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اُس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اُسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

تفسیر:۔ یعنی مقرب فرشتوں کو اللہ کی بندگی و عبادت سے قطعاً عار و شرم نہیں وہ رات دن اللہ کی یاد اور اطاعت میں مشغول ہیں انھیں اللہ کی یاد سے عزت و شان حاصل ہوتی ہے یہ تو وہ فرشتے ہیں جو عرش الٰہی کو تھامے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ کروڑوں فرشتے ہیں جو ایک لمحہ بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں۔

جب ایسے بے شمار فرشتوں کو اللہ کی عبادت سے عار نہیں تو انسان کو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اللہ کی یاد و عبادت سے قطعاً غافل نہ ہونا چاہیئے۔

سُلوک: حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں عبادت سے پہلے تکبر سے بری ہونے کا ذکر دلالت کرتا ہے کہ تکبر سے بری ہونا باقی اصلاح پر موقوف ہے۔

امام رازی رح نے آیت کے الفاظ کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قلوب کے اعمال مقدم ہیں جوارح کے اعمال پر۔ (تکبر قلب سے متعلق ہے)۔

سورۃ الانفال پارہ ۹

(۲۰۰) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔ الآیۃ (انفال آیت ۲،۳)

ترجمہ:- ایمان والے تو بس وہی ہوتے ہیں جب انکے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل سہم جاتے ہیں اور جب انھیں آیات پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنھیں دے رکھا ہے اُس سے خرچ کرتے رہتے ہیں یہی لوگ سچے اور پکے مومن ہیں۔

تفسیر:- مذکورہ آیت میں اہلِ ایمان کی عملی حالت کا بیان ہورہا ہے کہ انکا ظاہر و باطن یکساں ہوا کرتا ہے اور اللہ کی آیات و احکام سے ان کے قلوب سہمے ہوئے رہتے ہیں اور ان آیات کا نزول انکے ایمان میں اضافہ کا ذریعہ بنتا ہے اور اللہ پر مزید اعتماد و توکل بڑھتا ہے، پھر یہ لوگ نماز و زکوٰۃ کے پابند رہا کرتے ہیں۔

سلوک:- مذکورہ آیت میں اعمالِ باطنی (قلوب کے اعمال) اور اعمالِ ظاہری (جوارح کے اعمال) ذکر کئے گئے ہیں، اعمالِ باطنی میں توکل اور اعمال ظاہری میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کی تصریح سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ باطنی اور ظاہری زندگی میں یہی اعمال سب سے زیادہ اہم اور قابل اہتمام ہیں۔

حکیم الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ آیت سالکین کے اوصاف کی جامع تصویر ہے کہ اسمیں حال (قلب کی حالت) بھی ہے اور عمل (جوارح کی عبادت) بھی ہے اور چونکہ صوفیہ ان سب اوصاف کے جامع ہوتے ہیں اس لئے ان کا کامل الایمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(٢٠١) كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۔ الآیۃ (انفال آیت ۵)

ترجمہ:۔ جیساکہ آپکا پروردگار آپکو حکمت کے ساتھ آپکے گھر سے باہر نکالا جبکہ اہل ایمان کی ایک جماعت اسکو گراں سمجھ رہی تھی۔

تفسیر:۔ آیت کا تعلق معرکہ بدر سے متعلق ہے جو اسلام کی پہلی جنگ رمضان سنہ ۲ھ (مطابق مارچ ۶۲۴ء) کا واقعہ ہے (اس معرکہ کی تفصیل "ہدایت کے چراغ" حصہ دوم ص۲۸۸ پر مطالعہ کیجئے) جو اس واقعہ کی قرآنی تشریح ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت پہل کرنے میں تردد کر رہی تھی آخر اکابر صحابہ کے مشورہ کے بعد مقام بدر میں دشمنوں کی فوج (کفار مکہ) سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کی تعداد نہایت قلیل (۳۱۳) تھی ساز و سامان بھی برائے نام تھا، دشمن کی تعداد ایک ہزار پھر سامان حرب و ضرب سے مسلح ایسی صورت میں مسلمانوں کا پیشقدمی کرنا بظاہر نقصاندہ نظر آرہا تھا مگر مقابلہ میں فتح عظیم نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ اس معرکے سے اہل کفر کی مجموعی قوت پاش پاش ہو گئی، اور خطۂ عرب میں کفر اور اہل کفر کی قوت و طاقت کا توازن بدل گیا۔

(٢٠٢) وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ الآیۃ (انفال آیت ۱۰)

ترجمہ :- اور اللہ نے یہ صرف اس لئے کیا ہے کہ تمہیں بشارت (خوشخبری) ہو
اور تاکہ تمہارے قلوب کو اس سے اطمینان ہو جائے درحقیقت نصرت تو بس
اللہ ہی کے پاس ہے بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر :- آیت میں بشارت (خوشخبری) سے مُراد اللہ کا وہ وعدہ ہے جو میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے کیا گیا تھا چونکہ مسلمانوں کی تعداد اس معرکہ میں بہت کم تھی (کم و بیش تین سو) اور دشمن کی نفری تعداد سہ چند یعنی ہزار سے اوپر، ایسے وقت خوف و ہراس کا پیدا ہونا فطرةً ممکن ہے اللہ نے پہلے تو ایک ہزار (دشمن کی تعداد کے مطابق) فرشتوں کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا پھر یہ بشارت تین ہزار فرشتوں کے ساتھ آئی اس کے بعد مزید اور اضافہ کی یعنی پانچ ہزار فرشتوں کی تائید و نصرت کا اعلان کیا گیا۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کے لئے یہ غیبی تائید و نُصرت محض اس لئے مہیا کی گئی کہ مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس دور ہو جائے اور پامردی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا جا سکے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے اور اُس کا بازو کٹ جائے۔

اللہ کی تائید و نصرت براہِ راست بھی ہو سکتی تھی لیکن اللہ اسباب و ذرائع کا پاس و لحاظ رکھتا ہے اس لئے کوئی بھی مدد اسباب کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔

سُلوک :- اہل علم حضرات نے لکھا ہے کہ اسباب اختیار کرنے میں دل کو تسلی اور تقویت حاصل ہوتی ہے جو شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ عمل بھی ہے۔

حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ اسباب کے غیر مؤثر اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے باوجود پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہوا کرتی ھیں۔

(۲۰۳) یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ. الآیۃ (انفال آیت ۲۰)

ترجمہ :- اے ایمان والو اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو۔

تفسیر :- ایک مومن صادق کا یہ کام ہے کہ وہ اللہ اور رسول کا فرمانبردار ہو، ماحول اور تقاضے خواہ کیسے ہی ہوں منھ نہ پھیرنا چاہیے زبان سے جب اقرار کر لیا کہ ہم نے سنا اور تسلیم کیا تو پھر ایسے ہی عمل بھی کرنا چاہیے منافقوں کی طرح ایسا نہیں کہ زبان سے تو اقرار کرتے ہیں لیکن عمل سے جان چراتے ہیں۔

سلوک :- مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ مومن کی عملی زندگی پر ایمان کا اثر ظاہر ہونا چاہیے، اور اگر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا تو محض قول بے کار ہی ہے (قرطبی)

(۲۰۲) وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (انفال آیت ۲۴)

ترجمہ :- اور جانتے رہو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے انسان اور اس کے قلب کے درمیان اور یہ کہ تم سب کو اس کے پاس اکٹھا ہونا بھی ہے۔

تفسیر :- یعنی کسی بھی حکم شرعی کی تعمیل میں دیر نہ کرنا چاہیے ممکن ہے کچھ دیر بعد دل کی کیفیت ایسی برقرار نہ رہے کہ عمل ہو سکے، دل کی کیفیت پر انسان کا اپنا قبضہ نہیں ہوتا بلکہ دل اللہ کے قبضے و قدرت میں ہے جدھر چاہے وہ پھیر دے لیکن اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

سلوک :- اہل علم لکھتے ہیں کہ اللہ کا انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جانا دو طرح سے ہوتا ہے۔

ایک یہ اس طرح کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت

کو آنے نہیں دیتا۔

دوسرے اس طرح کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان وطاعت کو آنے نہیں دیتا۔

(ایمان وکفر یہاں بھی دو اختیاری سبب ہیں جو ہدایت نصیبی کے لئے آڑ بن گئے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ الآیۃ

اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جان پر ظلم کر لیتے ہیں۔)

(۲۰۵) وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً۔ الآیۃ (انفال آیت ۲۵)

ترجمہ:۔ اور ڈرتے رہو اس وبال سے جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں اور جانتے رہو کہ اللہ سخت ہیں سزا دینے میں۔

تفسیر:۔ اسلام مسلمانوں کو جس بلند معیار پر دیکھنا چاہتا ہے اس کیلئے افراد کا صرف نیک ہو جانا کافی نہیں بلکہ ہر فرد بشر کو اپنی حیثیت کے مطابق دعوت وتبلیغ کا کام کرنا چاہئے کیونکہ جرم اور اہل جرم سے صرف نظر کرنا حق کو دبا دینے کے مرادف ہے جسکو شریعت کی زبان میں مداہنت کہا جاتا ہے اور مداہنت خود ایک بڑا جرم ہے تو جن لوگوں نے نہ نصیحت کی اور نہ اظہار بیزارگی کی تو یہ لوگ بھی شریک جرم ہوئے جب کسی جرم پر وبال آجائے تو مداہنت کرنے والے بھی اسمیں مبتلا ہوں گے (اسی کو قرآن نے فتنہ کہا ہے)۔

شاہ عبد القادر صاحب محدث "فِتْنَةً" کا ترجمہ (گناہ) کے لفظ سے کرتے ہیں اور آیت کا یہ مطلب لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسے گناہ کے ارتکاب سے بچنا چاہیئے جس کا برا اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں

تک بھی پہنچتا ہے پھر اسکا وبال سب پر پڑیگا۔ (موضح القرآن)

سُلوک:۔ حکیم الامت آیت سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ جس طرح اپنی اصلاح واجب ہے اسی طرح بقدر وسعت دوسروں کی اصلاح پر توجہ کرنا واجب ہے۔

(۲۰۶) وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ الآیۃ (انفال آیت ۳۵)

ترجمہ:۔ اور خود ان مشرکوں کی نماز ہی خانہ کعبہ کے پاس کیا تھی؟ سوائے سیٹی بجانے اور تالی پیٹنے کے؟

تفسیر:۔ آیت میں مشرکین کی عبادت کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے کہ منہ سے سیٹیاں بجانا اور ہاتھ سے تالیاں پیٹنا، بس عبادت ہوگئی، قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے وہ آج بھی جاہل متمدن قومیں اسکا ثبوت پیش کر رہی ہیں، مندر ہو یا کلیسا گرجا یا آستانہ عبادت کو جس طور طریقے سے ادا کرتے ہیں اُن میں عبادت کا جزِ اعظم یہی باجا گاجا، ہارمنیم طبلہ، تالیاں و سیٹیاں ہیں۔

سُلوک:۔ تفسیر قرطبی کے مفسر نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں اُن جاہل صوفیہ کے لئے بھی وعید (دھمکی) ہے جو اپنے آپ پر وجد و حال لا کر اچھلتے کودتے تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں اور اس کو کمال روحانی سمجھتے ہیں۔ ان میں مشرکین کی عبادت سے بہت حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (قرطبی)

(۲۰۷) وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ الآیۃ (انفال آیت ۴۸)

ترجمہ:- اور جب شیطان نے انھیں انکے اعمال خوشنما کر دکھائے اور کہا کہ لوگوں میں آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں ہے اور میں تمہارا حامی ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہو گئیں وہ اُلٹے پاؤں بھاگ پڑا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ شدید عذاب دیتے ہیں۔

تفسیر:- آیت غزوہ بدر سے متعلق ہے جبکہ ابو جہل اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مکۃ المکرمہ سے چلا تھا تاکہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بچالے لیکن ابھی وہ درمیان راہ تھا کہ اُس کو یہ پیام ملا کہ "قافلہ مسلمانوں کی زد سے بچکر محفوظ حالت میں مکۃ المکرمہ کی طرف رواں دواں ہے لہٰذا تم اپنا لشکر لے کر واپس ہو جاؤ"، لیکن قریش مکہ کے سروں پر موت منڈلا رہی تھی، ابو جہل نے نہایت غرور کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم اُس وقت تک واپس نہ جائینگے جب تک اسلام اور مٹھی بھر مسلمانوں کا خاتمہ نہ کردیں پھر بدر کے کنویں پر مجلس طرب ونشاط منعقد نہ کرلیں اور ہماری گانے والی عورتیں خوشی وکامیابی کے گیت نہ گالیں، شراب نوشی ہو گی اور اونٹ ذبح ہوں گے، وغیرہ وغیرہ۔

قریش اپنی قوت پر مغرور تھے لیکن اس موقع پر اپنے ایک حریف قبیلہ بنی کنانہ سے جو ان کی چھیڑ چھاڑ رہا کرتی اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ کہیں ہماری اس ہونے والی کامیابی میں دخل اندازی نہ کردیں اور ہم شکست کھا جائیں ابھی قطعی فیصلہ کرنے نہ پایا تھا کہ ابلیس لعین اُن کی پیٹھ ٹھوکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے بنی کنانہ کے سردار سُراقہ بن مالک کی شکل میں اپنی فوج لیکر نمودار ہوا اور ابو جہل اور سردارانِ قریش کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد وحمایت کے لئے آئے ہیں بس موقعہ بہت اچھا ہے مسلمانوں کی اس مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ کردو پھر اسلام کا نام

بھی باقی نہ رہے گا۔ اس حمایت پر ابوجہل آمادہ قتال ہوگیا اور میدانِ بدر میں مڈ بھیڑ ہوگئی۔

مسلمانوں کی تائید ونصرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں جبرئیل امین کو ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل کیا، شیطان کو جب یہ منظر نظر آیا، ابوجہل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا، ابوجہل نے کہا سُراقہ عین وقت پر کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگا میں اس وقت تمہارے ساتھ رہ نہیں سکتا مجھے وہ چیزیں نظر آرہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آسکتی (یعنی فرشتے) اب ٹھیرنے کی ہمت نہیں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔

امام قتادہؒ کہتے ہیں کہ ملعون یہاں بھی جھوٹ بولا اُس کے دل میں اللہ کا خوف کہاں؟ وہ تو اپنی جان کا اندیشہ کر رہا تھا۔

سُلوک:- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے کئی ایک مسئلے نکلتے ہیں۔

(۱) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کبھی اُسے ترک بھی کر دیتا ہے، جیسا کہ یہاں "اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ" میں اس کی مثال موجود ہے اور یہ ترکِ وسوسہ اس وقت کرتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ انسان میرے وسوسے کے بغیر بھی گناہ کرلیگا۔

(۲) کشف، اہل باطل کے لئے بھی ممکن ہے، چنانچہ شیطان کو فرشتے نظر آئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے محض طبعی خوف ہونا کافی نہیں ہے یہ تو ہر جاندار کو ہوا کرتا ہے، خوفِ ایمانی مطلوب و پسندیدہ ہوا کرتا ہے۔ جو شیطان سے ممکن نہیں۔

(۴) امکانِ تمثّل کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ مذکورہ واقعہ میں شیطان سُراقہ بن مالک کی شکل میں آیا تھا۔

ملحوظہ:- امکانِ تمثّل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی مخلوق کا اپنی اصلی وفطری شکل کے علاوہ دوسری شکل میں ظاہر ہونا یہ صورت عموماً شیاطین وجنات میں بکثرت پائی جاتی ہے لیکن یہ وقتی وہنگامی شکل ہوا کرتی ہے۔

ایسے ہی فرشتوں میں بھی یہ کیفیت پائی جاتی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جبرئیل امین انسانی شکل میں آیا کرتے تھے بسا اوقات دِحیہ کلبیؓ (دیہاتی مسلمان صحابی) کی شکل میں آئے ہیں اور غزوہ بدر وحُنین میں فرشتوں کی آسمانی فوج عام انسانوں کی شکل میں تھی۔

(۲۰۸) وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ. الآیۃ (انفال آیت ۵۰)

ترجمہ:- اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے اُن کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں تو ان کے چہروں اور پُشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ اب آگ کا مزہ چکھو۔

تفسیر:- آیت میں کافروں کی موت کے وقت رُوح نکالے جانیکی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ موت کے وقت فرشتے نہایت ذلّت وحقارت سے اُنکی رُوح رگ رگ سے کھینچیں گے اور ساتھ ساتھ پٹائی بھی کرتے جائیں گے۔ اور یہ اطلاع دیں گے کہ یہ تو تمہارا استقبال تھا آگے جلو بھون دینے والا عذاب تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم نے نزع وروح وسکرات کی جو ہولناک تفصیلات بیان کی ہیں وہ تمامتر مشرکین وکافرین سے متعلق ہیں۔

اور جہاں مطلق موت کا ذکر آیا ہے وہاں غمرات وسکرات وغیرہ جیسے الفاظ آئے ہیں جنکا مفہوم لازمی طور پر تکلیف یا عذاب نہیں ہے بلکہ غفلت، غشی

بے ہوشی مراد ہے جو اہل ایمان کی قبض روح کے وقت پیش آئیگی، بلکہ دیگر آیات واحادیث میں اہل ایمان کی موت کے وقت مومن کی عزت واکرام اور خوشخبری کا تذکرہ ملتا ہے۔ (سورۃ الفجر آیت ۲۸)

سلوک:۔ امام رازیؒ نے مذکورہ آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے چلتی ہے تو اسکو دنیا چھوٹنے کا صدمہ تو ہوتا ہی ہے اُدھر آخرت پر جب نظر پڑتی ہے تو اپنے لئے تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے، اس طرح اُسے آگے پیچھے دونوں جانب سے مار پڑتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۲۰۹) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ الآیۃ (انفال آیت ۵۳)

ترجمہ:۔ یہ سب اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر کر چکا ہو بدلتا نہیں جب تک کہ وہی لوگ اس کو بدل نہ دیں جو کچھ اُن کے پاس ہے۔

تفسیر:۔ ہمیشہ سے اللہ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب لوگ آیات اللہ کی تکذیب وانکار کرتے ہیں اور اس کے نبیوں کا اقرار واعتراف نہیں کرتے تو اللہ نے کسی نہ کسی عذاب میں اُنہیں پکڑ لیا ہے۔

ایسے ہی جب عام لوگ بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کی فطری استعداد وصلاحیت کو بدل دیتے ہیں اور اللہ کی عطا کردہ داخلی وخارجی نعمتوں کو اسکے بتلائے ہوئے کام میں خرچ نہیں کرتے بلکہ اسکے خلاف استعمال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لیتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ نیت واعتقاد جب تک نہ بدلے اللہ کی بخشی ہوئی نعمت چھینی نہیں جاتی۔ (موضح القرآن)

سُلوک:- حکیمُ الامت رحؒ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ سالک سے جب کوئی معصیت سرزد ہوتی ہے یا کوئی طاعت ترک ہو جاتی ہے تو اُس سے انوار و برکات بھی منقطع ہو جاتے ہیں۔

(۲۱۰) وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ الآیۃ

(انفال آیت ۶۰)

ترجمہ:- اور ان کے مقابلہ کیلئے جو کچھ بھی تم سے ہوسکے سامان درست رکھو قوت سے اور پرورده گھوڑوں سے جس کے ذریعہ تم اپنا رُعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں پر اور اُن کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انھیں نہیں جانتے اللہ انھیں جانتا ہے۔

تفسیر:- اللہ پر توکل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ضروری اسباب کو ترک کر دیا جائے (کیونکہ یہ تعطل ہے توکل نہیں) مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک ہوسکے سامانِ حرب و ضرب فراہم کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے، اونٹ، شمشیر، تیراندازی کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا اور یہی اُس دور کے آلات جہاد تھے اسی میں مہارت و طاقت پیدا کرنا ضروری تھی۔ قرآن حکیم نے اُنہی آلات کی تیاری کرنیکا حکم دیا ہے۔ ایسے ہی آج کے دور میں رائفل، مشین گن، ٹینک، توپ، بمبار ہوائی جہاز، راکٹ، آبدوز کشتیاں، جوہری ہتیار وغیرہ تیار کرنا اور اس کا استعمال جاننا ضروری ہوگا۔

باقی یہ سب سامان و تیاری دشمنوں پر دھاک و رُعب جمانے کے لئے ایک ظاہری سبب ہیں لیکن فتح و نصرت تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

سلوک: حکیم الامت لکھتے ہیں کہ ان آیات میں جو تدابیر بیان کی گئیں ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری سیاسی تدابیر بڑے سے بڑے کمالات باطنی کے خلاف نہیں ہیں، جیسا کہ بعض غالی و ناقص صوفیہ نے خیال کر رکھا ہے۔

(۲۱۱) وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔ الآیۃ (انفال آیت ۶۳)

ترجمہ:- اور اللہ نے ان کے قلوب میں اتحاد پیدا کر دیا اگر آپ دنیا بھر کا مال بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے قلوب میں اتحاد پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے اُن میں اتحاد پیدا کر دیا بیشک وہ بڑی قدرت والا بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر:- اسلام سے پہلے قوم عرب ہی میں نہیں ساری دنیا میں نسلی، قبائلی، لسانی، ملکی، ملی تفریقیں پھیلی ہوئی تھیں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے تحت رہنا اپنی عار و توہین سمجھا کرتا تھا، اسی وجہ سے ہر قوم میں خانہ جنگی ہوا کرتی تھی لیکن اسلام نے ان سارے امتیازات کو ایک دین، ایک تمدن، ایک تہذیب کے تحت کر دیا سب کے سب ایک نظریے میں متحد ہو گئے۔

یہ اتحاد و اتفاق کسی انسانی جد و جہد کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے دلوں کو جوڑ دیا۔

سلوک: حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت کے الفاظ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ قلب میں کسی حمیدہ صفت کا پیدا کرنا شیخ و مرشد کے اختیار میں نہیں ہے۔ الا یہ کہ اللہ ہی چاہے۔

(۲۱۲) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ۔ الآیۃ (انفال آیت ۶۷)

ترجمہ:۔ نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اُس کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں خون ریزی نہ کرلے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تو تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے۔

تفسیر:۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ معرکہ بدر میں دشمن کے ستر آدمی گرفتار ہوئے تھے جو سب کے سب سردار دولت مند قسم کے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جانا چاہیئے؟ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ یہ لوگ ائمۃ الکفر (کفر و شرک کے علمبردار) تھے۔ اکثر صحابہ کا مشورہ یہی رہا کہ اس وقت مسلمانوں کو روپئے پیسے کی سخت ضرورت ہے اس لئے مصالح ملت کا تقاضہ یہی ہے کہ اِن سے فدیہ (جرمانہ) لیکر رہا کر دیا جائے ممکن ہے یہ سہولت انہیں اسلام سے قریب بھی کر دے۔

بعض دیگر صحابہ نے ایسے ظالموں اور دشمنوں کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا ان میں خصوصیت سے سیدنا عمر بن الخطابؓ اور سیدنا سعد بن معاذؓ شریک تھے۔ لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فطری و طبعی رجحان عفو و درگزر کرنیکا تھا، صحابہ کی اکثریت کے مشورہ پر انھیں فدیہ لیکر آزاد کر دیا گیا، اور بعض کو بلا فدیہ چھوڑ دیا گیا اور دیگر بعض کو قتل بھی کر دیا گیا جس کی سیاسی مصلحت تقاضہ کر رہی تھی۔

اس واقعہ پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جسمیں عتاب و عقاب کا عنوان ہے۔ مقصود یہ تھا کہ رسول کو قتل و قتال اسوقت تک جاری رکھنا چاہیئے تھا کہ جب تک فساد کی بیخ کنی نہ ہو جائے اور کفر کا زور ٹوٹ جائے اور لوگ آزادی سے اسلام میں جوق در جوق داخل نہ ہونے لگیں اِن قیدیوں کے قتل میں یہی منافع تھے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ جب خطائے اجتہادی نبی معصوم تک سے ممکن ہے تو پھر مشائخ کے بارے میں خطاء سے امتناع کا اعتقاد رکھنا کسقدر

غلو اور بداعتقادی ہوگا؟

ملحوظہ:- مذکورہ آیت کے نزول پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکرؓ رو پڑے۔ سیدنا عمرؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟

ارشاد فرمایا بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر اللہ کا عذاب قریب آگیا تھا اگر وہ نازل ہوجاتا تو سوائے عمر بن الخطابؓ اور سعد بن معاذؓ کے اور کوئی نہ بچتا۔

(صحیح مسلم جلد ۲، صفحہ ۹۳)

(۲۱۳) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ۔ (انفال آیت ۷۰)

ترجمہ:- اے نبی ان قیدیوں سے کہدیجئے جو آپکے قبضے میں ہیں اگر اللہ کو تمہارے قلوب میں نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ بھی تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے اُس سے بہتر تمہیں دیگا اور تمہیں بخش دیگا۔

تفسیر:- بدر کے جن قیدیوں سے فدیہ لیا گیا تھا انھیں یہ بات سنائی جارہی ہے کہ اگر تمہارے قلوب میں خیر و بھلائی موجود ہے تو جو کچھ تم سے مال لیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ بہتر دیا جائیگا اور مزید پچھلی خطاؤں سے درگزر بھی کردیا جائے گا۔

اور اگر اظہار اسلام سے رسول کو دھوکہ دینا مقصود ہے تو اس سے پہلے جو لوگ ایسا فریب کیے ہیں انکا انجام تمہیں معلوم ہے، اب تم کو اسلام لانے نہ لانے کا اختیار ہے؟ (چنانچہ بعض قیدی اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیے تھے)۔

چنانچہ ان قیدیوں میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا انھیں دیگر ذرائع سے بے شمار دولت ملی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

سیدنا عباسؓ جو ان قیدیوں میں شامل تھے فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد مجھکو اُس فدیہ سے زائد مال و دولت ملی، اس طرح اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ قیدیوں میں سب سے زیادہ فدیہ میرا ہی تھا۔ یعنی ۸۰ اُوقیہ سونا (ایک اُوقیہ ۴۲ گرام کا ہوتا ہے یعنی تین ہزار سات سو گرام سونا)۔

سلوک :- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ طاعت سے دنیا و آخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں خواہ مال کی صورت میں ہو یا احوالِ باطنی کی صورت میں۔

سورۃ التوبۃ پارہ ۱۰

۲۱۴ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ الخ (توبہ آیت ۱۷)

ترجمہ:- مشرکین اس کام کے لائق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔

تفسیر:- مکۃ المکرمہ کے مشرکین بڑے فخر وشان سے اپنے آپ کو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کا متولی اور خادم کہا کرتے تھے انھیں اس پر ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، انھیں پانی پلاتے ہیں، کھانا کپڑا دیتے ہیں، مسجد الحرام کی مرمت کرتے ہیں، صفائی وروشنی کا انتظام کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

زمانۂ کفر میں سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کے مقابلے میں اسی طرح کی بحث کی تھی اور خدمت کا حق جتلایا تھا، اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور مشرکین کی تعمیر وترمیم کا پول کھول دیا گیا۔

مسئلہ:- فقہاء نے اس آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی بھی مسجد کا متولی یا بانی وخادم ہونے کے لائق ہی نہیں، کیونکہ کفر بغاوت وانکار کی کیفیت کا نام ہے پھر اللہ کے گھر کی تعمیر وآبادی کا کیونکہ حقدار ہوگا۔

۲۱۵ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ الخ (توبہ آیت ۱۸)

ترجمہ:- اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور پابندی کرتے ہیں نماز کی اور زکوٰۃ دیتے ہوں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے، پس ایسے ہی لوگ راہ یاب ہیں۔

تفسیر:- ظاہر ہے جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان ہی نہیں رکھتے اُن کا اللہ کی مسجدوں کی آبادی سے کیا رشتہ و ناطہ؟ اگر وہ ایسا کرتے بھی ہوں تو اُن کے یہ عمل بے روح ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نام و نمود اور اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے ایسا کرتے ہیں، مسجد کی آبادی تو اللہ کی عبادت اور اُسکے نام کو بلند کرنے کے لئے ہوا کرتی ہے جو مشرکین سے ممکن ہی نہیں ورنہ وہ مشرک و کافر کیوں رہتے؟

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ بعض اکابر سلف نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جن مسلمانوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو اور اُن کا تعلق مساجد سے وابستہ دیکھو تو اُن کے ایمان کی شہادت دیدو۔ لا الٰہ الا اللہ

ملحوظہ:- امام ترمذی نے حضرت ابو سعید الخدریؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْاِیْمَانِ (الحدیث)

جب تم کسی مسلمان کو دیکھو کہ وہ مسجد سے رشتہ جوڑے ہوئے ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دے دو۔

(۲۱۶) قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ۔ الآیۃ (توبہ ۲۴)

ترجمہ:- آپ کہدیجئے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے

بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے اور وہ گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو یہ سب اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز تر ہوں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو منزل تک نہیں پہنچاتا۔

تفسیر:- عزیزوں و رشتہ داروں کی محبت بجائے خود بُری نہیں ہوتی البتہ وہ محبت ممنوع اور حرام ہو جاتی ہے جو احکام شریعت کی تعمیل میں آڑے آ جائے اور آدمی خلاف شریعت کرنے لگے۔ ماں باپ، اولاد و ازواج بھائی بہن یہ سارے عزیز رشتے اس وقت قابل قدر ہیں جب اللہ و رسول کی اطاعت میں مددگار ثابت ہوں ورنہ صرف جسمانی تعلق تو جانوروں کو بھی آپس میں حاصل ہے۔

سلوک:- حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں تعلیم اس بات کی ہے کہ تعلق مع الخلق کے مقابلہ میں تعلق مع اللہ کی زیادہ رعایت رکھنی چاہیئے (ویسے بھی بہر صورت تعلق مع اللہ غالب ہونی چاہیئے)۔

(۲۷) ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ الآیۃ

(توبہ آیت ۲۶)

ترجمہ:- اس کے بعد اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینہ (تسلی) نازل کی اور ایسے لشکر نازل کئے جنھیں تم دیکھ نہ سکے اور کافروں کو سزا دی اور یہی کافروں کی جزا تھی۔

تفسیر:- آیت میں غزوۂ حنین کا تذکرہ ہے یہ غزوہ فتح مکہ کے دو ہفتے

بعد ۶ شوال ۸ھ مطابق یکم فروری ۶۳۰ء میں پیش آیا۔ حنین مکۃ المکرمہ کی ایک وادی کا نام ہے جہاں قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف کے مشہور تیر اندازوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی جو اس سے پہلے کسی غزوہ میں شریک نہ تھی دس ہزار تو مدینہ منورہ سے آئے تھے اور دو ہزار مکۃ المکرمہ کے نومسلم شریک تھے اس بڑی تعداد پر مسلمانوں کو فطرتًا یہ خیال آیا کہ آج تو ہماری فتح یقینی ہوگی چنانچہ ابتداً ایسے ہی ہوا مشرکین بھاگنے لگے اور مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے دشمن کے چند تیر انداز دستے پہاڑیوں کی کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے چالاک دشمن کے ماہر تیر اندازوں نے موقعہ غنیمت جانا اور پلٹ کر نیا حملہ کر دیا اور اچانک اسقدر شدید تیر اندازی کر دی کہ مسلمانوں کے جمے پیر اکھڑنے لگے دشمن کے تیر بارش کی بوندوں کی طرح آنے لگے اس اچانک حملے پر ابتداءً ان دو ہزار نومسلموں میں افراتفری پیدا ہو گئی پھر عام مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں چند اصحاب سیّدنا ابو بکرؓ، عمرؓ، عبّاسؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ تقریبًا اسّی یا سو اصحاب میدانِ جنگ میں باقی رہ گئے۔

زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت واستقامت نے پیٹھ پھیرے مسلمانوں کو یکجا کر دیا آپؐ نے آواز دی اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ، اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ، خدا کے بندو اِدھر آؤ اِدھر آؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔

پھر کچھ دیر نہ لگی کہ پیٹھ پھیرے مسلمانوں نے میدان جنگ کا رُخ کیا اور آناً فاناً آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، اور مقابلہ شروع کر دیا آسمانوں سے فرشتوں کی مدد آئی اور مسلمانوں پر طمانیت وسکون لوٹ آیا۔

قبیلہ ہوازن کے تیر انداز حواس باختہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوتے، میدانِ جنگ خالی ہوگیا، لڑائی ختم ہوگئی مالِ غنیمت کے ڈھیر جمع ہوگئے اور ہزاروں قیدی پابزنجیر آپؐ کی خدمت میں کھڑے تھے۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ عُجب کا ترک کرنا نزولِ سکینہ کا باعث ہوا کرتا ہے۔ (جیساکہ عُجب کرنا شکست و ہزیمت کا باعث ہوا تھا)۔

ملحوظہ:۔ عُجب، تواضع و انکساری کی مخالف کیفیت کو کہا جاتا ہے قلب کی اس مکروہ کیفیت پر آدمی اپنے آپ کو لائق و فائق اور دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتا ہے، اس کیفیت کو شریعت میں عُجب کہا جاتا ہے غزوۂ حُنین میں یہ کیفیت بعض مسلمانوں کے قلوب میں پیدا ہوگئی تھی۔

(۲۱۸) وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۚ الآیۃ

(سورۂ توبہ آیت ۳۰)

ترجمہ:۔ یہودی کہتے ہیں کہ عُزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ صرف اُن کے زبانوں کی بکواس ہے (حقیقت کچھ بھی نہیں)۔

تفسیر:۔ یہودی دراصل سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کا نام ہے جیساکہ نصاریٰ سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام کی قوم ہیں، لیکن یہودی میں ایک فرقہ عُزیری نام کا پیدا ہوگیا تھا جو سیّدنا عُزیر علیہ السّلام سے وابستہ تھا، سیّدنا عُزیر علیہ السّلام بھی بنی اسرائیلی نبی تھے جن کے معجزات دیکھکر ان کی قوم نے اُنھیں اللہ کا بیٹا قرار دے لیا تھا۔

موجودہ زمانے میں ملک فلسطین کے اطراف و اکناف ایسے لوگ اب بھی

خال خال پائے جاتے ہیں جو اپنے آپکو عزیری کہا کرتے ہیں۔
سُلوک :- آیت مذکورہ سے فقہار نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ "نقل کفر کفر نباشد" یعنی جس بات کا ابتداءً کہنا کفر تھا اگر اس کو بطور عبرت و نصیحت نقل کیا جائے تو کفر نہ ہوگا۔

(۲۱۹) اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ - الآیۃ (توبہ آیت ۳۱)

ترجمہ :- ان لوگوں نے اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء و مشائخ کو ربّ بنا رکھا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں کوئی اور معبود اللہ کے سوا نہیں ہے۔

تفسیر :- یہود اور نصاریٰ دونوں نے اپنے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ سے برابری کا درجہ دے رکھا تھا یعنی ان مجبور و بے بس انسانوں کو ایسا اختیار دیدیا تھا کہ گویا وہی معبود اور ربّ ہیں وہ جو چاہیں حلال کردیں اور جس چیز کو چاہیں حرام قرار دیدیں، مسیحوں کے ہاں آج بھی کیتھولک فرقہ اپنے پوپ (پاپائے روم) کو بہ حیثیت نائب مسیح سارے اختیارات کا حامل خیال کرتا ہے اور پروٹسٹنٹ فرقہ بھی عملاً سارے اختیارات چرچ (کلیسا) کو دے رکھا ہے۔
اور یہودیوں کے ہاں بھی ربّیوں (علماء کی جماعت) کے احکام کتاب تورات کی تعلیمات پر غالب ہیں۔
مذکورہ آیت میں مسلمانوں کے بعض طبقات کے لئے بھی بڑی عبرت ہے انھوں نے بھی اپنے بعض مشائخ کو خدائی نہ سہی مطاع کا درجہ دیکران کے اقوال واعمال کو آخری درجہ دیدیا ہے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔
سُلوک :- امام رازیؒ نے اپنے اُستاذ کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ

بعض غالی قسم کے دینداروں کو میں نے دیکھا ہے جب اُنکے آگے قرآن کی صریح آیات پڑھکر سُنائی گئیں تو وہ حیرانی سے دیکھنے لگے کہ اُنکے اسلاف کے خلاف یہ آیات کیونکر ہوسکتی ہیں؟ پھر انھوں نے ان آیات کو تسلیم نہیں کیا۔

حکیمُ الامّت رح نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں نصوص کے مقابلہ میں کسی کی تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسا کہ جاہلوں کی عادت ہے جب اُنھیں بدعات و رسومات سے منع کیا جاتا ہے تو وہ اپنے مشائخ کو حُجت میں پیش کرتے ہیں۔

(۲۲۰) اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ. (توبہ آیت ۳۶)

ترجمہ:- بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے ہاں بارہ مہینے ہیں کتاب الٰہی میں اُس روز سے جس روز سے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں اور ان میں چار مہینے بزرگی والے ہیں۔

تفسیر:- اسلام میں قمری سنہ کے بارہ مہینے ہیں نہ کم نہ زیادہ اور یہ قانون روزِ اوّل ہی سے چلا آرہا ہے ان بارہ مہینوں میں چار مہینے (محرم، رجب، ذوالقعدہ ذوالحجہ) اسلام کے ابتدائی دور میں بھی محترم اور مقدس مہینے قرار دیئے گئے تھے ان مہینوں میں جنگ و جدال ممنوع تھا (پھر بعد میں یہ حکم اٹھالیا گیا) یہ وہ مہینے تھے جس میں طاعت و عبادت مقبول اور گناہ و معصیت قبیح تر قرار دیا گیا تھا۔

سُلوک:- حکیمُ الامّت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ متبرک اوقات میں گناہ کی بُرائی شدید تر ہوجاتی ہے، پھر اسی پر متبرک مقامات کو قیاس کرلیا جاسکتا ہے کہ ان مقامات میں عبادت و نیکی نیک تر ہوجاتی ہے، لیکن ان لوگوں پر افسوس ہے جو مزاراتِ صالحین پر عُرس کے نام سے بدعات و منکرات، ڈھول طبلہ، راگ رنگ وبے پردگی و قوالی کی محفلیں سجاتے ہیں۔ وإلى الله المشتكى۔

ملحوظہ:- اہل علم نے مذکورہ آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات میں سنہ قمری، ہجری کی پابندی کرنا واجب ہے۔ سنہ عجمی اور سنہ شمسی کی کی پابندی جائز نہیں (تفسیر کبیر، قرطبی)

(٢٢١) لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ- الآیۃ (توبہ آیت ع۴۲)

ترجمہ:- اگر کچھ مال ملجانے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپکے ساتھ ہوجاتے لیکن انھیں مسافت ہی دور دراز معلوم ہوئی۔

تفسیر:- آیت میں ان منافقین کا ذکر ہے جو غزوہ تبوک (ماہ رجب سنہ۹ھ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، تبوک کی مسافت مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ سو میل کی ہے، موسم شدید گرمی کا تھا باغات کے پھل اور کھیتیاں کٹنے والی تھیں، غذائی قلت کا زمانہ تھا ایسے حالات میں چھوڑ چھاڑ کر جہاد کے لئے نکل جانا صرف مخلص مسلمانوں کا ہی کام تھا، چنانچہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد پا بر کاب ہوگئی اور منافقین حیلے حوالے کرکے گھر بیٹھے رہے (تفصیل کیلئے ہدایت کے چراغ جلد۲ صفحہ ۶۲۶ دیکھئے)۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اخلاص جاننے پہچاننے کی ایک کسوٹی ملتی ہے یعنی اس طرح غور کرے کہ جس دینی کام میں دنیاوی نفع نہیں بلکہ بظاہر مشقت ہی مشقت ہے اس میں شرکت کرنے سے نفس کا کیا رنگ ہوتا ہے؟ اگر دنیاوی نفع کی خاطر ہی عمل کرنا چاہتا ہو تو یہ اخلاص کی علامت نہیں۔

(٢٢٢) عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ - الآیۃ (توبہ آیت ۴۳)

ترجمہ:- اللہ نے آپکو معاف (تو) کر دیا (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دے دی؟ یہاں تک کہ ظاہر ہوجاتے آپ پر سچ کہنے والے

اور جان لیتے آپ جھوٹوں کو۔

تفسیر:- آیت میں انہی منافقین کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے سے بچ رہے تھے اور اپنے حیلے حوالے پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر بیٹھے رہنے کی اجازت طلب کر رہے تھے آپ اُنکے مکروفریب سے چشم پوشی فرما کر انہیں اجازت دے رہے تھے، ایسے وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور آپؐ کو آگاہ کیا گیا کہ ان غدّار منافقین کو کیوں اجازت دی گئی؟ آپ اجازت نہ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ اس وقت عام مسلمانوں کو معلوم ہوجاتا کہ یہ لوگ معذور نہیں ہیں بلکہ یہ منافقین لوگ ہیں اس طرح ان کا نفاق واضح ہوجاتا اور مسلمان ان سے محتاط ہوجاتے۔

سلوک:- حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ شیوخ طریقت کو بھی اس میں تعلیم ہے کہ مُریدوں کے عُذر قبول کرنے میں احتیاط و بیداری سے کام لینا چاہیے کہ آیا وہ عُذر واقعی صحیح بھی ہے یا نہیں؟

(۲۲۳) لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ الآیۃ

(توبہ آیت ۴۴)

ترجمہ:- جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی آپ سے اجازت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کریں اور اللہ پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے۔

تفسیر:- وہی غزوۂ تبوک کا تذکرہ ہے کہ ایمان والے جہاد سے جی چُرانا تو کیا مطلب تعمیل حکم میں اپنی جان و مال سے شریک ہوجاتے ہیں اور انہیں اپنی حیات اسی میں نظر آتی ہے کہ راہ خدا میں کام آجائیں۔

سُلوک :- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ مومن جب کسی خیر کو سنتا ہے تو بلا تامل اس کی طرف دوڑ پڑتا ہے اور اسکا یہ دوڑنا شوق سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا آیت میں ذوق و شوق کا اثبات ہے۔

یعنی قلب میں شوق پیدا کیا جائے۔ (روح المعانی)

(۲۲۴) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ الآیۃ

(توبہ آیت ۳۴)

ترجمہ :- اے ایمان والو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے اکثر علماء و مشائخ عام لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے اڑاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ الخ۔

تفسیر :- یعنی خود حق کی تلاش اور طلب کرنا تو در کنار حق کو قبول تک نہیں کرتے گویا عام محاورے میں لوگوں کو ٹھگتے رہتے ہیں مثلاً معتقدین کی مرضی دیکھکر اُن کے مرضی کے مطابق مسئلہ بیان کرتے ہیں اور اُن سے نذرانہ وصول کر لیتے ہیں اسطرح جائز و ناجائز نذرانے وصول کرتے ہیں۔

سلوک :- حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہی حال اُن جاہل مشائخ کا ہے جو اپنے مُریدوں سے نذرانہ وصول کرتے رہتے ہیں اور اپنے منافع کے ختم ہو جانے کے اندیشے پر حق بات کو ظاہر نہیں کرتے۔

(۲۲۵) لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً۔ الآیۃ (توبہ آیت ۴۶)

ترجمہ :- اگر ان لوگوں نے چلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اسکا کچھ سامان کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند ہی نہ کیا اس لئے انھیں اسی پر جمارہنے دیا۔

تفسیر:۔ غزوۂ تبوک ہی کا ذکر ہے اسمیں منافقین نے اپنے عذر کا اس طرح اظہار کیا تھا، یا رسول اللہ مسلمانوں کے ساتھ چلنے کا تو ہمارا پختہ ارادہ تھا لیکن عین وقت پر فلاں فلاں ضرورتیں حائل ہوگئیں اور ہم اُن وقتی ضرورتوں میں پھنس گئے۔ مذکورہ آیت میں ان کے عذر لنگ پر تنقید ہو رہی ہے کہ انھوں نے پہلے تو سفر کا ارادہ ہی کہاں کیا تھا جو مجبوری کی وجہ سے ترک کرنا پڑا؟ اگر واقعی کچھ ارادہ ہی کیا ہوتا تو سامانِ سفر کی تھوڑی بہت تیاری کرتے ہوتے؟ یہ کیسا ارادہ کہ عمل نام کو نہیں بلکہ نیت بھی نام تک کو نہیں، پھر یہ مکر و فریب نہیں تو اور کیا ہے؟

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے مذکورہ واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ تعطّل (عمل نہ کرنا) عدم ارادے کی دلیل ہے (یعنی عمل نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ تم نے ارادہ ہی نہ کیا تھا) بہت سے لوگ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمیں طاعات و عبادات کی رغبت ہے، لیکن انکا یہ خیال جھوٹا ہے، وسوسہ ہے۔

ع اگر عشق ہوتا تو تدبیر کرتا

(۲۲۶) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ۔ الآیۃ

(توبہ آیت ۴۹)

ترجمہ:۔ اُن منافقین میں بعضا ایسا بھی ہے جو آپ سے کہتا ہے مجھکو (اجازت) رخصت دیدیجئے اور مجھکو خرابی میں نہ ڈالئے۔ الخ

تفسیر:۔ غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے کے لئے جو حیلے حوالے تراش لئے گئے تھے اس ایک مسخرے نے جسکا نام جد بن قیس بیان کیا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اپنا یہ عذر پیش کیا، یا رسول اللہ مجھکو تو آپ مدینہ ہی میں رہنے دیجئے روم کی عورتیں نہایت حسین و جمیل ہوتی ہیں میں

انھیں دیکھکر دل کو قابو میں نہ رکھ سکوں گا کہیں کسی بڑے فتنے میں مبتلا نہ ہو جاؤں لہٰذا آپ مجھے اس خطرے سے محفوظ رکھئے۔ غزوۂ تبوک کی شرکت سے میں معذرت چاہتا ہوں۔

ملحوظہ :- غزوۂ تبوک میں اہل روم سے مقابلہ تھا اور رومی مسیحی لیڈیاں آجکل کی امریکی لیڈیوں کی طرح اپنے رنگ روپ، بناؤ سنگار اور بے حجابی میں اسوقت بھی مشہور تھیں۔

سلوک :- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی نفس طاعات کی پابندی سے یہ بہانہ کر کے عذر کرتا ہے کہ طاعت میں فلاں فلاں برائی ہے جس کا شر اس کی بھلائی سے بڑا ہوا ہے لہٰذا عمل میں کوتاہی کر جاتا ہے (یہ ایک شیطانی خفیہ مکر ہے جو انسان کو عمل خیر سے محروم کر دیتا ہے)۔

(۲۲۷) قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۵۱)

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے کہ ہم پر کچھ بھی پیش نہیں آسکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھدیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی کا سہارا اہل ایمان کو رکھنا چاہیئے۔

تفسیر :- آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ تقدیر الٰہی اور فضل خداوندی پر اعتماد کرنا اہل ایمان کا شیوہ اور ایمان کی علامت ہے کیونکہ جب اللہ ہمارا خالق و مالک ہے تو وہ جو کچھ بھی کریگا ہمارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ ع

ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود

سلوک :- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت کے پہلے جزء میں مراقبہ کی تعلیم ہے جو توکل کو آسان کر دیتی ہے اسکے بعد اصل توکل کا حکم ہے۔

(۲۲۸) قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ. الآیۃ (توبہ آیت ۵۲)

ترجمہ:- آپ یہ بھی کہدیجئے کہ تم لوگ تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک ہی بھلائی کے منتظر رہا کرتے ہو اور ہم تمہارے حق میں انتظار اسکا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے، لہٰذا تم انتظار کرتے رہو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرینگے۔

تفسیر:- مذکورہ آیت میں منافقین کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے بارے میں دو باتیں سوچا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو غلبہ و کامیابی نصیب ہوتی ہے تو جلتے اور کڑھتے ہیں اور اگر کبھی کوئی مصیبت پیش آتی ہو تو خوش ہوتے ہیں اور فخر سے کہا کرتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی سے دور اندیشی اختیار کی اور اپنے بچاؤ کا انتظام کرلیا تھا، لیکن یہ دونوں پہلو مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر تھے، کامیابی اور فتح ہونا تو خیر ہی خیر ہے، شکست و مصیبت کا ہونا وہ بھی مومن کے حق میں رحمت ہے کیونکہ اس کے پیش آنے پر گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور درجات بلند ہوا کرتے ہیں اس لحاظ سے دونوں باتیں مومن کے لئے خیر ہی خیر ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو جواب دینے کی ہدایت دی جارہی ہے۔

پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور حاکم ہیں، حاکم ہونیکی حیثیت سے انہیں ہر تصرف کا اختیار ہے اس لئے ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں۔

دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں شکست و مصیبت میں بھی ہمارے لئے نفع کی رعایت رکھے ہیں اس لئے ہم کو ہر حال میں فائدے ہی فائدے ہیں۔

بخلاف مشرکین کہ ان کی خوشحالی کا انجام، وبال ونکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ قبض وبسط دونوں حالتیں فضلِ الٰہی کی ہیں، عارف کو ہر صورت میں مستقل مزاج رہنا چاہیے (قبض وبسط کی تعریف سلوک ۱۲۱ میں آچکی ہے)

(۲۲۹) وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۵۴)

ترجمہ:۔ منافقین کے نفقات (خرچ وتعاون) کو قبول کرلینے میں کوئی چیز مانع نہیں سوائے اس کے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ۔

تفسیر:۔ آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ کفر وشرک کے ہوتے ہوئے کوئی بھی اچھا عمل مقبول نہیں ہوتا۔ ایمان کے قبول ہونیکی پہلی اور آخری شرط ایمان واسلام ہے اگر یہ نہیں تو کوئی بھی اچھا عمل اللہ کے ہاں مقبول نہیں منافقین کو چونکہ ایمان نصیب نہ تھا اس لئے اِن کی کوئی بھی خیر خیرات مقبول نہیں۔

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کے جو حیلے حوالے منافقین نے گھڑ لئے تھے اُن میں جُد بن قیس منافق نے یہ عذر کیا تھا کہ یارسول اللہ میں عورتوں کا عاشق ہوں خاص طور پر خوبصورت عورت کو دیکھکر بے قابو ہو جاتا ہوں روم کی عورتیں گوری گٹی ہوتی ہیں کہیں کسی عورت پر فریفتہ نہ ہو جاؤں جس سے میرا دین و ایمان خراب ہو جائے لہٰذا آپ مجھے اجازت دیدیجئے کہ میں مدینہ ہی میں مقیم رہوں البتہ اس غزوہ میں

مالی امداد کرنا چاہتا ہوں، اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تھی اور منافقت کا پردہ چاک کر دیا گیا۔

سُلوک:۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب نماز میں سُستی کرنا نفاق کی علامت ہے تو ترک نماز کی کیا حالت ہو گی؟

حکیمُ الامت نے لکھا ہے کہ منافقین لذّتِ عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمال معبود سے محروم ہیں۔

بعض عارفین نے لکھا ہے کہ جس شخص کو آمر (حکم کرنے والا اللہ) کی معرفت نہ ہو گی وہ امر کی طرف سُستی سے اٹھیگا اور جس کے دل میں آمر کی معرفت ہو گی وہ آمر کی طرف رغبت سے اٹھیگا۔

(۲۳۰) فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ۔ الآیۃ

(توبہ آیت ۵۵)

ترجمہ:۔ سو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالدیں اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ انہی نعمتوں کے ذریعہ انھیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور انکی روحیں ایسی حالت میں نکالے کہ وہ کافر ہوں۔

تفسیر:۔ آیت میں اس شبہ کو دور کیا گیا ہے کہ جب یہ کافر اور منافق غیر مقبول اور مردود ہیں تو پھر انھیں دنیاوی خوشی، فراخی، اقبال مندی، مال و دولت و اولاد کی نعمتیں کیوں نصیب ہو رہی ہیں؟ یہ سوال آج بھی بعض نادان مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔

دراصل یہ شبہ قلت فہم کا نتیجہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنی نعمتیں صرف ایمان اور اہل ایمان سے وابستہ نہیں رکھی ہیں دنیا کی عام نعمتوں کو عام ہی رکھا ہے اس میں مسلم، مومن، کافر و مشرک، دیندار و بے دین حتیٰ کہ بد دین تک کو فراوانی

سے میسر ہوتی ہیں، لیکن آخرت کی خوشحالی اور کامیابی صرف اور صرف اہلِ ایمان کے لئے خاص رکھی گئی ہیں۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہلِ دنیا کے مال وزینت کو مستحسن نہ سمجھیں کہیں اس کی وجہ سے آخرت کے اعمال سے غافل نہ ہوجائیں۔

فقہاء نے آیت کے عبارۃُ النص (ظاہری مفہوم) سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کافروں اور گنہگاروں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھکر ان کے حال کی تمنا کرنا حرام ہے۔

اس طرح آیت میں اُن کافروں اور غافلوں کو تنبیہ ہے کہ جس سامان کو یہ لوگ راحت وعیش کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں اس میں انکو راحت نہیں ہے صرف جمع کرنے اور حفاظت کرنے کی زحمت ہی زحمت ہے۔ قناعت اور بے فکری تو اہل ایمان کا حصہ ہے۔

(۲۳) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۵۹)

ترجمہ :۔ اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اس پر راضی رہتے کہ جو کچھ انکو اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا ہے اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آئندہ اپنے فضل سے ہمیں اور دیگا اور اسکے رسول بھی دیں گے۔

تفسیر :۔ یعنی بہترین طریقہ تو یہی تھا کہ اللہ نے جو کچھ بھی دیا تھا اور جو اپنے رسول سے دلوایا تھا اُسی پر قناعت کر لیتے اور آئندہ بھی اللہ سے ملنے کی توقع رکھتے تو انھیں دنیا کی آسودگی حاصل ہوجاتی۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اہل رضا و اہل توکل

کی علامت یہ ہی ہے کہ انھیں جو کچھ بھی اللہ کی طرف پیش آجائے اُس پر خوش وخرم رہتے ہیں حتیٰ کہ مصیبتوں میں بھی لذت حاصل کرتے ہیں۔

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

(۲۳۲) وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ‌ؕ ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۶۱)

ترجمہ:- اور اُن منافقین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نبی (علیہ السلام) کو ایذاء دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کان دیکر سن لیتے ہیں آپ کہدیجئے کہ وہ تمہارے حق میں خیر ہی کے بارے میں کان دیکر سنتے ہیں۔

تفسیر:- منافقین کا یہ احساس تھا کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی بات کو سن لیتے ہیں لہٰذا ان کو دھوکہ میں لے آنا کوئی بڑی بات نہیں چنانچہ یہ فریب خوردہ اکثر اوقات ایسی باتیں کرتے رہتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث اذیت ہوا کرتی تھیں۔

آپ کی یہ خوش خلقی اور کریم النفسی تھی جو ہر بات پر توجہ فرماتے تھے، منافقین نے اس کو اپنی کامیابی وچالاکی سمجھی جبکہ یہ خود اُن کی سیاہ بختی وفریب خوردی تھی۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے، آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وضبط اور کمال اخلاق کا آئینہ ہے کہ کسی بھی شخص کے اظہار ایمان پر آپکی شفقت مرتب ہوجاتی ہے۔

(۲۳۳) وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَـقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ‌ؕ ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۶۵)

ترجمہ:- اور اگر آپ ان سے دریافت کریں تو صاف کہدینگے کہ ہم تو

صرف مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ ان سے کہدیجئے کہ کیا اللہ
کے ساتھ اور اس کی آیات کے ساتھ اور اُس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی
کرتے ہو؟ اب تم یہ بے ہودہ عذر نہ کرو تم اپنے آپ کو مومن کہکر کفر
کرنے لگے۔ الخ

تفسیر:۔ منافقوں سے جب اُن کی استہزائی کیفیت کے بارے میں پوچھا جاتا تو صاف کہدیتے تھے کہ ہم تو صرف تفریح اور دلچسپی کے لئے ایسی باتیں کہدیا کرتے ہیں باقی ہمارا ایمان ایسا نہیں ہے ہم اللہ اور اُس کے رسول کی شان وعظمت سے باخبر ہیں اور دل وجان سے اللہ اور اُس کے رسول کو تسلیم کرتے ہیں۔

سلوک:۔ فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کلمہ کفر خواہ ارادے وسنجیدگی سے ادا کیا جائے یا محض خوش طبعی ولطیفہ کے طور پر ادا کیا جائے حکم شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔

(ایسا شخص اُسی وقت اسلام سے خارج ہوجاتا ہے) البتہ جبر واکراہ کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔

امام رازیؒ نے یہ اہم بات بھی لکھدی ہے کہ اللہ کی ذات سے استہزاء کرنا تو کوئی معنیٰ ہی نہیں رکھتا لامحالہ اس استہزاء سے مُراد احکام شرعی ہوں گے یا اسماء الٰہی وقدرت الٰہی سے مذاق کرنا ہوگا۔ (تفسیر کبیر)

ملحوظ:۔ یہ قدیم جرثومہ آج بھی منافق صفت مسلمانوں کی زندگی میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتا ہے، محفلوں ڈراموں، شعر وشاعری، ادب وثقافت کے پردوں میں اللہ اور رسول پر طعن کرنا شریعت کا مذاق، حُور وقصور پر ٹھٹھا، احکامِ شریعت کا استہزاء، وغیرہ بے خوف وبے حجاب ہوا کرتا ہے اور ہر مرتبہ یہی

جواب دیا جاتا ہے کہ یہ تو محض ادبی و ثقافتی دلچسپیوں کے لئے تھا، کہیں مذہب پر طعن و تعریض تھوڑی ہی مقصود تھی؟

لیکن اِن بے ادب مسخروں نے یہ نہیں سوچا کہ دل لگی اور تفریح کن کن چیزوں پر کی جارہی ہے؟ اللہ سے؟ اسکے رسول سے؟ اسکے احکام سے؟

یہ چیزیں تو کسی حال میں بھی محلِ استہزا نہیں ہو سکتی کہ انکو موضوعِ تفریح بنایا جائے۔

(۲۳۴) وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

(توبہ آیت ۷۲)

ترجمہ:- اور اللہ کی رضامندی سب نعمتوں سے بڑھکر ہے، بڑی کامیابی تو یہی ہے۔

تفسیر:- یعنی اللہ کی خوشنودی ساری نعمتوں سے بڑھکر ہے اور وہ تعمیلِ حکم سے ہر مسلمان کو حاصل ہو سکتی ہے یہ نہیں کہ رضائے الٰہی صرف اولیاء اللہ ہی کا حصّہ ہے جیسا کہ بعض نادان سمجھتے ہیں۔

سلوک:- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ رضائے الٰہی خود جنّت میں لیجانے اور ہر قسم کی نعمت پانیکا سبب بھی ہے صوفیہ عارفین کا منتہائے مقصد بھی یہی رضائے الٰہی ہوا کرتی ہے۔

(۲۳۵) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۷۳)

ترجمہ:- اے نبی کافروں اور منافقوں پر جہاد کیجئے اور انپر سختی کیجئے انکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

تفسیر:- لفظ جہاد، جنگ کے ہم معنٰی نہیں ہے بلکہ جہاد ہر اس جدّ و جہد

کو کہا جاتا ہے جو دین کی سر بلندی اور اشاعت کے لئے کی جائے۔ اس لحاظ سے قتال و جنگ بھی جہاد کی ایک قسم ہوگی۔

کافروں اور مشرکوں کے مقابلے میں جہاد تو جنگ و جدال سے ہوگا اور منافقوں اور فاسقوں کے مقابلے میں قول و عملی برتاؤ سے ہوگا۔ (قرطبی، تفسیر کبیر)

غِلْظَةً کے معنی شدت و سختی کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان باغیوں کے مقابلے میں نرم نہ پڑیں مضبوطی سے قائم رہیں اور اُن کے فاسد عقائد کا رد کیجئے۔

آج کے دورِ دجل فریب میں رواداری کا عام لفظ جس معنیٰ میں چلا ہوا ہے اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں۔

سُلوک :۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فساد عقیدہ کی اطلاع مل جائے اس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا اور اس کے مقابلے میں سختی بھی حسب طاقت و ضرورت کی جائے گی۔ (مدارک)

(۲۳۶) وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۷۵)

ترجمہ :۔ ان منافقین میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل سے، ہمیں بہت سارا مال عطا کرے تو ہم (اللہ کی راہ میں) خوب خوب صدقہ کریں گے اور خوب نیک کام کریں گے، پھر جب اللہ نے انھیں اپنے فضل سے مال عطا کیا تو بخل کرنے لگے اور دین اسلام سے مُنہ موڑ لیا۔

تفسیر :۔ ثعلبہ بن حاطب نامی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے کثرتِ مال کی دُعا کروائی آپؐ نے اسے سمجھایا کہ اس میں خیر نہیں ہے، اُس نے کہا میں نیک کاموں میں خوب خوب خرچ کرونگا۔ اس کے اصرار پر آپؐ نے دُعا فرمادی اور وہ بہت جلد مالدار ہوگیا، جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو کہنے لگا کہ

اسمیں اور جزیہ (جُرمانہ) میں کیا فرق ہے؟ اور زکوٰۃ نہ دی۔
اسپر مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور اس کے نفاق کا اعلان کیا گیا، یہ سنکر اپنی بدنامی سے بچنے کیلئے وہ اپنے مال کی زکوٰۃ لے آیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تیری زکوٰۃ لینے سے منع کیا ہے اُس نے بہت ہائے وائے کی اور چلا گیا پھر صدیق اکبرؓ کی خلافت میں دُو چند زکوٰۃ لے آیا صدیق اکبرؓ نے بھی قبول نہ کیا، پھر فاروقِ اعظمؓ کی خلافت میں سہ چند زکوٰۃ لایا آپؓ نے بھی قبول نہ کیا آپکی وفات کے بعد سیدنا عثمان غنیؓ کی خلافت میں بھی زکوٰۃ قبول کر لینے کی گزارش کی آپ نے بھی انکار کر دیا، اس طرح وہ ناکام و نامُراد ہو کر فوت ہو گیا۔
(عہد نبوت کا یہ عبرتناک واقعہ ہدایت کے چراغ حصہ دوم صـ ۶۵۳ پر تفصیل سے مطالعہ کیجئے۔)
سلوک:۔ فقہاء نے مذکورہ آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نذر ماننے والے پر اسکا ادا کرنا واجب ہے۔ (جصّاص)
(۲۷) فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ۔
(توبہ، آیت ۷۷)
ترجمہ:۔ سو اللہ نے اُن کی سزا میں اُن کے قلوب کے اندر نفاق قائم کر دیا جو اس کے پاس جانے کے دن تک رہیگا، اس سبب سے کہ اُنھوں نے اللہ سے اُس کے خلاف کیا جو کچھ اُس سے وعدہ کر چکے تھے اور اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے رہے ہیں۔
تفسیر:۔ چونکہ ان منافقین نے اپنے ارادے سے گمراہی اختیار کر لی تھی

اللہ بھی اُن کے ارادے کے خلاف اُن کی گمراہی کو ہدایت سے نہ بدلے گا اور انھیں بدستور اُسی حالت میں پڑا رہنے دیگا۔

سُلوک:۔ حکیمُ الاُمّت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جس طرح طاعات سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے ایسے ہی گناہوں سے کفر کی ظلمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۲۳۸) اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۷۹)

ترجمہ:۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو نفل صدقہ خیرات کرنے والے مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں (خصوصًا) اُن مسلمانوں پر جنہیں بجز محنت مزدوری کے کچھ نہیں ملتا۔ سو اُن سے یہ مذاق کرتے ہیں، اللہ بھی اِن کے مذاق کا جواب دیتا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر:۔ ہر دور میں منافق صفت انسانوں کا یہی حال رہا ہے کہ غریب غرباؤں پر ان کے دینی و اسلامی طور طریقوں کا مذاق اڑایا ہے اور اُن کی اسلامی چال ڈھال وضع قطع، شکل و صورت پر جملے کسے ہیں۔ عہدِ نبوّت کے منافقین کا یہی حال تھا وہ غریب مسلمانوں کی نیکی و صدقہ خیرات کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے چار ہزار دینار پیش کئے، سیّدنا عاصم بن عدیؓ نے ایک سو وسق (پیمانہ) کھجور جنکی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی پیش کیا، منافقین کہنے لگے یہ سب نام و نمود کے لئے کیا جا رہا ہے، ایک غریب صحابی سیدنا ابو عقیل رضؓ محنت مزدوری کر کے ایک صاع (پونے تین سیر) کھجور پیش کیا، منافقوں نے طعنہ دیا کہ یہ خواہ مخواہ شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

سُلوک :۔ حکیم الاُمّت رح نے لکھا ہے کہ موجودہ دور میں بھی منکرین اولیاء کا یہی حال ہے وہ بھی اِن کے ہر عمل اور ہر حال پر عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔

(۲۳۹) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۸۰)

ترجمہ :۔ آپ اِن منافقین کے لئے بخشش طلب کریں یا نہ کریں اگر اُن کے لئے ستّر بار بھی بخشش مانگیں تب بھی اللہ انہیں معاف نہ کریگا یہ اس لئے کہ انھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔

تفسیر :۔ منافقین جو واقعتہً کافر ہی تھے ان کے لئے مغفرت کی دُعاء کرنی بالکل بے سود ہے ایسے ہی جیسا کہ کافروں کے لئے دُعا کرنا بیکار ہے اللہ تعالیٰ باغیوں کو معاف نہیں کرتے۔

واقعہ یہ تھا کہ عبد اللہ بن اُبّی بن سلول مدینہ منوّرہ میں مُنافقوں کا رئیس تھا جب یہ فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا جو مخلص مسلمان صحابی تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنے باپ کی مغفرت کے لئے اور نماز جنازہ پڑھانے کیلئے درخواست کی آپؐ نے ازراہِ شفقت وکرم بیٹے کی گزارش قبول فرمائی اور اس کے کفن میں اپنا قمیص مبارک بھی دیدیا اور میّت کے منہ میں اپنا مقدس لُعاب بھی لگا دیا (تاکہ گستاخ زبان عذاب سے محفوظ ہو جائے) پھر اسکی نماز جنازہ بھی پڑھ دی اور دُعائے مغفرت بھی کی، سیّدنا عمرؓ اس عمل میں آڑے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہی خبیث ہی تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسا اور ایسا کہا تھا اور کیا تھا اور زندگی بھر نفاق کا علمبردار رہا ہے اللہ نے آپکو منافقین کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا اے عمرؓ مجھکو استغفار کرنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ کروں یا نہ کروں، اسکے بعد آپ اس جگہ سے ہٹنے بھی نہ

پائے تھے کہ قرآن کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں جسمیں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لئے مغفرت کی درخواست کرنے سے منع کردیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد آپؐ نے پھر کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، صحابہؓ کو پڑھنے کی اجازت تھی۔

سُلوک :۔ اہلِ تحقیق علماء لکھتے ہیں کہ کفر و نفاق ایسی بُری صفت ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے نبی معصوم کی سفارش بھی بے اثر ہوجاتی ہے۔

فقہاء نے آیت سے یہ مستنبط بھی کیا ہے کہ کافر کے لئے استغفار کرنا اور اس کے جنازہ میں شرکت کرنا درست نہیں۔

(۲۴۰) وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ الآیۃ (توبہ آیت ۸۱)

ترجمہ :۔ اور وہ منافق کہنے لگے کہ ایسی شدید گرمی میں گھروں سے نہ نکلو۔ الخ

تفسیر :۔ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر جو حیلے حوالے منافقین کررہے تھے اُن میں ایک یہ پروپیگنڈہ بھی تھا کہ موسم شدید گرمی کا ہے ان دنوں باہر نکلنا خاص طور پر دور دراز سفر (ملکِ شام) اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لینا ہے، لیکن یہ منافقین یہ نہیں سمجھ رہے تھے کہ دنیا کی گرمی سے بچکر جس گرمی کی طرف جارہے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ شدید تر ہے (نارِ جہنم) یہ تو وہی مثال تھی کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ میں ٹھیرے۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جو لوگ اصلاح نفس اور تربیت اخلاق کے لئے مجاہدے اور ریاضت کیا کرتے ہیں اُنھیں خشک مولوی صاحبان یہ کہکر منع کرتے ہیں کہ میاں کیوں مصیبت میں پڑے ہو؟ دین آسان ہے اپنی جان پر ظلم نہ کرو، اس طرح یہ لوگ بھی راہ سلوک سے روکتے ہیں۔

(۲۴۱) فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ. الآیۃ (توبہ آیت ۸۲)

ترجمہ:۔ سو تھوڑے دن ہنس لو اور پھر (آخرت میں) بہت دن روتے رہنا ہے یہ ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر:۔ یہ عنوان کافروں سے متعلق ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک اور فسق و فجور پر اس دنیا میں خوب مزہ کر لیں، ہنس لیں، بول لیں مسلمانوں کا مذاق اڑا لیں، لیکن عنقریب عالم آخرت میں رونا ہی رونا ہے جس کی مدت ختم نہ ہونے والی ہے۔

فَلْيَضْحَكُوا وَلْيَبْكُوا الفاظ اگرچہ صیغۂ امر ہیں (یعنی ہنس لو اور رو لو) لیکن مراد خبر اور واقعہ ہے کہ آخرت میں انھیں رونا پڑے گا اور وہ روتے رہیں گے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ بعض نادان مرید اپنے شیوخ سے یہ شکایت کرتے ہیں کہ اللہ کے ذکر کے وقت ہمیں رونا نہیں آتا (ہم بھی اور لوگوں کی طرح اللہ کی یاد میں رونا چاہتے ہیں)

انکی یہ خواہش کم علمی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یاد میں رونا اگرچہ محمود و پسندیدہ حالت ضرور ہے لیکن یہ حالت غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری امور واجب و ضروری نہیں ہوتے اور احکام تو صرف امور اختیاری میں ہوا کرتے ہیں، لہٰذا رونا نہ آئے تو کوئی نقصان نہیں، مقصود تو حاصل ہے (یعنی ذکر اللہ کرنا) (اور جو قصد و ارادے سے رویا جائے وہ تکلف اور تصنع ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیئے)۔

(۲۴۲) وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ

عَلٰی قَبْرِہٖ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۸۴)

ترجمہ:۔ اور اُن میں سے جو کوئی مرجائے اسپر کبھی بھی نماز نہ پڑھئے اور نہ اسکی قبر پر کھڑے ہوں۔

تفسیر:۔ یہ منافقین کا حکم ہے کہ انکی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ دعائے مغفرت کی جائے، یہ عہد نبوّت کا خاص حکم تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ منافقین کی فہرست بتلادی گئی تھی (چنانچہ آپ منافقین کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے) آج کے دور میں یہ صورت ممکن نہیں ہے کیونکہ وحی کا سلسلہ بند ہوچکا ہے اب کسی کے بارے میں قطعیت سے منافق کہنا صحیح نہیں اِلّایہ کہ کوئی اپنے منافق ہونیکا اعلان ہی کردے تو اور بات ہے، اب جو شخص کلمہ توحید اور رسالت کا اقرار کرتا ہے اسکو مسلمان ہی کہا جائیگا اس کے کفن ودفن کا انتظام عام مسلمانوں کی طرح ہوگا اور دعائے مغفرت بھی ہوگی۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے فقہاء نے یہ اخذ کیا ہے کہ ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی (خواہ وہ گنہگار کیوں نہ تھا) دوسرا مسئلہ یہ کہ مسلمان کو دفن کرتے وقت سب کو اہتماماً کھڑا ہونا چاہیئے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک تھا کہ میت کو دفن کرتے وقت آپ کھڑے ہوجاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو اور قبر میں ثابت قدمی کے لئے بھی کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے سوال وجواب کا ہے۔ (ابوداؤد)

(۲۲۳) لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (توبہ آیت ۹۱)

ترجمہ:۔ کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن لوگوں پر

جنکو خرچ کرنے میسّر نہیں جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ اخلاص رکھتے ہیں
ان نیک لوگوں پر کسی قسم کا الزام نہیں ہے۔

تفسیر:۔ جو لوگ واقعی معذور ہیں جیسے بوڑھے، اپاہج، بیمار وغیرہم اِن پر دین کے اجتماعی کام جہاد اور دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں ایسے ہی وہ غریب مسلمان جو تندرست تو ہیں لیکن ان کے ہاں فی سبیل اللہ خرچ کرنیکی گنجائش نہیں یہ لوگ بھی معذور ہیں بشرطیکہ ان کے دل صاف ستھرے ہوں اور اللہ اور رسول کے ساتھ انکا تعلق واخلاص وابستہ رہا ہو، ایسے مخلصین سے ازراہِ بشریت کوتاہی ہوجائے تو اللہ انھیں معاف ودرگزر کردیگا اور انھیں وہی اجر دیگا جو خرچ کرنیوالوں کو ملا کرتا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی شرعی عذر کی بنا پر عمل کرنے سے قاصر ہوگیا مگر اُس کی نیّت یہ تھی کہ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو یہ عمل ضرور کر لیتا۔ ایسا شخص عمل نہ کرسکنے کے باوجود اُس عمل کی برکتوں سے محروم نہیں رہتا۔

(۲۲۲) اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ الاٰیۃ (توبہ آیت ۹۷)

ترجمہ:۔ دیہاتی منافقین کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ایسے ہی ہیں کہ اُن احکام کا علم نہ رکھیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں مدینہ منورہ کے اطراف واکناف والے دیہاتی منافقین کا ذکر ہے یہ لوگ اپنے کفر ونفاق میں شہری منافقین سے کچھ آگے ہی تھے۔ یہ لوگ نسبتاً شہری لوگوں سے دور ہی رہے ہیں، جن میں شہری تمدن وتہذیب

زیادہ نہیں رہتی، اس لئے فطرۃً ان کے عادات واطوار میں تنگی اور جہالت زیادہ تھی اس لئے قرآن حکیم نے انھیں اَشَدُّ کُفرًا وَّنِفَاقًا سے تعبیر کیا ہے (کفر ونفاق میں شدید تر)۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ صالحین کی صحبت سے دور رہنے میں خیر کے ساتھ مناسبت کم ہو جاتی ہے، اس لئے اہلِ طریقت نے صحبتِ صالحین کا بڑا اہتمام کیا ہے۔

(۲۲۵) وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۹۸)

ترجمہ:۔ اور ان دیہاتیوں میں بعض ایسا بھی ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اُسکو جرمانہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کے لئے زمانے کی گردشوں کا منتظر رہا کرتا ہے۔

تفسیر:۔ نفاق ایک ایسی بیماری ہے کہ انسانوں کو چین سے رہنے نہیں دیتی وہ ہر وقت خیر اور اہلِ خیر کو دیکھکر جلتا بھنتا رہتا ہے اور نیک لوگوں سے وحشت کھاتا ہے صداقت وامانت اُسے بُری لگتے ہیں وہ شرا شرمی میں کچھ خرچ بھی کرتا ہے تو اسکو اپنے لئے گراں اور جُرمانہ سمجھتا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے فرمایا محققین نے لکھا ہے کہ مصارف شرعی کو جبر واکراہ خیال کرنا علامت نفاق ہے جو شخص اپنی دولت کا خود کو مالک خیال کرتا ہے اسکو خرچ کرنا یقیناً گراں ہوگا اور جو کوئی اللہ کو مالک سمجھے گا اور خود کو صرف امین ومحافظ اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے۔

(۲۲۶) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (توبہ آیت ۱۰۰)

ترجمہ:- اور جو مہاجرین اور انصار میں سے سابق و مقدم ہیں اور جتنے لوگ بھی نیک کرداری میں اُن کی پیروی کی ہے اِن سب سے اللہ راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔

تفسیر:- مہاجرین اُن مسلمانوں کو کہا جاتا ہے جو اپنا وطن مکۃ المکرمہ چھوڑکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کیلئے مدینہ منورہ آگئے۔

اور انصار، مدینہ منورہ کے وہ مسلمان ہیں جنہوں نے مہاجرین مکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور دین اسلام کی ہر طرح خدمت اور نصرت کی۔

آیت مذکورہ میں ان سب حضرات کے ایمان و اسلام و اخلاص کی تصدیق کی جارہی ہے اور انھیں اللہ کی خوشنودی و رضامندی کی سند دی جارہی ہے کہ اللہ ان سب سے راضی اور خوش ہے اور یہ بھی اللہ سے راضی و خوش ہیں۔

انکے ساتھ اُن مسلمانوں کو بھی یہی سند دی جارہی ہے جو مہاجرین و انصار کی پیروی کی اور اُن کے نقش قدم میں چلے ہیں، ان سے مراد تابعین کرام ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کی تقلید و پیروی کی ہے۔

یہ سب لوگ راہِ حق پر تھے اور اسی راہ پر انھوں نے وفات پائی۔

سلوک:- مذکورہ آیت سے اہلِ سنّت کے محققین علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ اصحابِ نبی، اُمّت کے مقتدیٰ ہیں اور اُمّت کے تمام نیک لوگ اِن کے تابع اور مقلّد۔

آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سابق صحابی کو متأخر صحابی پر فضیلت ہے، یہ اس لئے بھی کہ پہلا شخص نیکی کا داعی ہوتا ہے اور دوسرا اُس کا تابع اور مقلّد اور سابق پہلے شخص کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ (جصّاص)

ملحوظہ:- سندِ خوشنودی میں دو باتیں بیان کی گئیں ہیں ایک یہ کہ اللہ ان سے

راضی و خوش ہوا، دوسرے یہ کہ یہ لوگ بھی اللہ سے راضی ہو گئے۔
عارفین نے لکھا ہے کہ بندوں کی رضامندی کے تین طبقات ہیں۔
اوّلاً:۔ یہ کہ دل مانے یا نہ مانے احکامِ شریعت کی اتباع کو لازم اور مقدّم جاننا، یہ مبتدی صاحبِ تقویٰ کا مقام ہے۔
دوّم:۔ تقدیرِ الٰہی اور احکامِ الٰہی ایسے شخص کو محبوب و پسندیدہ ہو جائیں کہ خواہشاتِ نفسانی کی طرف التفات ہی نہ ہو، یہ متوسط اہلِ تقویٰ کا مقام ہے۔
سوّم:۔ توحید اور معرفتِ الٰہی میں ایسا مشغول ہو جائے کہ کائنات کے سارے نظام میں اللہ تعالیٰ ہی کا تصرّف نظر آنے لگے، اسباب و وسائل کا حجاب ہی باقی نہ رہے، یہ مقام کاملین کا ہے۔
امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ مقامِ رضا سے برتر و افضل کوئی مقام نہیں (یعنی اللہ سے راضی ہو جانا)

(۲۲۷) وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ - الآیۃ (توبہ آیت ۱۰۱)

ترجمہ:۔ اور کچھ تمہارے گرد و پیش والے دیہاتیوں میں سے اور کچھ مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں جو نفاق میں اَڑ گئے ہیں آپ انھیں نہیں جانتے ہم ہی انھیں جانتے ہیں۔

تفسیر:۔ یعنی بعض منافقین کا نفاق اس حد تک پہنچ چکا اور اسقدر پوشیدہ ہے کہ باوجود آپکو اُن سے ہر وقت سابقہ پڑنے کے آپکو بھی اُن کے منافق ہونیکا علم نہیں، اللہ ہی اُنکے نفاق پر مطلع ہے۔

سلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے کے عالم الغیب نہ ہونیکی صریح وضاحت ملتی ہے جنکے اِثبات کا دعویٰ ہمارے زمانے کے بعض عالم نُما جاہلوں نے کیا ہے، معاذاللہ

کشف وکرامت کے مدعیوں کو بھی آیت سے سبق لینا چاہیئے، کشف بھی کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

ملحوظہ :۔ ابن جریر طبریؒ نے امام قتادہ تابعیؒ (۶۱ھ تا ۱۱۷ھ) کا ایک طویل مقالہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں ہمارے زمانے میں بعض لوگوں کی جسارتیں اتنی بڑھ گئیں ہیں کہ فلاں فلاں کے جنتی ہونے اور فلاں فلاں کے جہنمی ہونے کا حکم لگادیتے ہیں حالانکہ غیب کی خبریں انبیاء کرام بھی نہیں دے سکتے تھے۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ

مفسر ابن حیّان غرناطی (۶۵۴ھ تا ۷۴۵ھ) نے امام قتادہؒ کا یہ طویل قول نقل کیا ہے لکھتے ہیں کہ یہ حال اُس زمانے کا ہے جو عہد صحابہ سے قریب تر تھا لیکن اب ہماری آٹھویں صدی ہجری میں بھی بہت سارے مدعیانِ تصوف کی زبانیں ایسے دعووں پر کُھل گئی ہیں یہ لوگ نہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے اور نہ سنّتِ رسول کی طرف مائل ہوتے ہیں، صرف دعوے ہی دعوے کرتے رہتے ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے یہ حال جب آٹھویں صدی ہجری کا تھا تو اب ہماری چودھویں صدی ہجری کا کیا حال بیان کیا جائے؟

بہر حال مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے جنتی یا جہنمی ہونیکا قطعی حکم کوئی انسان لگا نہیں سکتا یہ صرف علم خداوندی کا خاصّہ ہے۔ (قرطبی)

(۱۰۱) وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا۔ الآیۃ (توبہ آیت ۱۰۲)

ترجمہ :۔ اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا

انھوں نے ملے جُلے عمل کئے تھے، کچھ اچھے کچھ بُرے، توقع ہے کہ اللہ اُنپر توجہ کرے بیشک اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

تفسیر:- غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں میں منافقین کے علاوہ کچھ مومنین صادقین بھی تھے جو محض اپنی سستی دکاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے۔ مذکورہ آیت میں انہی مسلمانوں کا ذکر ہے انکی تعداد دس[1] بیان کی جاتی ہے۔

ان میں بعض ایسے بھی تھے کہ جنہیں شرکت نہ کرنے پر ایسی ندامت تھی کہ انھوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی واپسی کی خبر سُنی تو اپنے آپکو مسجد نبوی شریف کے ستونوں سے باندھ لیا انکی تعداد سات عدد تھی اور یہ عہد کر لیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرما کر بنفس نفیس اپنے دستِ مبارک سے، ہمیں نہ کھولیں گے ہم اسی طرح بندھے رہیں گے۔

ان میں حضرت ابو لبابہ بن منذر رض کا نام نامی سرفہرست ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حال دیکھا تو فرمایا اللہ کی قسم جبتک اللہ تعالیٰ مجھکو کھولنے کا حکم نہ دیں گے میں ہرگز نہیں کھولونگا۔

آخر اسی طرح بندھے رہے (نمازوں اور ضرورت بشری کے لئے یہ لوگ اپنے بند کھولتے پھر فراغت کے بعد باندھ لیتے تھے) پھر دیگر تین صحابیوں کی توبہ بھی قبول ہوئی اور مذکورہ آیت نازل ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اِن کو کھولا یہ وہ لوگ تھے جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا بلکہ نورِ استعداد پوری طرح باقی تھا سُستی و غفلت سے گناہ کر دیا تھا۔

سلوک:- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ یہ لوگ نفس لوّامہ کے مرتبہ میں تھے جو کبھی نفس مطمئنہ کا پابند ہو کر نیک اعمال کرنے لگتا ہے اور کبھی اُس سے

بھاگنے لگتا ہے۔

ملحوظہ:۔ نفس کی تین قسمیں ہیں۔ نفسِ امّارہ، نفسِ لوّامہ، نفسِ مطمئنہ، تینوں کی تفسیر سلوک پر مطالعہ کیجئے۔

(۲۴۹) عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (توبہ آیت ۱۰۲)

ترجمہ:۔ توقع ہے کہ اللہ اُن پر توجہ کرے بیشک اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

تفسیر:۔ غزوۂ تبوک میں سستی و غفلت سے شرکت نہ کرنے والے مسلمانوں کی توبہ و استغفار کا ذکر ہے جنکی تعداد دس عدد بیان کی جاتی ہے ان لوگوں نے سچے دل سے توبہ کی اللہ نے انھیں معاف کر دیا۔

آیت میں عسیٰ کا لفظ آیا ہے جسکا ظاہری ترجمہ اُمید کہ، توقع کہ، شاید کہ لکھا جاتا ہے لیکن جب یہ لفظ اللہ کے لئے آتا ہے تو شک و شبہ کیلئے نہیں ہوتا یقین دلانے کیلئے ہوتا ہے آیت مذکورہ میں یہی معنیٰ ہیں۔

سلوک:۔ اہلِ تحقیق علماء نے آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ گنہگار کو توبہ سے نا امیدی جائز نہیں ہے، اور معافی کی اُمید اس وقت تک قائم ہے جب بندہ بدی کے ساتھ نیکی کی آمیزش بھی رکھتا ہے۔ (جصّاص)

(۲۵۰) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (توبہ آیت ۱۰۳)

ترجمہ:۔ آپ ان کے مال سے صدقہ قبول کیجئے اس کے ذریعہ آپ انھیں پاک و صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بیشک آپکی دُعا انکے حق میں باعثِ تسکین ہے۔

تفسیر:- آیت میں انہی مسلمانوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جب ان کی توبہ کا اعلان ہوا تو قبولیت کی مسرت میں اپنا اپنا مال لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ مال حاضر ہے آپ جہاں مناسب خیال فرمائیں صدقہ کر دیں، آپؐ نے انکا صدقہ مساکین پر تقسیم کر دیا۔

سلوک:- حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے متعدد مسائل اخذ کئے گئے ہیں۔

توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو گیا لیکن مال کا صدقہ کروا کر گناہ کی ظلمت وکدورت دور کر دی گئی جو گناہ کرنے سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

انفاقِ مال سے مال کی خواہش کمزور ہو جاتی ہے اور مادّہ شہوت کی اصلاح ہوتی ہے۔

آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ جسکو دیا جاتا ہے اسی طرح وہ امام جسکو تقسیم کرنے کیلئے صدقہ پیش کیا جاتا ہے، اِن دونوں کے لئے صدقہ دینے والے کو دُعا دینا مستحب ہے، لہٰذا مسکین ومحتاج جسکو صدقہ دیا جا رہا ہے بدرجۂ اولیٰ دُعا وشکریہ ادا کرنے کے پابند ہوں گے۔

مشائخ صوفیہ نے اسمیں مزید وسعت پیدا کر کے لکھا ہے کہ طعام ضیافت کے بعد صاحب خانہ (میزبان) کے حق میں دُعائے خیر وبرکت کی جانی چاہیئے۔

فقہائے صوفیہ نے آیت سے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ رسول کی دُعا، اُمّت کے حق میں امام کی دُعا رعایا کے حق میں، مشائخ کی دُعا مُریدوں کے حق میں، علماء کی دُعا، شاگردوں کے حق میں، بڑوں کی دعا، چھوٹوں کے حق میں، نیکوں

کی دُعا گنہگاروں کے حق میں، ہاں باپ کی دُعا اولاد کے حق میں مقبول ہوتی ہے۔

(۲۵۱) وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (توبہ آیت ۱۰۶)

ترجمہ:- اور کچھ دوسرے بھی لوگ ہیں ان کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے، خواہ انھیں اللہ سزا دے یا خواہ انکی توبہ قبول کرلے، اللہ بڑی حکمت والا علم والا ہے۔

تفسیر:- آیت میں اُس چھوٹی سی جماعت کا ذکر ہے جو غزوہ تبوک میں سستی و تن آسانی کی وجہ سے شرکت نہ کی تھی انکی توبہ پچاس دن بعد قبول ہوئی، وہ تین افراد تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک (جو عہد نبوت کا خاتم الغزوات کہلاتا ہے) میں شرکت نہ کرنیوالوں کی بنیادی طور پر تین جماعتیں تھیں۔

اوّل:- تو وہ منافقین کی جماعت تھی جو از راہ شک و نفاق شرکت سے علیحدہ رہی۔

دوم:- وہ مسلمان جو بوجہ سستی و غفلت شرکت سے محروم رہے۔

سوم:- اس دوسری جماعت کے کچھ لوگوں نے اپنے آپکو مسجد نبوی شریف کے ستونوں سے باندھ لیا تھا (جنکا ذکر اوپر آچکا ہے) جنکی تعداد سات عدد بیان کی جاتی ہے۔ دوسرے وہ مسلمان جنہوں نے منافقین کی طرح عذر و حیلے و جھوٹی معذرت نہیں کی بلکہ جو حقیقت تھی صاف صاف بیان کردی ان میں تین شخص تھے، کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ، مرارہ بن الربیعؓ، ان تینوں نے اپنی لغزش کا اقرار کرلیا تھا ان کا مسئلہ پچاس دن تک ایسے ہی معلق

رکھا گیا۔
پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور انکی توبہ قبول ہوگئی۔ (تفصیل کیلئے "ہدایت کے چراغ" جلد۲ صفحہ ۶۳۱ دیکھئے)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مُرید کے معاملہ کو بعض اوقات خوف و اُمید کے درمیان معلّق چھوڑ دینا قرین مصلحت ہوتا ہے اسمیں بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔

(۲۵۲) لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۱۰۸)

ترجمہ:۔ آپ اُس مسجد میں کبھی نہ کھڑے ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر روز اوّل سے رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اسمیں کھڑے ہوں (یعنی نماز پڑھیں)۔

تفسیر: غزوہ تبوک میں جانے سے پہلے منافقین نے ایک مسجد تعمیر کرلی تھی تاکہ اس میں نمازوں کے بہانے جمع ہوکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منصوبے طے کئے جائیں۔ اس فریب پر پردہ ڈالنے کیلئے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ آپ اس مسجد میں بطور افتتاح دو رکعت نماز برکت کے لئے پڑھ لیں، آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت فرصت نہیں تبوک سے واپسی کے بعد دیکھا جائیگا۔
تبوک سے واپسی کی راہ میں آیات نازل ہوئیں جسمیں ان منافقین کے بُرے ارادوں کی خبر دی گئی اور اس مسجد کا نام "مسجدِ ضرار" (ضرر و نقصان دینے والی مسجد) رکھا گیا آپ جب مدینہ تشریف لائے تو اس مسجد کو آگ لگادی اور یہاں کوڑا کرکٹ ڈلوا دیا۔
اس مسجد کا ذکر مذکورہ آیت میں آیا ہے۔
دوسری مسجد جسمیں نماز پڑھنے کا ذکر ہے وہ مسجد قُبا ہے جو تقویٰ وطہارت

کی نیّت سے تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد، مسجد نبوی شریف سے تین چار میل پر واقع ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پا پیادہ اور کبھی اُونٹ پر سواری کرکے ہر ہفتہ نماز پڑھنے تشریف لایا کرتے تھے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ مسجد قُبا میں دو رکعت نماز پڑھنا ایک مقبول عمرہ کا ثواب رکھتا ہے، عہد نبوّت سے آجتک یہ سنّت چلی آرہی ہے، روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ اپنے مقام سے نیا وضو کرکے مسجد قُبا آنا چاہیئے۔

سُلوک :۔ فقہار نے آیت مذکورہ سے یہ اخذ کیا ہے ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد گناہ اور مخالفت مسلمین پر قائم ہو اسکو ڈھا دیا جائے۔ (جصّاص)

حکیمُ الامّتؒ نے لکھا ہے کہ جو نیک کام حرام یا مکروہ بننے کا سبب ہوجائے وہ نیک کام بھی حرام ہے۔

(کیونکہ اسمیں نماز پڑھنا اُس کی ترویج و ترقی کا سبب ہوگا جو تخریب و تفریق بین المسلمین کے لئے بنائی گئی ہے)۔

مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد قُبا جسکی بنیاد اخلاص و تقویٰ پر رکھی گئی تھی اسکو دوام و بقار نصیب ہوا جو ۱۴۱۶ھ آج تک قائم ہے، لہٰذا جس کام کی ابتدار اللہ کی رضار و خوشنودی اور اخلاصِ نیّت سے کی جاتی ہے اسکو دوام و پائیداری ملتی ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے (قرطبی)

(۲۵۳) وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا أُولِي قُرْبَىٰ ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۱۱۳)

ترجمہ :۔ نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دُعا کریں، اگرچہ وہ مشرک اُن کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں (خاص طور پر) جب انکو معلوم ہوچکا ہے کہ وہ مُردے جہنمی ہیں۔

تفسیر:- اسلام لانے کے بعد بعض صحابہ کو شدّت سے احساس ہوا کہ ہم تو ایمان لاکر آخرت میں نجات پا گئے لیکن ہمارے ماں باپ بھائی بہن جو حالتِ کفر میں فوت ہوئے ہیں ان کے لئے کم از کم دُعائے مغفرت کرنی چاہیئے۔ اس عام تأثر پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور فوت شدہ مشرکین و کافرین کے لئے مغفرت کی دُعا کرنے سے منع کر دیا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ مشرکین کی مغفرت نہ کی جائیگی، اِلّا یہ کہ فوت ہونے والے کافر نے موت سے پہلے توبہ کر لی ہو اور اسلام قبول کر لیا ہو۔

سُلوک:- حکیمُ الامت نے لکھا ہے کہ شرک کس قدر بدترین گناہ ہے کہ سارے مسلمانوں کو حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو منع کر دیا گیا کہ اپنے مشرک قرابت داروں کیلئے مغفرت کی دُعا نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے بڑھکر کس کی قرابت ہو سکتی ہے؟ تو پھر کسی اور نسبت، رشتے ناطے کا کیا مقام ہوگا جبکہ وہ ایمان اور عمل صالح سے خالی ہو؟

(۲۵۴) وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ الآیۃ (توبہ آیت ۱۱۴)

ترجمہ:- اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کیلئے مغفرت کی دُعا کرنا تو صرف اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اپنے باپ کی مغفرت کا اللہ سے وعدہ کر لیا تھا پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) پر ظاہر ہو گیا کہ باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے نرم دل بُردبار تھے۔

تفسیر:- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعوت و تبلیغ اپنے باپ آزر سے شروع ہوئی کچھ عرصہ بعد باپ جو بُت پرست بلکہ بُت ساز تھا ناراض ہو گیا اور

دھمکی دینے لگا کہ اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آؤ تو تمہیں سنگسار کر دوں گا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس آخری لمحہ اپنے باپ کو سلام کیا اور یہ کہتے ہوئے گھر سے نکل گئے کہ میں آپکی مغفرت کیلئے دعا کرتا رہونگا۔

سلوک: حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ کامل جس فعل سے اپنے مرید کو منع کرے اور پھر خود کو کسی ضرورت کے تحت وہی فعل کرنا پڑے تو چاہیئے کہ مرید کے سامنے اُسے کھول کر بیان کر دے تاکہ مرید اپنے شیخ کی تقلید میں مبتلا نہ ہو جائے۔

نیز یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ کسی کی زندگی میں اُس کے لئے دعائے مغفرت کرنیکا مطلب یہ ہوا کہ اس کے حق میں ہدایت طلب کی جا رہی ہے۔

(۲۵۵) وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۱۱۸)

ترجمہ: اور اللہ نے ان تینوں پر بھی توجہ فرمائی جنکا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک زمین اپنی کشادگی کے باوجود انپر تنگ ہو گئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے سوا اور کہیں پناہ نہیں پھر اللہ نے انپر توجہ فرمائی۔

تفسیر: ان تینوں سے مراد کعب بن مالک رضؓ، مُرارہ بن الربیع رضؓ، ہلال بن اُمیہ رضؓ ہیں۔ ان تینوں نے غزوہ تبوک میں شرکت محض اپنی سستی و کاہلی کی وجہ نہیں کی تھی اور اپنے قصور کا اعتراف بھی کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کی درخواست بھی کی تھی جسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا تھا کہ اب اللہ ہی اس کا فیصلہ کریں گے، چنانچہ ان تینوں کو اسی انتظار میں پچاس دن گزارنے پڑے۔

اس عرصہ میں تمام مسلمانوں کو پابند کیا گیا کہ ان تینوں سے بات چیت، سلام کلام، لین دین، بند کر دیں، آخر دنوں میں اپنی اپنی بیویوں سے بھی علیحدہ ہو جانے کا حکم دے دیا گیا۔

اس صورت حال کو مذکورہ آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ ان تینوں پر زمین تنگ ہو گئی۔

سُلوک:۔ آیت سے حکیمُ الامتؒ نے یہ اخذ کیا ہے کہ مُرید پر حسبِ مصلحت تشدد جائز ہے۔

فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مُجرم سے ترکِ کلام وسلام درست ہے۔

(۲۵۶) یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۱۱۹)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور صادقین کیساتھ ہو جاؤ۔

تفسیر:۔ صادقین ایسے مسلمانوں کو کہا جاتا ہے جن کے ہر قول و عمل میں صداقت، راستبازی ہو پھر ان کے کسی بھی عمل میں سوائے اللہ کی رضا و خوشنودی اور کوئی مقصد نہیں ہوتا گزشتہ آیت میں جن تین صحابی کی توبہ قبول ہوئی اور انھیں معاف کر دیا گیا تھا یہ صرف انکی صدق بیانی کی وجہ سے تھا کیونکہ انھوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنیکا کوئی بھی جھوٹا عذر پیش نہیں کیا، سچائی سے اپنی تقصیر کا اظہار کر دیا۔

چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضؓ خود کہتے ہیں کہ صرف سچ بولنے سے مجھکو نجات ملی اس لئے میں نے عہد کر لیا ہے کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہ کہونگا، اس عہد کے بعد مجھکو سخت امتحانات بھی پیش آئے جسمیں جھوٹ بولنا ضروری ہو گیا تھا مگر میں سچ کہنے سے کبھی نہ باز آیا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے صالحین کی محبت کا اشارہ ملتا ہے (کیونکہ صالحین، صادقین ہی ہوا کرتے ہیں۔)

روح المعانی کے مفسر نے (مع الصادقین) میں معیت سے قرب وقرین بھی مراد لی ہے (یعنی نیکوں سے دوستی کریں)۔

(۲۵۷) وَكَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً. الآیۃ

(توبہ آیت ۱۲۲)

ترجمہ:۔ اور مومنوں کو نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ باقی لوگ دین کی سمجھ بوجھ (علم فقہ) حاصل کرتے رہیں تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس آجائیں تو ڈراتے رہیں عجب کیا ہے کہ وہ محتاط ہو جائیں۔

تفسیر:۔ غزوہ تبوک کی صورت ایک خاص واقعہ تھا جو تفصیل کے ساتھ گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ آیت میں ایک مستقل ہدایت دی جارہی ہے کہ سارے مسلمان کسی بھی دینی مہم میں بیک وقت کوچ نہ کریں الّا یہ کہ جہاد فرض عین ہو جائے (جس کا حکم کتب فقہ میں دیکھ لیا جائے) انتظام یہ رہنا چاہیئے کہ آبادی کا ایک حصہ جہاد کیلئے باہر جائے، دوسرا حصہ ملک وملت کی ضروریات کے لئے شہر اور ملک ہی میں رہے۔ اسلامی حکومت میں ہر خدمت کے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے مستعد رہنا چاہیئے۔

آیت میں یہی حقیقت بیان کی جارہی ہے کہ کسی بھی ایک دینی کام میں سارے مسلمانوں کو مشغول نہ ہونا چاہیئے خاص طور پر تحصیل علم کے لئے ایک قابل لحاظ تعداد کو شہر میں رہنی چاہیئے تاکہ جہاد سے واپس آنے والے مسلمانوں کو

دین و اسلام کی نصیحت اور رہنمائی کی جا سکے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ کسی بھی دینی مہم کا انتظام ایسا کرنا چاہیئے کہ دوسری ضروریات جس میں تحصیل معاش (روزگار) بھی شامل ہے خلل نہ ہونے پائے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جس آبادی میں علماء حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایتِ خلق کے کام سے غافل ہوں تو ساری آبادی گنہگار ہوگی بدکرداری کو روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے علماء حق اسکے خصوصی ذمہ دار ہیں اگرچہ ہر مسلمان حکم کے مخاطب ہیں۔

(۲۵۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۔ الآیۃ (توبہ آیت ۱۲۳)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اُن کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس (قریب) ہیں اور انکے بارے میں تمہارے اندر سختی ہونی چاہیئے اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

تفسیر:۔ یعنی مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی جگہ مضبوط اور مستعد رہنا چاہیئے تاکہ دشمن کی ہمت اُٹھ نہ سکے، آس پاس کے کافروں سے اسلامی ریاست کے قرب وجوار کی کافر بستیاں مُراد ہیں، کیونکہ انکا ضرر بہ نسبت دور کی بستیوں کے زیادہ احتمال رکھتا ہے، قرب وجوار میں مشرکین کے ہوتے ہوئے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کا رُخ نہ کرنا چاہیئے قریبی دشمن کو چھوڑ کر بعید کے دشمن پر نظر رکھنا احتیاط کے خلاف بات ہے البتہ کوئی وقتی ضرورت ہو تو اور بات ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ سب سے پہلا مجاہدہ اپنے نفس سے کرنا چاہیئے کیونکہ ایمان و اسلام کا سب سے قریب

دشمن یہی نفس اَمّارہ ہے۔

(حدیث شریف سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن اُس کے اپنے پہلو میں ہے)

ابن کثیرؒ نے مذکورہ آیت إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ الآیۃ سے یہ بات اخذ کی ہے کہ جن مسلمان سلاطین نے تقویٰ کی شرط پوری رکھی اور اپنی سلطنت میں اسلامی احکام جاری رکھے انکے زمانے میں فتوحات بھی برابر ہوتی رہی ہیں اور جوں جوں وہ شروطِ تقویٰ سے ہٹتے رہے فتحمندی بھی اُن سے کنارہ کرتی رہی۔

(۲۵۹) أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔

(توبہ آیت ۱۲۶)

ترجمہ:- کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے ہی رہتے ہیں پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر:- یعنی یہ منافق اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ہر سال انھیں منافقت کی بنا پر آفتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے کبھی ان کی سازشیں کھل گئیں اور اُنھیں اس کی سزا بھی مل گئی اور رسوائی ہوئی، کبھی اُن کے حلیف مشرکین کو شکست ہوتی ہے تو اُنکا سہارا ٹوٹ جاتا ہے، کبھی خوف دہراس میں مبتلا ہوئے ہیں اور کبھی انکا نفاق ظاہر ہوگیا مگر یہ ایسے بدباطن ہیں کہ نہ انھیں توبہ کی توفیق ہوتی ہے اور نہ نصیحت و عبرت قبول کرتے ہیں۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں بلاؤں و مصیبتوں کی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس سے انسان کو عبرت و نصیحت لینی چاہیئے یہ غیبی

تازیانے ہیں جو اللہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

(۲۶۰) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(توبہ آیت ۱۲۸)

ترجمہ:۔ بیشک تمہارے پاس ایک رسول آئے ہیں تمہاری جنس میں سو جو چیز تمہیں نقصان پہنچاتی ہے انھیں بہت گراں گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کے حریص ہیں، ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ آپ مخلص و خیر خواہ اور شفیق و مہربان ہیں پھر یہ تو ترغیب بھی دی گئی ہے کہ ایسے نبی و رسول کی اتباع و پیروی میں خیر و فلاح ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ چونکہ شیخ، رسول کا نائب و تابع ہوتا ہے اس لئے ایسی صفات اور شفقت علی الخلق اس میں بھی ہونے ضروری ہیں، (ورنہ وہ تعلیم و تربیت کا اہل نہیں ہوگا)۔

(۲۶۱) دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(یونس آیت ۱۰)

ترجمہ: جنت میں (اہل جنت کا) قول "سبحانک اللّٰھم" ہوگا اور انکی ملاقات "سلامٌ" ہوگی اور اُن کا آخری کلام "الحمد للّٰہ رب العالمین" ہوگا۔

تفسیر: جنتی جنت کی نعمتوں اور وہاں اللہ کے فضل وکرم کو دیکھ کر سبحان اللہ سبحان اللہ پکاریں گے اور جب اللہ سے کچھ مانگنے کی خواہش ہوگی مثلاً کوئی خوبصورت پرندہ یا پھل پھول دیکھا اور اس کی رغبت ہوئی تو سبحانک اللّٰھم کہینگے اتنا کہتے ہی جنت کے میزبان فرشتے وہ چیز فوراً حاضر کردیں گے۔

دنیا کی زندگی میں بھی بڑے آدمیوں کے ہاں یہ دستور ہے کہ اگر اُن کا مہمان کسی چیز کو دیکھکر اسکو پسند کرے تو کریم میزبان وہ چیز مہمان کو دے دیتا ہے۔

جنتی اپنے دوستوں کی ملاقات کے وقت سلامٌ سلامٌ کہیں گے، پھر رخصت ہوتے وقت ان سب کا آخری کلام الحمد للہ رب العالمین ہوگا۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ بعض صوفیہ عارفین نے آیت "وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ کے

چاہنے والوں کو جنّت کی بیشمار نعمتوں میں بھی یادِ الٰہی سے غفلت نہ ہوگی۔

(۲۶۲) وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ۔ الآیۃ (یونس آیت ۱۲)

ترجمہ:- اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، پھر ہم جب اسکی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ اپنی سابقہ حالت پر آجاتا ہے گویا جو تکلیف اسکو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کیلئے اُس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔

تفسیر:- ناشکرا انسان بھی شدّت و تکلیف میں عام انسانوں کی طرح اللہ کو پکارتا ہے لیکن جب اس سے مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں تو پھر غفلتوں کا شکار ہو جاتا ہے، خدا کو یاد کرنا تو درکنار، اللہ سے بے پروا ہو جاتا ہے۔

سلوک:- اللہ کو پکارنا بھی عبادت ہے لیکن یہ پکارنا اگر ایمان و اسلام کی حالت میں ہو تو ایسی دُعا عبادت قرار پاتی ہے۔ اور اگر اضطرار و بے خودی میں پکارا جائے تو یہ پکار نہ عبادت ہے اور نہ اقرارِ عبادت بلکہ جانوروں کی طبعی پکار کی طرح ہوگی، جسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

ملحوظہ:- روحُ المعانی کے مفسّر نے لکھا ہے کہ مشرکین بھی مصیبت و آفت کے وقت اللہ کو پکارتے ہیں (یونس آیت ۱۲) اگرچہ انکی یہ پکار عبادت نہیں، لیکن ہمارے زمانے میں بعض مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ایسے وقت بزرگوں کو پکارتے ہیں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے کوئی فلاں شیخ کی دہائی دینے لگتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نادان مسلمان مشرکوں سے بھی زیادہ قابلِ افسوس ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ ہمارے ملک ہند و پاک میں یا غوث، یا خواجہ،

یابندہ نواز، یادستگیر، یا داتا، یا گنج بخش، یا علی، یا حسین کی صدائیں لگانے والے ذرا اپنے انجام پر بھی غور کرلیں؟

حضرت جعفر صادقؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا میں پروردگار عالم کو کیونکر پہچانوں؟

دریافت فرمایا تم کیا پیشہ کرتے ہو؟ کہا سمندر میں کشتی چلاتا ہوں، فرمایا تم اپنے سفر کا کوئی واقعہ بیان کرو؟ اس نے کہا ایک مرتبہ میری کشتی عین سمندر میں ٹوٹ گئی میں ایک تختہ پر بیٹھا بہا جارہا تھا ہوائیں بھی تیز و تند تھیں بس نجات کی کوئی صورت نہ تھی۔

آپ نے دریافت کیا کہ اسوقت تمہارے قلب کی کیا حالت تھی؟ کہنے لگا دل میں خشوع و شکستگی اور دل صرف اللہ ہی کی طرف لگا ہوا تھا اور کوئی خیال تک نہ آتا تھا، فرمایا بس یہی تو پروردگار عالم ہے جو تمہارے ساتھ ہے۔

(تفسیر کبیر)

(۲۶۳) كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ.

الآیۃ (یونس آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ اسی طرح فضول کاروں کو ان کے اعمال خوشنما کر دکھائے جاتے ہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں کافر انسان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ جب اسکو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہر حالت میں اللہ کو پکارتا پھرتا ہے اور جب تکلیف دور ہوگئی تو پھر غفلتوں کا شکار ہوگیا اور یہ عمل اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔

اور مومن کی یہ حالت بیان کی گئی کہ راحت میں و آرام میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت و دکھ میں صبر کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تو اپنے عیش و آرام میں اللہ کو یاد رکھ، اللہ تجھکو

تیری سختی ومصیبت میں یاد رکھے گا۔

سُلوک :- حکیم الامت رح نے فرمایا کہ عارفین نے ہمیشہ بڑی تضرع وزاری سے دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہم کو حق بات ہمیشہ حق ہی کی صورت میں اور باطل ہمیشہ باطل ہی کی شکل میں دکھا۔

ع۔ آب خوش را صورت آتش مدہ۔

(۲۶۴) قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۔ الآیۃ (یونس آیت ۱۵)

ترجمہ :- اے نبی آپ کہد یجئے میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس قرآن میں اپنی طرف سے ترمیم کر دوں، میں تو بس اُس کی پیروی کرونگا جو میرے پاس وحی سے پہنچتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں یَوْمٍ عَظِیْمٍ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

تفسیر :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حامل شریعت ہیں بانی شریعت نہیں، بانی شریعت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ہے دنیا میں جتنے بھی دین آئے ہیں وہ سب اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں، نبی ورسول اس کے داعی ومبلغ ہوا کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی مرضیات ونامرضیات وحی کے ذریعہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی ورسول کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کروایا ہے کہ اگر میں شریعت میں ترمیم وتبدیل کر دوں تو یوم عظیم کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں۔

سُلوک :- فقہاء نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ بدعت حرام ہے، دین میں نئی بات پیدا کرنے کا حق جب نبی معصوم تک کو حاصل نہ ہو سکا تو کسی غیر معصوم کو کب اسکا حوصلہ ہوسکتا ہے؟

پیر پرستی بلکہ پیرزادگی میں مبتلا حضرات غور کریں کہ معاذ اللہ نبی معصوم تک

عذاب آخرت سے خوفزدہ ہو رہے ہیں ایسے حال میں کسی شیخ یا شیخ زادے کو عذاب سے مامون و محفوظ سمجھنا کتنی بڑی جہالت ہوگی؟

(۲۶۵) وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۚ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ الآیۃ (یونس آیت ۲۵)

ترجمہ:- اور اللہ سلامتی کے گھر کیطرف بلاتا ہے اور جسکو چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلا دیتا ہے۔

تفسیر:- یعنی دنیا کی زائل و فانی زندگی پر حرص نہ کرو دارالسلام (جنت) کی طرف آؤ اللہ تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھلا رہا ہے، یہ وہی گھر ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج و غم، دکھ درد، آفات و بلیات سے محفوظ ہیں، وہاں فرشتے انھیں دیکھکر سلام کریں گے اور اللہ کی جانب سے بھی صبح و شام کا تحفہ ملا کریگا۔

سلوک:- عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مؤمنین کے لئے بڑی عزت و شان ہے کہ شہنشاہِ عالم انھیں خود دعوت دے رہا ہے، اور منکرین و کافرین کے لئے سرزنش ہے وہ ایسے عظیم میزبان کی دعوت و نعمت سے محروم جارہے ہیں۔ اور دنیا پرستوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست و حقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں، اور اہل اللہ کے لئے بشارت ہے کہ انھیں خلوتِ خاص کے اشارے ہیں۔

(۲۶۶) وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۔ الآیۃ (یونس آیت ۳۶)

ترجمہ:- ان میں اکثر لوگ تو صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یقیناً گمان تو حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں۔

تفسیر:- آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین کے پاس نہ کوئی

دلیل ہے اور نہ کوئی مضبوط استدلال؟ یہ لوگ تو اندھیرے میں محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔

سُلوک:۔ علامہ مناظر احسن گیلانی ؒ نے آیت سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ توحید کے اثبات میں دلائل قائم کرنے کے بجائے، ہم کو خود اہلِ شرک سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ اُلٹی سیدھی کوئی دلیل بھی ایک سے زائد خداؤں کے ثبوت میں پیش کریں؟ (یہ کیا بات ہے کہ صرف ہم ہی توحید کے دلائل پیش کرتے رہیں)

(۲۶۷) وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ الآیۃ

(یونس آیت ۴۱)

ترجمہ:۔ اور اگر آپ کو وہ لوگ جھٹلاتے رہیں تو کہدیجئے کہ میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے۔

تفسیر:۔ توحید کے دلائل اور براہین سننے کے بعد کافر لوگ آپکی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ غم نہ کیجئے بلکہ صاف صاف کہدیجئے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے تم سمجھانے پر بھی نہیں مانتے تو پھر اب میرا اور تمہارا راستہ الگ الگ ہے تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو اور میں اپنے عمل کا، ہر ایک کو اس کے عمل کا ثمرہ مل کر رہے گا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ اہلِ طریق اسی سنت پر عمل کرتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب ضد و ہٹ سے کام لے رہا ہے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تو "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" کہکر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

اسمیں علماء ظاہر کو بھی تنبیہ ہے کہ ایسا طرز اختیار کرنے میں اپنی شکست یا کسرِ شان نہ سمجھنی چاہیئے۔

(۲۶۸) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (یونس آیت ۴۹)

ترجمہ:۔ ہر امت کے لئے ایک معیّن وقت مقرر ہے جب انکا وہ وقتِ معیّن آجاتا ہے تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

تفسیر:۔ نافرمان اور سرکش قوموں کے مٹنے اور برباد ہونیکا ایک وقت مقرر ہے جو علمِ الٰہی میں محفوظ ہے عذابِ الٰہی تو بڑی سخت اور پناہ مانگنے کی چیز ہے اس لئے اسمیں جلدی مچانا تو کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، البتّہ فسق وگناہ کے اثرات سے غافل ہوجانا بڑی نادانی اور غفلت کی بات ہے۔

آیت میں یہی بات بیان کی جارہی ہے کہ ہر جماعت اور فرقہ کے ہاں اللہ کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں جنکو "رسول" کہا جاتا تاکہ اللہ کی حجت پوری ہو، حجت پوری ہونے سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا اللہ کے ہاں یہ ظلم اور اندھیر نہیں ہے کہ پیشتر آگاہی کے بغیر فیصلہ سُنا دیا جائے قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی، فردِ جرم لگائے جائیں گے، گواہ پیش ہوں گے، ہر قوم کے ساتھ اُن کے پیغمبر ہوں گے اُن کے بیانات کے بعد انصاف کا فیصلہ ہوگا۔

سُلوک:۔ عارفین نے یہاں آیت سے ایک اشارہ اخذ کیا ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ واستغفار میں ذرّہ برابر بھی توقف نہ کرنا چاہئے معلوم نہیں گناہ کا اثر کسی بھی وقت مرتب ہوجائے، لہٰذا توبہ واستغفار سے فوری تدارک کر دینا چاہیئے۔

(۲۶۹) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔

(یونس آیت ۵۷)

ترجمہ:۔ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آچکی ہے اور شفاء بھی (اُن بیماریوں کی) جو سینوں میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں قرآن حکیم کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔

(۱) وہ نصیحت ہے۔

(۲) دِلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

(۳) رضائے الٰہی کا راستہ بتلاتی ہے۔

(۴) اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت میں رحمت کا مستحق بناتی ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) نے قرآن حکیم کی چاروں صفات سے، شریعتؔ، طریقتؔ، حقیقتؔ، نبوتؔ و خلافت کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔ یعنی قرآن حکیم کی یہ چار صفات نفس انسانی کے چار مراتب کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

مَوْعِظَةٌ:۔ تہذیب ظاہر یعنی معاصی اور اعمال بد سے بچانے والی کتاب (شریعت)۔

شِفَآءٌ:۔ تہذیب باطن، یعنی بُرے اخلاق اور فاسد عقائد سے محفوظ رکھنے والی کتاب (طریقت)۔

هُدًى:۔ تہذیب نفس، یعنی اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرنے والی کتاب۔ (حقیقت)۔

رَحْمَةٌ:۔ انوار باطن، یعنی قلب پر انوارِ الٰہیہ کا نزول کرنے

والی کتاب۔ (خلافت)۔

ملحوظہ:۔ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن کی طرح قلب میں بھی امراض ہوتے ہیں، جیسے شک ونفاق، بغض وحسد، کینہ وعناد، غرور وتکبر وغیرہ۔

(۲۷۰) قُلْ أَرَءَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا۔ الآیۃ (یونس آیت ۵۹)

ترجمہ:۔ آپ کہئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا پھر تم نے اس میں سے کچھ چیزیں حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا الخ

تفسیر:۔ مشرک جاہلی قوموں نے کھانے پینے کی چیزوں میں بڑی گڑبڑ مچا رکھی ہے اس لئے قرآن حکیم نے اس سلسلے میں بار بار گرفت کی ہے اور صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں جنہیں شریعت الٰہی نے حرام قرار دیا ہے نہ کہ وہ چیزیں، میں جن کو تم اور تمہارے بڑوں نے حرام ٹھہرالیا ہے، یہی حال حلال چیزوں کا ہے۔

اسلامی شریعت کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حلال وہی چیزیں ہیں جنکو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہی ہیں جنکو اللہ نے حرام کیا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت میں اُن غالی صوفیوں کی تردید ہے جو مباحات (جائز اشیاء) کو زہد وقناعت کے عنوان سے اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔

(البتہ علاج ومعالجہ کے طور پر کسی چیز کو ترک کر دینا اور بات ہے)

(۲۷۱) أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ الآیۃ (یونس آیت ۶۲)

ترجمہ:۔ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

تفسیر:۔ اولیاء اللہ کی تعریف اگلی آیت ع۶۳ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے) ڈرتے رہے یعنی متقی اللہ کے ولی ہوا کرتے ہیں۔

تقویٰ کے مختلف درجات ہیں جس درجہ کا ایمان و تقویٰ ہوگا اسی درجے میں ولایت (دوستی) کا حصہ ثابت ہوگا ایک حسّی مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ سو۱۰۰ پچاس روپئے بھی مال ہیں اور دو۲ چار لاکھ روپئے بھی مال ہیں لیکن سو۱۰۰ پچاس روپئے والے کو مالدار نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ایک قابلِ لحاظ مال والے کو مالدار کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ایمان و تقویٰ کسی بھی درجہ میں ہوں، ایمان و تقویٰ تو ہیں لیکن ولی اور متقی ہر شخص کو نہیں کہا جاتا ولی اور متقی اس شخص کو کہا جائے گا جس میں ایک خاص اور ممتاز درجے کا ایمان و تقویٰ ہو۔

احادیث شریفہ میں ولی اور متقی کی چند صفات و آثار بیان کئے گئے ہیں مثلاً اُن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد تازہ ہو، اُن کی صحبت و ملاقات میں دنیا کی رغبت کم ہو اور آخرت کی فکر پیدا ہو، اُن کے قول و عمل میں اخلاص و صداقت ہو، اُن کی زندگی میں حوادثِ دنیا کا غم اور آخرت کی مصیبتوں کا اندیشہ نہ ہو۔ وغیرہ

سلوک:۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ حزن (غم) ناکامی اور خواہشات کے پورا نہ ہونے پر پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوستوں کی اپنی کوئی ذاتی (نفسانی) خواہش نہیں ہوتی جو پوری نہ ہونے پر انھیں غم ہو۔

اسی طرح خوف (اندیشہ) اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ کوئی مکروہ بات پیش نہ آئے، اللہ کے دوستوں کی زندگی میں اللہ کی نافرمانی یا معصیت نہیں ہوتی جس پر

انھیں خوف، واندیشہ پیدا ہو۔

اس لئے اولیاء اللہ کو دنیا وآخرت میں کوئی خوف واندیشہ نہیں ہوتا۔

(۲۷۲) وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا الآیۃ (یونس آیت ۶۵)

ترجمہ:۔ اور آپ کو اُن کافروں کی باتیں غم میں نہ ڈالیں عزت (غلبہ) تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے۔

تفسیر:۔ کافروں کے طعن و طنز اور اعتراضات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغموم ہونا ایک طبعی بات تھی، آیت میں آپکو تسلی دی جارہی ہے کہ غم وفکر نہ کریں عزت وقوت کا دینے والا صرف اللہ ہے، ساری عزتوں ورفعتوں کا وہ خالق ومالک ہے پھر آپؐ کو کیا غم ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے فرمایا جس کسی میں جوکچھ بھی عزت ورفعت ہے وہ اللہ جل علا کی عزت وکرامت کا سایہ ہے، کائنات میں کسی کے اندر اپنی ذاتی عزت نہیں ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ روشنی آفتاب کی صفت ہے اور زمین جو اپنی ذات میں روشنی سے خالی ہے آفتاب کی ضیاپاشی سے منور ہوتی ہے، آفتاب ڈوب جائے تو تاریکی ہی تاریکی رہ جاتی ہے۔

علم تصوف میں اسکو "مسئلہ ظلیت" کہا جاتا ہے۔

(۲۷۳) هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا۔ الآیۃ (یونس آیت ۶۷)

ترجمہ:۔ وہ وہی تو اللہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم اسمیں چین وسکون پاؤ اور دن کو دیکھنے بھالنے کا ذریعہ۔

تفسیر:- دن ورات نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں نہ نور وظلمت کوئی دو خدا یا دو خداؤں کے مظہر ہیں، وقت کے یہ دونوں حصّے اللہ واحد کی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح اور سب مخلوقات ہیں، دن ورات انسانوں کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں جیسا کہ زمین وآسمان۔

رات تو اس لئے کہ انسان اس میں راحت وآرام حاصل کرے اور دن بھر کی مشقت کے بعد سستی وکمزوری دور کرے اور دوسرے دن کے لئے تازہ دم ہو جائے۔

اور دن میں اپنی روزی فراہم کرے۔ (قرطبی)

سُلوک:- حکیم الامت رح نے فرمایا صوفیہ عارفین نے اس آیت سے یہ اشارہ نکالا کہ بجائے ساری رات جاگنے اور عبادت کرنے کے کچھ دیر سونا بہتر ہے کیونکہ اسمیں دن رات کی مصلحتِ الٰہی سے موافقت ہوتی ہے۔

(۲۷۲) لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ الآیۃ (یونس آیت ۹۸)

ترجمہ:- جب وہ لوگ (قوم یونس) ایمان لائے ہم نے اُن پر سے رُسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں دور کر دیا اور ایک خاص وقت تک کیلئے خوش عیشی دے دی۔

تفسیر:- سیّدنا یونس علیہ السّلام جنکا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح کا ہے، شہر نینویٰ ملک عراق میں جہاں آج شہر موصل ہے اُس کے مقابل دریائے دجلہ کے بائیں کنارے پر واقع تھا۔

شہر کی آبادی ایک لاکھ سے زائد تھی (القرآن) اس قوم کی دعوت وتبلیغ کے لئے سیّدنا یونس علیہ السّلام کو مبعوث کیا گیا تھا یہ قوم شدید

بُت پرستی میں مُبتلا تھی۔

سیّدنا یونس علیہ السّلام نے دعوت و تبلیغ کی صبر آزما جدوجہد کے بعد قوم پر آسمانی عذاب کے آثار دیکھکر ہجرت کے ارادے سے شہر چھوڑ دیا اور سمندر کی راہ لی (ان کے جانے کے بعد قوم مسلمان ہوگئی جنہیں عذابِ الٰہی کا یقین ہوگیا تھا) اثنائے راہ سمندر میں اِنھیں ڈال دیا گیا پھر ایک بڑی مچھلی نے اپنا لقمہ بنا لیا۔

واقعہ کی تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد۲ ص۹۹ پر مطالعہ کیجئے جو اس واقعہ کی قرآنی وضاحت ہے۔

سُلوک:- لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الآیۃ حکیم الامّت نے فرمایا ممکن ہے مُرید پر اللہ کا کوئی ایسا فیضان شامل ہو جس کی خبر اُس کے مُرشد کو نہ ہو اگرچہ یہ فیضان شیخ ہی کی برکت ہو۔

جیسا کہ سیّدنا یونس علیہ السّلام کو اپنی اُمّت کے ایمان لانے کی اطلاع نہ تھی، حالانکہ قوم کا ایمان لانا خود سیّدنا یونس علیہ السّلام ہی کی برکات سے تھا۔

(۲۷) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا۔ الآیۃ (یونس آیت ۹۹)

ترجمہ:- اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔

تفسیر:- آیت میں اللہ کے قانونِ قدرت کا اظہار کیا جارہا ہے کہ سارے انسانوں کا ایمان لانا کچھ مشکل بات نہیں ہے مشیت خداوندی کا صرف ایک اشارہ کافی ہے، لیکن بے شمار دنیاوی و اُخروی مصلحتوں اور حکمتوں کی وجہ سے اللہ نے اس عالم کو عالمِ ابتلاء ہی رکھا اور کسی کو بھی ایمان لانے پر مضطر و مجبور

نہیں کیا فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. الآیۃ

(روح المعانی، قرطبی)

سُلوک:- اہلِ تحقیق علماء نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ دعوت و تبلیغ کے بعد نتائج و ثمرات کا انتظار نہ کرنا چاہیئے، اپنا کام جاری رکھنا ہی کافی ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الآیۃ

(یونس آیت ۱۰۱)

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہے۔

تفسیر:- کائنات کی چیزوں پر غور و فکر کرنے سے اللہ کی توحید و اسکی قدرت و صنعت کا دل پر گہرا اثر پڑتا ہے ایمان و یقین میں تازگی اور روشنی پیدا ہوتی ہے لیکن کائنات کی ان چیزوں کو چشم بصیرت سے دیکھا جائے اور غور و فکر کے زاویوں پر توجہ کی جائے تو انسانی عقل و فکر یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ کائنات کا ایک خالق ضرور ہے اور یہ تکوینی نظام ایک مقتدر و صاحب اختیار ذات سے وابستہ ہے۔

عرب کا ایک بدو کہتا ہے۔

اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ ــــ وَالْاَثَرُ يَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ
وَالسَّمَآءُ ذَاتُ الْاَبْرَاجِ ــــ وَالْاَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ
كَيْفَ لَا يَدُلَّانِ عَلَى اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ؟

ترجمہ:- مینگنی پتہ دیتی ہے اونٹ کے گزرنے کا، قدم کے نشانات گزرنے والے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ برجوں والا آسمان اور نشیب و فراز والی وسیع و عریض زمین خالقِ کائنات کی کیونکر نشاندہی نہ کریں گے؟

سُلوک:- حکیم الامت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

مخلوقات پر غور کرنا، خالق کی طرف فکر و توجہ کرنے کے منافی نہیں (دونوں فکر صحیح ہیں)۔

ملحوظہ:- بعض علماء نے مذکورہ آیت سے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ زمین کی سیر و سیاحت بھی پسندیدہ عمل ہے اس سے کائنات کی وسعت اور تدبیر عالم کے عجیب و غریب راز منکشف ہوتے ہیں۔
اور اللہ کی ذات و صفات اور اسکی حکمت و صنعت و قدرت کا عظیم انکشاف ہوتا ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ۔
الآیۃ (العنکبوت آیت ۲۰)

سُورَۃ ھُود
پارہ ۱۱ سے ۱۲

(۲۷۷) وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ الآیۃ (ھود آیت ۳)

ترجمہ :- اور تم اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو پھر اُس کی طرف رجوع کئے رہو وہ تمہیں ایک مقررہ وقت تک خوش عیشی دیگا۔

تفسیر :- سیّدنا ہود علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کر رہے ہیں اے قوم کے لوگو تم اپنی پچھلی تقصیرات اللہ سے معاف کرواؤ اور آئندہ اللہ کی طرف دل سے رجوع رہو تو تم کو چین و سکون کی زندگی ملے گی اور ہر نیکوکار کو اس کی نیکی کا صلہ ضرور ملے گا۔

سلوک :- حکیم الامت نے فرمایا کہ آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تقویٰ و طہارت کی زندگی اختیار کرنے سے دنیا کا عیش گھٹ نہیں جاتا بلکہ پرسکون و مطمئن زندگی حاصل ہوتی ہے۔

(۲۷۸) يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۔ الآیۃ

(ھود آیت ۵)

ترجمہ :- وہ جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ دلوں کی اندر والی باتوں سے خوب واقف ہے۔

تفسیر :- کافر اور منافق لوگ اللہ کی صفت عالم الغیبی کو بھولے رہتے

ہیں ورنہ اُن کی ہمتیں گناہ اور سازشیں کرنیکی ہرگز نہ ہوتی اللہ کا کلام باربار اسکا استحضار کرواتا ہے کہ کائنات کی کوئی حرکت وسکون اُس سے پوشیدہ نہیں ہے دلوں کے راز اور وسوسوں تک کو وہ جانتا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ انسان اگر آیتِ مذکورہ کا مراقبہ جاری رکھے تو گناہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی، تقویٰ کی اصل بنیاد یہی ہے۔

(۲۷۹) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا۔

الآیۃ (ہود آیت ۶)

ترجمہ:۔ اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اُسکا رزق نہ ہو۔

تفسیر:۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حقیر سے حقیر تر کیڑے مکوڑوں تک کی رزق رسانی وفراہمی اللہ نے اپنے ذمہ رکھی ہے وہی اسباب فراہم کرتا ہے اور روزی دیتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب رزق سے غافل ہوکر بے فکر ہوجائے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسباب پر بھروسہ نہ کرے اعتقاد اللہ ہی کی ذات سے وابستہ رکھے اسی کا نام توکّل ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ دنیاوی اسباب کو اگر اسی اعتقاد سے اختیار کیا جائے کہ اسباب کے بنانے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں تو یہ بات توکّل کے خلاف نہیں۔

(۲۸۰) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ۔ الآیۃ (ہود آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے اور

اپنے رب کی طرف جھکے رہے وہی لوگ اہلِ جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے۔

تفسیر:- اہل جنت (جنت والے) ہونا اور جنت میں داخل ہونا دونوں علیحدہ علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں آیت میں یہ مخفی حقیقت ظاہر کی جارہی ہے کہ ایمان اور عمل کے ساتھ اسی حالت پر قائم و دائم رہنا، اہلِ جنت کی علامت ہے یعنی ایسے مسلمان دنیا کی زندگی ہی میں اہلِ جنت کے اسم سے مشرّف ہیں۔

باقی گنہگار مسلمانوں کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے انھیں عذاب دے یا معاف کردے اور جنت میں پہنچادے۔

سُلوک:- آیت میں اہلِ جنت کے اوصاف کی یہ ترتیب بیان کی گئی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا - پہلا درجہ ایمان (تصحیح عقائد) کا،

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ - دوسرا درجہ عمل صالح (اصلاح اعمال) کا،

اَخْبَتُوْا - تیسرا درجہ تزکیہ نفس (اخلاقِ کاملہ) کا،

ملحوظ:- تصوّف کی یہی حقیقت ہے صوفیہ کاملین کی بنیادی تعلیمات بھی یہی ہیں۔

(۲۸۱) اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ. الآیۃ

(ہود آیت ۲۷)

ترجمہ:- کیا ہم اس نصیحت کو تمہارے سر چپکادیں جبکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ؟

تفسیر:- آیت کا یہ ٹکڑا سیدنا نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا وہ آخری جواب ہے جو انھوں نے اپنی قوم کو دیا تھا کہ میں اگرچہ بشر ہوں، آسمان کا فرشتہ نہیں

جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جھک جاتی ہوں، پھر بشر بھی ایسا نہیں جو دولت واقتدار رکھتا ہو۔ میں تو اللہ کا رسول ہوں اُس نے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے میں تم سے اپنے کام کی اُجرت نہیں مانگتا میرا صلہ تو ربّ العالمین کے ہاں محفوظ ہے۔

میں تو صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں، اس کے بعد بھی اگر تم انکار وعناد پر قائم رہو تو یہ تمہارا اپنا خسارہ ہے، میں اپنی نصیحت وخیر خواہی کو تمہارے سر چپکا نہیں سکتا، جبکہ تم اسکو مسلسل ناپسند کر رہے ہو، ہم سب کو ایک دن اللہ کے ہاں جمع ہونا ہے وہاں ہر ایک اپنا انجام دیکھ لیگا۔

سُلوک :۔ حکیمُ الاُمّت ؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مُنکر و ہٹ دھرم کو اہلِ اللہ سے فائدہ نہیں ہو سکتا جبتک وہ انکار پر قائم رہیں

(۲۸۲) قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۔ الآیۃ (ھود آیت ۳۳)

ترجمہ :۔ نوح نے کہا اس عذاب کو تو بس اللہ ہی تمہارے سامنے لائیگا اگر اُسکا ارادہ ہوا اور تم اسکو روک نہیں سکتے۔

تفسیر :۔ یہ جواب سیّدنا نوح علیہ السلام کا ہے جبکہ اُن کی قوم نے اُن سے وہ عذاب نازل کرنیکا مطالبہ کیا تھا جس کا اندیشہ سیّدنا نوح علیہ السلام ظاہر کر رہے تھے جواب کا حاصل یہ تھا کہ میں وہ عذاب لانے والا کون ہوں، میرا کام تو صرف پیام پہنچا دینا ہے البتہ اللہ چاہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب کو نازل کر دے جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو۔

سُلوک :۔ حکیمُ الاُمّت ؒ نے فرمایا کہ مخالفین ومعاندین کے جواب میں ایسا ہی کہنا اہلِ حق کی شان ہے ورنہ اہلِ باطل کی زبانوں پر تو بڑے بڑے دعوے رہتے

ہیں کہ جو میرا مخالف ہے اُس کا یہ حال ہوجائے گا، وہ حال ہوجائیگا، وہ تباہ وبرباد ہوجائیگا، اسکی ذلت ورسوائی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

(۲۸۳) وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ۔ الآیۃ (ہود آیت ۳۱)

ترجمہ:۔ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، الخ

تفسیر:۔ آیت میں سیدنا نوح علیہ السلام اپنے مخاطبین کے ایک شبہ کو دور فرمارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نہ اللہ کے خزانوں کا خزانچی ہوں کہ دولت وثروت کسی کو بھی دیدوں۔

اور نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں کہ تمہاری اگلی پچھلی باتوں کو ظاہر کردوں۔

اور نہ میں کوئی فرشتہ ہوں جو تمہاری برادری سے علیحدہ جنس ہو، پھر تم میری خیرخواہی پر کیوں شبہ کررہے ہو؟

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ صاحب ارشاد (شیخ ومرشد) کا صاحب تصرف یا صاحب کشف ہونا یا بشری ضروریات میں عام انسانوں سے ممتاز ہونا ہرگز ضروری نہیں البتہ اسکو صاحبِ علم وعمل ہونا ضروری ہے۔

(۲۸۴) وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ الآیۃ (ہود آیت ۳۰)

ترجمہ:۔ اور میری قوم والو میری کون حمایت کریگا اللہ کے مقابلہ میں اگر میں ان (غریبوں) کو نکال دوں؟ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟

تفسیر:- قوم کے بڑوں کو جہاں مختلف اعتراضات تھے اُن میں ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اے نوحؑ تمہاری پیروی کرنے والے غریب غرباء بے حیثیت و بے علم لوگ ہیں بھلا ہم ان کی صف میں کیونکر بیٹھ سکتے ہیں؟
اے نوحؑ اگر تم ان کو اپنے سے دُور کر دو تو ہم تمہاری بات سننے کے لئے غور کریں گے۔
سیّدنا نوح علیہ السّلام نے اُنکو جو جواب دیا وہ مذکورہ آیت میں موجود ہے۔
سُلوک:- صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ مسکینوں اور کم حیثیت والوں کو اپنی مجلس اور خصوصی التفات و توجہ سے دور نہ کرنا نبیوں کی سنت ہے۔
حکیم الامتؒ نے یہ بھی اخذ کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اُس سے اعراض نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس کی جانب اللہ کی بھی توجہ ہے۔
ملحوظہ:- علّامہ زمخشریؒ پانچویں صدی ہجری میں مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ قوم نوح تو زمانۂ جاہلیت کی پیداوار ہے یہ لوگ تو صرف دنیا کے ظاہری و مادّی پہلوؤں کو دیکھنے والے تھے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اس مرض "حُبّ دنیا" میں مبتلا ہیں اور عزّت و ذلّت کا معیار اسی دولت دنیا کو بنائے ہوئے ہیں۔ (کشاف)
راقم الحروف کا احساس ہے کہ جب پانچویں چھٹی صدی ہجری میں مسلمانوں پر "حُبّ دنیا" اسقدر غالب تھی تو آج پندرہویں صدی ہجری کا ذکر ہی کیا کیا جائے؟ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا وَسَدِّدْنَا۔

(۲۸۵) قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ۔ الآیۃ (ھود آیت ۳۸)

ترجمہ:- نوحؑ بولے اگر تم ہم سے تمسخر (ٹھٹھا) کرتے ہو تو ہم بھی تم سے

ٹھٹھا کریں گے جیسا کہ تم ٹھٹھا کرتے ہو۔

تفسیر قوم کا مذاق اُڑانا اس بات پر تھا کہ سیّدنا نوح علیہ السلام نے قوم کو دھمکی دی تھی کہ عنقریب تم پر پانی کا عذاب آنے والا ہے، اور یہ سارا عالم غرقاب ہو جائے گا۔

سیّدنا نوح علیہ السّلام اپنی اور مسلمانوں کی نجات کے لئے ایک طویل وعریض کشتی تیار کرنے لگے اس تیاری پر قوم کے مسخروں نے ٹھٹھا کرنا شروع کر دیا کہ لو آج تک تو نبوّت و رسالت کا دعویٰ کر رہے تھے اب نجاری کا پیشہ شروع کر دیا، کہتے ہیں کہ یہ خشک زمین سمندر بن جائے گی جو سمندر سے سینکڑوں میل دور ہے۔ نوح اس زمین پر کشتی چلائیں گے، ہم سب تو ڈوب جائینگے نوح اور اُسکے ساتھی نجات پا جائیں گے، وغیرہ

اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر سیّدنا نوح علیہ السّلام نے قوم کے اس مسخرہ پن کا جواب دیا۔

جس طرح آج ہم سے ٹھٹھا کر رہے ہو بہت جلد ہم بھی تم پر ٹھٹھا کرینگے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۶ پر مطالعہ کیجئے جو ماقبل تاریخ کی قرآنی تفصیل ہے)

سلوک:۔ حکیم الامّتؒ نے لکھا ہے کہ انتقام کے موقع پر انتقامی جواب دینا مکارم اخلاق کے خلاف نہیں۔

ملحوظہ:۔ یہاں ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ تمسخر کا جواب اندازِ تمسخر سے دینا شانِ پیغمبری کے مناسب نہیں؟ پھر سیّدنا نوح علیہ السّلام کو ایسا جواب دینے کی کیوں ہدایت کی گئی؟

الجواب: شبہ نہایت سطحی اور بے وزن ہے کیونکہ کسی بھی مقابلہ وقوت کے وقت مقابلہ وقوت کا استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے یہ موقع ضبط وتحمل کا نہیں تھا سکوت وصبر کا اور موقع ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس کے بکثرت نظائر موجود ہیں مثلاً جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا، الآیۃ بُرائی کا بدلہ اُس جیسی بُرائی ہے۔ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا الآیۃ انھوں نے ایک خفیہ تدبیر کی ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی، وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ الآیۃ انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا۔ (روح المعانی)

(۲۸۶) قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ الآیۃ (ہود آیت ۴۶)

ترجمہ: اے نوح یہ (تمہارا بیٹا) تمہارے گھر والوں میں شامل نہیں ہے یہ ایک تباہ کار لڑکا ہے۔

تفسیر: طوفان آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو اُنکے گھر والوں کی نجات کی اطلاع دیدی تھی، لیکن جب بیٹا کنعان ڈوبنے لگا تو سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ کو پکارا اور مدد چاہی، الٰہی یہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں شامل ہے، اسکو بچا لیجئے، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے نوح یہ تمہارا بیٹا گھر والوں میں شامل نہیں ہے یہ بدعمل بے دین آدمی ہے، لہٰذا اس کی نجات نہ طلب کرو، یہ ڈوبنے والوں میں شامل ہو چکا ہے۔

سلوک: علمائے محققین نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ شریعت اسلامی میں قرابتِ ایمانی کا لحاظ کیا گیا ہے صرف قرابتِ نسبی کا نہیں۔ (تفسیر کبیر)

حکیم الامت نے لکھا ہے کہ نسب کی بڑائی کے ساتھ اگر صلاح وتقویٰ جمع

نہ ہوں تو ایسا نسب کالعدم ہے۔

(۲۸۷) فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الآیۃ (ہود آیت ۴۶)

ترجمہ:- لہٰذا اے نوحؑ تم مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو میں تم کو نصیحت کرتا ہوں۔

تفسیر:- طوفان کے وقت سیّدنا نوح علیہ السلام نے بیٹے کی نجات کے لئے درخواست کر دی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی اور وضاحت کی کہ اے نوحؑ تمہارے گھر والوں کی نجات کا وعدہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ (ہود آیت ۴۰) کے ساتھ مقیّد تھا (البتہ جن پر غرق ہونیکا فیصلہ جاری ہو چکا ہے۔)

اس استثناء میں تمہارا بیٹا بھی شامل تھا کیونکہ وہ نافرمان اور کافر تھا، ایسے مشتبہ حال لوگوں کے حق میں دعا کرنا احتیاط کے خلاف تھا تم نے اِسپر غور نہ کیا۔

ان افراد میں سیّدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا "یام" جس کا لقب کنعان تھا اور کنعان کی ماں "داعلہ" دونوں کافر تھے گھر والوں سے علیٰحدہ رہے اور غرق ہو گئے۔

سلوک:- اہلِ تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ جب مشتبہ حال لوگوں کے حق میں نجات کی دُعاء کرنیکی ممانعت آچکی ہے تو جن لوگوں کا فسادِ عقیدہ ظاہر ہو چکا ہے اُنکے حق میں تو اور زیادہ احتیاط ضروری ہے (رُوح المعانی)

حکیمُ الامّت رحؒ نے اس استنباط پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہاں ہمارے زمانے کے مشائخ کی دُعاؤں کا پول کھل جاتا ہے اُن سے مقدّمات کی کامیابی میں، عہدہ و ملازمت کی ترقی میں جس قسم کی بھی دُعا کروائی جائے یہ لوگ بلالحاظ حلال وحرام دُعا کر دیتے ہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

(۲۸۸) قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا. الآية (ہود آیت ۴۸)

ترجمہ:- ارشاد ہوا اے نوح اترو (زمین پر) ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لیکر۔ الخ

تفسیر:- اللہ کی یہ ہدایت اُس وقت کی ہے جب پانی کا طوفان پوری طرح ختم ہوگیا اور زمین رہنے بسنے کے قابل ہوگئی سیدنا نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ بخیر وسلامتی زمین پر آگئے۔

سلوک:- "بِسَلٰمٍ مِّنَّا" (ہماری سلامتی اور برکتیں لیکر) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ صوفیہ عارفین ہر نعمت کا مشاہدہ اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے ہوا کرتی ہے۔

آیت میں لفظ مِنّا کا اضافہ سیدنا نوح علیہ السلام کے مرتبۂ عرفان وصدّیقیت کے لحاظ سے ہے۔

(۲۸۹) وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔ الآية (ہود آیت ۵۲)

ترجمہ:- اور اے میری قوم والو تم اپنے ربّ سے گناہ معاف کراؤ پھر اُسکی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارشیں برسائیگا اور تم کو قوت دیکر تمہاری قوت میں مزید اضافہ کریگا۔

تفسیر:- یہ پیام سیدنا ہود علیہ السلام کا ہے جو انھوں نے اپنی پریشان وقحط زدہ قوم کو دیا تھا کہ ماضی کے گناہوں اور بغاوت کی معافی مانگو اور مستقبل میں اللہ کی طرف متوجہ رہو تمہاری پریشانی وقحط سالی دور ہوجائے گی اور تمہارے مال ودولت میں اضافہ ہوگا۔

تاریخی روایات میں معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر انکی مسلسل بغاوت وسرکشی

کی وجہ سے بطور سزا تین سال قحط طاری رہا جس پر ساری قوم بلبلا اٹھی تھی۔
سُلوک :۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ طاعات وعبادت سے دنیاوی راحت وچین بھی ملتا ہے اگرچہ اصلی جزا تو آخرت ہی میں ملے گی۔
ملحوظہ :۔ قوم عاد خلیج فارس کے کنارے کنارے ملک عراق کی سرحد تک آباد تھی انکا اصلی وطن یمن اور حضر موت کا علاقہ تھا یہاں زمانۂ قدیم سے ایک قبر کے بارے میں عام شہرت ہے کہ یہ مرقد شریف سیدنا ہود علیہ السلام کی ہے۔ واللہ اعلم

(۲۹۰) وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ۔ الآیۃ (ہود آیت ۶۹)

ترجمہ :۔ اور بالیقین ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لیکر آئے اور بولے آپ پر سلام ہو، ابراہیمؑ نے کہا تم پر بھی سلام۔

تفسیر :۔ یہ آنے والے فرشتے جنکی تعداد اسرائیلی روایت کے مطابق تین تھی، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ان کی آخری عمر میں صاحبزادہ اسحٰق کی خوشخبری دینے کے لئے آئے تھے، پہلے تو فرشتوں نے انھیں سلام کیا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواباً سلام کہا پھر فرشتوں نے انھیں عنقریب اسحٰق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔
سُلوک :۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ مسئلہ نکالا کہ سلام کرنا فرشتوں کا طریقہ ہے اور ہر نبی کی ملت میں یہی طریقہ جاری رہا ہے۔ (جصاص)
ملحوظہ :۔ معلوم نہیں کس زمانے سے مسلمانوں میں سلام کے بجائے ہاتھ کا اشارہ، آداب، بندگی، تعلیمات، صَبَاحُ الْخَیر (موجودہ عرب طریقہ) کے الفاظ

رائج ہوگئے ہیں اور عام مسلمانوں نے السلامُ علیکم اسلامی طریقہ چھوڑ دیا ہے
اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

(۲۹۱) یَقْدُمُ قَوْمَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۔ الآیۃ (ہود آیت ۹۸)

ترجمہ:۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر انھیں جہنم میں اُتارے گا وہ بڑی بُری جگہ ہے اُترنے کی جہاں یہ اُتارے جائیں گے۔

تفسیر:۔ آیت میں فرعون کا کردار بیان کیا جارہا ہے کہ جیسے وہ دنیا کی زندگی میں بدی اور بدکاری کا لیڈر تھا آخرت میں بھی اِسکی یہ لیڈری قائم رہے گی اور وہ اپنی ساری قوم کو لیکر جہنم میں داخل ہوگا۔

سلوک:۔ اہلِ تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ دنیا کی زندگی میں جو کوئی مفسدوں اور بدکاروں کا پیشوا رہے گا وہ آخرت میں بھی پیشوا ہوگا اور اپنے ماتحت لوگوں کو لیکر جہنم میں جائے گا۔

(۲۹۲) وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ۔ الآیۃ (ہود آیت ۱۱۳)

ترجمہ:۔ اور اُن لوگوں کی جانب نہ جھکو جو ظالم ہیں ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھوجائے گی۔

تفسیر:۔ رُکون کے معنیٰ جھکنا، مائل ہونا، رغبت کرنا۔ آیت میں رُکون الی الکفار یعنی کافروں، غیر مسلموں کی طرف مائل ہونے اور جھکنے پر جہنم کی وعید سُنائی جارہی ہے، اللہ اکبر! کفر و فسق کس درجہ اللہ کی نظر میں غضب آلود ہے کہ کافروں کی جانب صرف میلان ورغبت کرنے پر یہ انجام بد بیان کیا جارہا ہے۔
رہا اُن کے ساتھ دوستی و تعلقات، تعظیم و تکریم، مدح و ثنا کرنا، خیرخواہی کرنا،

اٹھنا بیٹھنا، اللہ کی نظر میں کسقدر شدید ہوگا اُسکا اندازہ صرف لفظ رُکون سے لگایا جاسکتا ہے۔

سُلوک:۔ علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ بلاضرورتِ شدید کفار کی وضع قطع اختیار کرنا اسی طرح طاقت وقدرت کے باوجود اُن پر نکیر نہ کرنا اور مُداہنت (چشم پوشی) کرنا سب کا سب اس ممانعت میں داخل ہے (جصّاص)

(۲۹۳) اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ الآیۃ (ہود آیت ۱۱۴)

ترجمہ:۔ بیشک نیکیاں بُرائیوں کو مٹادیتی ہیں یہ ایک نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے۔

تفسیر:۔ یہ قرآن حکیم کا نادرالوجود قانون ہے جسکی نظیر دنیا کے کسی قانون میں تو کیا گزشتہ آسمانی صحیفوں میں بھی ملنا مشکل ہے، ارشاد ہے کہ نیکی تو اپنی ذات میں خود نیکی ہے لیکن اسلامی نیکی کا یہ خاص عمل بھی ہے کہ وہ بدی کو مٹادیتی ہے بلکہ بُرائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردیتی ہے۔ (القرآن)

سُلوک:۔ حکیمُ الامت رح نے لکھا ہے کہ طاعت کے انوار سے گناہوں کی ظلمتیں دُور ہوجاتی ہیں اور پھر طاعت کی استقامت سے معصیت کا مادّہ کمزور پڑجاتا ہے۔ (رُوح المعانی)

(۲۹۴) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۔ الآیۃ (ہود آیت ۱۲۰)

ترجمہ:۔ اور پیغمبروں کے واقعات میں سے ہم یہ سب واقعات آپ سے بیان کررہے ہیں جس سے ہم آپ کے قلب کو تقویت دیتے ہیں۔

تفسیر:۔ سورۃ ہود کی آخری آیات میں یہ ایک آیت ہے اس سے پہلی آیات میں بہت سارے انبیاء ورُسُل کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، ختم سورت پر ان واقعات

وقصص کی بعض حکمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ گزشتہ اقوام اور اُنکے رسولوں کا تذکرہ سُنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تقویت وتسلّی دی جا رہی ہے اور امّتِ مُسلم کو بھی تحقیقی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے تذکیر ونصیحت وعبرت کا بڑا سامان فراہم ہوتا ہے مثلاً آدمی جب یہ سنتا ہے کہ قوم نوح فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک وعرقاب ہوگئی تو ایسے اعمال وکردار سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح ہر نبی کی قوم کا انجام بھی معلوم ہوتا ہے تو وہ غور وفکر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ نافرمانی وبغاوت ہر دور میں عذاب ہی ثابت ہوئی ہے اور اللہ کی یہ قدیم سنت ہر دور میں دُہرائی گئی ہے۔

اور جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے پر پچھلوں کو نجات وعزّت ملی تو طبعاً اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں قصص وواقعات کا اتنا تفصیلی تذکرہ ہے جو کسی بھی آسمانی کتاب میں موجود نہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے جملہ قرآنی مضامین کو چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے اُن میں ایک حصّہ انہی قرآنی واقعات کا ہے جسکو قرآنی زبان میں "تذکیر بایام اللہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ (ماضی کے واقعات وقصص سے نصیحت کرنا)۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا تذکرہ قلوب کی ایمانی تقویت کا ذریعہ ہے اس لئے مشائخ اہلِ طریقت نے ہر دور میں اولیا صالحین کی حکایات جمع کرنیکا خاص اہتمام کیا ہے۔

سُورۃ یُوسُف پارہ ۱۲

(۲۹۵) اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْہِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُہُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۔

الآیۃ (یوسف آیت ۴)

ترجمہ:۔ جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے ابّاجان میں نے گیارہ ستارے اور سورج وچاند کو (خواب میں) دیکھا کہ وہ سب مجھکو سجدہ کررہے ہیں۔

تفسیر:۔ سیّدنا یوسف علیہ السّلام کا سلسلۂ نسب اسطرح ہے۔

یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السّلام)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شریف سلسلہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

کریم بن کریم بن کریم بن کریم۔ (الحدیث) (الکریم بمعنی الشریف)

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کا دورِ حیات ۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ قبل مسیح

سیّدنا اسحٰق علیہ السّلام کا دورِ حیات ۲۰۶۰ تا ۱۸۸۰ قبل مسیح

سیّدنا یعقوب علیہ السّلام کا دورِ حیات ۲۰۰۰ تا ۱۸۵۰ قبل مسیح

سیّدنا یوسف علیہ السّلام کا دورِ حیات ۱۹۱۰ تا ۱۸۰۰ قبل مسیح

سیّدنا یوسف علیہ السّلام کا مولد و مسکن ارض فلسطین میں وادی حبرون تھا جسکو آجکل "الخلیل" کہا جاتا ہے جو یروشلم سے اٹھارہ میل جنوب مغرب میں واقع ہے، آپکی والدہ کا اسم مبارک سیّدہ راحیل تھا، سیّدنا یوسف علیہ السّلام

کا یہ خواب جسکا ذکر مذکورہ آیت میں ہے بچپن کا واقعہ ہے۔

عمر کی واضح تصریح مل نہ سکی تاہم قرآن حکیم نے جس اہمیت اور وضاحت کے ساتھ اس خواب کو بیان کیا ہے اور سیدنا یعقوب علیہ السّلام جس اہتمام سے اسکی تعبیر بیان کر رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا کہ خواب ایسا کوئی ناقابل التفات واقعہ نہیں جیسا کہ آج کی روشن خیالی میں سمجھا جاتا ہے۔

خواب کی حقیقت سمجھنے کیلئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ ص ۲۵۵ مطالعہ کیجئے جو قرآن وحدیث کی واضح تشریح ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السّلام کا گیارہ ستاروں اور چاند و سورج کو سجدہ کرتا دیکھنا خوابی حالت میں تھا اور خواب میں ہر وہ چیز جو تصوّر و تخیّل میں آسکتی ہے جسم و شکل کے ساتھ واقعہ بن کر سامنے آجاتی ہے۔

سلوک :- حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مُرید کو چاہیئے کہ اپنے احوال اور واردات قلبی کو چاہے وہ بیداری میں محسوس کرے یا خواب میں اپنے شیخ پر واضح کر دینا چاہیئے۔

(۲۹۶) قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۵)

ترجمہ :- باپ نے کہا اے بیٹے اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہاری ایذا کے لئے کوئی چال نہ چل دیں۔

تفسیر :- سیدنا یعقوب علیہ السّلام جو اُوالعزم نبی و رسول اور صاحب علم و فضل ہیں خواب کی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ یہ خواب عام خوابوں کی طرح نہیں ہے لہٰذا اسکو کسی سے بیان نہ کرنا چاہیئے تاہم کسی طرح سیدنا یوسف علیہ السّلام کے سوتیلے بھائیوں کو اس خواب کا علم ہو گیا اور سیدنا

یعقوب علیہ السلام کا جو اندیشہ تھا وہ پورا ہوا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مُرید کو اپنا خصوصی حال یا وارِدِ قلبی اپنے شیخ کے علاوہ اور کسی سے بیان نہ کرنا چاہیئے ورنہ اس میں ضرر کا احتمال ہے۔

فقہاء کرام نے آیت سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ جس کسی سے حسد یا کینہ کا اندیشہ ہو اُس سے اپنی اُن نعمتوں کا اخفاء کرنا چاہیئے جو خود کو حاصل ہیں۔

(۲۹۷) اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ الآیۃ (یوسف آیت ۸)

ترجمہ:۔ (وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب سوتیلے بھائیوں نے کہا یوسف اور اُنکا (حقیقی) بھائی (بنیامین) ہمارے باپ کو ہم سے کہیں زیادہ عزیز ہے جبکہ ہم خود ایک پوری جماعت ہیں۔

تفسیر:۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد میں سب کے ساتھ یکساں محبت و تعلق نہیں رہتا۔ کسی بچے سے زیادہ اور کسی سے کم تعلق ہونا بچوں کے عادات و اطوار پر موقوف ہے۔

سیّدنا یوسف علیہ السلام بچپن ہی سے سلیم الطبع، شریف النفس مطیع و فرمانبردار تھے علاوہ ازیں سب بچوں میں جن کی تعداد بارہ عدد بیان کی جاتی ہے، چھوٹے تھے اور شکل و صورت میں ممتاز ترین۔

خواب کا یہ واقعہ بچپن کا تھا اسکی عظیم تعبیر سیّدنا یعقوب علیہ السلام پر منکشف ہو چکی تھی ان اسباب کے تحت سیّدنا یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے محبوب و چہیتے بیٹے ہو چکے تھے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ شیخ کو جائز ہے کہ

اپنے کسی مُرید کے ساتھ دوسرے مُریدوں کی بہ نسبت زیادہ شفقت و عنایت کا معاملہ کرے جبکہ اسمیں رُشد و ہدایت کے آثار زیادہ ہوں۔

(۲۹۸) إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۸)

ترجمہ:- بیشک ہمارے والد تو بالکل بہک گئے ہیں۔

تفسیر:- دس بیٹوں نے اپنے باپ سیّدنا یعقوب علیہ السلام پر یہ الزام تراشا کہ ابا جان یوسف کی محبت میں حد سے زیادہ بہک گئے ہیں لہٰذا یوسف کا قصہ ختم کر دینا بہتر ہے چنانچہ قتل کرنے کی سازش میں پڑ گئے۔

سلوک:- حکیم الامت نے فرمایا کہ بعض اوقات مُریدوں کو بھی اپنے شیخ پر خطائے اجتہادی کا ایسا گمان ہوتا ہے جیسا کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اپنے باپ سیّدنا یعقوب علیہ السلام پر ہوا۔

(۲۹۹) أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ الآیۃ (یوسف آیت ۱۲)

ترجمہ:- اے ابا جان یوسف کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ خوب کھائے پئے اور کھیل کود کرے۔

تفسیر:- کہا جاتا ہے کہ ان بھائیوں کا کھیل کود دوڑنا اور تیر اندازی تھی بہر حال باپ کو دھوکہ دیکر سیّدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ جنگل لے گئے اور وہ کارروائی پوری کر لی جو انھوں نے طے کیا تھا، سیّدنا یوسف علیہ السلام کو ایک تاریک گہرے کنوئیں میں اُتار دیا اور روتے پیٹتے گھر آئے الخ

سلوک:- فقہاء نے یہاں یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ سیر و تفریح جائز کھیل ہے بشرطیکہ اسمیں کوئی گناہ شامل نہ ہو، اور ملاعبت زوج کا جواز تو حدیث شریف میں موجود ہے۔

قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم لِجَابِرِ بْنِ عبداللہ رضی فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا

وَ تُلَاعِبُكَ۔ (تفسیر کبیر)

حکیم الامتؒ نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ مُرید کا کبھی تفریحات قولیہ وفعلیہ میں شرکت کرنا کچھ حرج نہیں کیونکہ اس سے نشاطِ قلبی حاصل ہوتی ہے جو علم وعمل میں مُعین ومددگار ہوگی۔

(۳۰۰) قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۲۳)

ترجمہ:- یوسف نے کہا اللہ کی پناہ وہ تو میرا مربی ہے اُس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔

تفسیر:- آیت میں اُس واقعہ کا تذکرہ ہے جس میں عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے اپنی مطلب برآری کا تقاضہ کیا تھا سیدنا یوسف علیہ السلام نے اُسکی فرمائش حرامکاری کا مذکورہ جواب دیا، اللہ کی پناہ کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ عزیز مصر تو میرا محسن وخیرخواہ ہے بھلا میں اُس کی بیوی میں خیانت کا مرتکب ہوں؟ مجھ سے تو یہ ممکن ہی نہیں۔

سُلوک:- اہل علم نے لکھا ہے کہ گناہ ومعصیت سے پناہ طلب کرنا نبیوں کی سُنّت ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے زُلیخا کی مطلب برآری کا پہلا جواب معاذ اللہ دیا۔

حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ محسن وخیرخواہ اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو تب بھی اُس کی رعایت کرنی چاہیئے اور اہلِ طریق اس بارے میں کچھ آگے ہی ہیں۔

(۳۰۱) وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ

بُرۡھَانَ رَبِّهٖ۔ (یوسف آیت ۲۴)

ترجمہ:۔ اور اُس عورت کے دل میں تو یوسف کا خیال جم ہی رہا تھا اور انھیں بھی اس کا خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو اُنھوں نے دیکھا نہ ہوتا۔

تفسیر:۔ سیّدنا یوسف علیہ السّلام کے نادر المثال حُسن جمال پر عزیز مصر کی بیوی زُلیخا فریفتہ ہو چکی تھی آخر اس نے بیتابی و اضطرابی میں اپنی مطلب برآری کا تقاضہ شروع کر دیا۔

اور اس عمل کے لئے اُس نے محل کے دروازے بند کر کے ایسی حسین و جمیل تدابیر اختیار کیں جس سے ٹکرا کر بڑے بڑے زاہدوں کا تقویٰ بھی پاش پاش ہو جائے۔ (تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ا ص۳۰۸ مطالعہ کیجئے) اس نازک و تقویٰ شکن صورتِ حال کو مذکورہ آیت میں اسطرح بیان کیا گیا ہے۔

زُلیخا نے تو ارادہ کر لیا تھا سیّدنا یوسف علیہ السّلام کو بھی خیال ہو چلا لیکن نبوّت کی تقدیس آڑے آگئی اور وہ محل سے باہر ہو گئے۔

آیت میں دونوں کے ارادے کو لفظ ھَمّ سے تعبیر کیا گیا ہے، ھَمّ کے عربی میں دو معنیٰ آتے ہیں۔ ارادہ، خیال۔ زلیخا نے تو پختہ ارادہ کر ہی لیا تھا اور اس کے سارے اسباب بھی جیساکہ آیت ۲۳ میں تصریح موجود ہے۔

سیّدنا یوسف علیہ السّلام کا ھَمّ صرف خیال اور وسوسے کے درجے میں تھا چنانچہ آپ فعل اور ارادۂ فعل دونوں سے بچ گئے، وساوس کی تفصیل سلوک ۱۹۷ پر مطالعہ کیجئے۔

جوان تندرست مرد کا حسین و جمیل عورت کی خلوت خاص میں یکجا ہو جانا خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ پیش قدمی اور شوقِ دعوت صرف عورت ہی

کیطرف سے ہو رہی ہو تو دل میں کچھ خیال آجانا عیب یا جُرم نہیں ہے بلکہ مرد کے صحیح و تندرست ہونیکی دلیل ہے یقیناً پیغمبر اخلاقی خطاؤں سے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ ان کے احساسات بھی مُردہ ہوتے ہوں، سخت گرمیوں میں روزے کی حالت میں ٹھنڈے پانی کیطرف خیال چلا جانا نہ گناہ ہے نہ عیب و نقص کی بات ہے۔

سُلوک :۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ "وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ" (اُس نے دروازے بند کرلئے) میں اشارہ ہے اس طرف کہ جو کوئی حرام سے بھاگنے کی ہمّت کرتا ہے اُس کے لئے نجات کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

چنانچہ سیّدنا یوسف علیہ السّلام آگے آگے بھاگ کر بچنا چاہتے تھے اور وہ عورت دوڑ کر پکڑنا چاہتی تھی، دروازے کھلتے چلے گئے سیّدنا یوسف علیہ السّلام باہر ہوگئے۔

مولٰنا رومیؒ اسی نکتہ کو اس طرح لکھتے ہیں۔

نیست رُخنہ گرچہ در عالم پدید ۔ ہمچو یوسف خیرہ سر باید دوید

ترجمہ:۔ اس عالم میں نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے، سیّدنا یوسف علیہ السّلام کی طرح بے ساختہ بھاگنا چاہیئے۔

(۳۰۲) قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (یوسف آیت ۲۵)

ترجمہ :۔ (اپنے شوہر سے) بول کیا سزا ہوگی اُس شخص کی جو آپکی بیوی سے بدکاری کا ارادہ کرے بجز اس کے کہ اس کو قید کردیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے۔

تفسیر :۔ زُلیخا نے جب یہ دیکھا کہ راز فاش ہو رہا ہے تو غضبناک حالت

میں اپنی مظلومیت کی داستان گھڑنے لگی اور سیدنا یوسف علیہ السلام پر دست درازی کی تہمت لگادی شاید اس لئے عورت کے مکر کو عظیم کہا گیا۔

سُلوک :۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ شیطان کا آخری حربہ "غضب" میں مبتلا کر دینا ہوتا ہے، پھر وہ سب کچھ عمل کروا لیتا ہے جو اُسکی خواہش ہوا کرتی ہے، لیکن اللہ کے نیک بندے اُس کے اس حربے سے متأثر نہیں ہوتے ایسے موقعوں پر ضبط و تحمل سے کام لیتے ہیں اور گناہ سے دور ہو جاتے ہیں۔

(۳۰۲) قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۔ الخ الآیۃ (یوسف آیت ۳۳)

ترجمہ :۔ یوسف نے عرض کیا اے میرے پروردگار قید خانہ مجھکو گوارہ ہے بہ مقابلہ اُس کام کے جس کی طرف مجھے یہ عورتیں بلا رہی ہیں اور اگر آپ اُن کے مکر و فریب کو مجھ سے دفع نہ کریں تو میں اُنکی طرف مائل ہو جاؤنگا اور نادانوں میں شامل۔

تفسیر :۔ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے جرم کو چھپانے کے لئے سیدنا یوسف علیہ السلام پر دست درازی کا الزام عائد کیا اور اپنے شوہر نامدار کو مشورہ دیا کہ یوسف کو جیل میں ڈالدیا جائے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے بارگاہِ قدس میں التجا کی پروردگار مجھکو جیل کی سختیاں گوارہ ہیں اس شاہی گھرانے کی خوش عیشی سے جس میں عیش و عشرت کی فراوانی ہے اس طرح میں گناہ سے محفوظ ہو جاؤنگا۔

سُلوک :۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام کی نظریں فاعل حقیقی و مؤثر اصلی کیطرف جاتی ہیں۔ گناہوں سے حفاظت اللہ کی توفیق سمجھتے ہیں، اپنی عصمت و پاکدامنی پر نظر نہیں کرتے۔

محققین علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو "اَیُّھَا الصِّدِّیق" کا عظیم لقب جیل خانے ہی میں حاصل تھا۔

آیت میں اسی مقام صدیقیت کا ذکر ہے جوان و حسین امیر زادی، وزیر سلطنت کی بانوئے محترم، ناز و اداؤں سے لبریز جسم، خلوت و یکجائی میں بے قابو ہو کر دروازہ بند کر لے پھر معشوق نہیں عاشق بنکر پیچھا کرے تو وہ کونسا ذریعہ ہے جو کسی بھی انسان کو گناہ سے باز رکھے؟

یہ صدیقیت ہی کی شان تھی جو فضل الٰہی سے سیدنا یوسف علیہ السلام کو نصیب تھی۔

آپکی پکار قبول ہوئی اور ثابت قدمی کو ذرا بھی لغزش نہ ہو سکی۔

فصلواتُ ربّی وسلامہٗ علیہ۔

(۳۰۷) فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ الآیۃ

(یوسف آیت ۳۱)

ترجمہ:۔ پھر جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں خدا کی پناہ یہ شخص انسان نہیں کوئی معزز فرشتہ ہے۔

تفسیر:۔ زلیخا کی محبت و عشق کے چرچے عام ہو گئے تھے ملک کی امیرزادیاں، وزیرزادیاں طعن و تشنیع کرنے لگیں کہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے خادم غلام پر اور وہ بھی اپنا ہم وطن و ہم نسب نہیں، پردیسی و اجنبی، نہایت ذلت کی بات ہے۔

اس بدنامی و ناکامی کو دور کرنے کیلئے زلیخا نے شہر کی امیر زادیوں، وزیرزادیوں کو دعوتِ طعام دی اور سیدنا یوسف علیہ السلام کو انکے روبرو پیش کیا،

پھر کیا تھا؟ یہ حسینانِ عالم جو خود ہی سب کو دعوتِ نظارہ دینے کی عادی تھیں، خود آپ تماشائی بن گئیں، سیدنا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال میں ایسی بیخود ہو گئیں کہ پلک جھپکنا تک بارِ گراں ہو گیا اور ہاتھ کی چھُریاں جو پھل کاٹنے کے لئے ہاتھوں میں تھیں پھلوں کے بجائے انگلیوں پر چل گئیں۔

سُلوک :۔ رُوح المعانی کے مفسر نے ابن عطاؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حسینانِ مصر کا یہ حال "مشاہدۂ مخلوق" (سیدنا یوسف علیہ السلام) سے ایسا بے قابو ہو گیا اسی پر قیاس کیا جائے کہ "مشاہدۂ خالق" کا کیسا کچھ اثر ہو گا؟ پھر لکھتے ہیں کہ اگر ایسے شخص سے کوئی بات خلافِ واقعہ سرزد ہو جائے تو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔

(۳۰۵) قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا ۚ (یوسف آیت ۳۷)

ترجمہ :۔ یوسف نے کہا جو کھانا تم دونوں (قیدیوں) کے لئے آتا ہے وہ ابھی آنے نہ پائیگا کہ میں اس کی حقیقت تم دونوں سے بیان کر دونگا قبل اس کے کہ کھانا تم دونوں کے پاس آئے (کہ وہ کس قسم کا اور کیسا ہے؟) یہ علم میرے ربّ نے مجھے سکھایا ہے۔

تفسیر :۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے مکر و فریب سے جیل خانہ پہنچا دیا گیا تھا انہی دنوں بادشاہ ریان بن الولید کے دو خاص خادم بھی جیل خانہ پہنچائے گئے تھے جن پر بادشاہ کو زہر دینے کا الزام تھا، ان دونوں نے جیل خانے میں سیدنا یوسف علیہ السلام سے اپنے ایک خواب کی تعبیر دریافت کی تھی سیدنا یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کر دی اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں کوئی کاہن یا منجّم نہیں ہوں بلکہ علم الٰہی سے سرفراز ہوں، خوابوں کا علم اور اس کی

تعبیرات سے واقف ہوں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ اگر کوئی عالم دین اپنے علمی کمالات وفضائل اس نیت سے بیان کرے کہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں اور اس پر اعتماد کریں تو اپنی ایسی خوبیوں کو بیان کر دینا جائز ہے (جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے ظاہر کر دیا تھا) اور جن بزرگوں نے اپنے کمالات کا اظہار کر دیا ہے اُن کا یہی منشا تھا۔ (قرآن حکیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ الآیۃ)

(۳۰۶) وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۴۲)

ترجمہ:۔ اور ان دونوں قیدیوں میں جس شخص کے متعلق رہائی کا یقین تھا اُس سے یوسف نے کہا کہ میرا بھی ذکر اپنے آقا سے کر دینا۔

تفسیر:۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو دونوں قیدیوں میں سے جس شخص کے بارے میں یقین تھا کہ اسکو بادشاہ معاف کر دے گا جب وہ قید خانے سے نکلنے لگا تو فرمایا کہ اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا تذکرہ کر دینا کہ ایک بے گناہ عرصہ دراز سے قید خانے میں پڑا ہوا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مصائب و آلام سے نجات پانے کیلئے کسی سے مدد طلب کرنا ممنوع نہیں خصوصاً ایسے شخص سے جس پر احسان کیا ہو، نیز ایسی مدد طلب کرنا توکل کے خلاف بھی نہیں۔

(۳۰۷) فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۵۰)

ترجمہ:- پھر قاصد جب یوسف کے پاس آیا تو یوسف نے کہا اپنے آقا کے ہاں واپس جا اور اس سے دریافت کر کہ اُن عورتوں کا کیا واقعہ ہے جنھوں نے دعوت کے وقت اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟

تفسیر:- سیّدنا یوسف علیہ السلام کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جبکہ آپ نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بیان کر دی تھی بادشاہ متأثر ہوکر آپ کو جیل خانے سے اپنے دربار میں طلب کیا تاکہ ملاقات کرے۔

بادشاہ کی یہ گزارش لیکر جب قاصد آپ کے ہاں آیا تو آپ نے مذکورہ مطالبہ پیش کر دیا کہ میری رہائی سے پہلے اس واقعہ کی صفائی کر دی جائے جسکے سبب مجھکو جیل بھیجدیا گیا تھا۔

یہ مطالبہ اس لئے تھا کہ باہر آنے سے پہلے بے گناہی ثابت ہو جائے اور باعزّت رہائی ہو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا بادشاہ نے مصری لیڈیوں کو طلب کیا جس میں زلیخا بھی شامل تھی۔ بحث مباحثہ کے بعد سب نے سیّدنا یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی وطہارت کی شہادت دی اور زُلیخا پر جھوٹ وتہمت کا الزام لگایا، زلیخا نے جب یہ منظر دیکھا کہ چھوٹی بڑی ہر لیڈی اس کے خلاف شہادت دے رہی ہے تو صاف لفظوں میں اپنے جُرم کا اقرار کر لیا کہ قصور سرتاسر میرا ہی ہے دامن یوسفی ہر عیب وداغ سے پاک ہے۔

سُلوک:- حکیمُ الامّت رحؒ نے اس واقعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ مقتدا اور صاحب علم آدمی پر اگر الزامات اور تہمتیں ہوں تو پہلے اُن کی صفائی کر دینا چاہیئے تاکہ اُنکی دعوت وتبلیغ کے اثرات پر غلط اثر نہ پڑے۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی کی چالاکی دیر تک چلنے نہیں پاتی آخر اصلیت ظاھر

ہو ہی جاتی ہے۔

ملحوظہ :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر وتحمل کی اس طرح تعریف کی ہے۔

لَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ مَا لَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ. (بخاری ومسلم)

اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنا کہ یوسف (علیہ السلام) رہے ہیں تو بُلانے والے کے ساتھ فوری نکل جاتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس ارشاد میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے صبر وتحمل کی تعریف کی گئی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی بندگی وعبودیت کا اظہار کیا ہے۔

(۲۰۸) وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۵۳)

ترجمہ:- اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا بیشک نفس تو برائی کا تقاضہ کرتا ہے سوائے اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کردے۔

تفسیر:- انسانی نفس کی طبعیت میں برائی کا تقاضہ غالب رہا کرتا ہے اس لئے عام طبعیت برائی کی طرف فوری متوجہ ہوجاتی ہے، سیدنا یوسف علیہ السلام سے جو عفت وپاکدامنی کا مظاہرہ ہوا ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ یہ فخر وناز کا انداز ہے، سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس کی حقیقت بیان کردی کہ یہ صرف اللہ کی رحمت وعنایت کا نتیجہ ہے جو کسی کو برائی سے روک دے ورنہ انسانی نفس کا تقاضہ تو برائی کی ترغیب دینا ہے۔

انبیاء کرام کو انسانی نفس کے علاوہ نفسِ پیغمبری بھی عطا ہوتا ہے جو نفس کی عام آلائش اور کمزوریوں سے پاک ہوا کرتا ہے۔

سلوک :- حکیمُ الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں انبیاء کرام کے مرتبۂ تواضع کا اظہار ہوتا ہے وہ اپنی خوبی کے کسی بھی حصّے کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے بلکہ اس کو فضلِ الٰہی قرار دیتے ہیں۔

صوفیہ عارفین نے یہ کیفیت یہاں ہی سے حاصل کی ہے۔

(۳۰۹) قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ (یوسف آیت ۵۵)

ترجمہ :- یوسف نے کہا (اے بادشاہ) مجھکو ملکی خزانوں پر مامور کر دیجئے میں امانت و دیانت رکھتا ہوں علم بھی رکھتا ہوں۔

تفسیر :- وحی الٰہی کی اطلاع پر ملک مصر میں شدید خوفناک قحط پڑنیوالا تھا سیدنا یوسف علیہ السّلام نے بادشاہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ملک کے معاشی استحکام کے لئے مالیات کا محکمہ میرے حوالہ کر دیا جائے تاکہ عوام کو قحط سالی کے مضر اثرات سے محفوظ رکھا جاسکے۔

شعبہ مالیات میں امانت و دیانت کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے میں امین اور دیانت دار ہوں اور چونکہ معاشی انتظام کے لئے علم و فہم بھی ضروری ہیں، اس لئے میں ان دونوں نعمتوں سے بھی سرفراز ہوں۔

سلوک :- حکیمُ الامّت رحؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ حکومت و منصب حاصل کرنے کے لئے درخواست کرنا جبکہ مخلوق خدا کا اسمیں نفع ہو اور اپنا کوئی دینی ضرر بھی نہ ہو تو جائز ہے۔

ملحوظہ :- حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضؓ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص از خود عہدہ و منصب طلب کرے تو اسکا بار اسی کے کندھوں پر ڈالدیا جاتا ہے (یعنی اس کام میں اللہ کی تائید و توفیق اسکو حاصل نہیں ہوتی)۔

مذکورہ آیت اور حدیث کے ظاہری تضاد کا اہلِ علم نے یہ جواب دیا کہ یہ اُس صورت میں ہے جب عہدہ و منصب اپنی ذات کے لئے یا جاہ و عزت طلبی کے لئے حاصل کیا جائے، ایسا طلب کرنا جائز نہیں اس میں اللہ کی تائید و توفیق نہیں ہوتی۔

(۳۱۰) اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْٓ اُوْفِی الْکَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۔
الآیۃ (یوسف آیت ۵۹)

ترجمہ:- کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں۔

تفسیر:- ملک میں جب قحط سالی کا دور دورہ شروع ہوا تو اُس کا اثر کنعان سیدنا یعقوب علیہ السلام کے وطن ملکِ شام تک بھی پہنچا، اور یہ شہرت عام ہوگئی کہ ملک مصر میں غلّہ تقسیم ہو رہا ہے، سیدنا یعقوب علیہ السلام کے دسؔ بیٹے بھی غلّہ حاصل کرنے مصر آئے انھیں فی کس ایک اونٹ بھر غلّہ ملا، لیکن گیارہویں بھائی بنیامین کا غلّہ نہ مل سکا کیونکہ وہ اس سفر میں بھائیوں کے ساتھ شریک نہ تھے، بھائیوں کی درخواست پر کہا گیا کہ جب تک وہ خود نہ آئے اسکا حصّہ نہیں مل سکتا۔

اس طرح سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے حقیقی بھائی بنیامین سے ملنا چاہتے تھے اس لئے وہ عنوان اختیار کیا جو آیت میں موجود ہے۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (میں بہترین میزبان ہوں) سے معلوم ہوا کہ اپنی خوش معاملگی اور کریمانہ اخلاق کا اظہار کرنا تواضع کے خلاف نہیں ہے لیکن شرط تو یہی رہے گی کہ اسمیں اپنی شان مقصود نہ ہو۔

(۳۱۱) وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۸۴)

ترجمہ:۔ پھر یعقوب نے (اپنے بیٹوں سے) منہ پھیر لیا اور کہنے لگے ہائے یوسف اور غم سے روتے روتے انکی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے۔

تفسیر:۔ پیغمبر اپنے جذبات واحساسات کے لحاظ سے بھی بشر ہوتے ہیں مافوق البشر نہیں ہوتے سیدنا یعقوب علیہ السلام بیٹے یوسف (علیہ السلام) کی جدائی میں اشک بار رہنے لگے اور زبان سے غم ورنج کے الفاظ بھی نکل جاتے تھے اسکے باوجود کہا کرتے تھے کہ میری شکایت تم سے نہیں اللہ سے وابستہ ہے اپنا دکھ وغم اسی سے عرض کرتا ہوں۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ طبعی محبت (بیوی بچوں کی محبت) محبت حق کے منافی نہیں، دونوں محبت قلب مومن میں جمع ہوسکتی ہیں البتہ عارفین وکاملین کو طبعی محبت رضائے الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔

علاوہ ازیں اشک فشانی کمالات نبوت کے ذرا بھی خلاف نہیں تو پھر اولیاء اللہ کا گریہ وبکا اور اشک بہانا کوئی نقص کی بات نہیں ہے۔

(۳۱۲) قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ الآیۃ

(یوسف آیت ۸۶)

ترجمہ:۔ یعقوب نے کہا میں تو اپنے رنج وغم کی شکایت بس اللہ ہی سے کررہا ہوں۔

تفسیر:۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کا غم واندوہ فراق یوسفی میں تھا دیگر بیٹے اپنے باپ کو بار بار یہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ آپ تو بس یوسف ہی کی

یاد میں اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیں گے، اس پر سیدنا یعقوب علیہ السلام فرماتے تم کو اس سے کیا سروکار؟ میں جو کچھ بھی شکوہ شکایت کر رہا ہوں اپنے رب سے کر رہا ہوں اور مجھے تو اسی سے مانگنا بھی ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع ہونا اور اسی سے اپنا دکھ درد بیان کرنا صبر جمیل کے خلاف نہیں بلکہ یہی صبر جمیل ہے کہ ہر تکلیف اللہ ہی سے عرض کی جائے۔

البتہ اپنے دُکھ درد و حاجات کو اللہ سے چھوڑ کر مخلوقات سے کہنا سُننا صبر جمیل کے خلاف ہے۔

(۲۱۳) فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۸۸)

ترجمہ:۔ پھر جب وہ سب بھائی عزیز مصر کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز (بادشاہ) ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے (ہمیں پھر غلّہ عنایت کیجئے۔)

تفسیر:۔ برادرانِ یوسف کا یہ تیسرا سفر تھا اس سفر میں ایک تو غلّہ کی شدید ضرورت تھی جو مصر ہی میں (سیدنا یوسف علیہ السلام) کے ہاں پوری ہو سکتی تھی دوسری بات یہ کہ دوسرے سفر میں بنیامین کو مصر میں روک لیا گیا تھا اُن کی بازیابی کے لئے سفر کرنا بھی ضروری تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ حاجت برآری کیلئے برادرانِ یوسف کا مذکورہ عنوان جائز ہے، اس عنوان میں اللہ تعالیٰ کی شکایت کا پہلو پیدا نہیں ہوتا۔

(لہٰذا ضرورت پر ہم بھی ایسا عنوان اختیار کر سکتے ہیں۔ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ)

(۳۱۳) وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ۔ (یوسف آیت ۹۴)

ترجمہ:۔ اور جب قافلہ چلا تو انکے باپ (یعقوبؑ) نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھکو بڑھاپے میں بہکی بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو میں ایک بات کہونگا کہ مجھکو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

تفسیر:۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کا اکرام واحترام کر کے اپنے والدین کو کنعان سے مصر لے آنے کا مشورہ دیا تھا اور چلتے وقت اپنا قمیص بھی بھائیوں کے حوالہ کیا کہ اسکو میرے باپ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دو اس عمل سے انکی بینائی لوٹ آجائے گی، بھائیوں کا قافلہ جونہی مصر سے روانہ ہوا سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر میں کہنا شروع کر دیا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے، گھر والوں نے پھر طعنہ دیا کہ بخدا تم بس اسی پرانے وہم میں پڑے ہو کہ بس یوسف آجائیگا یوسف آجائے گا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے چونکہ یوسف علیہ السلام سے ملاقات کا خدائی وعدہ قریب آچکا تھا یہ خوشبو سینکڑوں میل کے فاصلہ سے سیدنا یعقوب علیہ السلام کو محسوس ہونے لگی، لیکن جب یوسف علیہ السلام کنویں میں گھر کے قریب تھے اسوقت یہ خوشبو محسوس نہ ہوئی۔ (یہی معاملہ اولیاء اللہ کے مکاشفات کا ہے کبھی قریبی شئے کے ادراک سے لاعلم رہتے ہیں اور بعض دفعہ سینکڑوں میل کی خبر دیتے ہیں)۔

ملحوظہ:۔ شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو اپنی کتاب گلستاں میں اس طرح بیان کیا ہے۔

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند - کہ اے روشن گہر پیر خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شنیدی - چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی
بگفتا حالِ ما برقِ جہانست - دمے پیدا و دیگر دم نہانست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم - گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر حالے بماند - تہی دست ہر دو عالم برفشاندے

ترجمہ: کسی شخص نے سیّدنا یعقوب علیہ السّلام پوچھا اے روشن دل عقلمند بزرگ ملکِ مصر سے اپنے صاحبزادے کی خوشبو محسوس کی لیکن جب وہ اپنے گھر کے قریب کنوئیں میں پڑے ہوئے تھے اُس وقت اپنے صاحبزادے کو محسوس نہ کیا آخر یہ کیا راز ہے؟

فرمایا کہ ہمارے احوال اس چمکتی برق کی طرح ہیں جو ایک وقت ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے لمحہ پوشیدہ۔ کبھی ہم بلند ترین منزل پر ہوتے ہیں اور کبھی اپنے پیر کے نیچے کا علم نہیں رکھتے۔

اللہ والے اگر یکساں حالت پر قائم رہیں تو دنیا کے اسباب درہم برہم ہو جائیں گے اور نظام دنیا بگڑ جائے گا۔ یَا حَنْظَلَۃُ سَاعَۃٌ فَسَاعَۃٌ (الحدیث)

پیراہنِ یوسفی کو جب باپ کے چہرے پر ڈال دیا گیا آنکھوں کی ضائع شدہ بینائی پوری لوٹ آئی، سیّدنا یعقوب علیہ السّلام نے بچوں سے کہا کیا میں نے کہا نہ تھا کہ مجھکو یوسف کی خوشبو آرہی ہے، اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ یوسف کو تلاش کرو اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو وہ ہم سب کو یکجا کر دے گا، دیکھ لو وہی صورت پیش آئی۔

پیراہنِ یوسفی کی یہ تاثیر کرامت یا معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ عصائے موسیٰ میں جادو کے کرتبوں کو نگل جانے اور فنا کر دینے کی تاثیر تھی۔

اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض لطیف و مسحور کن خوشبو یا شدتِ خوشی و مسرت کے اثر سے سماعت یا بصارت کا تیز ہوجانا یا لوٹ آنا کوئی خلافِ عقل یا خلافِ فطرت بات نہیں ہے۔

موجودہ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جیسا کسی حادثہ یا مصیبت سے عقل وہوش گم ہوجاتے ہیں اسی طرح ضائع شدہ صحت و توانائی بھی لوٹ آتی ہے۔

خود راقم الحروف نے اپنے دو حادثات میں اسکا تجربہ پایا ہے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

(۳۱۵) اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (یوسف آیت ۱۰۱)

ترجمہ:۔ اے اللہ تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے مجھے دنیا سے اپنا فرمانبردار اٹھا اور نیکوں میں مجھکو شامل فرما۔

تفسیر:۔ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے ماں باپ اور بھائیوں کی ملاقات پر اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں اور آخرت کی صلاح و فلاح اور نیکوں میں شامل ہونے کی دعا کر رہے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ کہ انبیاء کرام جو گناہ کے ہر اندیشہ سے محفوظ ہیں کفر سے پناہ طلب کر رہے ہیں (معلوم ہوا کہ مسلمان کو کسی بھی حالت میں بے خوف نہ ہونا چاہیئے)۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ لقاءِ ربّ کی خواہش میں موت کی تمنّا کرنا جائز ہے۔

امام رازیؒ نے آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ دنیا کی مکروہات اور فانی لذات سے دل برداشتہ ہو کر ہیں نے دعائے یوسفی تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ کا دائمی ورد مقرر کر لیا ہے۔

ملحوظہ:۔ جس حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد مصیبت یا تکلیف میں گھبرا کر موت کی تمنا کرنا مراد ہے، لیکن اللہ کی ملاقات یا جنت کے شوق میں موت کی تمنا کرنا جائز ہے جیسے جہاد فی سبیل اللہ میں شہادت کی تمنا خود اسلام کی تعلیمات ہیں۔

کنواری سیدہ مریمؑ بچے کی غیر فطری ولادت پر بدنامی کے اندیشہ سے موت کی تمنا کرنے لگیں، یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۲۳)

حدیث شریف میں ہے کہ دجال کے فتنوں سے گھبرا کر ایک شخص کسی کی قبر پر گزرے گا تو کہے گا یٰلَیْتَنِیْ مَكَانَكَ کاش میں تیری جگہ ہوتا۔

نیز حدیث میں ہے یَكْرَهُ الْمُؤْمِنُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتَنِ۔ (مسند احمد)

مومن موت سے گھبراتا ہے حالانکہ مومن کیلئے موت فتنوں سے بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی موت کے وقت فرما رہے تھے اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ اے اللہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔

امام بخاری کو جب امیر خراسان نے ستایا تھا تو آپ نے یہ دعا کی اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِیْ اِلَیْكَ۔ اے اللہ مجھے اپنے پاس بلالے۔

غرض یہ ہے کہ موت کی تمنا کرنا ہر حال میں منع نہیں جنت یا شوق آخرت

یا لقاء رب کیلئے موت کی تمنا کرنا درست ہے، البتہ جیسا کہ لکھا گیا دنیا کی مصیبتوں و پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا منع ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے علم کامل پایا، دولت کامل پائی تو اب شوق ہوا اپنے باپ دادا کے مراتب کا، گویا اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ سے یہ غرض تھی کہ میرا مرتبہ سیدنا یعقوب، سیدنا اسحٰقؑ، سیدنا ابراہیم علیہم السلام کے مراتب سے ملا دے۔

(۳۱۶) قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِيۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ۔ الآیۃ (یوسف آیت ۱۰۸)

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف اس طرح بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے۔

تفسیر:- قصہ کے اختتام پر سیدنا یوسف علیہ السلام کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا جارہا ہے کہ میں بے دلیل بات نہیں کہہ رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ انسانوں کو اللہ کی یکتائی اور اس کے معبودِ حقیقی ہونے کی دعوت دے رہا ہوں، میں شرک اور شرک کرنے والوں سے دور ہوں، میرے راستے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ واحد ہے اُسکا کوئی شریک و دخیل نہیں میں اللہ کا پیغمبر و رسول ہوں میری بات مانو اور اسکی پیروی کرو اسی میں ہماری اور تمہاری نجات و کامیابی ہے۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ روح المعانی کے مفسر علامہ آلوسی بغدادیؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ داعی الی اللہ کو طریق (صراطِ مستقیم) کا ماہر اور اللہ کی ذات و صفات کا عارف ہونا ضروری ہے۔

سُورَةُ الرَّعْد پارہ ۱۳

(۲۶۷) وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ الخ الآیۃ

(الرعد آیت ۴)

ترجمہ:- اور زمین میں مختلف کھیت ہیں ایک دوسرے سے متصل اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتاں ہیں اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسروں سے ملی ہوئی اور بعض بن ملی ہوئی اُن کو پانی بھی ایک ہی طرح کا دیا جاتا ہے اور ہم ایک پھل کو دوسرے پھل پر فوقیت دیتے ہیں، ان امور میں سمجھداروں کے لئے توحید کی نشانیاں ہیں۔

تفسیر:- آیت میں زمین کی خصوصیات بیان کی جارہی ہیں کہ پوری زمین کے حصے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں سب حصے ایک ہی قسم کے پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اس کے باوجود اس قدر مختلف پھل پھول پیدا ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں، شکل وصورت، رنگ ومزہ، چھوٹے بڑے ہر مخلوق کے لحاظ سے مختلف غذائیں ایک ہی زمین سے ایک ہی پانی سے ایک ہی روشنی و ہوا سے پیدا ہو رہے ہیں زمین کی صرف ایک ساخت ہے اسمیں غور وفکر کرنے والوں کیلئے سینکڑوں نشانیاں ہیں۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ ایک ہی شیخ کے مریدوں میں مختلف اوصاف کے حامل ہوا کرتے ہیں یہ قلوب کی مختلف

صلاحیتوں کا ثمرہ ہے۔ (تربیت کرنیوالا ایک ہوتا ہے)

(۳۱۸) اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔

الآیۃ (الرعد آیت ۱۱)

ترجمہ:- بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود میں تبدیلی نہیں کر لیتے۔

تفسیر:- آیت میں اللہ تعالیٰ اپنا قانونِ تکوینی بیان کر رہے ہیں کہ وہ کسی قوم پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے وہ تو سراپا عدل و انصاف ہیں لیکن جب کوئی قوم مسلسل نافرمانیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر اُسکا قانونِ عام اُنکی اچھی حالت کو بُری حالت میں تبدیل کر دیتا ہے یہ تبدیلی دراصل قوم کی بداعمالیوں ہی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

سلوک:- علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ کا یہ فیصلہ ہر خاص و عام کے لئے ہوا کرتا ہے، ہر شخص خود اپنی اصلاح کی فکر کرے دوسروں کی فکر میں خود کو بھول جانا سب کی تباہی کا باعث ہو جاتا ہے۔

(۳۱۹) لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَہُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْہِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاہُ وَمَا ھُوَ بِبَالِغِہٖ۔ الآیۃ (الرعد آیت ۱۴)

ترجمہ:- سچا پکارنا اللہ ہی کے لئے خاص ہے اور اللہ کے سوا جن جن کو یہ لوگ پکار رہے ہیں وہ اُنکی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اُس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہوتا ہے تاکہ پانی اُس کے منہ تک آجائے اور وہ پانی اُسکے منہ تک ازخود آنے والا نہیں۔

تفسیر:۔ یعنی دُعاو پُکار صرف اللہ ہی کے حضور میں ہو سکتی ہے، سننے اور قبول کرنے کی قوت صرف اللہ ہی کے پاس ہے اسکے علاوہ کسی اور سے دُعا مانگنا حماقت اور بے عقلی کی بات ہے۔

اللہ کو چھوڑکر کسی بھی ذات سے دُعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ پیاسا انسان پانی کے آگے اپنے دونوں ہاتھ دراز کرے اور خوشامد کرے کہ وہ پانی از خود اُڑکر اس کے منہ میں آجائے، اگر وہ ساری زندگی بھی اس طرح مانگتا رہے تو ایک قطرہ بھی اسکے منھ میں نہیں آئے گا۔

اسی طرح اللہ کے سوا کسی انسان، ولی، جن، فرشتہ، دیوی دیوتا سے مانگنا دریا سے پانی طلب کرنے کے برابر ہے یہی حال کافروں کی دعاؤں کا ہے کہ وہ سب رائیگاں جا رہی ہیں۔

سُلوک:۔ غیر اللہ سے استغاثہ و فریاد کرنا بے سود ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ۔

ملحوظہ:۔ یہ شبہ کہ کافروں کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں پھر یہ کہنا کہ اُن کی ساری دُعائیں بے سود ہیں، اس کا جواب علامہ آلوسی بغدادیؒ نے یہ دیا ہے کافروں کی دُعاؤں کا ضائع ہونا آخرت کے لحاظ سے ہے کہ آخرت میں اُنھیں کوئی نعمت و راحت نصیب نہ ہوگی۔

رہی دنیا کی نعمتیں ہوا، پانی، آگ، صحت و دولت، حکومت و اقتدار وغیرہ یہ بلا کسی تفریق مسلم غیر مسلم کو دی جاتی ہیں حتّٰی کہ حیوانات تک کو پوری پوری ملتی ہیں۔

(۳۲۰) اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝ الآیۃ (الرعد آیت ۱۹-۲۰)

ترجمہ:۔ بس نصیحت کو فہم والے ہی قبول کرتے ہیں یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ
سے جو کچھ انھوں نے عہد کیا تھا اُس کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو
توڑتے نہیں۔

تفسیر:۔ اُولُوا الْبَاب، اَلْبَاب، لُبٌّ کی جمع ہے لُب کے معنی خالص عقل اور صحیح عقل ہیں یعنی ایسی عقل جسمیں کھوٹ یا نقص نہ ہو اس کا اُردو ترجمہ عقل کامل کیا جاسکتا ہے۔ ایسی عقل ہر سچائی اور اچھائی کو قبول کر لیتی ہے۔ اسلام و ایمان کو وہی عقلیں قبول کر لیتی ہیں جو خالص اور کامل ہوں، ٹیڑھی و ترچھی عقلیں تو جانوروں کو بھی نصیب ہیں۔

سلوک:۔ فقہاء نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جو عقلیں آخرت کو قبول کر لیتی ہیں وہی کامل و خالص عقلیں ہیں اگرچہ ایسا شخص دنیاوی امور سے کم واقف ہو۔

(۳۶۱) اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ الآیۃ (الرعد آیت ۲۸)

ترجمہ:۔ خوب سمجھ لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

تفسیر:۔ ذکر اللہ سے اللہ اور رسول کی اطاعت مُراد ہے اسی ذکر اللہ میں ذکرِ لسانی (زبان سے اللہ کو یاد کرنا) بھی شامل ہے، ذکر الٰہی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا جسکی وجہ سے انتشار و تشویش کا موقع نہیں ملتا، اسی یکسوئی و یکطرفی کی وجہ سے قلب کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے، اور زندگی پرسکون اور راحت افزا ہو جاتی ہے۔

ذکر الٰہی کے آثار میں ایک اثر یہ بھی ہے کہ اس سے اللہ کی خشیت نصیب ہوتی ہے جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

سلوک:۔ تفسیر روح المعانی کے مفسر نے اطمینان کی یہ وجہ بیان کی ہے

کہ ذکرِ الٰہی سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے جس سے پریشانی و وحشت دور ہوجاتی ہے جہاں روشنی ہوگی وہاں سے تاریکی از خود دور ہوجائیگی۔

(۲۲۲) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ الآیۃ (الرعد آیت ۳۸)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اے نبی آپؐ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ہم نے انھیں بیویاں اور بچے بھی دیئے ہیں۔

تفسیر:۔ بیوی بچوں کو دنیا کا جنجال سمجھنا جیسا کہ جاہلی مذاہب میں خیال کیا جاتا ہے، اسلام اس نظریہ کا سراسر مخالف ہے، دنیا میں رہکر دنیا سے علیٰحدہ اور بیزار ہونے کا یہ مطلب ہوا کہ آپ کو یہ دنیا پسند نہیں ہے تو پھر اس زمین پر دوسری دنیا اور کونسی ہے جہاں آپ اطمینان کا سانس لیں گے؟

زمین کے اندر یا پہاڑوں میں چلے جائیں تو یہ بھی دنیا ہی کا حصہ ہیں تو پھر ایسا خیال جہالت یا حماقت نہیں تو اور کیا ہے، اسلام نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے اسی دنیا سے آخرت کی دائمی ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے لہٰذا دنیا نہ جنجال ہے نہ مصیبت و عذاب۔

بیوی بچے آخرت کی دعوت دینے والے مقدس انسانوں (رسولوں) کو بھی ملے ہیں اور اسی میں انھوں نے اپنی زندگی بسر بھی کی ہے۔

سلوک:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کاملین عارفین کو دنیا کے تعلقات اور مال و دولت نقصاندہ نہیں ہوتے اور نہ کثرتِ مال و اولاد ولایت کے منافی ہیں۔

حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مذکورہ آیت میں بڑی عبرت و بصیرت کا سبق ہمارے زمانے کے مجرد، تارک الدنیا مشائخ و اہلِ خانقاہ

کیلئے ہے جنھوں نے شادی بیاہ، لین دین، بال بچوں کو کمالاتِ ولایت اور روحانیت کے خلاف سمجھا ہے۔

(۳۲۳) وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ الآیۃ (الرعد آیت ۳۸)

ترجمہ:- اور کسی رسول کے بس میں نہیں کہ ایک آیت بھی اللہ کے حکم کے بغیر لائے۔

تفسیر:- عربی زبان میں آیت کے دو معنی آتے ہیں ایک یہ کہ قرآنی آیت یا حکم، دوسرے یہ کہ معجزہ یا نشانی۔

مذکورہ آیت میں آیۃ سے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں یعنی کوئی رسول اپنی مرضی سے نہ کوئی آسمانی حکم لا سکتا ہے اور نہ کوئی معجزہ یا نشانی پیش کر سکتا ہے۔

آسمان سے جو بھی حکم یا معجزہ نازل ہوتا ہے وہ اللہ کی مرضی اور ارادے سے نازل ہوتا ہے اس میں رسول یا نبی کے ارادے اور اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسولوں سے خوارق یا معجزات کا طلب کرنا درست نہیں تو پھر اولیاء اللہ کے بارے میں کرامات کا طلب کرنا کیونکر درست ہوگا؟ جب معجزات کا رسولوں کو اختیار نہیں تو اولیاء اللہ کو کرامات کا کیونکر اختیار ہوگا؟

سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳

(۳۲۴) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۴)

ترجمہ :- اور ہم نے تمام رسولوں کو اُن ہی کی قوم کی زبان میں رسول بنا کر بھیجا تاکہ وہ اُن لوگوں پر احکامات کھول کر بیان کریں۔

تفسیر :- طبعی طور پر ہر رسول کے پہلے مخاطب اُن کے اپنے قومی لوگ ہوتے ہیں اس لئے اُسی قومی زبان میں وحی بھیجی جاتی ہے تاکہ احکاماتِ الٰہیہ کے سمجھنے سمجھانے میں سہولت رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قوم میں مبعوث کیا گیا اُسکی قومی زبان عربی تھی اس لئے آپ کے اوّلین مخاطب اہل عرب تھے اور قرآن حکیم بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے آیت سے استنباط کیا کہ شیخ کے خلفاء وہی ہوا کرتے ہیں جن کو اُس سے خصوصی مناسبت ہو اور یہی خلفاء بھی اُس کے اوّل مخاطب ہوتے ہیں۔

(۳۲۵) اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۵)

ترجمہ :- (اے موسیٰ) اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آؤ اور انھیں زمانے کے واقعات یاد دلاؤ۔

تفسیر :- یہ ہدایت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی کہ غفلت و معصیت

سے نکال کر طاعت و عبادت کی ترغیب دی جائے اور انھیں عبرت خیزی کیلئے گزشتہ اقوام کے واقعات سنائے جائیں جنھیں بغاوت وسرکشی کی پاداش میں سیاہ دن دیکھنے پڑے تھے۔

سلوک :۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اگرچہ ظلمت سے روشنی کی طرف لانا اللہ کا فعل ہے لیکن اس عمل کو سیدنا موسٰی علیہ السلام کی جانب منسوب کیا گیا۔

اسمیں اشارہ ہے اس بات کا کہ مرید کی تکمیل میں شیخ کا عظیم دخل ہوا کرتا ہے۔

(۳۲۶) وَفِي ذٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ الآیۃ (ابراہیم آیت ۶)

ترجمہ :- اور اس معاملہ میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑا امتحان تھا۔

تفسیر :۔ فرعون اور فرعونیوں کے ظلم وستم سے بنی اسرائیل (قوم موسٰی) ایک عظیم آزمائش میں مبتلا تھی پھر اللہ نے انپر کرم فرمایا اور فرعون وآل فرعون کو غرق دریا کر دیا اس طرح بنی اسرائیل پر اللہ کا بڑا فضل ہوا۔

بلآء کے عربی معنٰی آزمائش کے ہیں یہ آزمائش چاہے مصیبت میں ہو یا راحت میں دونوں میں انسان کے صبر وشکر کی آزمائش ہوتی ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے مومن کے لئے مصیبت وتکلیف بھی تربیت نفس کیلئے ہوا کرتی ہے۔

وَبَلَوْنٰهُم بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

الآیۃ (اعراف آیت ۱۶۸)

ترجمہ :۔ اور ہم ان کو خوشحالیوں (صحت ودولت) اور بدحالیوں (بیماری وتنگدستی) سے آزماتے رہے تاکہ کفر وشرک سے باز آجائیں۔

(۳۲۷) جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۹)

ترجمہ:- اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کُھلی نشانیاں لیکر آئے مگر ان لوگوں نے اپنے ہاتھ انکے منھ پر رکھدیئے اور کہا کہ تم جو دعوت توحید لیکر آئے ہو ہم نے اُسکا انکار کر دیا ہے۔

تفسیر:- آیت میں اُن قوموں کی شدّتِ عناد و جہالت کا ذکر ہے جو اپنے مخلص پیغمبروں کی بات تو کیا تسلیم کرتے انھیں بولنے کی بھی اجازت نہ دی اور اُن کے منھ پر ہاتھ رکھدیا۔

منھ پر ہاتھ رکھنے کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ بولنے اور کلام کرنیکی اجازت نہ دی جائے یا پھر حقیقتاً منہ پر ہاتھ رکھدیا تاکہ کلام ہی نہ کر سکیں، دونوں معنیٰ مراد ہو سکتے ہیں۔

سلوک:- حکیم الامّت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کفر اور انکار کے علاوہ سوءِ ادب بھی ایک مستقل گستاخی و جُرم ہے کہ کسی خیر خواہ کے منہ پر ہاتھ رکھدیا جائے، اہلِ طریق سوءِ ادبی کی سخت ممانعت کرتے ہیں۔

(۳۲۸) وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۲۲)

ترجمہ:- اور میرا تم پر کچھ زور تو تھا نہیں البتہ میں نے تمہیں بُلایا اور تم نے میرا کہا مان لیا لہٰذا تم مجھ پر ملامت نہ کرو، ملامت اپنے آپ پر کر لو۔

تفسیر:- اسلام میں یہ عقیدہ بالکل واضح ہے کہ شیطان ابلیس کو کسی انسان کے گمراہ کرنے کی طاقت نہیں دی گئی انسان گمراہ ہوتا ہے تو اپنے عمل و ارادے سے یا ہدایت یافتہ ہوتا ہے تو اپنے عمل و ارادے سے، شیطان ابلیس کو صرف ترغیبات

دینے کا اختیار دیا گیا ہے وہ رنگ برنگ کی ترغیبات دے کر گناہ کے قریب کر دیتا ہے وبس۔

آیت میں ابلیس کی زبان سے اسی حقیقت کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ جو بے تکلف کہدیتے ہیں کہ کیا کروں کم بخت شیطان نے گناہ کروا ہی دیا ورنہ میرا ارادہ ہرگز ایسا نہ تھا (ایسا کہنا خود فریبی) ہے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان ابلیس کا سوائے وسوسہ اندازی اور کوئی زور نہیں۔

(۳۲۹) وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۳۵)

ترجمہ :۔ اور مجھکو اور میری اولاد کو دور رکھئے کہ ہم بت پرستی کریں۔

تفسیر :۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے جب بیت اللہ آباد ہو گیا آپ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے حضور رب میں دعا کر رہے ہیں کہ اب بیت اللہ تعمیر ہو گیا ہے پھر اسمیں کبھی بھی بت پرستی نہ ہو۔

سلوک :۔ حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ دعا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام بھی شیطان اور شیطانی وسوسوں سے بے خوف نہیں ایں جہاں وہ اپنی اولاد کے لئے شیطان سے پناہ طلب کر رہے ہیں وہاں پہلے خود اپنی ذات کے لئے بھی پناہ طلبی کرتے ہیں۔ اسکے بعد پھر ان لوگوں کا کیا ذکر ہے جو ہر وقت نفس و شیطان کے پھندوں میں پھنسے رہتے ہیں، حکیم الامت رح نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی کو بھی اپنے حال و کمال پر ناز نہ کرنا چاہئے۔

(۳۳۰) رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۳۷)

ترجمہ :۔ اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو آپکے محترم گھر کے قریب ایک بے آب و دانہ وادی میں آباد کر دیا ہے تاکہ اے رب وہ نمازوں کو قائم کریں۔

تفسیر: کعبہ معظم اس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اسکی جگہ معروف اور سبکی نگاہوں میں محترم و متبرک تھی اس دُعا کے وقت اسکا محل وقوع ویران ریگستانی علاقہ تھا دور دور تک پانی اور انسانی آبادی کا نام و نشان نہ تھا وحی الٰہی کی ہدایت پر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے اس قدیم گھر کو آباد کرنے کیلئے اپنی بیوی سیّدہ ہاجرہ اور شیرخوار بچہ سیّدنا اسمٰعیلؑ کو یہاں چھوڑ دیا اور خود منصب رسالت کی تکمیل کیلئے اپنے ملک عراق واپس چلے گئے۔ یہ سب وحی الٰہی کی ہدایات پر تھا۔

سلوک: بعض متشدد صوفیوں نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل سے استدلال کیا کہ اپنے بیوی بچوں کو عبادت و ریاضت کیلئے اللہ پر توکل کر کے ایسی جگہ رکھنا جہاں کھانے پینے کا ساز و سامان نہ ہو جائز ہے۔ لیکن یہ استدلال سراسر غلط و باطل ہے کیونکہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے وحی الٰہی کی ہدایت پر یہ عمل کیا تھا اپنی طرف سے نہیں لہٰذا اُس کی نقل کرنا صحیح نہیں۔

(۳۳۱) فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ (ابراہیم آیت ۳۷)

ترجمہ: سو کچھ لوگوں کے قلوب انکی جانب مائل کر دیجئے اور انھیں کھانے کیلئے پھل دیجئے تاکہ یہ شکر گزار رہیں۔

تفسیر: سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیوی بچے کو خانہ کعبہ کے قریب آباد کر کے مذکورہ دعا کی اور اپنے منصب رسالت کی ادائیگی کیلئے ملک عراق واپس ہو گئے۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ اپنے اہل و عیال کیلئے مال و جاہ کا طلب کرنا بُرا نہیں (بلکہ سنّتِ ابراہیمی ہو گی اگر کوئی اپنی اولاد کے لئے مال و دولت اور عزّت و آبرو کی دُعا کرے۔)

سورۃ الحجر پارہ ۱۴

(۳۳۲) ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۳)

ترجمہ:۔ آپ ان کو اپنے حال پر رہنے دیں کروہ کھالیں اور چین اڑالیں اور انہیں خیالی منصوبے غفلت میں ڈالے رکھیں، انھیں عنقریب حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

تفسیر:۔ یعنی جب ان کافروں کو نصیحت کارگر نہیں تو آپ اس غم میں نہ پڑیں ایسا کیوں ہورہا ہے؟ آپ اپنی دعوت و تبلیغ جاری رکھیں البتہ انھیں جانوروں کیطرح کھانے پینے کیلئے چھوڑ دیں تاکہ یہ خوب دل بھر عیش کرلیں اور اپنے مستقبل کیلئے لمبے چوڑے منصوبے بنا لینے دیں پھر موت کا صرف ایک جھٹکا ان کی زندگی کے سارے عیش و لذات کو خواب و خیال بنا دیگا۔

سلوک:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں ایسے شخص کی مذمت ہے جس کو اپنی زندگی کی بڑی فکر شکم پری اور شہوت رانی رہا کرتی ہے۔ (روح المعانی)

(۳۳۳) وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۶)

ترجمہ:۔ اور ان کافروں نے کہا اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا تم مجنون ہو۔

تفسیر:۔ آیت میں قرآن حکیم کو ذکر کہا گیا کیونکہ یہ سراپا ذکر و نصیحت ہے۔
(روح المعانی)

مکۃ المکرمہ کے کافر و مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون و دیوانہ کہنے لگے انکا یہ کہنا جہاں توہین و ذلت کے طور پر تھا وہاں یہ بھی حقیقت تھی کہ آپ کو اپنے منصبِ رسالت کی ادائیگی میں جو بے پناہ انہماک و شغف تھا اس خیر میں ان کم عقلوں کو جنون و دیوانگی نظر آئی۔

واقعہ بھی یہی ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ، کمال کی بات تو یہی ہے کہ دشمن بھی تعریف کریں۔

کافروں کے اس اعتراض میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کی ادائیگی اور اس میں ہمہ تن مشغول ہونیکی شہادت نکل رہی ہے۔ فللہ الحمد

سُلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت میں اشارہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ کے اسرار و حقائق کو سمجھتا نہ ہو اسکو ان کے علوم و معارف پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔

نادان لوگ بزرگوں کے بعض احوال و واقعات پر یہ طنز کرتے ہیں کہ کثرتِ ریاضات و مجاہدات کی وجہ سے ان کے دماغ میں خشکی پیدا ہو گئی ہے، اور یہ ایسی اور ویسی باتیں کرتے ہیں۔

ع چون نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(۳۴۲) لَوْمَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔

الآیۃ (الحجر آیت ۷)

ترجمہ:۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتے۔

تفسیر:۔ مشرکین کے بے ہودہ اعتراضات میں ایک یہ بھی تھا کہ جب تم

نبی و رسول ہو تو اپنی صداقت کیلئے فرشتوں سے ہمیں ملاقات کرا دو؟

قرآن حکیم نے اسکا یہ جواب دیا کہ فرشتے تو نافرمان قوموں پر عذاب ہی لے کر اُترتے ہیں تو پھر ایسی صورت میں تم خود اپنی ہلاکت کی دعوت دے رہے ہو، کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟

سلوک:۔ حکیم الامت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کی صداقت و حقانیت ثابت ہو چکی ہو اس سے معجزات و کرامات کا طلب کرنا ضد و عناد کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۳۳۵) وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۱۴)

ترجمہ:۔ اور اگر ان کے لئے ہم کوئی دروازہ آسمان میں کھول دیں پھر یہ دن بھر اس میں چڑھتے رہیں تب بھی وہ کہدیں گے کہ ہماری آنکھوں پر نظر بندی کر دی گئی ہے۔

تفسیر:۔ کافروں کے ضد و عناد کی یہ انتہائی کیفیت ہے کہ نبی اگر اپنی صداقت کیلئے آسمان کا دروازہ کھلوا دیں اور یہ لوگ اس کے ذریعہ آسمان میں داخل بھی ہو جائیں تب بھی انکا عناد و جہل اطاعت و پیروی کے لئے آمادہ نہ ہوگا پھر آخری وقت یہ کہدیں گے کہ ہم پر نظر بندی یا جادو کر دیا گیا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحمہ اللہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جو لوگ اولیاء اللہ کے منکر ہیں وہ بھی تقریباً ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہیں اولیاء اللہ کی صداقت و کرامت کو شعبدہ بازی یا نظر بندی کہدیتے ہیں۔

نعوذ باللہ ان نکون من الجاہلین۔

(۳۳۶) وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۲۱)

ترجمہ

ترجمہ:۔ اور جو چیز بھی ہمارے یہاں ہے اس کے (خزانوں کے) خزانے ہیں اور ہم اُسے ایک خاص مقدار کے مطابق زمین پر اتارا کرتے ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ کے ہاں کسی چیز کی بھی کمی نہیں اور نہ خرچ کرنے سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے، ہر ہر نعمت کے خزائن ہی خزائن ہیں البتہ اسکا نازل کرنا اللہ کی حکمت و مصلحت کے مطابق ہوا کرتا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اسباب کی فراہمی میں مخلوقات سے صرفِ نظر کرنی چاہیئے (اور ساری نظر خالق اسباب پر رکھنی چاہیئے۔)

(۳۳۷) فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۲۹)

ترجمہ:۔ پھر جب میں اُس (آدم) کو پورا بنا دوں اور اس میں اپنی کچھ رُوح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

تفسیر:۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا یہ تذکرہ ہے جس کی تفصیل قرآن حکیم میں جا بجا آئی ہے آیت میں فرشتوں کو خطاب ہے کہ جب آدم کے جسم میں روح پھونک دی جائے گی اُسوقت کامل انسان بن جائیں گے۔ ایسے وقت فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے آگے تعظیماً جُھک جاؤ چنانچہ تمام فرشتے سجدہ میں گر پڑے۔

آیت میں "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" کے الفاظ ہیں یعنی آدم کے اندر اپنی روح ڈالدونگا۔ اللہ کی رُوح سے اُسکا حکم مراد ہے یا مخلوقات میں روح بھی ایک مستقل مخلوق ہے جو آدم کے جسم میں ڈال دی گئی، جس سے آدم علیہ السلام چلنے پھرنے دیکھنے سُننے بولنے کے قابل ہو گئے۔

رُوح کے بارے میں اکثر اہلِ تحقیق نے کہا ہے کہ وہ ایک لطیف جسم ہے جو انسانی جسم سے وابستہ ہے تاہم لفظ رُوح کی اللہ نے اپنی ذات کی طرف اضافت کی ہے۔ رُوحِیْ (اپنی رُوح) یہ عنوان انسان کی شرافت و منزلت ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے یعنی وہ "خاص" ہے۔

سُلوکؔ :۔ اہلِ سلوک علماء نے "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسی نفخِ روح کا شاید یہ نتیجہ تھا کہ انسان میں خلافتِ الٰہی کی استعداد پیدا ہوگئی اور وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ بن گیا۔

(۲۳۸) نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۴۹-۵۰)

ترجمہ :۔ میرے بندوں کو خبر دیدو کہ میں یقیناً بڑی مغفرت والا رحمت والا ہوں اور یہ بھی کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

تفسیر :۔ اوپر کی آیات میں متقین اور مجرمین کا الگ الگ انجام بیان کیا گیا ہے اس کے بعد ہر دو کو خبردار کیا گیا کہ اللہ کی صفتِ رحمت جہاں بے حد و حساب ہے اسی طرح اس کی صفتِ غضب بھی بڑی شدید ہے۔ بندوں کو چاہئیے کہ اللہ کی صفتِ رحمت سے مایوس نہ ہوں اسی طرح اس کی صفتِ غضب سے بھی بے خوف نہ ہونا چاہئیے۔

سُلوکؔ :۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ آیت کے مضمون سے تربیت و اصلاح کرنیکا طریقہ معلوم ہوتا ہے، مُرید کی تربیت خوف اور رجاء (خوف و امید) دونوں سے کرنی چاہیے، کیونکہ صرف رجاء کی تعلیم سے تعطّل یعنی بے عملی پیدا ہوتی ہے اور صرف خوف کی تعلیم سے مایوسی پیدا ہوجاتی ہے۔ (اس یکطرفہ تعلیم سے تربیت ناقص ہوگی۔)

(۳۳۹) وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۶۵)

ترجمہ:- اور تم میں کوئی بھی پلٹ کر نہ دیکھے۔

تفسیر:- قوم لوط پر جب عذاب آنیکا وقت قریب آیا، اللہ تعالیٰ نے سیدنا لوط علیہ السلام کو ہدایت کی کہ مسلمانوں کو لیکر شہر سے باہر ہو جائیں اور قوم کو یہ بھی تنبیہ کر دیں کہ چلتے وقت پلٹ کر بھی نہ دیکھیں چنانچہ صبح ہونے سے پہلے ظالموں پر ایسا عذاب ٹوٹ پڑا جو گزشتہ کسی قوم کو پیش نہ آیا ہو۔

پورے شہر کو ہواؤں کے دوش پر اُٹھوا کر آسمان کی بلندی سے اوندھا پٹک دیا گیا فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا۔ الآیۃ

تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ مطالعہ کیجئے جو اس رسواکن حادثے کی قرآنی وضاحت ہے۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے اخذ کیا ہے کہ غضب الٰہی کے آثار کو تفریحاً دیکھنا بھی بُرا ہے۔ اسی ضمن میں آثار کفر و شرک کا بھی یہی حکم ہوگا (یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے سفر میں صحابۂ کرام کو ہدایت دی تھی کہ درمیان راہ عذاب شدہ بستیوں پر جب تمہارا گزر ہو تو تیزی سے باہر نکل جاؤ کہیں تمہیں بھی وہ مصیبت نہ لگ جائے جو انھیں پیش آئی تھی)

(۳۴۰) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ۔ الآیۃ (الحجر آیت ۷۵)

ترجمہ:- بیشک اس واقعہ میں کئی ایک نشانیاں ہیں اہل فراست کیلئے۔

تفسیر:- قوم لوط کی بربادی کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد بطور نصیحت و عبرت مذکورہ بات کہی گئی ہے "وسم" اور "توسم" کے معنیٰ دانائی و فراست اور فہم خاص کے ہیں "متوسمین" ایسی عقل والوں کو کہا جاتا ہے جو بعض ظاہری علامات و قرائن دیکھکر اپنی فراست سے کسی پوشیدہ بات کا پتہ لگا لیتے ہیں ایسے لوگ کسی بھی واقعہ

وحادثہ پر یُوں ہی نہیں گزر جاتے جیسے جانور گزر جاتے ہیں بلکہ وہ واقعہ وحادثہ کے عِلل واسباب پر غور کرتے ہیں اور پھر اُس سے عبرت ونصیحت اخذ کر لیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ (الحدیث) (مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ بعض روایات میں بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ کا اضافہ ہے یعنی وہ اللہ کی عطا کردہ توفیق سے دیکھتا ہے۔

بہر حال آیت کا یہ مطلب ہے کہ غور وفکر کرنے کے لئے قوم لوط کے قصّے میں بہت ساری نشانیاں ہیں یہ بستیاں عرب سے ملک شام جانے والے راستے پر اُردن کے علاقہ میں موجود تھیں جس کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں۔

سُلوک: حکیم الامت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت کشفِ حقائق کی اصل ہے کہ مومن کامل کو کبھی کبھی پوشیدہ حقائق کا علم ہوجاتا ہے۔ (جس کو عام زبان میں کشف والہام کہا جاتا ہے۔)

(۳۲۱) وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ۔ الاٰیۃ (الحجر آیت ۸۸)

ترجمہ: اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اُن چیزوں کو نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف کافروں کو برتنے کے لئے دی ہیں۔

تفسیر: یعنی مشرکین، یہود، نصاریٰ اور دوسرے دشمنانِ خدا ورسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا گیا ہے اُسکی طرف آپ نظر بھی نہ کریں کہ اِن غافلوں کو یہ سامانِ زندگی کیوں دیا گیا ہے۔ جس سے ان کی بغاوت وسرکشی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، اگر یہ دولت وراحت مسلمانوں کو ملتی تو یہ لوگ اچھی راہ میں

خرچ کرتے، ایسا خیال ہرگز نہ کیا جائے۔

اللہ نے مسلمانوں کو قرآن عظیم جیسی عظیم نعمت عطا کی ہے، وہ دنیا کی ہر نعمت سے اعلیٰ و ارفع نعمت ہے، روایات میں ہے کہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت بخشی پھر اس نے کسی اور نعمت کو دیکھکر حسرت کی تو اُس نے قرآن عظیم کی قدر نہ جانی۔

(ترجمہ شیخ الہند آیت ۸۸ الحجر)

سُلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے اغیار کی طرف نظر کرنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔

(٣٤٢) وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ.

الآیۃ (الحجر آیت ۹۷)

ترجمہ:۔ اور واقعی ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو (آپکے بارے میں) باتیں کر رہے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوجاتے ہیں سُو آپ اپنے ربّ کی تسبیح کرتے رہیئے اور نماز پڑھنے والوں میں رہیئے۔

تفسیر:۔ بعض مشرکین جہاں آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہاں قرآن حکیم کا بھی مذاق اڑایا کرتے تھے جب کسی سورت کا نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہا کرتے "بقرہ" تو میں لے لونگا "مائدہ" تجھکو دیدونگا اور "عنکبوت" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالہ کر دونگا۔ بعض اسکو شاعری کہتا اور دوسرا قصہ کہانی کہدیا کرتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں سے سخت تکلیف ہوا کرتی تھی اور آپؐ کا سینہ مبارک تنگ ہونے لگتا، اللہ تعالیٰ نے آپکو تسلی دی اور انکی بے ہودہ باتوں پر توجہ نہ کرنے اور اللہ کی تسبیح و تحمید اور نمازوں میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے یہ استنباط کیا کہ رنج و غم کا علاج

توجہ الی اللہ اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جانا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی جب آپکو کوئی بات تشویش میں ڈالدیتی تو آپ نماز پڑھکر سکون حاصل کرتے۔

(۳۴۳) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۔ الآیۃ

(الحجر آیت ۹۹)

ترجمہ:- اور آپ اپنے ربّ کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کے آپکے پاس یقینی بات آجائے۔

تفسیر:- یقینی بات سے مُراد موت ہے یعنی اللہ کی عبادت پر قائم رہیئے یہاں تک کہ اسی حالت پر موت آجائے، عربی لغت کے بڑے بڑے عالموں نے یقین کے معنیٰ موت ہی لکھا ہے یہ اس لئے بھی کہ موت ایک اٹل اور غیر مشکوک یقینی بات ہے۔ لسان العرب، تاج، روح المعانی، ابن کثیر نے اسی معنیٰ پر علماءِ لغت کا اتفاق نقل کیا ہے۔

خود قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت میں یقین کے معنیٰ موت ہی کے آئے ہیں۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ۔ (المدثر)

(جہنم میں کافر چلائیں گے دنیا کی زندگی میں ہم آخرت کے اس دن کا انکار کرتے رہے حتیٰ کہ ہمیں اسی حالت پر یقین (موت) آگئی۔

ایک حدیث میں سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ صحابی کی وفات پر آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔

اَمَّا هُوَ فَقَدْ جَآءَهُ الْيَقِيْنُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ۔

(صحیح بخاری)

عثمان بن مظعونؓ کی موت کی خبر آچکی ہے"۔ یہاں یقین کے معنیٰ آپؐ نے موت ہی کے لئے ہیں۔

سُلوکؒ:۔ حکیمُ الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اُن جاہل صوفیوں کا ردّ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سلوک میں کوئی مرتبہ ایسا بھی آتا ہے جسمیں ولی کو احکامِ شریعت معاف ہوجاتے ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایسا اعتقاد رکھنا کُفر اور بے دینی و جہالت ہے۔ (بلکہ حماقت بھی، اِن نادانوں نے یقین کے معنیٰ اُردو کا یقین (یقینی کیفیت) سمجھا ہے۔)

چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ولاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ۔

سورۃ النحل پارہ ۱۴

(۳۴۴) وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ. الآیۃ (النحل آیت ۶)

ترجمہ:- اور تمہارے لئے ان چوپاؤں (جانوروں) میں رونق بھی ہے جبکہ تم شام کے وقت گھر لاتے ہو اور صبح کے وقت (چرنے) چھوڑ دیتے ہو۔

تفسیر:- مطلب یہ کہ جانوروں میں کوئی شانِ الوہیت نہیں ہے جیسا کہ بعض قدیم قوموں نے جانوروں میں تقدیس سمجھی ہے، حالانکہ یہ سب اللہ کی پیدا کردہ عاجز و بے بس مخلوق ہیں، انسانوں ہی کے نفع اور خدمت کے لئے پیدا کی گئیں، کوئی جانور ہل چلانے کیلئے، کوئی سواری کے لئے، کوئی باربرداری کے لئے، کسی جانور کی کھال سے جوتے، بکس اور دوسرے ضروری سامان خیمے، ڈیرے، پوستین وغیرہ بنائے جاتے ہیں یہ سب چیزیں انسانوں کے نفع اور خدمت کے لئے ہیں نہ کہ اُلٹے انسان کے مخدوم و دیوتا بننے کے قابل؟ جیسا کہ ہندوستان کی مشرک قوموں نے سمجھا ہے۔

سلوک:- اہلِ تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ زینت و جمال کا قصد کرنا جبکہ اسمیں فخر و تکبر نہ ہو جائز ہے۔ البتہ مبتدی کو جس کی ابھی پوری تربیتِ نفس نہ ہوئی ہو شان و شوکت اختیار کرنے سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔

(۳۴۵) لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ. الآیۃ (النحل آیت ۳۰)

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے اِس دُنیا میں بھلائی ہے
اور آخرت کی بھلائی اس سے کہیں بہتر ہے۔

تفسیر:۔ دنیا کی اس بھلائی سے دنیا کی نعمتیں مُراد ہیں، مثلاً مال و دولت، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینان قلب و سکون وغیرہ، نیک زندگی اختیار کرنے سے اس دنیا میں حاصل ہوتے ہیں، اس کے علاوہ آخرت کا اجر و ثواب اور وہاں کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ برتر و اعلیٰ ہیں۔

سُلوک:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ بعض اہل طریق علماء نے لکھا ہے کہ دنیا کے حَسَنہ سے فتح باب مُکاشفات، مشاہدات و الطافِ الٰہیہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

حکیمُ الامتؒ نے لکھا ہے کہ حَسَنہ سے حیات طیّبہ بھی مراد ہو سکتی ہے جس کا ذکر سورۃ النحل کی آیت ۹۷ میں آیا ہے، ایسی زندگی جس میں غم و فکر ہی نہ ہو۔

(۳۲۶) اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ الآیۃ (النحل آیت ۳۲)

ترجمہ:۔ وہ متقین جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک روحیں ہوتی ہیں، فرشتے کہتے جاتے ہیں سلامٌ علیکم تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے سبب سے جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر:۔ دنیا کی زندگی میں جن لوگوں نے آخر وقت تک تقویٰ اختیار کر رکھا تھا وفات کے وقت رُوح لیجانے والے فرشتے آتے ہی پہلے اُنھیں سلام کرینگے اور خوشخبری دیں گے کہ تمھیں من چاہی زندگی ملنے والی ہے جہاں تمہاری ہر تمنّا و ہر خواہش پوری ہو گی، اس کے علاوہ یہ کہکر ان متقین کو اور زیادہ مسرور کیا

جائے گا کہ یہ سب انعام و اکرام تمہاری زندگی کے حسنِ عمل کا ثمرہ ہے جس کو تم نے اختیار کیا تھا۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے فرشتے دنیا کی زندگی میں نبیوں کے علاوہ دیگر انسانوں سے بھی کلام کرتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طاعات کے بعض ثمرات دنیا میں بھی ملتے ہیں جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو موت کے وقت تسلی و بشارت حاصل ہوتی ہے۔

(۳۴۷) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ الآیۃ (النحل آیت ۴۱)

ترجمہ:۔ اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ اُن پر ظلم ہو چکا تھا ہم اُن کو دنیا میں بھی بہت اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا صلہ اس سے کہیں بڑھکر ہے۔

تفسیر:۔ ہجرت (یعنی دینِ اسلام کی خاطر) اپنے وطن، دوستوں، عزیزوں رشتہ داروں اور سب کو چھوڑنا ہر نفس پر بھاری ہی گزرتا ہے لیکن صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر یہ سب کچھ بخوشی قبول کر لیا اور ایک نہیں دو دو مرتبہ ہجرت کی ہیں۔

سلوک:۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ شریعت میں وہی ہجرت قابلِ تعریف ہے جو دینِ الٰہی کی خاطر ہو ورنہ کسی بھی ضرورت کے تحت وطن چھوڑ دینا ہجرت نہیں، انتقال مکانی سمجھا جائیگا۔

حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ گناہوں کو ترک کر دینے والے کو بھی مہاجر کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں تارکِ منہیات کو مہاجر کہا گیا ہے۔

(۳۴۸) وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ. الآیۃ (النحل آیت ۵۳)

ترجمہ:۔ اور تمہارے یہاں جو کچھ بھی نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی اللہ سے فریاد کرتے ہو۔

تفسیر:۔ یہاں اس حقیقت کو دُہرایا جا رہا ہے کہ جس قسم کی بھی نعمت انسان کو حاصل ہوتی ہے اس کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے اور انسان کو خود اسکا احساس ہے کہ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے چنانچہ جب اُس پر نعمت کے بجائے کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے تو وہ بے ساختہ اللہ ہی کو پکارنے لگتا ہے اور پھر جب اچھے دن آ جاتے ہیں تو بھول بھال کر گزشتہ غفلتوں میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت نے لکھا ہے کہ آیت سے ایک مسئلہ تصوف کی اصل نکلتی ہے جسکو "مسئلہ مظہریت" کہا جاتا ہے یعنی اگرچہ بعض نعمتیں اسباب و مخلوقات سے ملتی ہیں تاہم ساری نعمتوں کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کر کے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ نعمتوں کے سارے اسباب و وسائط اللہ ہی کے مظاہر ہیں۔

ملحوظہ:۔ فخر المفسرین امام رازیؒ نے مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے کہ آج مورخہ یکم محرم سنہ ۶۰۲ ہجری کو صبح کے وقت جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا شہر میں اچانک ایک شدید زلزلہ آیا اور لوگ جہاں کہیں جس حالت میں تھے دُعا و آہ و زاری میں مشغول ہو گئے، لیکن جب زلزلہ ختم ہو گیا تو کچھ دیر بعد اسکو بھول بھالکر سابقہ غفلتوں میں پڑ گئے اور اپنے کاروبار حسب معمول جاری کر دیئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

(۳۴۹) وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ. الآیۃ (النحل آیت ۵۸)

ترجمہ:۔ اور جب اُن مشرکین میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری

سُنائی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ مارے غم سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (دل میں) گھٹتا ہی رہتا ہے۔

تفسیر:۔ اولاد کُشی کی بد رسم زمانۂ قدیم میں مشرک اقوام میں بکثرت جاری رہی ہے ملک عرب میں بھی اسکا رواج پڑ گیا تھا۔ اس ظالمانہ عمل کے مختلف اسباب رہے ہیں عام طور پر دو محرکات مشترک ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ خاندان میں لڑکی کا وجود باعث عار سمجھا جاتا تھا کہ یہ جوان ہو کر غیروں کے گھر چلی جاتی ہے دوسری وجہ لڑکی کی پرورش میں خرچ وغیرہ کا اندیشہ سنگدل باپ کو آمادۂ قتل کر دیتا تھا۔ جیسا کہ موجودہ زمانے میں یورپ کی جدید تہذیب "برتھ کنٹرول"، اس دختر کُشی کا نقشِ اوّل ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ اللہ کی کسی بھی نعمت کو معمولی یا حقیر سمجھنا عقل و فہم کی بد ترین سُوجھ بوجھ ہے۔

(۳۵۰) فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۔ الآیۃ (النحل آیت ۷۴)

ترجمہ:۔ سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔ بیشک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔

تفسیر:۔ زمانۂ قدیم میں مشرکین کا یہ عام اعتراض رہا ہے بلکہ آج بھی اُن کی ذرّیت اسکو بار بار دُہرائے جا رہی ہے اور عجیب بات ہے کہ بعض نادان مسلمان بھی اس چکّر میں پڑ گئے ہیں۔

وہ یہ کہ دنیا کے بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی خدمت میں براہِ راست کون عرض و معروض کر سکتا ہے؟ نائبوں، وزیروں، عرضی گزاروں، درمیانی سفارشوں کی ضرورت پڑتی ہے بغیر ان واسطے وسیلوں کے رسائی ممکن نہیں ہوتی تو پھر جو سب

سلاطین کا سلطان اور شہنشاہِ اعظم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اس سے براہِ راست اور بلا واسطہ تعلق پیدا کرنا کیونکر ممکن ہے؟ اس لئے ہم دیوی، دیوتاؤں، مُورت مورتیوں، نیک و خدا رسیدہ بندوں اور غیبی طاقتوں کو اس لئے وسیلہ بناتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات کو حضور ربّ میں پیش کریں اور وہاں سے ہمارے مقاصد منظور کروالیں۔ اس کے باوجود ہم ان واسطے وسیلوں کو خدا یا شریک خدا نہیں سمجھتے۔ اللہ ربّ العالمین کے بارے میں ان نادانوں کا یہ خیال، طفلانہ خیال سے کم نہیں ہے۔

ان نادانوں نے اللہ ربّ العالمین کے معاملات کو دنیا کے بادشاہوں اور امیروں کے معاملات پر قیاس کیا ہے کہ جیسے بادشاہوں کے دربار میں بغیر واسطہ وسیلہ رسائی ممکن نہیں ایسے ہی اللہ کے دربار میں بھی بغیر واسطہ وسیلہ رسائی ممکن نہیں ہے، لہٰذا دعاؤں میں غیبی روحوں کا واسطہ وسیلہ ضروری ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

ایسا سمجھنا دراصل ایک تجارتی فریب و دھوکہ ہے جو روایتی مشائخ نے کم علم مسلمانوں کو دیا ہے، یقیناً دنیا کے بادشاہوں کے پاس پہنچنے کے لئے واسطہ وسیلہ چاہیئے کیونکہ یہ لوگ خود بندے ہیں بندگی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں انھیں اپنے احکام جاری کرنے یا کسی کی مدد کرنے کے لئے واسطے وسیلوں کی ضرورت ہے حتیٰ کہ یہ خود اپنی ضروریات کے لئے اپنے وزیروں، نائبوں کے محتاج ہوتے ہیں بغیر ان کے ان بادشاہوں کا اپنا ذاتی کام بھی پورا نہیں ہوتا اس لئے ان کے یہاں واسطہ وسیلہ ضروری ہے، لیکن اللہ ربّ العالمین جو غنی مطلق، حاکم مطلق قادر مطلق ہے اسکو کسی واسطہ وسیلہ کی کیا ضرورت ہے وہ نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ کسی مدد کی اسکو ضرورت ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے خود بارہا ارشاد فرمایا ہے، مجھ سے مانگو میں تم کو دوں گا جو لوگ مجھ سے مانگنے میں منہ موڑتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ (سورہ بقرہ)

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو ذات رگِ جان سے بھی قریب ہے اسکو چھوڑ کر وفات یافتہ بندوں، غیبی روحوں اور واسطے وسیلوں کے چکر میں پڑنا اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے سے کم نہیں ہے۔

مذکورہ آیت میں اسی مشرکانہ خیال پر کاری ضرب لگائی گئی ہے کہ اللہ بے نیاز وغنی کے لئے ایسی بودی مثالیں نہ دو اسکو کسی واسطے وسیلے کی ضرورت نہیں۔

اللہ کو پکارنا خود بڑا وسیلہ ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

سُلوک: حکیم الامت نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اپنی رائے وقیاس سے کلام کرنا درست نہیں۔ اللہ کی ساری صفات توقیفی ہیں۔ (قیاس وگمان سے ماوراء)۔

(۳۵۱) مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ الآیۃ (النحل آیت ۹۶)

ترجمہ:۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے۔

تفسیر:۔ دنیا کا ساز وسامان پہلے تو ہے ہی کتنا؟ اور جتنا بھی ہے وہ آناً فاناً ختم بھی ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی قومیں، سلطنتیں، بادشاہوں کے کر وفر، تخت وتاج، خزائن وجواہر کے ذخیرے چمک دمک آخر کہاں ہیں؟

اب نہ خود ہیں نہ ہے مکاں باقی
نام کو بھی نہیں نشان باقی

آخرت کا اجر و صلہ پہلے تو بے حد و حساب ہے دوسرے یہ کہ وہ دائم ولازوال بھی ہے۔ موجودہ دنیا کا سب سے بڑا المیہ آخرت فراموشی ہے جس نے انسان کو حقیقی و ابدی زندگی سے یکسر غافل کر دیا ہے جو عقیدہ اساسی حیثیت رکھتا ہے وہی خواب و خیال سمجھ لیا گیا ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

سلوک ﷺ:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جانی چاہیئے۔

(ترجیح کا یہ مطلب ہے کہ جب کسی معاملہ میں دنیا و آخرت میں ٹکراؤ ہو جائے کہ دنیا اختیار کرنے پر آخرت کا تقاضا فوت ہو جاتا ہو یا متاثر ہو جاتا ہو تو ایسے وقت دنیا کے معاملہ کو ترک کر کے آخرت کا تقاضہ پورا کر دینا چاہیئے۔ اسی کو ترجیح آخرت کہا جاتا ہے)۔

(۳۵۲) اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔ الآیۃ (النحل آیت ۹۹)

ترجمہ:۔ یقیناً شیطان کا قابو اُن لوگوں پر ہرگز نہیں ہوتا جو اہل ایمان ہیں اور اللہ پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔

تفسیر:۔ شیطان کو ہرگز یہ قوت حاصل نہیں کہ کسی صاحب ایمان سے بجبر واکراہ گناہ کرا دے، جب تک کہ وہ خود شیطان کا دوست نہ بن جائے یا اُسکے وسوسوں کو اپنے دل میں جگہ نہ دیدے، ایسی صورت میں شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

سلوک ﷺ:۔ حکیم الامت رحؒ نے ایک حدیث نبوی ﷺ نقل کی ہے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اُس کے مقابلے میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوتا ہے۔ (الحدیث)

پھر لکھا ہے کہ اسکا مشاہدہ جب جی چاہے کر لیا جائے۔ اللہ اکبر۔

حکیم الامت رحمہ اللہ کے اس دعویٰ پر سورہ بنی اسرائیل کی آیات نمبر ۶۱ تا ۶۵ مطالعہ کی جائیں۔

(۳۵۳) وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ الآیۃ (النحل آیت ۱۰۶)

ترجمہ:- لیکن جس کا سینہ کفر سے مطمئن ہو جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا۔

تفسیر:- مذکورہ عبارت ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس آیت کو آیت اکراہ کہا جاتا ہے (یعنی جبر و زیادتی کا حکم بیان کرنے والی آیت)۔

پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے مگر اس صورت میں کہ اس پر زبردستی کی جائے اور اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں) لیکن جس کا سینہ کفر سے مطمئن ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور انکے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو زبردستی اس حالت پر تیار کر لیا جائے کہ وہ کفر و شرک کا اقرار کرلے اور اسلام و ایمان کا انکار کر دے تو ایسے شخص کو زبان سے کلمہ کفر کہدینے کی اجازت ہے، ایسا کہنے پر وہ نہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور نہ اس پر کوئی گناہ ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ دل سے اس کفر و شرک کو برا سمجھے۔

سلوک:- حکیم الامت رحمہ اللہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی بھی وسوسہ میں چونکہ دل کا ارادہ شامل نہیں ہوتا وسوسہ آنے پر کوئی گناہ نہیں (البتہ وسوسہ لانا اور اس میں مشغول ہو جانا برا ہے۔)

(۳۵۴) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔ الآیۃ (النحل آیت ۱۰۷)

ترجمہ:۔ یہ سب اس سبب سے ہوا کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا تھا۔

تفسیر:۔ یعنی ایمان لانے کے بعد جو اسلام سے پھر جائے اور اُسکا یہ پھر جانا مال و دولت، عزت وجاہ و دیگر ذاتی اغراض کے تحت تھا تو ایسے لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کا غضب اور دردناک عذاب ہے۔

آیت میں اِسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا کا لفظ ہے جس کے معنیٰ و مفہوم میں عزم وارادہ شامل ہوا کرتا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں نے عمداً وشعوراً دنیا کو آخرت پر ترجیح واہمیت دی اور آخرت کو پس پشت ڈالدیا تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ دنیا کی وہ محبّت بُری ہے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح وفضیلت دیدے، رہی وہ محبّت جو طبعی وفطری ہے وہ محبّت بُری نہیں، تقاضۂ بشریت کے مطابق ہے۔ (ترجیح یا فضیلت دینے کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ جب کسی معاملہ میں دنیا اور آخرت کا ٹکراؤ ہوجائے اور دنیا اختیار کرنے سے آخرت کا نقصان وخسارہ ہوجاتا ہو تو ایسے وقت دنیا کا تقاضہ ترک کرکے آخرت کو محفوظ کرلینا چاہئے ایسے اختیار کو ترجیحِ آخرت کہا جاتا ہے۔ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْم۔

(۳۵۵) فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ۔ الآیۃ (النحل آیت ۱۱۲)

ترجمہ:۔ سو ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی۔

تفسیر:۔ پوری آیت کا یہ ترجمہ ہے، اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ امن واطمینان میں رہا کرتے تھے اُن کے کھانے پینے کا سامان ہر جانب سے بکثرت آیا کرتا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اسپر اللہ نے بھوک و پیاس اور خوف کا عذاب اُنپر مسلّط کردیا۔ (یعنی بستی پر قحط سالی اور

خوف واندیشہ کا ماحول پیدا کر دیا) یہ سب کچھ اُن کے بُرے کرتوتوں کا انجام تھا۔
سُلوک :- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اُن زاہدانِ خشک کی مذمت ہے جو اللہ کی نعمتوں کو حقیر و بے پرواہ کئے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو تارکِ لذات سمجھ بیٹھے ہیں، اور اللہ کا یہ ارشاد نہیں سُنتے وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ الآیۃ جو بھی نعمت تم کو نصیب ہے وہ اللہ ہی کیطرف سے ہے۔
فَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ الآیۃ اللہ نے جو دیا ہے اسکو کھاؤ پیو۔

(۳۵۶) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ۔ الآیۃ (النحل آیت ۱۲۶)

ترجمہ :- اگر تم بدلہ لینا چاہو تو انھیں اتنا ہی دُکھ پہنچاؤ جتنا دُکھ انھوں نے تم کو پہنچایا ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہے۔

تفسیر :- دعوت و تبلیغ کی راہ ہو یا اور کوئی موقعہ ہو اگر تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے اور پھر تم کو انتقام لینے کی قدرت و طاقت حاصل ہو گئی تو ایسے وقت برابر کا بدلہ لیا جا سکتا ہے لیکن معاملہ در گزر کر کے صبر کیا جائے تو یہ صورت بہتر ہی بہتر ہے۔ شریعت اسلامی میں فطری و طبعی تقاضوں کا پاس و لحاظ رکھا گیا ہے انتقام لینے کا وقت بہت نازک ہوا کرتا ہے مظلوم جب قدرت پا لیتا ہے تو جوشِ انتقام میں عموماً آگے بڑھ جاتا ہے اسطرح خود ظالموں کی صفوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس اشتعال کے وقت اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی بارہا تاکید کی ہے اور انتقام کو حدود میں رکھنے کا خاص حکم دیا ہے۔
سُلوک :- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ شریعت نے عام فطرتِ بشری کا لحاظ کر کے انتقام لینا جائز قرار دیا ہے اس تقاضہ کو سلوک کی اصطلاح میں "مقامِ رخصت"

کہا جاتا ہے۔ (یعنی اجازت)۔

لیکن ایسے وقت صبر کرکے عفو و درگزر کرنا "مقام عزیمت" کہلاتا ہے (یعنی بلند ظرفی حوصلہ مندی)۔

فقہاء کرام نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ قصاص لینے سے بڑھکر معاف و درگزر کرنا افضل ہے۔ (جصّاص)

(۳۵۷) وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ الآیۃ (النحل آیت ۱۲۷)

ترجمہ:۔ اور آپ صبر کرتے رہیئے اور آپ کا صبر کرنا تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

تفسیر:۔ کسی بھی زیادتی کو معاف و درگزر کرنا اُونچے ظرف کی علامت ہے، طاقت و قدرت نہ ہونے پر تو آدمی درگزر کردیتا ہے یہ کوئی خوبی یا کمال کی بات نہیں ایسا کرنے پر انسان خود مجبور ہے لیکن قدرت و طاقت ہونے کے باوجود چشم پوشی کرلینا اُونچے لوگوں کا کام ہوا کرتا ہے۔

سارے انبیاء کرام کی بیشتر کہ سیرت رہی ہے کہ انھوں نے ذاتی اغراض کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ توفیق الٰہی کے بغیر کوئی شخص نہ صبر کرسکتا ہے اور نہ کوئی طاعت، آیت میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

ملحوظہ:۔ قرآن حکیم میں ستّر سے زائد مقامات پر صبر کی تعلیم کا تذکرہ ملتا ہے اور اس کی فضیلت کا اعلان آیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو نصف ایمان قرار دیا ہے (الحدیث)

صبر کے لفظی معنیٰ تنگی اور ناگواری کی حالت میں اپنے آپ کو روکے رکھنے کے ہیں، اور شریعت اسلامی میں اس کی تعریف کی گئی کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے

دیا جائے اور شریعت کے خلاف عمل نہ کیا جائے۔
صوفیہ کرام نے صبر کی کئی اقسام لکھی ہیں۔
(۱) اگر بطن و شرمگاہ کی ناجائز خواہشات کے مقابلہ میں صبر کیا جائے تو اس کا نام "عِفّت" قرار پاتا ہے۔
(۲) اگر دولت و ثروت کی فراوانی میں صبر کیا جائے، یعنی بخل و تکبر سے پرہیز کیا جائے تو اسکا نام "ضبطِ نفس" ہوتا ہے۔
(۳) اگر میدانِ جنگ اور اسی قسم کے خطرناک حالات پر صبر کیا جائے تو اس کا نام "شجاعت" ہوگا۔
(۴) اگر غیظ و غضب کے مواقع پر صبر کیا جائے تو اس کا نام "حلم" ہے۔
(۵) اگر حوادث زمانہ پر صبر کیا جائے تو اس کا نام "وسعت صدر" (کشادہ دلی حوصلہ مندی) ہوگا۔
(۶) اگر دوسروں کے پوشیدہ عیوب پر صبر کیا جائے یعنی ان کو ظاہر نہ کیا جائے تو اس کا نام "شرافت" قرار پاتا ہے۔
(۷) اگر بقدرِ ضرورت معیشت پر صبر کیا جائے (یعنی جو مل جائے اسی پر راضی رہنا اور افسوس نہ کرنا) اس کو "قناعت" کہا جاتا ہے۔
(۸) اگر لذائذ اور عیش پسندی کے مقابلے میں صبر ہو تو اسکا نام "زہد" ہوگا۔
(۹) اگر گناہ و معصیت و نافرمانی پر صبر کیا جائے (یعنی احتیاط کی جائے) تو اسکا نام "تقویٰ" ہوگا۔
(۱۰) اگر مصیبتوں پر صبر کیا جائے تو اسکا نام "صبر" ہی ہے۔
تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

(ہدایت کے چراغ جلد ۱ صـ ۳۵۴)

(۳۵۸) اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

الآیۃ (النحل آیت ۱۲۸)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں اور اُن لوگوں کے ساتھ جو حُسنِ سلوک کرتے ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ کی معیت تو ہر مخلوق کے ساتھ ہے کوئی مخلوق اُس کے علم و نظر سے غائب نہیں لیکن تقویٰ اختیار کرنے والوں اور حُسن سلوک کرنے والوں کے ساتھ اسکی معیت کا اعلان دراصل اللہ کی خصوصی تائید و نُصرت کا اعلان ہے، یہ آیت اس بارے میں ان لوگوں کے لئے ایک عظیم سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

سُلوک ؒ:۔ حکیمُ الامتؒ لکھتے ہیں کہ محققین عارفین نے مذکورہ آیت سے فن سلوک کا خلاصہ یہی دو اخلاق بیان کئے ہیں، ایک تقویٰ، دوسرے مخلوق الٰہی کے ساتھ حُسنِ سلوک و شفقت۔

بعض صوفیہ نے اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے، حق تعالیٰ کے ساتھ "معاملۂ صدق" اور خَلق کے ساتھ "معاملۂ خُلق" یہی دو باتیں طریقت کی معراج ہے۔

قَالَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ کَمَالُ الطَّرِیْقِ صِدْقٌ مَعَ الْحَقِّ وَخُلُقٌ مَعَ الْخَلْقِ۔ (تفسیر کبیر)

سورۃ بنی اسرآءیل پارہ ۱۵

(۳۵۹) سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا - الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۱)

ترجمہ :- وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک لے گیا جسکے اطراف ہم نے برکتیں نازل کی ہیں۔

تفسیر :- یعنی اللہ کی ذات پاک ہمارے وہم وخیال سے پاک ومنزّہ ہے کہ وہ اپنے رسول ونبی کو رات کے مختصر حصّے میں مکّۃ المکرّمہ سے بیت المقدس ملک شام تک کیونکر لے گیا اور پھر آسمانوں کی سیر کروائی اور صبح ہونے سے پہلے مسجد الحرام مکّۃ المکرمہ لے آیا۔

یہ عجیب وغریب بات ہماری عقلیں ناممکن ومحال سمجھتی ہیں لیکن اللہ کی قدرت ومشیت میں یہ کوئی ادنیٰ مشکل کام نہ تھا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر اور غالب ہے۔

سلوک :- حکیم الامت رحؒ نے آیت سے یہ بات اخذ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ" صفت عبد سے موسوم کیا ہے معلوم ہوا کہ عبودیت اوصافِ رسالت میں اشرف ترین وصف ہے، علاوہ ازیں اس میں تنبیہ بھی ہے کہ آپکے حق میں کوئی غلو نہ کیا جائے (باوجود سبع سمٰوات سے بلند ہونے کہ آپ "عبد" ہی سے موسوم کئے گئے رب یا شریک رب نہیں)۔

ملحوظہ :- قرآن حکیم میں تمام انبیاء کرام کا عبداللہ ورسولہٗ کی صفت سے تعارف کروایا گیا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں عبداللہ کو رسول اللہ پر مقدم کیا

گیا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔
ایک موقع پر آپؐ نے ایک صحابی کو جو کسی عیسائی سے اُلجھ رہے تھے یہ کہکر خاموش کیا، مجھکو اس طرح عیسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو میں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسُول ہوں۔
عبدیّت کاملہ انسانیت کی آخری معراج ہوا کرتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عبدیّت کاملہ، معرفت کاملہ کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالِ معرفت بھی حاصل تھی۔
حکیمُ الامّت رحؒ نے آیت "لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی" سے طیّ الارض (سُرعت سیر) کا امکان ثابت کیا ہے (کہ آناً فاناً منزل مقصود تک پہنچ جانا جیسا کہ بعض اکابر صوفیہ سے منقول ہے)

(۳۶۰) وَلِیَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ کَمَا دَخَلُوْهُ۔ الآیۃ

(بنی اسرائیل آیت ۷)

ترجمہ:۔ اور تاکہ تمہاری عبادت گاہوں میں گھس پڑیں جیسا کہ اس میں (اگلے لوگ) پہلی بار گھس آئے تھے۔

تفسیر:۔ آیت میں قوم موسیٰ (بنی اسرائیل) کے اُن دو حادثات کا ذکر ہے جو سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کے چار سو سال بعد شہر بابل کے مشہور زمانہ ظالم بادشاہ بُخت نصّر مجوسی (المتوفی ۵۶۱ ؁ قبل مسیح) نے ملک شام پر حملہ کرکے بیت المقدّس کو تباہ و تاراج کیا تھا اور ہزاروں یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتارا، سینکڑوں مرد و خواتین کو قیدی بنا کر اور بیت المقدّس کے زر و جواہرات سونا چاندی سینکڑوں گاڑیوں میں بھر بھر کر اپنے شہر بابل لے گیا۔
دوسرا حادثہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانیکے چالیس سال بعد

پیش آیا تھا، روم کے بادشاہ قیصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور شہر اور مسجد الاقصیٰ کو تباہ کیا اور شہر اور اہل شہر کی وہی گت بنائی جو سات سو سال پہلے بابل کے ظالم بادشاہ بخت نصر نے کی تھی وہ بھی ہزاروں مرد و خواتین کو قیدی بنا کر اپنے ملک روم لے آیا، اور بیت المقدس کے قیمتی ذخائر کو ہزاروں گاڑیوں پر لاد کر روم میں اپنے کنیسۃ الذہب میں دفن کر دیا کہا جاتا ہے کہ یہ قیمتی ذخیرے ہیرے جواہرات سونا چاندی جو سینکڑوں من وزنی تھا آج تک اسی کنیسہ میں مدفون ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ قیامت کے قریب جب امام مہدی آئیں گے تو وہ اس ذخیرے کو نکالکر پھر بیت المقدس میں جمع کر دیں گے (الحدیث بطولہ رواہ القرطبی فی تفسیرہ)

حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ یہ دو حادثے جن کا ذکر مذکورہ آیت میں آیا ہے دو شریعتوں کی مخالفت کرنے پر پیش آئے ہیں پہلا حادثہ شریعت موسوی کی مخالفت کرنے پر اور دوسرا شریعت عیسوی کی مخالفت پر۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے مذکورہ آیت سے استنباط کیا کہ شرور و فتن میں تکوینی (دنیاوی) طور پر مصلحتیں ہوا کرتی ہیں۔ (سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۱ بھی اس حقیقت کو بیان کرتی ہے)

(۳۶۱) وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ. الآیۃ

(بنی اسرائیل آیت ۱۱)

ترجمہ :۔ اور انسان برائی کی درخواست بھی (اسی تقاضہ سے) کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست کرتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے۔

تفسیر یعنی اپنے انجام پر غور نہیں کرتا جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے اُن کی تمنا کرنے لگتا ہے، بس لذات اور لطف ہی مطلوب ہوتے

ہیں، حلال و حرام کا ذرا بھی خیال نہیں کرتا جدھر قدم اُٹھا چل پڑا، مُنہ کھولا بس بولنے لگا۔

انسان کی یہ جلد بازی خود اُسکو نقصان پہنچانے والی ہوا کرتی ہے۔

سُلوک :- حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے میں استعجال نہ کرنا چاہیئے۔ (یعنی یہ نہ کہے کہ بارہا دعا کی قبول نہ ہوئی) اسی طرح بعض مدعیانِ تصوف مسلمانوں پر بددعا کر دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ انکی دُعا قبول ہو گئی، گویا خدائی اُن کے قبضہ میں ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ۔

(۳۶۴) وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ الآیۃ

(بنی اسرائیل آیت ۱۶)

ترجمہ :- اور جب ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کر دیں تو اس بستی کے خوشحال لوگوں کو حکم (اختیار) دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تو اُن پر حجت پوری ہو جاتی ہے اُس بستی کو تباہ و غارت کر دیتے ہیں۔

تفسیر :- آیت میں کسی قوم کو ہلاک کرنے کا الٰہی ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف جرائم و نافرمانی پر کسی بھی قوم کو ہلاک نہیں کیا جاتا بلکہ انھیں پہلے فہمائش کی جاتی ہے اور رسول یا اُن کے نائبوں کے ذریعہ اطاعت و فرمانبرداری کے احکام پہنچائے جاتے ہیں خصوصاً قوم کے امراء و رہنماؤں کو جن کی بات قوم میں مانی اور سُنی جاتی ہے آگاہ کیا جاتا ہے لیکن جب اُمراء و خوشحال لوگ خدائی احکام اور اس کے پیغام کو رد کر دیتے ہیں اور غفلت و بھول میں پڑ جاتے ہیں تب تو ساری قوم بھی بے خبر ہو جاتی ہے ایسے وقت اُن لوگوں پر اللہ کی حجت (مہلت) پوری ہو جاتی ہے اور انہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے قدیم زمانے کی قوموں میں اللہ کا یہی قانون نافذ تھا۔

سُلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ اسی طرح جب کسی نافرمان مُرید کا قلب خراب ہوجاتا ہے تو اس پر نفس وشیطان کے لشکر مسلط ہوجاتے ہیں پھر وہ مُرید لذات وشہوات کی اتباع کرکے برباد ہوجاتا ہے۔

(۳۶۳) كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔ الآیۃ (بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۰)

ترجمہ :۔ ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان میں سے بھی اور اُن میں سے بھی آپ کے ربّ کی بخشش سے اور آپ کے ربّ کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔

تفسیر :۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عام قانون بیان کیا ہے کہ نیک وبد، مومن وکافر ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے مدد دیتے رہتے ہیں اللہ کی عام عطا سب پر برابر ہے، آگ پانی، ہوا روشنی، رات دن، سردی گرمی وغیرہ سے جہاں نیک و فرمانبردار انسان مستفید ہو رہے ہیں وہاں فاسق وفاجر بدکار انسان بھی استفادہ کر رہے ہیں اور تاحیات مستفید ہوں گے، اس تقسیم پر اللہ نے کوئی بندش نہیں لگائی ہے، البتہ آخرت کی لازوال نعمتیں صرف اور صرف اہل ایمان ہی کو ملیں گی۔

سُلوک :۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ اگر کسی پر دنیاوی نعمتوں کی فراوانی ہو تو یہ حالت اللہ کے یہاں اس انسان کے مقبول ومحبوب ہونے کی علامت نہیں ہے۔

بعض مدعیان طریقت نہایت فخر سے کہتے ہیں کہ جو شخص بھی ہمارے سلسلے میں آجاتا ہے تو اسکو مال وعہدہ کی ترقی ہوجاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سراسر دھوکہ اور زعم ہے اللہ کے ہاں مقبولیت کی علامت ایمان اور اعمال صالحہ کی کثرت ہے۔

حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ بعض بزرگوں کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ نفع رسانی میں اہل ایمان کی تخصیص نہیں کرتے بلا لحاظ مذہب وملت

خیرخواہی کرتے رہتے ہیں ان کی یہ فراخ دلی اخلاق الٰہیہ سے مستفاد ہے۔

(۳۶۴) وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا. الآیۃ

(بنی اسرائیل آیت ۲۴)

ترجمہ :- اور یہ کہتے رہنا اے میرے ربّ ان (والدین) پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے مجھکو بچپن میں پالا ہے۔

تفسیر :- ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کا ایک اہم فریضہ ہے، تہذیب فرنگی کی طرح نہیں کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے تو اپنی بیوی کے ساتھ اپنا الگ گھر بار کرلے اور بوڑھے وضرورت مند ماں باپ کو بیت المعذورین میں داخل کر دے اور خود عیش کرتا پھرے۔

دنیا کی بعض مہذب قومیں ایسی بھی گزری ہیں جن کے یہاں دستور تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر معذور ہو جائیں اور قوم پر بوجھ سا بن جائیں تو اُن کی سعادت مند اولاد انھیں دور دراز علاقہ کے کسی سنسان جنگل میں چھوڑ آتی تھی کہ وہیں پڑے پڑے مرجائیں یا جنگل کے کسی درندے کی غذا بن جائیں، عید یا کسی خوشی کے موقعہ پر انکی خبر لے لیا کرتے تھے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اپنے شیخ و استاذ کے لئے بھی دعا کرنا مستحب ہے (جیسا کہ شیخ اپنے مرید کیلئے دُعا کرتا ہے)۔

(۳۶۵) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا. الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۲۹)

ترجمہ :- اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے اور نہ اسکو بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت زدہ تہی دست ہو کر بیٹھ جائیگا۔

تفسیر :- بے تحاشا خرچ کرنے کا لازمی نتیجہ رنج و افسوس ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا

ہے اسلام نے خرچ کے بارے میں اعتدال واقتصاد اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے نہ اپنی حیثیت سے بڑھکر خرچ کیا جائے اور نہ بالکل ہی کنجوسی اختیار کی جائے محل وموقعہ اور ضرورت پر خرچ کرنا اعتدال کی حد میں آجاتا ہے، حدیث میں ہے کہ جس نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی محتاج نہ ہوا۔ (موضح القرآن)

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ کو اپنے مریدوں کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے یعنی حقائق ومعارف ظاہر کرنے میں بخل نہ کرنا چاہئے اور نہ ایسے اسرار بیان کرنے چاہئیں جنکے وہ متحمل نہ ہوں۔

(۳۶۶) فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ۔

الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۳۳)

ترجمہ:۔ تو ہم نے اس مقتول کے وارث کو اختیار دیا ہے لہٰذا اس کے قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

تفسیر:۔ شریعت اسلامی میں کسی مسلمان کا قتل تین اسباب کے تحت جائز ہوتا ہے۔

(۱) یہ کہ وہ کسی کو قتل کر دے (بلا وجہ)۔ (۲) یا اپنا دین اسلام بدلکر دوسرا دین اختیار کر لے۔ (۳) یا شادی شدہ انسان زنا کرے۔ (بخاری ومسلم)

ان اسباب کے علاوہ کسی نے کسی کو بے گناہ قتل کر دیا تو شریعت اسلامی نے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ حکومت سے رجوع ہو کر خون کا بدلہ لیں، لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے تجاوز نہ کریں مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوا دیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کرلیں یا قاتل کے ناک آنکھ کان ہاتھ پیر کٹوا دیں یہ سب حد سے تجاوز کرنے کی مثالیں ہیں، بس خون کا بدلہ خون لے لیں، یا مال طے کرلیں یا معاف کر دیں۔

شریعت اسلامی کی اس معتدل ومتوازن تعلیم سے دور جدید کی مہذب فرنگی حکومتیں

خالی ہیں ان کا یہ عمل ہے کہ ایک آدمی یا چند آدمی مارے گئے ہوں تو اس کے معاوضہ میں پوری پوری آبادیوں کو آگ لگا کر پھونک دیا جاتا ہے یا بم کے گولے برسا کر ہلاک کردیا جاتا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت میں ضبط نفس کی تعلیم ہے جبکہ اسکو قدرت بھی ہو۔ (علم تصوف میں اسپر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔)

(۳۶۷) وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۵۳)

ترجمہ:۔ اور آپ میرے بندوں سے کہدیں کہ ایسی بات کیا کریں جو بہتر ہو۔

تفسیر:۔ مخالفوں کی ضد وہٹ دھرمی وگستاخی سے تنگ دل ہو کر عام طور پر سختی اور زیادتی اختیار کی جاتی ہے مسلمانوں کو نصیحت کی جارہی ہے کہ ایسے وقت دل آزاری واشتعال انگیزی کا پہلو اختیار کیا جائے کیونکہ اس طرز سے بجائے فائدہ نقصان زیادہ ہی ہوتا ہے۔ جبکہ مقصود فائدہ پہنچانا ہی تھا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت میں اس بات کی تعلیم ہے کہ بحث ومناظرہ، افہام وتفہیم میں نرمی واخلاق اختیار کیا جائے۔ (اور یہ تحمل وضبط نفس کیوجہ سے حاصل ہوتا ہے۔)

(۳۶۸) وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۔ الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۷۴)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ اُن کی طرف کچھ مائل ہونے لگتے۔

تفسیر:۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ بنو ثقیف کے چند سرداروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اگر آپ اسلام کے فلاں فلاں احکام میں ہمارے لئے تخفیف کردیں تو ہم ابھی اسلام قبول کرلیتے ہیں اور آپکی تائید ونصرت

ہیں پوری طرح شریک ہوجائیں گے۔

آپؐ کو اُن کے ایمان لانے کی طمع سے دل میں کچھ ایسا وسوسہ پیدا ہو ہی چلا تھا کہ ان کی بات مان لی جائے اُسی وقت وحی نازل ہوئی اور اُن کے مطالبہ کے خلاف فیصلہ جاری ہوا، آپؐ نے انکے مطالبات کو رد فرمادیا۔

آیت میں لفظ رکون آیا ہے یعنی ادنیٰ جُھکاؤ، قلیل توجہ، اللہ تعالیٰ نے اس خفیف سے میلان سے بھی آپؐ کو بچالیا اور اسلام کی بالادستی کو قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا۔

حکیمُ الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے نبی کے لئے عتاب نہیں بلکہ اظہار محبوبیت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ایسے محبوب بندے ہیں کہ رکُون قلیل سے بھی آپکو بچالیا گیا۔

سُلوک:۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تقویٰ کی فطری قوت کسقدر مضبوط اور ناقابل تزلزل تھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حکیمُ الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ وساوس کے دفعیہ کے لئے خود نبی کی قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسروں کو اپنے تقویٰ وطہارت وتقدس پر ناز کرنیکا کوئی حق نہیں ہے۔ (ڈرتے رہنا چاہیئے)۔

(۳۶۹) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ الآية (بنی اسرائیل آیت ۸۲)

ترجمہ:۔ اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔

تفسیر:۔ یعنی جس طرح حق آنے پر باطل مغلوب ہوجاتا ہے اسی طرح قرآن کی آیات جو بتدریج نازل ہوتی ہیں روحانی بیماریاں دُور ہوتی رہتی ہیں دلوں سے

باطل عقائد، بُرے اخلاق، شکوک وشبہات دور ہوتے ہیں پھر اس صفائی کے بعد اچھے اخلاق اور نیک اعمال جاری ہونے لگتے ہیں۔

سُلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے علم تصوف کی دو اہم اصطلاح کی تائید ہوتی ہے۔ تخلیہ، تحلیہ، لفظ شفاءؔ سے تخلیہ اور لفظ رحمۃؔ سے تحلیہؔ کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

تخلیہ :۔ باطل عقائد اور بُرے اعمال وبُرے اخلاق سے نجات کا نام ہے جسکو آیت میں شفاء کہا گیا ہے۔

تحلیہ :۔ اچھے اعمال اور تقویٰ طہارت کا نام ہے جسکو آیت میں رحمۃؔ کہا گیا ہے۔ (رُوح المعانی)

اس طرح قرآن حکیم کی آیات انسانوں کو باطل عقائد اور بُرے اعمال سے بچاکر اچھے عقائد اور نیک اعمال ونیک اخلاق کی تعلیم دیتی ہیں۔

(۲۷۰) وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ ۔ الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۸۵)

ترجمہ :۔ اور آپؐ سے یہ لوگ رُوح کی بابت پوچھتے ہیں آپ کہدیجئے کہ رُوح میرے رب کا امر ہے اور تم لوگوں کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

تفسیر :۔ روح کے بارے میں سوال کرنے والے مدینہ منوّرہ کے چند یہودی تھے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ جن باتوں کے دریافت کرنے کی انھیں ضرورت تھی اسکو تو ان لوگوں نے پس پشت ڈالدیا، غیر ضروری باتیں دریافت کیا کرتے تھے محض تفریح مقصود ہوا کرتی تھی، بہر حال ان کے سوال پر وحی نازل ہوئی اور انھیں یہ جواب دیا گیا کہ روح بھی دیگر مخلوقات کی طرح ایک لطیف مخلوق ہے (جب وہ بدن میں داخل ہوتی ہے تو انسان چلنے پھرنے

بولنے دیکھنے لگتا ہے اور جب وہ نکل جاتی ہے تو یہی چلتا پھرتا جسم مُردہ ہو جاتا ہے)۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اسرار غیر ضروریہ کی طلب وجستجو مذموم ہے (جیسا کہ بعض کم علم سلسلوں میں اسکا چرچا رہا ہے۔)

ملحوظہ:۔ روح کی حقیقت کو اس سے زیادہ نہ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ بیان کیا جا سکتا ہے یہ اس لئے بھی کہ روح عالم غیب کی چیز ہے جس کا عالم دنیا میں ادراک نہیں کیا جا سکتا۔

تاہم اس بارے میں متقدمین علماء نے تفصیلی کلام کیا ہے اور اس سلسلے میں کتابیں بھی لکھی گئیں ہیں، چونکہ یہ مسئلہ اہل علم سے متعلق ہے، اہل علم ہی کے لیے خلاصہ کلام کے طور پر اس کی تفصیل درج کیجاتی ہے۔

اہل علم کے اسمیں دو فریق ہیں۔۔۔

ایک فریق کہتا ہے کہ روح امور ربّ میں سے ایک امر ہے جو غیر محسوس اور عقل وادراک سے بالاتر ہے اسکی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہے، اسکی حقیقت سوائے اللہ علیم وخبیر کے کسی کو معلوم نہیں۔

حضرت سیدنا ابن عباسؓ اور صوفیہ میں جُنید بغدادیؒ کا یہی مسلک ہے۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ قول نقل کر کے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس اخفاء میں یہ راز ہے بندوں کو اپنا عجز وقصور ظاہر ہو جائے کہ جب وہ اپنی حقیقت کے ادراک سے عاجز وقاصر ہیں تو اللہ جل شانہٗ کی حقیقت کو کہاں معلوم کر سکتے ہیں۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ اگرچہ رُوح کی پوری حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی نصوص سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ رُوح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں اسطرح سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح کچی لکڑی میں پانی،

گلاب کی پتیوں میں عرقِ گلاب، زیتون کے پھلوں میں روغنِ زیتون، یا جیسے آگ کوئلے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

یہ تفصیل اس لئے کرنی پڑی کہ آیات اور حدیث میں روح کے لئے توفّی، قبض خروج دخول، اخراج، اخذ، تناول، امساک، ارسال، رجوع وغیرہ جیسے الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔

اور یہ تمام صفات بدن اور جسم کی ہیں لہٰذا روح کا بدن و جسم ہونا ثابت ہوتا ہے خواہ لطیف و خفیف سہی، اس کے علاوہ عالم برزخ میں روح کا چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا بھی منقول ہے یہ بھی جسم و بدن ہی کی صفات ہیں۔

حافظ ابن القیم رحؒ لکھتے ہیں کہ یہ تحقیق کتاب اللہ و سنت رسول اللہؐ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ (شرح العقیدہ جلد ۲ صـ ۲۶)

دوسرا مسئلہ:۔ حدوثِ روح کے بارے میں ہے، کہ کیا روح بھی دیگر مخلوقات کی طرح حادث اور فانی ہے؟

اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے باجماع انبیاء و مرسلین، صحابہ و تابعین علماء ربّانیین کا عقیدہ ہے کہ روح حادث و مخلوق ہے جیسے دیگر مخلوقات ہیں یہ بھی مخلوق و فانی ہے، البتہ وقتِ حدوث میں اختلاف ہے آیا روح جسم سے پہلے پیدا کی گئی ہے یا جسم کے ساتھ روح بھی پیدا ہوتی ہے؟ صحیح قول یہی ہے کہ ارواح، اجسام سے پہلے پیدا کی گئیں ہیں لیکن مدت معلوم نہیں کہ کتنی مدت پہلے پیدا کی گئیں ہیں۔

دارقطنی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ارواح، اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کی گئیں مگر اس روایت کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(شرح العقیدہ جلد ۲ صـ ۴۴)

تیسرا مسئلہ:۔ روح کے ساتھ نفس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ نفس مطمئنہ اور روح کے

الفاظ بھی ایک دوسرے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا روح اور نفس دونوں علیحدہ علیحدہ حقیقت ہیں یا دونوں کا مصداق اور مسمّیٰ ایک ہی ہے صرف صفات کے مختلف ہونے کی بنار پر دو نام ہوگئے؟

پہلا قول جمہور علمار کا ہے کہ نفس اور روح ذاتی طور پر متغائر ہیں، دونوں کا مصداق و مسمّیٰ جدا جدا ہے۔

دوسرا قول بعض اہل علم کا ہے کہ دونوں ایک ہی حقیقت کے نام ہیں، صفات کے تغائر سے دو نام ہوگئے۔

حافظ ابن القیمؒ نے "کتاب الروح" میں اسی دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

چوتھا مسئلہ:۔ روح کی موت کے بارے میں بھی اختلاف ہے کیا روح مرتی ہے یا دائمی و باقی ہے؟

علمار راسخین کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ روح بھی مرتی ہے اور موت کا مزہ چکھتی ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ الآیۃ۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ الآیۃ۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ۔ الآیۃ۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ۔ الآیۃ۔

علمار کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ ارواح پر موت طاری نہیں ہوتی بلکہ وہ دوام و بقار کے لئے پیدا کی گئیں ہیں (جیسے جنت و جہنم اور انکے نعمار و عذاب وغیرہ) البتہ جسم و بدن مرتا ہے۔

محققین کا فیصلہ ہے کہ روح مرتی ہے مگر موت کے وہ معنیٰ نہیں کہ روح معدوم و فنا ہو جائے بلکہ موت سے مراد یہ ہے کہ روح جسم سے مفارقت اختیار کرلیتی ہے بس اسی کا نام موت ہے۔

تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اجسام کے مرنے کے بعد ارواح باقی رہتی ہیں کوئی ثواب میں کوئی عذاب میں، یہاں تک کہ جب قیامت قائم ہوگی تو

ارواح کو ابدان کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور اسی پر جنت وجہنم کے فیصلے ہونگے۔

جسم اور رُوح کا مناظرہ:-

سیّدنا ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ قیامت کے دن ایک موقع پر روح اور جسم کا جھگڑا ہوگا، روح جسم سے کہیگی دنیا میں جو کچھ بھی گناہ کیا تھا تونے کیا جسم روح کو جواب دیگا میں نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ تیرے حکم اور ترغیب پر کیا ہے اگر تو نہ ہوتی تو میں ذراسی حرکت بھی نہیں کرسکتا تھا میں تو صرف گوشت کا ایک لوتھڑا تھا اللہ تعالیٰ فیصلہ کے لئے ایک فرشتہ نازل کریں گے وہ فرشتہ اُن کے درمیان اس طرح فیصلہ کریگا کہ تم دونوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی لنگڑا ہے مگر بینا ہے آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسرا شخص نابینا ہے مگر تندرست چلنے پھرنے پر قادر ہے یہ دونوں دوست ایک باغ میں گئے، باغ کے پھل پھول دیکھکر لنگڑے بینا نے اپنے نابینا تندرست دوست سے کہا بھائی میں اس باغ میں قسم قسم کے پھل پھول دیکھ رہا ہوں مگر لنگڑا ہونے کی وجہ سے پھلوں تک پہنچ نہیں سکتا آخر میں کس طرح یہ پھل حاصل کروں؟

نابینا تندرست دوست نے کہا کیا مشکل ہے تو مجھ پر سوار ہوجا اور قریب ہوکر پھل توڑ لے، چنانچہ وہ لنگڑا دوست اپنے نابینا دوست پر سوار ہوکر درختوں کے قریب آیا اور دل بھر کر پھل توڑ لئے۔

یہ مثال بیان کرکے اُس فرشتے نے جسم اور رُوح سے کہا بتاؤ ان میں کس نے حد سے تجاوز کیا اور چوری کا مرتکب ہوا؟ جسم اور رُوح دونوں نے کہا اس عمل میں دونوں مُجرم وقصوروار ہیں۔

فرشتے نے جسم اور رُوح سے کہا پھر تو تم نے خود اپنے اوپر فیصلہ کرلیا ہے کہ کون مُجرم ہیں، یعنی جسم روح کے لئے بمنزلہ سواری ہے۔ (اخرجہ ابن مندہ عن ابن عباس رضؓ واخرجہ الدار قطنی عن انس رضؓ)۔

ایک روایت میں مزید یہ اضافہ بھی ہے کہ جسم رُوح سے یہ کہیگا میں تو کھجور کے تنے کی طرح ایک لکڑی تھا، نہ ہاتھ ہلا سکتا تھا نہ پیر، رُوح کہیگی میں تو ایک ہوا کی طرح تھی اے جسم اگر تو نہ ہوتا تو میں کچھ نہ کرسکتی تھی۔ الخ

- (ماخوذ تفسیر فتح الغفور، مولانا محمد ادریس صاحب شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند، و جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان۔)

(۳۷۱) وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ. الآیۃ

(بنی اسرائیل آیت ۸۶)

ترجمہ:- اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کرلیں۔

تفسیر:- جن کافروں نے آپ پر الزام لگایا تھا کہ یہ قرآن آپ خود اپنے دل سے گھڑ لیتے ہیں پھر عوام میں مشہور کردیتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اس بے ہودہ بکواس کی مذکورہ آیت میں تردید کی جارہی ہے کہ اگر یہ ایسا ہی ہوتا تو اللہ جب چاہے اسکو اپنے رسول کے دل سے غائب کردیتا اور رسول کی رسالت بھی خطرے میں پڑجاتی، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ رحمت آپ پر برابر قائم رہی۔

سُلوک:- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ اسی طرح اہل نسبت کو سلب نسبت سے ڈرتے رہنا چاہیئے، کیونکہ مخلوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باعظمت اور کون ہے؟ جب آپ سے یہ خطاب ہے تو دوسرا کس شمار میں؟

(۳۷۲) وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا. الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۹۰ تا ۹۳)

ترجمہ:- اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے زمین میں چشمہ جاری نہ کردو یا خود آپکے لئے ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا پیدا نہ ہوجائے پھر اس کے درمیان میں جگہ جگہ نہریں جاری

کردیں یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو۔ جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو یا تم اللہ اور فرشتوں ہی کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دو یا پھر تمہارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور پھر ہم تمہارے آسمان پر چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم وہاں سے ہمارے لئے ایک مکتوب نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں؟ اے نبی آپ کہہ دیں کہ پاک ہے اللہ (ہر ضعف و عیب سے) میں بجز ایک آدمی (اور یا) رسول کے اور کیا ہوں؟

تفسیر: رنگ برنگ کے یہ مطالبات کرنے والے مکۃ المکرمہ کے مشرکین تھے، اُردو کی کہاوت ہے، کھسیانی بلی کھمبا نوچے، قرآنی اعجاز و بلاغت، اخلاق نبوت، نبی کی ذاتی سیرت کو چھوڑ کر ایسے واہیات مطالبات کرنا خود اپنی شکست نہیں تو اور کیا ہے؟

نبیوں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں تھا زمانہ قدیم میں ہر دور کے مشرکین اپنے زمانے کے رسولوں داعیان حق سے کچھ اسی قسم کے مطالبات کرتے رہے ہیں علاوہ ازیں ایسا مطالبہ خود مشرکانہ مذاق کے عین مطابق بھی ہے اور آج بھی ان کی بقیہ ذریت اپنے وقت کے داعیان حق سے برابر ایسی من چاہی فرمائشات کرتی رہی ہیں گویا ان روشن خیالوں کے یہاں نبوت کا کام انجام دینے والے نعوذ باللہ اعلیٰ درجے کے بازیگر یا شعبدہ باز ہیں۔ نعوذ باللہ العظیم اللھم اھدنا و سددنا۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی بھی اہل حق سے خوارق (کرامات) کا طلب کرنا بُرا مطالبہ ہے، علاوہ ازیں مشرکین کے اس واہی تباہی مطالبہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا۔ الآیۃ (میں تو کچھ نہیں مگر آدمی ہوں پیغمبر ہوں) دلالت کرتا ہے کہ مقبولین بارگاہ کو یہ قدرت نہیں کہ جو کچھ بھی اُن سے درخواست کی جائے اسکو وہ پورا کر دیں۔

(۳۷۳) قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔ الآیۃ۔

(بنی اسرائیل آیت ۹۵)

ترجمہ:۔ ان مشرکین سے آپ کہدیں کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے بستے ہوتے تو ہم اُن پر آسمان سے کسی فرشتے کو بطور رسول اُتار دیتے۔

تفسیر:۔ مشرکین کے اُن بے ہودہ مطالبات میں ایک یہ بھی تھا کہ نبی ورسول کو فرشتہ ہونا چاہیئے جبکہ آپ خود اپنے آپکو بشر کہہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب مذکورہ آیت میں دیا ہے کہ اگر زمین کی آبادی فرشتوں کی ہوتی ان کا رسول بھی فرشتہ ہوتا، اور فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل کرتے ہر جنس اپنی جنس کی ہدایت ورہنمائی قبول کرتی ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ معلّم اور متعلّم میں طبعی مناسبت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلوک میں شیخ و مُرید میں مناسبت و موافقتِ مزاج کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ (مناسبت کے بغیر افادہ و استفادہ ممکن نہیں ہوتا)

(۳۷۴) قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ۔ الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۰)

ترجمہ:۔ آپ کہدیں کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو ضرور تم اس کے خرچ ہوجانے کے اندیشے سے ہاتھ روک لیتے، انسان ہے ہی بڑا تنگ دل۔

تفسیر:۔ انسان کے بخل و تنگ دلی کا ذکر ہے کہ اگر انسان ربّ العالمین کی رحمتوں کے ذخیروں کا مالک ہوتا اور اُسکی تقسیم اسکے اختیار تمیز میں ہوتی تو ان نعمتوں کی تقسیم میں اسے ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا کہ یہ کہیں ختم نہ ہوجائیں، کیونکہ انسان حرص و بخل کا پُتلا ہے۔

سلوک :- حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے یہ بھی اشارہ اس شخص کی مذمت کا نکلتا ہے جو طریق ہدایت کو طالبین سے چھپاتے ہیں اور طریق کی کیفیت اپنے مشائخ کے بعض اوراد و وظائف کو قرار دیتے ہیں۔

(۳۷۵) وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۔ الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۲)

ترجمہ :- اور میں خیال کرتا ہوں اے فرعون تیری کم بختی کے دن آگئے ہیں۔

تفسیر :- آیت میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان گفت وشنید کا تذکرہ ہے۔

فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سُنکر یہ فقرہ کہا تھا اے موسیٰ اب تو تم سحرزدہ معلوم ہو رہے ہو، اس پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے فرعون اب تو تیری کم بختی کے دن قریب آگئے ہیں۔

سلوک :- حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ تُرکی بہ تُرکی جواب دینا اخلاق کے خلاف نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ اس وقت چشم پوشی میں مصلحت نہ ہو۔ (ورنہ چشم پوشی اختیار کرلی جائے۔)

(۳۷۶) وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا

الآیۃ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۹)

ترجمہ :- اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن اُن کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔

تفسیر :- اللہ کے نیک بندوں کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ جب وہ قرآن پڑھتے یا تلاوت سنتے ہیں تو ان پر کلامِ الٰہی کی عظمت و ہیبت سے گریہ طاری ہوجاتا ہے اور وہ رونے لگتے ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضؓ ایک دن فجر کی نماز میں سورہ یوسف پڑھ رہے تھے

جب اس آیت پر پہنچے اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ الآیۃ (یوسف) تو شدتِ گریہ سے سسکیاں لینے لگے یہاں تک کہ آخری صفوں تک آواز سنی گئی۔

(جصاص)

سلوک :- خوفِ خدا سے گریہ طاری ہونا طاعت و اخلاص کی علامت ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں خوفِ خدا سے رونے پر نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (جصاص)

(۳۷۷) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۱)

ترجمہ :- تمام خوبیاں اُسی اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے خاص بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

تفسیر :- عبدہ سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہاں بھی آپ کو عبدہ سے یاد کیا گیا جیسا کہ معراج والی آیت میں یہی وصف "اسریٰ بعبدہ" عبدہ ذکر کیا گیا ہے۔

مطلب یہ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ حمد و ثنا صرف اُسی ذاتِ الٰہی کے لئے سزاوار ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر اعلیٰ و اکمل کتاب نازل کی اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف کیا۔ اور اس کتاب میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں، عبادت نہایت سلیس عام فہم، اسلوبِ بیان نہایت مؤثر و شگفتہ، تعلیم معتدل جو ہر زمانے اور ہر طبیعت کے مناسب کسی قسم کی افراط و تفریط کا اس میں شائبہ نہیں۔

سلوک :- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لئے مقام عبدیت سے بلند اور کوئی مقام نہیں۔ (سلوک ۲۵۹ پھر پڑھئے۔)

(۳۷۸) إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۷)

ترجمہ :- اس زمین پر جو کچھ بھی ہے ہم نے اُس کو اس زمین کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔

تفسیر :- اس زمین پر زینت و آسائش کی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ نہ بیکار ہیں اور نہ حرام ہیں ان کا غلط استعمال حرام ہے اور صحیح استعمال حلال و جائز ہے۔ صحیح استعمال وہی ہے جو شریعت اسلامی کے مطابق ہو ان خوشنما چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے باعث آزمائش بنایا ہے کہ کون اس کی رونق پر دوڑتا ہے اور کون اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف دوڑتا ہے، یہی حسن عمل ہے۔

سلوک :- ابن عطا اسکندری نے کہا ہے حسن عمل یہ ہے کہ دنیا کی اس آسائش سے بے التفاتی کی جائے۔

(۳۷۹) فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا۔ الآیۃ (الکہف آیت ۱۱)

ترجمہ :- سو ہم نے غار میں اُن کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈالے رکھا۔

تفسیر :- آیت میں اصحاب کہف کا تذکرہ ہے یہ چند نوجوان توحید پرست تھے رومی بادشاہ دقیانوس المتوفی ۲۵۱ قبل مسیح کی شرک پرستی سے بیزار ہو کر قریب کی پہاڑی کے غار میں پناہ لی اس غار میں ان پر ایک غیر طبعی بلکہ خارق عادت نیند مسلط ہو گئی اور وہ مسلسل تین سو نو سال سوتے رہے۔ پھر بیدار ہو کر اپنے شہر

آئے۔ (تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۲۵ پر دیکھئے)

سلوک:۔ حکیم الامت نے اس واقعہ سے صوفیہ کی مشہور اصطلاح "فنا و استغراق" کا اثبات کیا ہے۔

(جو اکابر صوفیہ میں معروف ہے شیخ عبدالقدوس گنگوہی فرماتے ہیں۔)

گفت قدوسی فقیری در فنا و در بقا ، خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

(تفصیل اکابرین سے دریافت کر لی جائے۔)

(۳۸۰) ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ پھر ہم نے انھیں نیند سے اٹھایا تاکہ معلوم کر لیں کہ ان دو جماعتوں میں کونسی جماعت اس حالت میں رہنے کی مدت سے زیادہ صحیح واقف ہے۔

تفسیر:۔ ان نوجوانوں کی بیداری کا یہ واقعہ ایمان بالآخرت سے متعلق ہے اُس وقت اُنکی پوری قوم میں انکار آخرت کا عقیدہ عام تھا اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کے عقیدے کو اسی مادی دنیا میں ممکن بلکہ یقینی حقیقت کے ساتھ عیاناً و مشاہدۃً ظاہر فرمایا تاکہ قیامت تک حجت قائم ہو جائے، جیسا کہ معجزات کا مقصد ہوا کرتا ہے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ الآیۃ

آیت میں جن دو جماعتوں کا ذکر ہے اُس سے اصحاب کہف اور قوم کے افراد مُراد ھیں۔ (بحر)

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے صوفیہ کرام کی ان دو اصطلاح کا ثبوت پیش کیا ہے۔

جلوت بعد خلوت، صحو بعد السکر۔

ملحوظہ:۔ جلوت بعد خلوت کا یہ مطلب ہے کہ مشغول بالحق سے فارغ ہونے کے بعد

مشغول بالخلق ہو جانا، اور صحو بعد السکر کا یہ مطلب ہے کہ یادِ الٰہی کی غشی و بے خودی کے بعد عام حالت کا لوٹ آنا۔

صحو انسان کی عام طبعی حالت کو کہا جاتا ہے اور سکر غشی و بے خودی کا نام ہے۔

(۳۸۱) وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ۔ الآیۃ

(الکہف آیت ۱۶)

ترجمہ:- اور جب تم اُن لوگوں سے الگ ہو گئے ہو اور اُن معبودوں سے بھی جو اللہ کے سوا پوجے جا رہے ہیں تو اب فلاں غار میں چلکر پناہ لو تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دیگا اور تمہارے لئے اس کام میں کامیابی کا سامان بھی مہیا کریگا۔

تفسیر:- یہ اُن نوجوانوں کا باہمی مشورہ تھا جو شرک و کفر سے بچنے کے لئے اپنا شہر چھوڑ کر غار میں پناہ لینے کی گفتگو کر رہے تھے کہ ہماری یہ ہجرت ہم پر اللہ کی رحمت کو قریب کر دے گی اور ہم نجات پا جائیں گے۔

سلوک:- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ غیر اللہ سے عزلت (علیحدگی) وصل حق کا سبب ہوا کرتی ہے بلکہ بغیر عزلت کے وصل نہیں ہوتا (وصل و فصل کی تعریف سلوک ۳۶ میں دیکھ لی جائے)۔

(۳۸۲) وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ۔ الآیۃ (الکہف آیت ۱۷)

ترجمہ:- اور اے مخاطب تو دیکھے گا جب دھوپ نکلتی ہے تو وہ داہنی جانب کو بچی بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو بائیں جانب ہٹی ہٹی رہتی ہے (یعنی اُسوقت بھی دھوپ غار کے دروازے پر نہیں پڑتی تاکہ دھوپ سے اُنھیں تکلیف نہ پہنچے اور وہ محفوظ اور آرام سے رہیں) اور وہ لوگ غار کے کشادہ حصے میں مقیم ہیں۔

تفسیر:۔ اصحاب کہف جس غار میں پناہ لئے تھے وہ ایسا محفوظ خطہ ہے جہاں نہ جگہ کی تنگی ہے اور نہ ہوا اور روشنی کی بندش، اور نہ دھوپ کی تمازت پہنچتی ہے نہایت معتدل ماحول میں آرام کر رہے ہیں، نیند کی حالت میں اُن کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں اگر کوئی دیکھے تو یہی سمجھے گا کہ یہ لوگ بیدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر ہیبت وجلال کی کیفیت رکھی ہے تاکہ کوئی انہیں دیکھ نہ سکے اور یہ تماشا گاہ نہ بن جائیں، ان کیساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا وہ بھی غار کے دروازے پر اسی کیفیت کے ساتھ بیٹھا ہے جو کیفیت اصحاب کہف پر طاری ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث رحؒ لکھتے ہیں اگرچہ کتّا رکھنا بُرا ہے لیکن لاکھ بُروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ (موضح القرآن)

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے غار کی مذکورہ کیفیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اہل خلوت صوفیہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی خلوت کے لئے ایسی ہی جگہ تجویز کرتے ہیں جس میں روشنی کم ہو، اور اس کے باوجود بھی مراقبہ کے وقت اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں تاکہ دل کو یکسوئی حاصل ہو۔

(۳۸۳) وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ الآیۃ (کہف آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ اور اے مخاطب تو اُن کو بیدار خیال کرتا ہے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

تفسیر:۔ اصحاب کہف پر جو اعجازی نیند طاری کر دی گئی ہے وہ ایسی ہے کہ اُنکے نورانی چہروں کی رونق و تازگی دیکھکر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ بیدار ہیں اور دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ گہری نیند میں ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جن کے جسم تو مخلوق کے ساتھ مشغول ہیں اور قلب حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

ملحوظہ:۔ اصحاب کہف کا کتّا کسی طرح ان کے ساتھ لگ گیا تھا اور پھر اللہ کی مرضی سے

انکے ساتھ غار نشین بھی ہو گیا۔

مشہور صوفی ابو بکر وراقؒ کہتے ہیں کہ نیک لوگوں کی مجالست و مجاورت بھی کیسی پُر تاثیر ہوتی ہے کہ جانور بھی انسانوں کی صف میں شامل ہو گیا۔

دس جانوروں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جنّت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

(۱) بُراق النبی صلی اللہ علیہ وسلم (معراج کی سواری)۔ (۲) ہُدہُد پرندہ۔ (۳) سیدنا سلیمان علیہ السّلام کے لشکر جرّار کی خبر دینے والی چیونٹی۔ (۴) سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کا وہ بچھڑا جسکو انھوں نے مہمان فرشتوں کی ضیافت کے لیۓ ذبح کیا تھا۔ (۵) سیّدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا وہ دُنبہ جو سیدنا اسمٰعیل علیہ السّلام کے بدلے میں ذبح ہو گیا۔ (۶) وہ گائے جس کا قصّہ سورۃ بقرہ میں آیا ہے۔ (۷) اصحاب کہف کا کتّا۔ (۸) سیدنا عزیر علیہ السلام کا گدھا۔ (۹) سیّدنا صالح علیہ السّلام کی وہ اونٹنی جو بطور معجزہ پہاڑ سے برآمد ہوئی تھی۔ (۱۰) سیّدنا یونس علیہ السلام کی وہ مچھلی جس نے آپکو اپنا لقمہ بنا لیا تھا۔

حاشیہ الصّاوی، سورۃ النمل (جلالین)۔

(۳۸۲) لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ اے مخاطب اگر تو اُن کو جھانک کر دیکھتا تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا، اور تجھ پر اُنکی دہشت سما جاتی۔

تفسیر:۔ اصحاب کہف کی حفاظت کے لیۓ جہاں مختلف ذرائع ہیں اُن میں ایک ہیبت و جلال کی کیفیت بھی شامل ہے کہ ان کے جسموں پر رُعب و جلال کی کیفیت طاری کر دی گئی ہے تاکہ لوگ انھیں تماشہ گاہ نہ بنالیں۔ کہا جاتا تھا کہ اس غار کے قریب سے گزرنے والوں پر بھی یہ غیبی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور لوگ تیزی سے بھاگ پڑتے تھے۔ دیکھنا یا چھونا تو درکنار۔

یہ اللہ کی (آیات) نشانیوں میں ایک نشانی ہے اس طرح ان کے جسم محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور وہ نوجوان آج بھی گہری نیند سو رہے ہیں، قیامت کا حادثہ ہی انھیں بیدار کرے گا۔ واللہ اعلم۔

سلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ کو جو شان ہیبت نصیب رہتی ہے وہ اسی قسم کی ہوا کرتی ہے۔ (ظالم و جابر بادشاہ بھی اہل اللہ سے مرعوب رہے ہیں۔)

(۳۸۵) فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ الآیۃ (کہف آیت ۱۹)

ترجمہ :۔ سو ہم میں سے کسی ایک کو یہ روپیہ دیکر شہر کی جانب بھیجو سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے پھر اس میں سے کچھ کھانا اپنے واسطے لے آئے اور اس معاملہ میں خوش تدبیری سے کام لے اور کسی کو اپنی خبر نہ ہونے دے۔

تفسیر :۔ اصحاب کہف نے بیدار ہونے کے بعد بھوک و پیاس محسوس کی جیب میں چند سکے تھے اپنے ایک ساتھی کو شہر سے کھانا خریدنے کیلئے روانہ کیا اور خصوصیت سے یہ ہدایت کی کہ حلال و پاکیزہ کھانا لے آنا۔

کیونکہ اس شہر میں حرام و ناپاک غذائیں بھی فروخت ہوا کرتی تھیں علاوہ ازیں یہ بھی ہدایت کی کہ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ کسی کو ہماری خبر نہ لگے ورنہ ہم گرفتار کر لئے جائیں گے۔

لیکن دوکان پر تین سو سالہ پرانے سکوں نے ان کا راز فاش کر دیا (تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ دیکھئے)

سلوک :۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ سالکین کی شان یہی ہے کہ وہ مخلوق سے سوال نہ کریں۔ (جیسا کہ اصحاب کہف نے اپنے داموں سے طعام خریدنا پسند کیا کسی سے سوال نہیں کیا)۔

آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل توحید کو ہمیشہ حلال وحرام غذاؤں میں تفریق کرنے کا اہتمام رہا ہے۔ بھوک و پیاس اور ضرورت کے وقت بھی حلال غذاؤں کی تلاش رہی ہے۔

وَلْيَتَلَطَّفْ (خوش تدبیری اختیار کی جائے) آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھی معاملہ میں نرمی اور اخلاق برتنا چاہیے۔

(۳۸۶) وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللهُ ۔ الآیۃ (کہف آیت ۲۳و۲۴)

ترجمہ:۔ آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کر دوں گا مگر اللہ کے چاہنے کو شامل کر دیجئے۔ (یعنی انشاء اللہ کہہ لیا کیجئے)

تفسیر:۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ ایک دفعہ چند یہودیوں نے آپ سے تین سوال بطور امتحان پوچھے تھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ روح کیا چیز ہے؟ دوسری بات اصحاب کہف کا کیا قصہ ہے؟ تیسری بات یہ کہ ذوالقرنین کون شخص تھا اور اسکا کیا واقعہ ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی توقع پر وعدہ کر لیا کہ ان تینوں سوالوں کا جواب کل دیدیں گے۔

لیکن پندرہ دن تک وحی نہ آئی آپ طبعاً پریشان سے ہوگئے۔ اس کے بعد وحی الٰہی سے ان تینوں سوال کا جواب ملا اور یہ بھی ہدایت ملی کہ اپنے کسی بھی کام میں ارادۂ الٰہی کو شامل کر لیا کریں یعنی انشاء اللہ کہہ دیا کریں۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے علم تصوف کے دو مسئلے اخذ کئے ہیں جو صوفیہ کرام میں معروف ہیں۔

تفرید، تجرید۔

ملحوظہ :- تفرید کا یہ مطلب ہے کہ سالک کا دُنیاوی اغراض کو ترک کردینا۔ اور تجرید کا یہ مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کی نسبت کو اپنی طرف نہ کرنا۔ (دونوں حالتوں کو صرف اللہ ہی کی جانب پھیر دینا۔)

(۳۸۷) وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۲۵)

ترجمہ :۔ اور وہ نوجوان اپنے غار میں تین سو سال ٹھیرے رہے اور نو سال اور رہے۔ (جملہ ۳۰۹ سال)

تفسیر :۔ اصحاب کہف اُس غار میں جسمیں انھوں نے پناہ لی تھی تین سو نو سال مقیم رہے ہیں اور وہ اس پوری مدت میں سوتے ہی رہے، غار میں ان کی مدتِ قیام کا صحیح فیصلہ قرآن حکیم نے بیان کردیا ہے ورنہ تاریخی اور اسرائیلی روایات میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔

سلوک :- آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ ظالموں سے فرار اختیار کرنا جائز ہے بلکہ سنّتِ انبیاء بھی ہے۔ اسی لئے ہر زمانے میں اولیاء اللہ نے ظالموں اور مفسدوں سے علیحدگی اختیار کی ہے۔

ملحوظہ :- اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں قرآنی آیات سے کوئی قطعی تعداد معلوم نہیں ہوتی ہے خود قرآن حکیم نے پانچ یا سات کی تعداد کے بارے میں یہ فیصلہ دیا۔ وَمَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ۔ الآیۃ (کہف آیت ۲۲)

تعداد کا صحیح علم بہت کم لوگوں کو ہے۔

حضرت ابن عبّاسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اُن قلیل لوگوں میں میں بھی شامل ہوں کہ اصحاب کہف کی تعداد سات عدد تھی۔ (حاشیہ بیان القرآن)

جس ظالم بادشاہ کے شر سے بچنے کے لئے ان نوجوانوں نے راہ فرار اختیار کی تھی

اس کا نام دقیانوس تھا شرک و بُت پرستی اسکا مذہب تھا اور اس کی اشاعت میں وہ ہر وقت سرگرم عمل رہا کرتا تھا، اور جب اصحاب کہف تین سو نو سال بعد بیدار ہو کر اپنے شہر آئے تھے اس وقت شہر بدل چکا تھا اور ایک نیک اور توحید پرست بادشاہ کی حکمرانی تھی جسکا نام بیدوسیس تھا یہ مذہباً دینِ مسیح کا پابند تھا۔

سُلوک :- حکیمُ الامت نے تفسیر حقانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جس ظالم بادشاہ کے خوف سے فرار ہو کر اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی تھی اس کا زمانہ ۲۵۰ء تھا پھر اس غار میں تین سو سال (شمسی) یہ لوگ سوتے رہے تو مجموعہ ۵۵۰ء ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ ۵۷۰ء میں ہوئی اس طرح آپؐ کی ولادتِ شریفہ سے صرف بیس۲۰ سال پہلے یہ نوجوان بیدار ہو کر غار سے نکلے تھے۔

(تفسیر بیان القرآن)

شمسی اور قمری سال کے ایام میں عام طور پر سو سال شمسی پر تین سال قمری کا اضافہ ہوا کرتا ہے اس طرح تین سو سال شمسی کے تین سو نو سال قمری ہونگے، قرآن حکیم نے یہی تعداد بیان کی ہے۔ (تفصیل معارف القرآن (مفتی شفیع صاحبؒ) جلد ۵ سورۂ کہف دیکھئے)۔

(۳۸۸) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ۔ الآیۃ (کہف آیت ۲۸)

ترجمہ :- اور آپ اپنے کو مقید رکھا کیجئے اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں صبح و شام صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے۔

تفسیر :- يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ کے ایک عام معنیٰ تو یہی ہیں کہ اللہ کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں، بعض مفسرین نے دیدارِ الٰہی چاہتے ہیں لکھا ہے یعنی وہ دیدارِ الٰہی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتے ہیں مثلاً ذکر

کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں نمازوں روزوں کی کثرت رکھتے ہیں وغیرہ۔

ایسے لوگ اگرچہ معزز اور مالدار نہیں جیسے صحابہ کرام ہیں اُس وقت عمار بن یاسرؓ صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم ایسے مومنین صادقین کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی جارہی ہے کہ ان کو اپنی صحبت و مجالست سے مستفید کرتے رہیں کسی کے کہنے سننے پر ان کو اپنی مجلس سے دُور نہ کیجئے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں حکم ہے کہ فقراء مومنین کیساتھ مجالست باقی رکھی جائے۔

(۳۸۹) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۶۰)

ترجمہ :۔ وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے کہا کہ میں اس سفر میں برابر چلتا رہونگا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملے ہیں یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہونگا۔

تفسیر :۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اس طویل سفر کی یہ وجہ تھی کہ ایک بار انھوں نے اپنی قوم میں وعظ فرمایا تھا ایک شخص نے پوچھا اس وقت انسانوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟

(غالباً وعظ کے علوم و معارف سے متاثر ہوکر سوال کیا ہو) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "میں"!

اگرچہ یہ بات سو فیصد حق تھی کیونکہ ہر نبی اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم ہوا کرتا ہے تاہم جواب ظاہری طور پر شان و فخر کا عنوان تھا، اللہ تعالیٰ نے احتیاط فی الکلام کی تعلیم کے لئے مجمع البحرین تک جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ وہاں ہمارا ایک بندہ

ہے جو تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے، اس کی خدمت میں پہنچو، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اُس خاص بندے کی تلاش میں چل پڑے اور ملاقات کی۔
(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۵۹ پر مطالعہ کیجیے۔)

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں ممکنہ کوشش کرنی چاہیے، خواہ اسکے لئے دُور دراز سفر کی ضرورت پیش آئے۔
علاوہ ازیں تحصیل علم کے لئے تعب و مشقت برداشت کرنے کی فضیلت ثابت ہوئی ہے۔
تفسیر کبیر کے مفسر نے آیت کے ضمن میں لکھا اگر کوئی شخص صرف ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے مشرق سے مغرب تک سفر کرے اسکو اسکی اجازت ہو گی۔

(۳۹۰) فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا. الآية
(کہف آیت ۶۱، ۶۲)

ترجمہ:۔ پھر جب وہ دونوں (سیدنا موسیٰ اور اُن کے شاگرد) دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو بھول گئے سو وہ سُرنگ بناتی ہوئی دریا میں اپنی راہ پکڑ لی۔

تفسیر:۔ درمیانِ سفر ایک مقام پر دریا کے کنارے آرام کرنے کی غرض سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے ناشتہ کے لئے ایک مچھلی توشہ دان میں تھی وہ اچانک ناشتہ دان سے نکل کر دریا میں سُرنگ بناتی ہوئی چلی گئی یعنی داخل ہونے کا راستہ دریا کی تہہ تک نالی کی طرح بن گیا۔

دراصل یہی مقام اُس خاص بندے کی ملاقات کا تھا جس کے لئے سفر کیا جارہا تھا اور مچھلی کا نکل جانا اس مقام کی علامت تھی لیکن اس کا ذکر کرنا شاگرد کو یاد نہ آیا اور موسیٰ علیہ السلام بیدار ہو کر وہاں سے آگے چل پڑے بہت دور جانے کے بعد

تھکن و بھوک پیاس لگی تو توشہ یاد آیا مچھلی تو نکل چکی تھی شاگرد کو قصہ یاد آیا اور اُس نے معذرت کے ساتھ ذکر کر دیا پھر دونوں وہاں سے اپنے نشانِ قدم پر لوٹے اور اس مقام پر اس خاص بندے کو پایا۔

سلوک :- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مریدوں یا شاگردوں سے کام لینا اور انھیں اپنا رفیق سفر بنانا سنتِ انبیاء میں شامل ہے۔

نیز سفر میں زادِ راہ (توشہ وغیرہ) رکھنا توکل کے خلاف نہیں (جیسا کہ بعض کم علم صوفیہ خیال کرتے ہیں)

علاوہ ازیں بھوک پیاس اور اپنی تکلیف و تھکن کا اظہار کرنا جائز ہے بلکہ کمال توکل کے بھی خلاف نہیں ۔ آیت میں بڑا سبق ہے اُن خوش عقیدہ مریدوں و معتقدوں کے لئے جو بزرگوں کی جانب بھوک پیاس دُکھ درد یا بشری ضرورتوں کا انتساب کرنا بے ادبی خیال کرتے ہیں۔

(۳۹۱) وَمَآ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَهٗ ۔ الآیۃ

(کہف آیت ۶۳)

ترجمہ :- اور مجھکو تو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اُسکا ذکر کروں۔

تفسیر :- جیسا کہ اُوپر لکھا گیا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے (خضرؑ) سے ملاقات کے لئے مجمع البحرین (دو دریاؤں کے سنگم) پر جانے کا حکم دیا تھا چنانچہ وہ اور اُنکے رفیق سفر (یوشع بن نون) چلتے رہے مگر اس مقام سے بھی آگے نکل گئے جہاں اس خاص بندے سے ملاقات کرنی تھی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سفر سے کہہ رکھا تھا کہ توشہ دان کی مچھلی جس جگہ غائب ہو جائے مجھے اس کی خبر کرنا چنانچہ درمیان سفر ایک مقام پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام

سو گئے تھے وہاں توشہ دان کی بھنی مچھلی اچانک زندہ ہوئی اور دریا میں چلی گئی اگرچہ یہ واقعہ عجیب وغریب تھا لیکن یوشع بن نونؑ اسکا ذکر کرنا بھول گئے، (کثرت سے معجزات دیکھنے والوں کو یادداشت کی زیادہ اہمیت نہیں رہتی) سیدنا موسیٰ علیہ السلام بیدار ہونے کے بعد آگے چلنے لگے چلتے چلتے جب تھک گئے اور بھوک پیاس محسوس ہوئی تو یوشعؑ سے کہا آج بہت زیادہ تھکن ہوگئی ہے اور بھوک بھی شدت کی ہے ہمارا ناشتہ تو لاؤ؟ اسوقت یوشع بن نونؑ کو مچھلی کا واقعہ یاد آیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے معذرت کی یہ میری بھول تھی شیطان نے بھلادیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں؟

حقیقت یہ تھی کہ وہی مقام مجمع البحرین کا تھا جہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہونی تھی۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ وسوسہ یا بھول شیطانی اثر سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا پیش آنا ولایت بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔

آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر بری بات کی نسبت شیطان کی طرف کی جانی چاہیئے۔

(۲۹۲) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۶۵)

ترجمہ :- سو (وہاں پہونچکر دونوں نے) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی ایک خاص رحمت دی تھی اور اسکو اپنے پاس کا ایک علم سکھایا تھا۔

تفسیر :- عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا سے سیدنا خضر علیہ السلام مراد ہیں (بخاری) انکے نبی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اہل علم کی دو رائے ہیں، البتہ ان کے ولی اور

بندۂ خاص ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔
سیّدنا خضر علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے جو خاص علم دیا گیا تھا وہ بلا کتاب و بلا استاذ تھا اور یہ علم زمان اور مکان کا علم یعنی (اسرارِ کونیّہ کا علم تھا) اسرارِ الٰہیّہ (شریعت کا علم نہ تھا) جسمیں اللہ کی مرضی و نامرضی معلوم کی جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر)
سُلوک :- صوفیہ کرام کے حلقہ میں علم لدُنّی کا تذکرہ معروف ہے، حکیم الامت لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں اس جانب اشارہ ملتا ہے، اس علم کو علم باطن بھی کہا جاتا ہے۔
ملحوظہ :- اہل تحقیق علماء لکھتے ہیں کہ جس علم پر قُربِ الٰہی مرتّب ہوتا ہے وہ اسرارِ الٰہیّہ (علم شریعت) ہے جس میں مرضیات و نامرضیاتِ الٰہی کا علم رہتا ہے۔
اور جو علم اسرارِ کونیّہ (زمان و مکان) سے متعلق ہے اسکو قُربِ الٰہی سے تعلق نہیں ایسا علم مُسلم و غیر مُسلم سب کو میسّر ہوتا ہے (جیساکہ موجودہ تحقیقاتی علوم اہلِ یورپ و امریکہ کو حاصِل ہیں)۔

(۲۹۳) قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ الآیۃ (کہف آیت ۶۶)

ترجمہ :- موسیٰ نے اُس بندے سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ جو علم آپ کو سکھایا گیا ہے اُس میں سے آپ کچھ مجھکو بھی سکھا دیں۔

تفسیر :- ہدایت ربّانی کے مطابق سیّدنا موسیٰ علیہ السلام مجمع البحرین پہنچے (خلیج عقبہ اور خلیج سویز کا سنگم) وہاں وہ خاص بندہ ملا جسکا نام حدیث بخاری میں خضر (علیہ السلام) بیان کیا گیا ہے۔
سیّدنا موسیٰ علیہ السلام جبکہ آپ خود اُولوالعزم نبی و رسول ہیں ایک بزرگ

سے درخواست کرتے ہیں کہ جناب کی اجازت ہو تو چند دن رفاقت میں گزاروں؟ تاکہ آپ کے خصوصی علم سے استفادہ کر سکوں؟

(تفصیل کیلئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۵۴ مطالعہ کیجئے)

سُلوک :- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ کے ساتھ اپنی گفتگو میں کسقدر تواضع اور ادب واحترام کی رعایتیں جمع کی ہیں (مُریدوں کے لئے درسِ عظیم ہے)۔

(۳۹۴) قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۶۹)

ترجمہ :- موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھکو صبر وضبط کرنے والا پائیں گے اور میں آپکے حکم کے خلاف کچھ نہ کروں گا۔

تفسیر:- سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضرؑ کی رفاقت چاہی تو حضرت خضرؑ نے یہ کہکر معذرت کر دی کہ آپ میرے ساتھ رہکر صبر وضبط نہ کر سکیں گے لامحالہ مفارقت ہو جائے گی۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ یقین دیا کہ انشاء اللہ میں آپ کی نافرمانی نہ کرونگا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی بات کرونگا۔

سُلوک :- حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ مُرید کیلئے پہلی چیز یہ ضروری ہے کہ وہ شیخ کے احکام کی اطاعت کرے اور اعتراض ومخالفت کی عادت اختیار نہ کرے اور اپنی طرف سے تواضع وانکساری برتے۔ (کبیر)

(۳۹۵) قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْرًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۷۰)

ترجمہ :- خضرؑ نے کہا کہ اچھا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو اتنا خیال

رہے کہ مجھ سے کسی بھی بات کی نسبت پُوچھ گچھ نہ کرنا جب تک کہ میں ہی
خود ذکر نہ کردوں۔

تفسیر:۔ رفاقت کی یہ شرط تھی جس کو سیدنا موسیٰ علیہ السّلام نے قبول کرلیا اور ساتھ ہوگئے۔ حضرت خضر علیہ السّلام کی خدمت میں کتنے دن رہے قرآن وحدیث اس مدت سے ساکت ہیں، قرآن حکیم نے جس بات کو مجمل رکھا ہم کو بھی اس کی نقل کرنی چاہیئے بلا وجہ تحقیق وتدقیق میں پڑنا وقت کا ضیاع ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامّت نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ شیخ کو بیعت کے وقت اپنے مُرید سے مناسب شرطیں لگانے کا حق حاصل ہے۔

ملحوظہ:۔ تعلیم وتربیت کے طور طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں جنکی رُو رعایت سے علم واخلاق حاصل ہوتے ہیں کتابی علم حاصل کرنے کیلئے طالب علم کو تحقیق وتدقیق بحث ومباحثہ کرنا ضروری ہوتا ہے صرف اطاعت وسماعت کافی نہیں چون وچرا (کیوں اور کیوں نہیں) کرنا پڑتا ہے تب ہی اسپر علم کے گوشے منکشف ہوتے ہیں اس کے برخلاف مُرید کی تعلیم وتربیت کی نوعیت اس سے مختلف ہوا کرتی ہے بیعت ہوجانے کے بعد مُرید کو صرف سماعت واطاعت کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا بس شیخ کی ہدایات سُننے اور عمل کرتا رہے چون وچرا کی اجازت نہیں گویا بیعت صرف عمل کا نام ہے۔

مُریدے کہ چوں وچرا می کُند وشاگردے کہ چوں وچرا نمی کُند
ہر دو را چراگاہ باید فرستاد۔

(جو مُرید کہ چون وچرا کرتا ہے اور جو شاگرد کہ چون وچرا نہیں کرتا یہ ہر دو جانور ہیں انھیں جنگل میں چھوڑ دینا چاہیئے) مطلب یہ کہ مُرید کا کام صرف اطاعت کرنا ہے اور شاگرد کا کام سوال وجواب بحث ومباحثہ کرنا ہے تب ہی دونوں کو اپنا

مقصد حاصل ہوتا ہے۔

(۳۹۶) قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۷۱)

ترجمہ:۔ موسیٰ نے کہا کیا آپ نے (اس کشتی میں) اس لئے سوراخ کر دیا تاکہ اس میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں؟ یقیناً آپ نے بڑی بھاری (خطرہ کی) بات کر دی۔

تفسیر:۔ حضرت خضر علیہ السلام کی رفاقت میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے یوں ہی چل رہے تھے راہ میں کوئی ایسا مقام بھی آگیا جہاں دریا میں سفر کرنے کی ضرورت تھی،

حضرت خضر علیہ السلام ایک تیار کشتی پر سوار ہو گئے اور بحری سفر شروع کیا، اثنائے راہ اچانک بلا کسی سبب کشتی کا ایک تختہ اکھاڑنا شروع کیا، اس پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہ ہو سکا فوری ٹوک دیا کہ حضرت یہ کیا حرکت ہے؟ کیا سب کو ڈبو دینا چاہتے ہو؟

سلوک:۔ حکیم الامت نے اس واقعہ سے دو باتیں اخذ کی ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ اکابر سے کبھی ایسے امور صادر ہو سکتے ہیں جن کی ظاہری شکل و صورت خلاف شریعت معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ خلاف شریعت نہیں ہوتے۔

دوسری بات یہ کہ اولیاء اللہ میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے کشف و الہام سے تکوینات (امور دنیا) میں تصرف کر دیتے ہیں، صوفیہ کی اصطلاح میں ایسے اولیاء کو قطب التکوین یا صاحب خدمت بزرگ کہا جاتا ہے۔

ملحوظہ:۔ صوفیہ کرام لکھتے ہیں کہ قطب التکوین (صاحب خدمت) کے لئے ضروری

ہے کہ اُسکو اپنے قطب ہونے کا علم ہو اور وہ اپنی ہمتِ باطنی سے اصلاحِ معاشرہ، خدمتِ خلق اور دفعِ بلّیات کی خدمت انجام دیتا ہو۔ (شریعت و طریقت صنٓ ۴۴)

(۳۹۷) قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ

الآیۃ (کہف آیت ۷۶)

ترجمہ:- موسیٰ نے کہا (اب تو جانے دیجئے) اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق کچھ پوچھوں تو مجھکو (حسبِ وعدہ) اپنے ساتھ نہ رکھئے، بے شک آپ میری طرف سے عذر (انتہا) کو پہنچ چکے ہیں۔

تفسیر:- جیسا کہ حضرت خضر علیہ السّلام نے عہد لیا تھا کہ سفر کی اس رفاقت میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا لیکن سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام اس اقرار پر قائم نہ رہ سکے، دو مرتبہ سوال کر بیٹھے، پہلی مرتبہ کشتی میں سوراخ کرتے وقت اور دوسری مرتبہ معصوم بچے کو قتل کر دینے کے بعد۔

مذکورہ آیت میں اپنی عذر خواہی کے بعد وعدہ فرما رہے ہیں کہ آپ نے بہت کچھ درگزر کیا ہے اگر اب میں آپ سے اور کوئی سوال کروں تو آپ مجھکو اپنی رفاقت سے علیحدہ کر دیجئے۔

(لیکن سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام اس قول و قرار پر پھر بھی قائم نہ رہ سکے تیسرا سوال کر ہی دیا جس کی تفصیل آیت ۷۷ میں موجود ہے۔ بہر حال سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام ہر منکر پر نکیر کرتے رہے)۔

سلوک:- بعض کم علم صوفیوں کو اس قصہ سے یہ دھوکہ لگا ہے کہ پیر صاحب اگر کوئی کام خلافِ شرع کریں تو مُریدوں کو انکار نہ کرنا چاہیئے بلکہ خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔

حکیم الامّت رح نے اس مغالطہ کا یہ جواب لکھا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کا یہ

واقعہ خصوصی وانفرادی حیثیت کا ہے جس سے کوئی عام حکم ثابت نہیں ہوتا۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام وحی الٰہی کی ہدایت پر اُس خاص بندے کی خدمت میں برائے استفادہ گئے تھے انھیں وہ سب کچھ برداشت کرنا تھا جو راہِ سفر میں پیش آیا حتیٰ کہ کلام کرنا ممنوع تھا لہٰذا انھیں سکوت اختیار کرنا ضروری تھا ورنہ حکم الٰہی کے خلاف ہوتا، رہا شیخ صاحب و پیر صاحب پر اعتراض نہ کرنا جبکہ اُن سے خلاف شرع بات ہو جائے انکے بارے میں کونسی وحی نازل ہوئی ہے؟ جسکی وجہ سے انھیں ٹوکا نہ جائے؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام تو وحی الٰہی کے پابند ہو چکے تھے کہ اعتراض نہ کریں گے، لہٰذا کم علم صوفیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ پیر صاحب کو ٹوکا نہ جائے۔

(۳۹۸) فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ﹰ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا۔ الآیۃ (کہف آیت ۷۷)

ترجمہ:- پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب اُن دونوں کا ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو گاؤں والوں سے کھانا طلب کیا (کہ ہم مسافر ہیں) سو اُن لوگوں نے اِن کی مہمانی سے انکار کر دیا۔

تفسیر:- سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سفر کا یہ آخری تذکرہ ہے کہ حضرت خضرؑ کے ساتھ چلتے چلتے ایک بستی پر گزر ہوا توشہ دان خالی تھا بھوک پیاس نے بیقرار کر دیا تو بستی والوں سے کھانا طلب کیا، اِن قدرناشناس بستی والوں نے انکار کر دیا، زمانۂ قدیم میں مسافروں کی خدمت وراحت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، بلکہ زمانۂ قدیم کی تہذیب و تمدن میں مسافروں کی خدمت کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، علاوہ ازیں مسافروں کو بھی یہ حق حاصل تھا کہ وہ بستی والوں سے کھانا پانی طلب کریں، اُس زمانے میں قدم قدم پر نہ ہوٹلوں کا رواج تھا نہ دکانوں اور نہ مہمان سراؤں کا۔ گاؤں والے خود اس خدمت

کو خوشدلی سے انجام دیا کرتے تھے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے واقعہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ فوری ضرورت کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔

تفسیر ماجدی کے مفسر نے لکھا ہے کہ آیت سے اشارۃً یہ بات بھی نکل آئی کہ میزبانی اور مہمانی کا یہی جذبہ صحیح ہے جو قدیم تہذیب میں رائج تھا۔ (شریعتِ اسلامی نے بھی یہی تعلیم دی ہے)

(۳۹۹) قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا الآیۃ (کہف آیت ۷۷)

ترجمہ:۔ موسیٰ نے کہا جناب اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اُجرت ہی لے لیتے؟

تفسیر:۔ بستی والوں کے انکارِ مہمانی پر بستی سے نکلتے وقت حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بوسیدہ گھر کی دیوار کو درست کر دیا اور آگے نکل گئے، روایات میں یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ حضرت خضرؑ نے دیوار پر صرف اپنا ہاتھ پھیر دیا تھا وہ مضبوط اور سیدھی ہو گئی۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اس موقع پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پھر لقمہ دیا حضرت اسقدر ناشناس بستی والوں پر آپ نے یہ کیا احسان کر دیا؟ کم ازکم اُجرت ہی لے لیتے تاکہ کھانے پینے کا انتظام ہو جاتا؟

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ کسبِ معیشت اور اُس کے اسباب کا اختیار کرنا بزرگی اور تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔

نیز آیت سے کراماتِ اولیاء کا ثبوت ملتا ہے (حضرت خضرؑ بہرحال ولی اللہ تو ضرور تھے۔

(۴۰۰) قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ الآیۃ (کہف آیت ۷۸)

ترجمہ:۔ خضرؑ بولے بس (بس) یہ وقت میری اور آپکی جدائی کا ہے۔

تفسیر:۔ حضرت خضرؑ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رفاقت میں رہنے کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ میرے کسی بھی کام پر آپ نہ اعتراض کریں اور نہ دریافت کرینگے۔

لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اثنائے سفر ایک بار نہیں جملہ تین بار وہ عہد پورا نہ ہو سکا، اور اعتراض کرتے ہی گئے۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ جب اپنے کسی مُرید سے بار بار خلاف و نزاع ظاہر ہونے لگے اور شیخ کو اُس مُرید سے مناسبت و موافقت کی امید باقی نہ رہے ایسے مُرید کو جُدا کر دینا درست ہے۔

(آیت) سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۔ الآیۃ

(کہف آیت ۷۸)

ترجمہ:۔ خضرؑ نے کہا اب میں اُن باتوں کی حقیقت پر آپ کو مُطلع کئے دیتا ہوں جن کے بارے میں آپ ضبط نہ کر سکے۔

تفسیر:۔ جن باتوں کی مخالفت پر حضرت خضر علیہ السلام کی رفاقت ختم ہو گئی وہ تین واقعات تھے۔

(۱) صحیح و سالم کشتی میں سوراخ کرنا۔

(۲) معصوم و کمسن لڑکے کو بلاوجہ قتل کرنا۔

(۳) نا دہندہ قوم کی گرتی دیوار کو درست کرنا۔

جنکی حقیقت سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام واقف نہ تھے حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی حقیقت بیان کر دی جو نہ صرف جائز تھی بلکہ ضروری بھی تھی۔ (تفصیل کیلئے ہدایت کے چراغ جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ دیکھئے)۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ اس سے بعض صوفیوں کو دھوکہ لگا کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ شبہ کم علمی بلکہ بے علمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔
حضرت خضرؒ کو جو علم اسرارِ کونیہ کا حاصل تھا وہ انقلاباتِ عالم سے متعلق تھا جس میں قربِ الٰہی یا رضائے الٰہی کو دخل نہیں۔ (سلوک ۳۹۲ پھر ایک بار پڑھ لیا جائے۔)

البتہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جو علم اسرارِ الٰہیہ کا حاصل تھا وہ قربِ الٰہی اور رضائے الٰہی سے متعلق تھا جو یقیناً ہر ہر علم سے افضل و برتر ہے، لہٰذا حضرت خضرؒ کے علم باطن کا یہ حصہ علم شریعت سے افضل نہ ہوا، اس وضاحت کے بعد حضرت خضرؒ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے افضل بھی نہ ہوئے۔

(۲۰۲) وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۸۰)

ترجمہ:- اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ صاحب ایمان تھے سو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ ان دونوں پر بھی سرکشی و کفر کا اثر ڈال دیگا۔

تفسیر: حضرت خضرؒ نے کمسن لڑکے کے قتل کی یہ وجہ بیان کی کہ وہ بالغ ہو کر کفر و بغاوت کا علمبردار ہوتا اور اپنے مسلمان ماں باپ کو بھی لے ڈوبتا اور وہ اس کی محبت میں کافر ہو جاتے۔ لیکن اللہ کو اس کے ماں باپ کا ایمان پر قائم رہنا منظور تھا اس لئے آنے والی رکاوٹ کو دور کر دیا گیا، اور حضرت خضرؒ کو ہدایت کی گئی کہ اس بچے کو قتل کر دیا جائے۔

سلوک ۲۰۲:- فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت میں غفلت برتنے پر ماں باپ کو بھی اولاد کے گناہوں کا حصہ ملتا ہے (جیسا کہ نیک اولاد کی نیکیوں کا حصہ بھی ملتا ہے۔)

(۲۰۳) وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۸۲)

ترجمہ:- اور اُن دو یتیم بچوں کا باپ مردِ صالح تھا۔

تفسیر:- حضرت خضر علیہ السلام نے جس گرتی دیوار کو درست کر دیا وہ دراصل ایک مردِ مومن کا مکان تھا جس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے دو چھوٹے بچوں کے لئے ایک خزانہ دیوار کے نیچے دفن کر دیا تھا تاکہ جب یہ بڑے ہو کر اپنے مکان کی درستگی کریں گے تو وہ خزانہ اُنھیں ہاتھ آجائے گا ورنہ دیوار گر جانے پر خاندان کے لوگ لوٹ مار کر لیتے، اس طرح ایک نیک باپ نے اپنی اولاد کی خیر خواہی کے لئے اس طرح محفوظ انتظام کر دیا۔

سلوک:- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ علماء نے آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ والدین کی صالحیت (نیکی پسند فطرت) اولاد کو فائدہ پہنچاتی ہے بشرطیکہ اولاد خود بھی صالح ہو۔ (ابن کثیر، تفسیر کبیر، جصاص)

(۲۰۲) وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ الآیۃ (کہف آیت ۸۲)

ترجمہ:- اور یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا ہے۔

تفسیر:- حضرت خضر علیہ السلام کے تینوں واقعات جن پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور اعتراض کرتے رہے، الہاماتِ الٰہی کے ماتحت تھے اس میں اُن کی رائے کا کوئی دخل نہ تھا۔ (کشاف)

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑا صاحبِ باطن بھی ظاہر شریعت کے خلاف نہیں کر سکتا، جب تک کہ الہام صریح نہ رکھتا ہو، لیکن الہام صریح بھی ختم نبوت کے بعد قطعی و یقینی نہیں رہا۔

مشائخ صوفیہ نے لکھا ہے کہ جس طرح انبیاء کرام اُمورِ نبوت میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے اسی طرح اولیاء اہلِ خدمت بھی مدارجِ خدمت میں حکم شرعی کے پابند رہتے ہیں۔ (سلوک ۲۹۶ دیکھئے)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جس علم کی تحصیل کے لئے اتنا بڑا سفر اختیار کیا اور مشقت برداشت کی اور پھر ہر وقت نادم ہوئے اور معذرت چاہی، نرم و گرم گفتگو سُنی اس کے باوجود اپنے منصب (نبوّت) کی ادائیگی میں غفلت نہیں برتی ہر بار امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں۔

حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ اہل تحقیق علماء کا اتفاق ہے کہ کوئی شکل، کوئی عمل اپنے روحانی آثار اور نورانی لطائف کے لحاظ سے کتنا ہی مزکّی، مصفّٰی، مجلّٰی ہو اگر شریعت ظاہری کے خلاف ہوگا تو ہرگز ہرگز جائز و حلال نہیں ہوگا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔

حکیم الامت رح نے یہ بھی لکھا ہے کہ مُغیبات (غیب کی باتیں) پر مطّلع ہو جانا مقاصدِ دین میں شامل نہیں ہے، کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جو اُولوا العزم نبی اور صاحبِ کتاب رسول ہیں ایسے مُغیبات پر مطلع نہ تھے اس کے باوجود وہ حضرت خضر علیہ السلام سے افضل و اکمل تسلیم کئے جاتے ہیں۔

(٢٠٥) اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ٣)

ترجمہ:- (وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب پکارا اُنہوں نے اپنے پروردگار کو چھپی آواز سے۔

تفسیر:- آیت میں سیدنا زکریا علیہ السلام کی دُعا کا تذکرہ ہے انھوں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں پست آواز کے ساتھ اپنے رب کو پکارا۔ الٰہی میں بوڑھا

ہو چکا ہوں، جسم بوسیدہ، ہڈیاں کمزور، سر پر بالوں کی سفیدی چھا گئی ہے، بیوی بانجھ ہے، ساری عمر بے اولاد رہا، اولاد کے ظاہری اسباب بھی نہیں ہیں، اب عمر کے اس آخری وقت پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ آپ میری دعا کو رد کر دیں گے آپ اپنی قدرت و رحمتِ خاص سے اولاد عطا فرمائیے جو دینی خدمات کو سنبھالے اور آپ کی مقدس امانت دعوت و رسالت کا بوجھ اٹھا سکے جو میرے بعد آلِ یعقوب کی دینی و علمی میراث کا نگہبان و مبلغ ہو، اس وقت میرے خاندان میں میرے منصب کا کوئی اہل نہیں ہے۔

سلوک :- فقہاء نے آیت سے استدلال کیا کہ دعا میں اخفا (چھپکے چھپکے دعا کرنا) افضل ہے، اسی طرح دعا میں الحاح و زاری کرنا مستحب ہے یعنی دعا میں اپنی طلب، بے چینی، بے قراری و بے بسی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ (دعا کی مقبولیت کا یہ خاص عنوان ہے۔)

حکیم الامت نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت سے تین مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ :- اولاد کا طلب کرنا زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں۔

دوسرا مسئلہ :- اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کا طلب کرنا جو ظاہری اسباب سے دور پہنچ چکی ہو ادب کے خلاف نہیں۔

تیسرا مسئلہ :- سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا سے ذکرِ خفی کا ثبوت ملتا ہے (جو تصوف میں جاری و ساری ہے)۔

ملحوظہ :- سیدنا زکریا علیہ السلام اور سیدہ مریم بنت عمران کے دونوں قصوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کہ سوال و درخواست کرنے سے دیتے ہیں۔ (جیسا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے کی زندگی میں سیدنا یحییٰ عطا کئے گئے۔)

اور کبھی بلا سوال و درخواست بھی دیتے ہیں جیسا کہ سیدہ مریمؓ کو بلا طلب و درخواست سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ملے۔

مزید اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہر شخص کیساتھ جُدا جُدا ہوا کرتا ہے۔

(۲۰۶) وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں حکم دیدیا تھا۔

تفسیر:۔ آیت میں سیدنا یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں لڑکپن ہی میں "حکم" کی نعمت سے سرفراز فرمادیا تھا، قرآن حکیم میں "حکم" کے مختلف معنیٰ آئے ہیں، نبوت، حکمت و دانائی، شریعت، فہم و عمل۔

ابن العربی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تینوں معنیٰ مراد ہو سکتے ہیں، وحی، نبوت، معرفت و عمل،

اکثر اہل علم کی تحقیق ہے کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت دیدی گئی تھی۔ صغر سنی میں نزولِ وحی اور مکاشفہ ملائکہ ممکن ہیں۔

(احکام القرآن، جصاص۔)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ عام طور پر یہ جو مشہور ہے کہ فلاں آدمی مادر زاد ولی ہے، آیت سے اس جانب اشارہ ملتا ہے۔

(۲۰۷) فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۱۷)

ترجمہ:۔ پھر ہم نے مریم کے پاس (اپنے خاص فرشتے کو بھیجا جو ان کے سامنے کامل انسان بنکر ظاہر ہوا۔

تفسیر:۔ سیدہ مریمؓ کی عمر تیرہ ۱۳ یا پندرہ ۱۵ سال کی تھی انھیں پہلا حیض آیا تو

وہ شرم کے مارے ایک علیحدہ مقام چلی گئیں جو بیت المقدس سے مشرقی جانب تھا، اس وقت اُن کے خلوت کدہ میں اچانک جبرئیل امین کامل انسانی شکل میں نمودار ہوئے جیساکہ فرشتوں کی عادت ہے وہ عموماً خوش منظر صورتوں میں آیا کرتے ہیں اس کے بعد انھوں نے سیّدہ مریم رضؓ کے گریبان میں پھونک ماری جس کے اثر سے وہ حاملہ ہوگئیں۔

سُلوک:- حکیم الامت رحؒ نے آیت سے "مسئلہ تمثّل" ثابت کیا ہے

صوفیہ کرام میں تمثّل کا مسئلہ عام ہے تمثّل کہتے ہیں کہ اپنی حقیقت کو باقی رکھتے ہوئے کسی دوسری شکل میں ظاہر ہونا، اس دوسری شکل کو "صورتِ مثالی" بھی کہاجاتا ہے لہ تمثّل میں حقیقت زائل نہیں ہوتی صرف صورت بدل جاتی ہے جبرئیل امین اپنی حقیقت کے لحاظ سے فرشتہ ہی تھے لیکن انسانی شکل میں سیّدہ مریم رضؓ کے یہاں آئے۔ ملکی صورت، بشری صورت میں تبدیل ہوگئی۔

ملحوظہ:- فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۲۲)

پھر ان کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا اور وہ اس حمل کو لئے ہوئے اپنے گھر سے کسی دور مقام پر چلی گئیں پھر ولادت کی تکلیف انھیں ایک کھجور کے درخت کی طرف لے آئی (اور وہاں ولادت ہوگئی)۔

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت عام قانونِ فطرت سے مختلف رہی ہے یہاں ولادت کا معروف وطبعی طریقہ نہ تھا صرف باذنِ الٰہی وحکمِ الٰہی سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام بطنِ مادر (سیّدہ مریم رضؓ) سے ظاہر ہوگئے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کا قانونِ فطرت (سنت اللہ) نہیں تھا بلکہ قانونِ قدرت (قدرۃ اللہ) سے تعلق رکھتا ہے، قدرتُ اللہ بے قید و بند اسباب سے خالی ہوا کرتی ہے، اسیر اسباب وذرائع لاگو نہیں ہوتے۔

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ الآیہ حالتِ حمل، مدتِ حمل، کیفیت ولادت وغیرہ کی تفصیلات سے قرآن حکیم ساکت ہے کیونکہ یہ معاملہ قدرت الٰہی سے متعلق تھا کُنْ فَیَکُوْنُ کے تحت ہوگیا۔

تفسیر جلالین کے مفسر نے آیت ولادت کے تحت لکھا ہے وَالْحَمْلُ وَالتَّصْوِیْرُ وَالْوِلَادَۃُ فِیْ سَاعَۃٍ۔ (جلالین، سورۂ مریم آیت ۲۳)

سیدہ مریمؓ کا حاملہ ہونا، اور پیٹ میں بچہ کا شکل اختیار کرنا اور ولادت ہونا صرف ایک گھڑی کا وقت تھا۔

کتاب تفسیر تنویر المقباس میں سیدنا ابن عباسؓ سے بھی یہی قول مروی ہے وَیُقَالُ یَوْمٌ وَّاحِدٌ۔ (مریم آیت ۲۲) یہ ساری کارروائی صرف ایک دن میں ہوگئی۔ اور یہی بات مجموعہ آیات میں غور کرنے سے مستفاد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

جدید مفسرین نے اس مسئلہ پر اپنا اظہار خیال نہیں کیا ہے تاہم راقم الحروف کو ایک غیر شعوری خلش تھی جو کتب تفاسیر کے مطالعہ وتتبع سے دور ہوگئی۔

فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

(۲۰۸) فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا۔ الآیۃ (مریم آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ سو مریم کو دردِ زہ (ولادت کی تکلیف) کھجور کے ایک درخت کی طرف لے آئی وہ بولیں کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور نیست ونابود ہوجاتی (کہ کسی کو میں یاد بھی نہ آتی)

تفسیر:۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت سیدہ مریمؓ کو جو دردِ زہ آیا وہ ایسا شدید تھا کہ بے ساختہ مذکورہ کلمات انکی زبان سے نکل گئے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ غمِ دنیا سے موت کی تمنا کرنا اگرچہ بُرا

ہے لیکن سیدہ مریمؓ کا تمنا کرنا غلبۂ حال سے تعلق رکھتا ہے جو گناہ نہیں۔
ملحوظہ:۔ صوفیہ کرام میں غلبۂ حال کی اصطلاح عام ہے، غلبۂ حال اس غیر اختیاری کیفیت حال وقال کو کہا جاتا ہے جو بے قصد و ارادہ انسانی جوارح سے ظاہر ہو جائے چونکہ اس میں نیت و ارادہ شامل نہیں رہتا اس لئے اس حالت پر کوئی شرعی حکم نافذ نہیں ہوتا، انسان معذور سمجھا جاتا ہے، صحابہ کی زندگیوں میں بھی ایسے حالات پیش آئے ہیں، جسکی تاویل غلبۂ حال ہی سے کی گئی ہے۔

(۲۰۹) فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۲۶)

ترجمہ:۔ (اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی اعتراض کرتا دیکھو) تو کہدینا کہ میں نے تو اللہ کے واسطے روزے کی نذر مان رکھی ہے لہٰذا آج کسی سے بھی بات نہ کروں گی۔

تفسیر:۔ گزشتہ ملّتوں میں چُپ روزہ رائج رہا ہے کہ سوائے ذکر اللہ کے اور کوئی کلام نہ کیا جاتا تھا، سیدہ مریمؑ بے باپ کے بچے کی ولادت پر خود تو حیران و پریشان تھیں پھر دوسری فکر یہ کہ قوم کو کیا جواب دیا جائے، کنواری و اَن بیاہی حالت میں یہ بچہ کس طرح پیدا ہوا؟ اگر اپنی پاکی وصفائی میں باعصمت و باعفّت ہونا بیان کروں تو سوالات کا غیر محدود سلسلہ شروع ہو جائیگا کہاں تک عہدہ برآ ہوں؟

اس پیچیدہ حالت میں اُسی فرشتے نے سیّدہ مریمؓ کو ہدایت دی کہ تم قوم کے سوال وجواب میں نہ پڑنا۔ بلکہ یہ کہدینا کہ میں نے آج روزے کی نذر مانی ہے کسی سے بات نہ کروں گی۔

چنانچہ غیبی تائید اس طرح ظاہر ہوئی کہ نومولود بچے نے ماں کی گود میں اپنی اور اپنی ماں کی پاکی وصفائی میں ایسا واضح کلام کیا کہ پوری قوم دم بخود رہگئی۔ (مریم آیت ۳۰ تا ۳۳)

سُلوک :- اہل علم نے لکھا ہے کہ اگر کہیں ضدی اور جاہل انسانوں سے سابقہ پڑے تو سکوت اختیار کر کے رخصت ہو جانا چاہیئے اللہ کی غیبی تائید ہی اس کا علاج کر دیتی ہے۔

ملحوظہ :- امام فخر الدین رازیؒ نے خود اپنا ذاتی تجربہ نقل کیا ہے کہ جب کبھی مجھکو کسی شریر انسان نے خواہ مخواہ پریشان کیا اور میں نے اسکی طرف توجہ نہ کی بلکہ اپنا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ ایسے لوگ کھڑے کر دئے جو پوری طرح اس شر کے دفعیہ پر لگ گئے۔ (تفسیر کبیر المؤمن آیت ۴۵)

(۴۱۰) قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۳۰)

ترجمہ :- وہ بچہ (خود ہی بول اٹھا) میں اللہ کا خاص بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب (انجیل) دی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی رہوں۔

تفسیر :- قرآن حکیم کا ایک خاص عنوان یہ بھی ہے کہ وہ مستقبل کے واقعات کو جبکہ اُس کا پیش آنا قطعی و یقینی ہوا کرتا ہے ماضی کے الفاظ سے ادا کرتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ عنوان بکثرت مقامات پر ملتا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ، فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی، اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔ الآیۃ وغیرہا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے گود میں جو کلام کیا اُس کا عنوان بھی ایسا ہی ہے، اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھکو نبی بنایا ہے اور میرا وجود ہر جگہ برکت ہی برکت کیا ہے اور مجھے نماز و زکوٰۃ کا تاحیات حکم دیا ہے اور اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا ہے اور مجھے ظالم و بدبخت نہیں کیا۔ (اور یہ سب کلام زمانۂ شیرخوارگی کا ہے)

سُلوک :- فقہاء نے لکھا ہے کہ انسان کا اپنی زبان سے اپنے کمالات اور خوبیوں کا

ذکر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس اظہار سے اپنا تعارف مقصود ہو، فخر و ناز کی نیت نہ ہو۔ (جصاص)

(۲۱۱) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا۔ الآیۃ (مریم آیت ۴۲ تا ۴۵)

ترجمہ:۔ (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا تھا اے اباجان آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ کچھ سنتے ہوں اور نہ کچھ دیکھتے ہوں اور نہ آپ کے کچھ کام آتے ہوں، اباجان میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو آپکے پاس نہیں آیا تو آپ میری پیروی کیجئے میں آپکو سیدھی راہ بتادونگا، اباجان آپ شیطان کی پرستش نہ کیجئے شیطان تو اللہ رحمٰن کا نافرمان ہے، اباجان میں اندیشہ کرتا ہوں کہ آپ پر اللہ رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ ٹوٹ پڑے تو پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت کی سرفرازی کے بعد سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو خاص طور پر اپنے بت پرست بلکہ بت فروش باپ آزر پر توجہ فرمائی اور انھیں توحید کی دعوت دی۔

قدیم ملک عراق کا شرک بدترین قسم کا شرک تھا حکومت اور عوام کا مذہب دیوی دیوتاؤں سے وابستہ تھا، جدید تحقیقات کی روشنی میں ابتک پانچ ہزار سے زائد دیوی، دیوتاؤں کے نام قدیم کتبات میں ملے ہیں، جو آثار قدیمہ کی کھدائی سے حاصل ہوئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت و تبلیغ میں جن اخلاق و آداب کا لحاظ رکھا ہے وہ ہر داعی و مبلغ کیلئے عظیم درس ہیں۔

(۲۱۲) قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ۔ الآیۃ (مریم آیت ۴۷)

ترجمہ :۔ ابراہیم نے کہا میرا اسلام لو اب میں اپنے رب سے تمہاری معافی کی دعا کرتا رہوں گا۔

تفسیر :۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خیراندیشی اور خیرخواہی باپ آزر کو پسند نہ آئی غضبناک ہو کر سنگسار کرنے کی دھمکی دی، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے باپ کو آخری سلام کیا اور یہ کہتے گھر سے رخصت ہوئے کہ میں آپ کی ہدایت و مغفرت کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کافر و مشرک کے لئے ہدایت کی دعا کرنی جائز ہے۔

(۲۱۳) وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا الآیۃ (مریم آیت ۵۸)

ترجمہ :۔ اور یہ سب اُن لوگوں میں تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور پسند کر لیا تھا۔

تفسیر :۔ مذکورہ آیت میں تذکرہ ہے اُن تمام نبیوں کا جو شروع سورت سے یہاں تک بیان کئے گئے ہیں، یعنی سیدنا زکریا علیہ السلام سے سیدنا ادریس علیہ السلام تک یہ سارے حضرات ہدایت یافتہ اور پسندیدہ شخصیات ہیں انہی کی اتباع و تقلید میں اُخروی نجات رکھی گئی ہے۔

ملحوظہ :۔ سیدنا ادریس علیہ السلام قابیل کے فرزند اکبر یعنی سیدنا آدم علیہ السلام کے پوتے ہوتے ہیں اسرائیلی روایات کے مطابق انکا زمانہ ۳۲۸۴ سنہ تا ۳۰۱ سنہ قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے عمر شریف (۳۶۵) سال بیان کی جاتی ہے۔ توریت و انجیل میں انکے آسمان پر اٹھائے جانیکا تذکرہ موجود ہے۔ لیکن قرآن و حدیث میں واضح طور پر ان کے رفع جسمانی کا ذکر نہیں ملتا جیسا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

قرآن حکیم کی جس آیت سے ان کے رفع جسمانی پر استدلال کیا جاتا ہے وَرَفَعْنَاهُ

مَكَانًا عَلِيًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۵۷) اس رفعت سے معنوی رفعت یعنی بلند و بالا مقام عزت و اکرام کا مقام مُراد ہے جو نبیوں کو دیا جاتا ہے۔ اور جو حدیث اس بارے میں نقل کی جاتی ہے وہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ (کشاف، ابن کثیر، روحُ المعانی، تفسیر کبیر، بیضاوی)۔

حکیمُ الامّت رح نے لکھا ہے کہ اگر روایت صحیح بھی ہو تب بھی آیت کی تفسیر اس پر موقوف نہیں۔ (بیانُ القرآن)

سُلوک ؕ:۔ حکیمُ الامّت رح نے آیت کے مذکورہ ٹکڑے سے "جذب وسلوک" کا اثبات کیا ہے۔ جو علم تصوّف میں کثرت سے بولا اور لکھا جاتا ہے۔

(سلوک اس ہدایت نصیبی کا نام ہے جو شریعت کی ہدایات و رہنمائی سے حاصل کیا جاتا ہے اور جذب اجتبار کا نام ہے (یعنی انتخاب) کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہدایت و کامرانی کا فیصلہ کردیں، جیسا کہ انبیار کرام کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے انھیں راست ہدایت و کامیابی دیدی جاتی ہے۔)

آیت میں انبیار کرام کے دو قسم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

ایک ۱ یہ کہ وہ سب مقبولین اور صاحب کمال ہوا کرتے ہیں، دوسرے ۲ یہ کہ باخشوع وخضوع اور باکمال بندے ہوا کرتے ہیں۔

(۲۱۴) إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا۔ الآیۃ (مریم آیت ۵۸)

ترجمہ:۔ جب ان کے آگے اللہ رحمٰن کی آیات پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے، پھر ان کے بعد چند ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب بربادی سے دوچار ہوں گے۔

تفسیر:۔ اوپر کی آیات میں مسلسل کئی ایک انبیاء و صدیقین کا تذکرہ آیا ہے جنھوں نے اللہ کی بندگی اور اس کی نیازمندی میں اپنی ساری زندگی ختم کی ہیں اور اس کے نام و کلام پر شدتِ خشیت میں رو پڑے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کے وقت رونا اللہ والوں کا طریقہ رہا ہے۔

ملحوظہ:۔ حدیث شریف میں آیا ہے قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو۔ (موضح القرآن)

سیدنا عمر فاروقؓ نے سورہ مریم (آیت سجدہ) پڑھکر سجدہ کیا اور فرمایا ھٰذَا السُّجُوْدُ فَاَیْنَ الْبُکِیُّ؟ (یہ تو سجدہ ہوا آگے بُکا کہاں ہے) مطلب یہ کہ تلاوت پر رونا بھی چاہیئے۔

سیدنا عمر فاروقؓ ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے ایسا شدید گریہ طاری ہوا کہ آخری صفوں میں اس کی آواز پہنچی۔

(۲۱۵) فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ الآیۃ (مریم آیت ۶۵)

ترجمہ:۔ سو آپ اللہ کی عبادت کریں اور اسپر قائم بھی رہیں۔

تفسیر:۔ یعنی اللہ کی عبادت اور اسکی دعوت و تبلیغ پر آپ مضبوطی سے قائم رہیں مخالفوں کی مخالفت کا کوئی اندیشہ نہ کریں یہ تو ختم ہونے والے ہیں آپکا نام اور کام باقی رہنے والا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اسمیں طریق سلوک کے مجاہدات کی جانب اشارہ ملتا ہے اور اس پر صبر و ثبات کی تلقین بھی معلوم ہوتی ہے (طریق کے مجاہدات وہی ہیں جنکی شریعت نے اجازت دی ہے۔)

(۲۱۶) قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا الآیۃ (مریم آیت ۷۵)

ترجمہ:- آپ کہدیں کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ رحمٰن انھیں خوب ڈھیل دیتا جاتا ہے۔

تفسیر:- آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم سنّت کا ذکر ہے جو غافلوں، مجرموں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے یعنی جو لوگ دنیا کی زندگی میں غفلت و معصیت شعاری کی عادت میں پڑے ہوئے ہیں اُن پر اللہ کی جانب سے خوشحالی، فارغ البالی شان و شوکت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کو اس خوش عیشی پر مغرور نہ ہونا چاہیئے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے متکبّروں کے ساتھ یہی معاملہ جاری رکھا ہے، یہ دراصل اُس بھیانک گرفت کی ڈھیل ہے جو اُنھیں ہلاکت خیزی سے دوچار کر دیتی ہے۔

سُلوک:- حکیمُ الامّت نے آیت سے یہ لطیف نکتہ اخذ کیا ہے کہ جب اہلِ باطل پر نعمتوں کا نزول اور اس کا بقار بھی جاری رہتا ہے تو گمراہ اہل طریقت کو اپنی خوش احوالی و مرفع الحالی پر مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ (بہت سے روایتی و مصنوعی پیر دن کی زندگی مرفع الحال رہی ہے اور اس حالت کو اُن لوگوں نے اپنی مقبولیت عند اللہ کا نتیجہ سمجھا ہے)۔

ایک عارف کہتا ہے۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے ، حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(۲۱۷) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ الآیۃ (مریم آیت ۹۶)

ترجمہ:- بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اللہ رحمٰن اُن کے لئے محبت پیدا کر دیگا۔

تفسیر:- مطلب یہ کہ ایسے باعمل ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت عطا

کرتے ہیں۔ یہ محبت تین طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت اُن کے قلوب میں پیدا کر دیتے ہیں۔

دوم یہ کہ یا اللہ خود اُن سے محبت کرتے ہیں۔

سوم یہ کہ یا مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتے ہیں۔

احادیث میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو پسند فرما لیتے ہیں تو جبرئیل امین کو آگاہ کرتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی محبت کرو، پھر جبرئیل امین ساتوں آسمانوں میں اسکا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا فرشتہ جبرئیل امین فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں لہٰذا تم سب اُس سے محبت کرو چنانچہ ہر آسمان کے فرشتے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر آسمانوں کی یہ محبت زمین پر نازل کی جاتی ہے (تو زمین والے بھی سب محبت کرنے لگتے ہیں۔)

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت مریم ۹۶ بطور شہادت تلاوت فرمائی۔ (روح المعانی)

آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی کہ وُدًّا کے معنیٰ "محبوب" یعنی اللہ تعالیٰ ایسے ایمان والوں کے لئے ایسی چیزیں مہیّا کر دیتے ہیں جن کو وہ لوگ پسند کرتے ہوں۔ (کبیر عن ابی مسلم)

مزید ایک تفسیر یہ بھی کی گئی کہ اللہ تعالیٰ انکے قلوب میں اپنی محبت یعنی طاعت کی لذّت و حلاوت پیدا کر دیتے ہیں۔ (روح المعانی)

سلوک :- حکیم الامت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت زمینی مخلوق کے قلوب میں ڈالدی جاتی ہے اس سے وہ قلوب مراد ہیں جن میں اللہ کی محبت موجود ہو ورنہ جو دل اللہ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں اُن میں مومنین صالحین کے خلاف بغض و عناد ہی بھرا رہتا ہے، جیسا کہ اہل شرک و کفر کے قلوب ہوا کرتے ہیں۔

ملحوظہ:- بعض غیر مسلموں نے بھی اہل اللہ سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے جس سے ایک عام آدمی کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کے قلوب میں بھی اللہ والوں کی محبت ہے۔

لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ ان کی یہ محبت، صورتِ محبت ہے حقیقی محبت نہیں، صرف اپنے نفع کی خاطر محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

سورۃ طٰہٰ پارہ ۱۶

(۲۱۸) طٰہٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی۔ الآیۃ

(طٰہٰ آیت ۲-۱)

ترجمہ:- طٰہٰ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اُٹھائیں۔

تفسیر:- آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راست خطاب ہے کہ آپ پر قرآن کا نزول اس لئے نہیں ہوا کہ آپ تعب و مشقت میں پڑ جائیں۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں کسی کو بھی ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔ آپ کے تعب و مشقت اٹھانے کی دو صورتیں تھیں۔

ایک یہ کہ کافروں کے مسلسل انکار و بغاوت پر آپ غمزدہ ہو جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ رات میں نفلی نمازوں میں تلاوت کی کثرت کیا کرتے تھے جس سے ساری ساری رات نمازوں اور تلاوت میں گزر جاتی تھی۔

مذکورہ آیت میں دونوں حالتوں کی اصلاح کی جا رہی ہے کہ آپ نہ غمزدہ ہوں اور

نہ راتوں میں تلاوت کی کثرت سے تعب و مشقت میں پڑیں، اعتدال ملحوظ رکھیں آپ کا کام تذکیر و تبلیغ ہے جسے ماننا ہوگا وہ مانے گا اور جو نہ مانے آپ اُس کی فکر نہ کریں۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت میں تعدیل مجاہدہ کی تعلیم ہے (یعنی دعوت و تبلیغ ہو یا طاعت و عبادت اعتدال کی کیفیت رکھنی چاہیے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جسمانی یا روحانی طور پر کوئی تعب و مشقت پیدا نہ ہو۔)

ملحوظہ:۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام راتوں کے وقت نماز میں کھڑے ہو کر بہت زیادہ قرآن پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جایا کرتے، خاندان کے بعض کافر عزیز و قریبی آپ کی یہ محنت و ریاضت دیکھکر کہتے تھے کہ قرآن کیا نازل ہوا، بیچارہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سخت تکلیف و مصیبت میں پڑ گیا۔

اس نادان خیر خواہی کا جواب مذکورہ آیت میں دیا گیا کہ قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور اللہ کا خوف رکھتے ہوں ایسے لوگ قرآن سے نصیحت و ہدایت حاصل کریں۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کے لئے نور، ہدایت، رحمت و نعمت ہے۔

(۲۱۹) اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب موسیٰ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھیرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے کیا عجب اُس میں سے کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ (کی روشنی) سے آگے کا راستہ پاؤں۔

تفسیر:۔ آیت میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا شہر مدین سے مصر واپس ہونیکا تذکرہ

ہے، شہر مدین میں سیدنا شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے نکاح ہو گیا تھا دس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد اپنے وطن مصر واپس ہو رہے تھے بیوی صاحبہ ساتھ تھیں، رات اندھیری، سردی شباب پر تھی ساتھ بکریوں کا گلہ بھی تھا، اس حالت میں راستہ بھول گئے بکریاں بھی منتشر ہو گئیں اور بیوی صاحبہ کو جو حاملہ تھیں دردِ زہ شروع ہوا، اندھیری رات میں سخت پریشان ہو گئے، سردی سے تاپنے کیلئے آگ موجود نہ تھی ان مصائب میں دور سے ایک آگ نظر آئی (حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ اللہ کا نور تھا) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر بیوی صاحبہ سے کہا تم یہیں ٹھہرے رہو میں آگ کا کوئی انگارہ لیتا آؤں، جب وہاں پہنچے تو عجیب و غریب منظر دیکھا ایک درخت پر زور و شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جسقدر بھی بھڑکتی ہے درخت اسی قدر سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگتا ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام جونہی آگ کے قریب جاتے تو آگ دور ہو جاتی اور جب اس سے دور ہوتے تو آگ قریب ہونے لگتی، اس حیرت و دہشت میں درخت سے آواز آئی اے موسیٰ میں ربُّ العالمین ہوں ڈرو نہیں تمہیں نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ بعض دفعہ صاحبِ کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نورِ الٰہی محسوس نہ ہوا اور اسکو انھوں نے دُنیاوی آگ سمجھی۔

ملحوظہ :۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مُسند میں ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب اُس آگ میں ندائے غیبی "یا موسیٰ" سُنا تو کئی بار لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ پکارا (میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) اور عرض کی یا ربّ میں آپکی آواز سُن رہا ہوں اور آہٹ محسوس کر رہا ہوں مگر یہ نہیں دیکھ پا رہا ہوں کہ آپ کہاں ہیں؟ آواز آئی میں تیرے اُوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے آگے ہوں،

تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے قریب تر ہوں۔ (مسند احمد)

شاہ عبدالقادر صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ندائے غیبی ہر جانب سے اور اپنے بدن کے رواں رواں سے سن رہے تھے (لیکن کوئی شخصیت نظر نہیں آرہی تھی)۔ (موضح القرآن)

(۲۲۰) اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى. الآیۃ (طٰہٰ آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ میں تمہارا رب ہوں سو تم یہاں اپنی جوتیاں اتار دو بیشک تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو۔

تفسیر:۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لے کر شہر مدین سے اپنے وطن ملک مصر آرہے تھے رات کی تاریکی میں راستہ بھول کر دوسری سمت نکل گئے آگے دور کچھ روشنی نظر آئی آگ سمجھکر لینے گئے جب اُس مقام پر پہنچے تو ندا آئی موسیٰ اپنی جوتیاں اُتار دو، اس میدان کا نام طویٰ تھا چونکہ یہاں اللہ کی تجلیات نازل ہو رہی تھیں مقام مقدس ہو گیا ادب و احترام کا تقاضہ تھا کہ جوتے اتار دیئے جائیں۔ (ابن کثیر)

سلوک:۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مقاماتِ مقدسہ کا ادب و احترام مذکورہ آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

ملحوظہ:۔ تقدس و تبرک کا معیار کہ کونسی چیز اور کونسی جگہ مقدس و متبرک ہے انسانی عقل و فہم سے متعلق نہیں کہ ہم جسکو مقدس سمجھیں وہ مقدس ہو جائے بلکہ اس کا حقیقی معیار کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں کہ شریعت اسلامی جس مقام یا جس چیز کو مقدس قرار دے وہ مقدس و متبرک سمجھی جائیگی۔

وَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ اِلَّا الضَّلَالُ۔

(۲۲۱) قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۲۱)

ترجمہ:۔ اللہ نے فرمایا اے موسیٰ اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اسے ابھی اسکی پہلی صورت پر کئے دیتے ہیں۔

تفسیر:۔ وادیٔ طویٰ میں نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے یدِ بیضا، عصائے موسیٰ دیے گئے اور ہدایت کی گئی کہ اپنا عصا (لاٹھی) زمین پر ڈالدو، چنانچہ ڈالتے ہی وہ پھرتیلا سانپ بن گیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام مارے خوف پیٹھ پھیر کر بھاگے، اللہ نے پھر آواز دی گھبراؤ نہیں اس کو پکڑ لو، پکڑنا ہی تھا کہ وہ عصا اپنی اصل شکل پر آ گیا۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ غیر طبعی چیزوں سے ڈر جانا فطری بات ہے انسانی کمال تو کیا نبوت کے بھی خلاف نہیں (اگر موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے ہوں تو کوئی عیب کی بات نہیں)۔

ملحوظہ:۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے پیش آئے اس سے خوف نہ کرنا کمال وہمت کی بات ہے (یعنی جرأت وشجاعت کی بات ہے) جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام آتشِ نمرودی سے قطعی نہیں ڈرے۔ ؎

بے دھڑک کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

اور جو حادثہ اللہ کی طرف سے (یعنی بغیر اسباب ظاہری) اس میں ڈرنا ہی کمال وادب کی بات ہے، کیونکہ ایسا ڈرنا حقیقتاً اللہ ہی سے ڈرنا ہوا جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا جاتے تھے کہ کہیں یہ عذاب الٰہی نہ بن جائے، اس قسم کی مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

(۲۲۲) وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ

اَزْرِیْ وَاَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ ۔ (طٰہٰ آیت ۲۹ تا ۳۲)

ترجمہ :۔ اور میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں اِن کے ذریعہ میری قوت کو مستحکم کر دیجئے اور انکو میرے کام تبلیغ میں شریک کر دیجئے۔

تفسیر :۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کر دیئے جانے کے بعد فرعون اور اہل فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا اور یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اُس کو نرمی اور خیر خواہی سے توحید کی دعوت دیں یہ نہایت سرکش و باغی ہو چکا ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تائید و تقویت کے لئے اللہ تعالیٰ سے اپنے بڑے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کی خدمات بھی طلب کیں کہ ان کو بھی میرے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے؟ چنانچہ اجازت مل گئی۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ کاملین بھی ظاہری اسباب اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں (یہ عمل نہ بزرگی کے خلاف ہے نہ توکل کے خلاف) اسباب اختیار کرنے میں اِن حضرات کا مقصود دین اور استعانت فی الدین ہی ہوا کرتا ہے۔

(۲۲۳) اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰی الآیۃ (طٰہٰ آیت ۳۸)

ترجمہ :۔ جب ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام کی جو الہام کئے جانے کے قابل تھی۔

تفسیر :۔ الہام اُس مخفی پیام کو کہا جاتا ہے جو بغیر واسطہ دلوں میں آ جائے یہی کلام و پیام اگر اللہ اور اُس کے فرشتوں کی جانب سے نیک و صالحین کے قلوب میں آ جائے تو اس کو الہام خداوندی کہا جاتا ہے، اور اگر نفس و شیاطین کی جانب سے ہو تو وہ "وساوس و خیالات" ہیں۔ (اہل علم سے مراجعت کی جائے)

فرعون کی شیطانی تحریک "قتل اولاد" سے سیدنا موسیٰؑ کو بچانے کے لئے

اللہ تعالیٰ نے اُنکی ماں کے قلب میں الہام کیا کہ بچے کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں بہادیا جائے، چنانچہ اُمّ موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔
(تفصیل کیلئے "ہدایت کے چراغ جلد اوّل صفحہ ۵۴ دیکھئے۔)

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے استدلال کیا کہ نبیوں کے علاوہ نیک و صالحین کو بھی اللہ کی جانب سے الہام ہو سکتا ہے۔ (سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہ تھیں ولیہ و صدیقہ تھیں۔)

(۲۲۴) وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ۔الآیۃ (طٰہٰ آیت ۴۰)

ترجمہ:۔ اور تم نے اے موسیٰ (غلطی سے) ایک شخص کو جان سے مار ڈالا پھر ہم نے تم کو اُس غم سے نجات دی۔

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ اقدام قصداً و ارادۃً نہ تھا واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک کمزور مسلمان کو ایک فرعونی زد و کوب کر رہا تھا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اُس ظالم فرعونی کو ایک مکا رسید کیا وہ ایسا کمزور و بودہ ثابت ہوا کہ وہیں دم توڑ دیا۔ (تفصیل سورۂ قصص میں دیکھی جائے۔)

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ کاملین سے بھی لغزش ہو سکتی ہے لیکن ان کی لغزش چونکہ نفسانی یا ہیجانی نہیں ہوتی اس لئے قابل مواخذہ بھی نہیں، اس کے باوجود یہ حضرات توبہ و استغفار کیا کرتے ہیں اُن حضرات کی لغزش اوروں کی لغزش سے مختلف ہوا کرتی ہے۔

(۲۲۵) وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۔الآیۃ (طٰہٰ آیت ۳۹)

ترجمہ:۔ اور میں نے تمہارے اُوپر اپنی طرف سے ایک (خاص) محبت کا اثر ڈالدیا تھا۔

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کے ایک خاص احسان کا ذکر ہے کہ

جب یہ پیدا ہوئے تو اللہ نے اِن کے جسم پر اپنی صفات میں سے ایک صفت "صفت محبت" ڈالدی، اس کا ظاہری اثر یہ ہوا کہ بچّے کو جو بھی دیکھتا فریفتہ ہو جاتا، علاوہ ازیں بڑی حسین وجمیل شکل وصورت بھی تھی، حتیٰ کہ بچّوں کے قاتل فرعون اور اہلِ فرعون بھی متاثر ہوگئے اور انھوں نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّتؒ نے آیت سے علمِ تصوّف کا وہ مسئلہ ثابت کیا ہے جو صوفیہ میں "مسئلہ مظہریت" کے نام سے معروف ہے، مذکورہ آیت سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔

مظہریت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب صفات میں ایک صفت "صفت محبت" بھی ہے کہ وہ "اَلْوَدُوْد" محبّت کرنیوالا ہے اللہ تعالیٰ اپنی اس صفت کی کیفیت کو اپنے کسی بندے کی شکل وصورت پر پیدا کردیتے ہیں تو وہ بندہ محبوبِ خلائق ہو جاتا ہے انسان ہی نہیں حیوانات بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اسکو مسئلہ مظہریت کہا جاتا ہے کہ یہ بندہ اللہ کی صفتِ محبّت کا مظہر ونمونہ ہے، یہ صرف ایک صفت حال کا نہیں اللہ کی دیگر صفات کی بھی یہی شان ہے کہ جب وہ کسی بندے پر ڈالدی جاتی ہیں تو بندے میں وہ شان پیدا ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس خاص انعام واکرام کے باوجود بندہ، بندہ ہی ہے نہ اللہ کی ذات میں شریک ہوا نہ اُس کی صِفات میں شریک ہوا۔

محققین صوفیہ کہتے ہیں۔

وَالْعَبْدُ عَبْدٌ اِنْ تَرَقّٰی ، وَالرَّبُّ رَبٌّ اِنْ تَنَزَّلَ

بندہ، بندہ ہی ہے اگرچہ عُروج کرے ، اور اللہ، اللہ ہی ہے اگرچہ نزول کرے۔

(۲۲۶) اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ

ذِکْرِیْ۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۴۲)

ترجمہ:۔ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت نبوت ملنے کے بعد دی جارہی ہے کہ تم اور تمہارے بھائی ہارون (علیہ السلام) دونوں فرعون کے پاس جائیں اور میرے عطا کردہ معجزات (ید بیضاء، عصا) سے کام لیں اور یاد رکھنا کہ اس کارِ عظیم کی ادائیگی (دعوت توحید) میں ذکر الٰہی سے غفلت نہ برتنا۔ دعوت و تبلیغ کے کام ہوں یا تدریس و تالیف کے کام ہوں خود کو ذکر الٰہی سے معمور رکھنا خیر و برکت کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور اسکا نفع متعدی ہوتا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ اس ہدایت میں اہل علم کے اس قول کی تائید ہے کہ معلّم کو خود بھی ذاکر ہونا چاہیئے تاکہ شاگردوں کو تعلیم و ارشاد کی برکتیں نصیب ہوں۔

(۲۲۷) فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۴۴)

ترجمہ:۔ پھر اُس (فرعون) سے بات چیت نرم کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا عذاب الٰہی سے ڈر جائے۔

تفسیر:۔ آیت میں دعوت و تبلیغ کا مرکزی نکتہ بیان کیا جارہا ہے کہ اس کام میں بہر صورت حُسن اخلاق و حکمت و دانائی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

سیدنا موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو نصیحت کی جارہی ہے کہ فرعون اور آلِ فرعون کو اسی اصول کے تحت دعوت دی جائے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا

درس ہے کہ باوجود فرعون کی بغاوت وسرکشی جسکا ذکر اُوپر کی آیات میں آچکا ہے سیّدنا موسیٰ جیسے برگزیدہ نبی ورسول کو حکم دیا جارہا ہے کہ فرعون سے لُطف وعنایت کے ساتھ پیش آنا۔

حکیمُ الامت ؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ وصف اہل طریق میں کثرت سے رائج ہے۔

(۲۲۸) قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی۔

الآیۃ (طٰہٰ آیت ۴۶)

ترجمہ:۔ ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو کیونکہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

تفسیر:۔ سیّدنا موسیٰ وہارون علیہم السّلام کو فرعون کے دربار میں جانے سے پہلے یہ تسلّی دی جارہی ہے کہ اُس متکبّر سے تم کوئی اندیشہ نہ کرنا میں تمہارے ساتھ ہوں بلاخوف واندیشہ اپنا پیام پہنچادینا۔

تفسیر ماجدی کے مفسّر لکھتے ہیں کہ کسی کانسٹیبل سے وائسرائے جنرل یہ کہدیں کہ فلاں ڈاکو سے مقابلہ کرنے میں تم اندیشہ نہ کرو، ہم خود مع اپنی ساری قوّت کے تمہارے ساتھ ہیں تو وہ کیسا باغ باغ ہوجائے گا، اور اُسے کیسا زبردست سہارا ہاتھ آجائیگا؟ پھر یہاں تو بندے کو اللّٰہ کا سہارا ہاتھ آرہا ہے تسکین وتقویت قلب کی اس سے بڑھی کوئی اور صورت بھی ہوسکتی ہے؟

حکیمُ الامت ؒ لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ آیت یہ ہے۔

اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی۔ الآیۃ

(بیشک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں)

پہلی تفسیر تو یہ کہ اَسْمَعُ وَاَرٰی کو اِنَّنِیْ مَعَکُمَا کی تفسیر قرار دی جائے مطلب یہ ہوگا کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں، اور سُن رہا ہوں، خلاصہ

یہ کہ میری صفتِ سمع وبصر (دیکھنا اور سننا) تم دونوں کے ساتھ ہیں۔ (قربِ صفاتی)
دوسری تفسیر یہ کہ دونوں جملوں کو مستقل قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں اور سن بھی رہا ہوں، یعنی میری ذات تم دونوں کے ساتھ ہے۔ (قربِ ذاتی)

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ پہلی تفسیر مراد لی جائے تو اس سے "قربِ صفاتی" کا ثبوت ہوگا۔ اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے تو اس سے "قربِ ذاتی" کا ثبوت ہوگا۔

(دَلِیْلُهُمَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ الآیۃ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ الآیۃ)

ملحوظ:۔ قربِ ذاتی اور قربِ صفاتی علمِ تصوف کی معروف اصطلاح ہیں تفصیل کے لئے اہلِ علم سے مراجعت کی جائے۔

(٢٢٩) قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ٤٩)

ترجمہ:۔ کہنے لگا اے موسیٰ پھر یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں کا ربّ کون ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ ہمارا (اور سب کا) ربّ وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی کی۔

تفسیر:۔ ہدایتِ ربّانی کے مطابق جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اہلِ فرعون کو دعوتِ توحید دی تو کہنے لگا اے موسیٰ تم کس خدا کی دعوت دے رہے ہو؟ خدا تو میں خود ہوں۔ مصر میں فرعون سب سے بڑا دیوتا (سورج دیوتا) کا اوتار سمجھا جاتا تھا اور خدائی اختیارات کا حامل بھی، عوام نے انہی تصورات کے تحت اسکا دماغ خراب کر رکھا تھا وہ ابتک خود اپنی ذات کو سب سے بڑا دیوتا، اوتار سننے کا عادی ہو چکا تھا، اب جو نئی بات سنی تو حیرت سے پوچھتا ہے کہ اچھا بتاؤ تمہارا

ربّ کون ہے؟

سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا ارے تو اس کو نہیں جانتا وہ تو وہ ذات ہے جس نے ساری مخلوقات کو وجود عطا کیا اور جو کام جس سے لینا چاہا اُسی کے مطابق اس کے اعضاء و جوارح بھی پیدا کئے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت ؒ نے سیدنا موسیٰ علیہ السّلام کے جواب سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اللہ کی ذاتی معرفت بیان کرنا محال ہے البتہ تعریف بالصّفات والافعال بیان کی جاسکتی ہے۔

(چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کے سوال پر اللہ کا تعارف اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ تو وہ ذات ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا اور پھر ہر ایک کو اُس کے مناسب اُسی کام میں لگا دیا، دراصل یہی اللہ کا صفاتی تعارف ہے۔

(۲۳۰) وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۵۳)

ترجمہ:۔ اور آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے۔

تفسیر:۔ مذکورہ آیات میں سیدنا موسیٰ علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کا صفاتی تعارف کروا رہے ہیں کہ اُس نے انسانوں کے لئے زمین کو فرش بنایا جس پر تم سب آرام و استراحت کرتے ہو پھر زمین میں راستے بنائے جس پر تم چلتے پھرتے ہو اور آسمان سے بارش نازل کی، پھر ہم نے اس پانی سے نباتات (پھل پھول غذائیں) پیدا کئے۔

فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا۔ پھر ہم نے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے

اس جملہ میں خطاب، غائب سے حاضر کی طرف کردیا گیا (ہم نے پیدا کیا)
سُلوک:۔ حکیم الامت نے اس عنوان سے یہ عقیدہ ثابت کیا کہ ہر شئی کے مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں اس لئے یہاں "اس نے پیدا کیا" کے بجائے "ہم نے پیدا کیا" خطاب حاضر کا اختیار کیا۔
البتہ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ الآیۃ (یعنی ہم نے یہ سب پانی سے پیدا کیا) پانی کے ذکر سے اسباب کا ثبوت بھی نکل رہا ہے یعنی فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں البتہ اسباب کا اختیار کرنا بھی جائز ہے۔

(۲۳۱) قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۶۱)

ترجمہ:۔ موسیٰ نے اُن جادوگروں سے کہا ارے کمبختی مارو اللہ پر جھوٹ نہ بولو ورنہ وہ تم کو عذاب سے نیست ونابود کر دیگا اور جو جھوٹ باندھتا ہے ناکام ہی رہتا ہے۔

تفسیر:۔ جادوگر حق کا مقابلہ جھوٹ (جادو) سے کرنا چاہتے تھے ان کو تنبیہ دی گئی کہ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کیونکہ جھوٹ (باطل) سے حق کا مقابلہ کرنے والے ہمیشہ ہی ناکام رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر کوئی آسمانی عذاب ٹوٹ پڑے۔
سُلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون سے ترش لہجہ اختیار نہیں کیا بلکہ نرمی اور خیر خواہی سے گفتگو کی اور ساحروں سے ترش لہجہ اختیار کیا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ اسلوب "حفظ مراتب" کا درس دیتا ہے کہ ہر شخص سے اُسکے ذوق ومزاج ومرتبہ کے مطابق کلام کیا جائے۔

(۲۳۲) فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوسٰى۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۶۷)
ترجمہ:۔ سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔

تفسیر:۔ جادوگروں نے مقابلہ میں اپنی رسیاں ولاٹھیاں زمین پر ڈالدیں تو وہ یکایک سانپ بنکر دوڑنے لگے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس غیر متوقع وخوفناک منظر سے کچھ خوفزدہ ہوگئے پھر یہ خوف جاتا رہا جب آپ کا عصا پھرتیلا سانپ بنکر جادوگروں کے کرتب کو نگلنا شروع کردیا۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے اس واقعہ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت کی کہ ابتداءً خوفزدہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آپ مدعی بکمال نہ تھے کیونکہ مدعی خوفزدہ نہیں ہوتا اسکو ایک زعم و پندار ہوا کرتا ہے اور وہ اس نشہ میں اپنی شکست کا تصور تک نہیں کرتا۔

(ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ باکمال آدمی اپنے آپ کو باکمال نہیں سمجھتا۔)

(۲۳۳) قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ۔

الآیۃ (طٰہٰ آیت ۷۲)

ترجمہ:۔ جادوگروں نے فرعون کو صاف جواب دیدیا کہ ہم تجھکو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ اُن دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اُس ذات کے جس نے ہمکو پیدا کیا ہے لہٰذا تجھکو جو کچھ کرنا ہو کرلے۔

تفسیر:۔ جادوگروں نے جب اپنے کرتبوں کو فنا ہوتے دیکھا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بنکر میدان کے ہزاروں اژدہاؤں کو نگل رہا ہے تو اُن کی فطرت نے یقین کرلیا کہ موسیٰ کا عمل سحر نہیں ہے، خدائی طاقت ہے جو موسیٰ کے ہاتھوں جاری ہورہی ہے، بس سب سجدہ میں گر پڑے اور کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے اس واقعہ سے ایک لطیف بات کا استخراج کیا ہے کہ جب فطرت مسخ نہ ہو اور استعداد درست ہو تو مبتدی یکدم منتہی کے

مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

(ساحروں کا سجدہ میں گر جانا اُن کے کامل الایمان ہونے کی علامت ہے۔ طٰہٰ آیت ۷۰)

(۲۳۴) قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۹۲ و ۹۳)

ترجمہ:۔ موسیٰؑ نے کہا اے ہارونؑ تمہیں کونسا امر مانع ہوا اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ بھٹک گئے ہیں۔

تفسیر:۔ یہ بات اس واقعہ سے متعلق ہے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کے لئے کوہ طور پر چلے گئے تھے اور چلتے وقت قوم میں اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب وخلیفہ مقرر کیا تھا اس اثنا قوم کے ایک ہوشیار شخص سامری نے گوسالہ پرستی (گائے پوجا) پر ساری قوم کو ڈالدیا، سیدنا ہارون علیہ السلام سے اس کا انسداد نہ ہو سکا اور وہ بے بس ہو گئے۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کتاب تورات لیکر قوم میں آئے تو قوم کا یہ بُرا حال دیکھکر سیدنا ہارون علیہ السلام پر برس پڑے اور کہا کہ اگر تم سے اسکا انسداد نہ ہو سکتا تھا تو اپنے ساتھیوں کو لے کر میرے پاس کوہ طور پر آجاتے۔ الخ

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ جب اشرار کی تعلیم وتربیت سے مایوسی ہو جائے تو ان سے مفارقت کر لینی چاہیئے۔

(۲۳۵) قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۹۶)

ترجمہ:۔ سامری نے کہا مجھکو ایسی چیز نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اس فرستادہ کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی اور وہ

مٹی اُس قالب میں ڈالدی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی۔ (یعنی مجھکو ایسا ہی سُوجھا)

تفسیر:۔ تفسیر روح المعانی میں روایات نقل کی گئیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سونے چاندی کے وہ زیورات جو بنی اسرائیل (قوم موسیٰ) نے ہجرت کرنے سے پہلے مصریوں سے عاریۃً مانگ لئے تھے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے چالیس دن کوہ طور پر قیام کے زمانے میں سامری نے اُن سب زیورات کا ایک مجسّمہ بنایا اور وہ مشتِ خاک جو اُس نے جبرئیل امین کی سواری کے نقشِ قدم سے اٹھایا تھا اُس بچھڑے کے پیٹ میں ڈالدی، بچھڑے میں حرکت سی پیدا ہوئی اور وہ بھائیں بھائیں کرنے لگا، یہ کرشمہ دکھا کر قوم سے کہا موسیٰ تو خُدا سے ملنے طور پر گئے ہیں لیکن خدا ہمارے پاس ہے، پھر کیا تھا بیوقوف قوم بچھڑے کی پُوجا کرنے لگی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس آئے اور سامری کا تعاقب کیا تو اُس نے مذکورہ تفصیل سنائی اور یہ بھی کہا کہ یہ ترکیب میری اپنی خانہ زاد ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے لعنت کی اور فرمایا کہ اب تو زندگی بھر لوگوں سے کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے نہ میرے قریب آئے۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا وہ زندگی بھر باؤلے کتے کی طرح بچا بچا پھرتا تھا، جو کوئی اس کے قریب ہوتا یا یہ خود کسی کے قریب ہوتا تو تیز بخار میں مُبتلا ہوجاتا، آخر اسی ذلت ورسوائی میں فوت ہوا۔

سُلوکؔ:۔ اہلِ تحقیق صوفیہ لکھتے ہیں کہ کشف وتصرف پر ناز کرنا خطرناک ثابت ہوا ہے۔

ملحوظہ:۔ علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے لکھا ہے کہ ہندوستان (بھارت) میں چھوت چھات کی جو رسم چل پڑی ہے عجب نہیں اُس کی اصل بھی سامری

کی "لَا مِسَاسَ" (مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے) سے نکلتی ہو، (تفسیر ماجدی)

شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے اس میں مٹی پڑی برکت کی، حق و باطل ملکر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کیطرح روح اور آواز اس میں ہوگئی۔

آگے لکھتے ہیں کہ ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہیئے اس سے بت پرستی بڑھتی ہے۔ (موضح القرآن)

(۲۳۶) وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۱۱۵)

ترجمہ:- اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو اُن سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں (حکم توڑنے کا) عزم نہ پایا۔

تفسیر:- اللہ کا یہ حکم جنت کے ایک خاص درخت کے قریب نہ جانیکا تھا سیدنا آدم علیہ السلام ایک عرصہ تک تو پابند رہے پھر حکم بھول گئے اور درخت کا دانہ کھالیا۔

عزم پختہ ارادے کو کہا جاتا ہے جسکا لازمی نتیجہ عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے قرآن حکیم کی یہ آیت بیان کرتی ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے اس حکم توڑنے میں اُنکا عزم و ارادہ شامل نہ تھا۔

ایک غفلت و لغزش تھی جو طبعی طور پر ہر انسان میں پائی جاتی ہے اس لئے اس کو گناہ نہیں کہا جاتا۔

سُلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طبعی ضُعف اور کمال میں منافات نہیں (یعنی ممکن ہے کہ ایک شخص باکمال ہو اور اسمیں کمزوری و بھول بھی ہو)

(۲۳۷) فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۱۲۰)

ترجمہ:۔ پھر آدمؑ کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا اے آدم کیا میں تمکو ہمیشگی (کی خاصیت) کا درخت بتلاؤں اور ایسی بادشاہی جسمیں کبھی کمزوری نہ آئے۔

تفسیر:۔ شیطان کا دام فریب یہی تھا کہ اُس نے سیدنا آدم علیہ السلام سے قسم کھا کر کہا میں تمہارا خیر خواہ ہوں میں آپ کو جنت کے ایک خاص درخت کا پتہ دیتا ہوں جس کے پھل پھول میں یہ تاثیر ہے کہ اُس کے چکھنے سے آپ غیر فانی ہو جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جنت میں مقیم رہیں گے۔

جنت میں قیام کا حریص سیدنا آدم علیہ السلام سے زیادہ اور کون ہوگا؟ جبکہ وہ عرصہ دراز تک جنت کی خوش عیشی سے مستفید رہے ہیں دشمن کے فریب میں آ گئے اور درخت کا دانہ کھا لیا۔

(تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۳۰ دیکھئے جو اس حادثہ کی قرآنی تفصیل ہے)۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے اس واقعہ سے علم تصوف کا ایک لطیف مسئلہ بیان کیا ہے کہ ثمرات غیر مقصودہ کی طلب سالک کو مضر ہو جاتی ہے۔

(شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت کا خلود اور اُس کی ملکیت جسکی تحصیل کا علم نہیں دیا گیا تھا ترغیب دی، ظاہر ہے یہ غیر مقصود ثمرات تھے جسکی طلب میں سیدنا آدم علیہ السلام تجاوز کر بیٹھے نتیجہ یہی ظاہر ہوا کہ جنت جیسی آرام گاہ سے زمین پر آنا پڑا۔ غیر مقصود ثمرات کی طلب میں نقصان ہی ہوا)

(۲۳۸) ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۔ الآیۃ

(طٰہٰ آیت ۱۲۲)

ترجمہ:- پھر اُن کے رب نے انھیں مقبول بنالیا اور اُن پر توجہ کی اور راہِ ہدایت دکھادی۔

تفسیر:- سیّدنا آدم علیہ السلام کی لغزش پر انھیں زمین پر اتار دیا گیا، سیّدنا آدم علیہ السلام نے توبہ کی اللہ نے اُنھیں اپنا مقبول بندہ بنالیا اور صراطِ مستقیم کی رہنمائی کی جس پر وہ تاحیات قائم رہے۔

سلوک:- حکیم الامت رح نے آیت کے الفاظ سے تصوّف کی دو اصطلاح کا اثبات کیا ہے جو علم تصوّف میں لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ جذبؔ اور سلوکؔ۔

سیّدنا آدم علیہ السلام کی توبہ پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اِجْتَبٰہ (مقبول کرلیا، چن لیا، پسند کرلیا) اس کیفیت کو علم تصوّف میں جذب کہا جاتا ہے۔

وَھَدٰی، (رہنمائی کی، صراطِ مستقیم نصیب کی) اسی کیفیت کو سلوک کہا جاتا ہے۔

الغرض اجتبار کامل جذب اور ہدایت کا حاصل سلوک قرار پاتا ہے۔

حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ جذب، سلوک سے افضل ہے کیونکہ جذب اللہ تعالیٰ کا عمل ہے اور سلوک بندے کا۔ (سلوک ع۱۴۶ مطالعہ کیجئے۔)

(۲۳۹) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا الآیۃ (طٰہٰ آیت ۱۲۴)

ترجمہ:- اور جس نے میرے ذکر سے منہ پھیرا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا۔

تفسیر:- ذِکْرِیْ سے مُراد یاد، نصیحت، قرآن لئے گئے ہیں لیکن سب کا حاصل ایک ہی ہے، یعنی جو کوئی اللہ کی یاد و عبادت سے دُور ہو گیا اُسکی دُنیاوی زندگی غیر مطمئن، پریشان اور بے لطف ہوگئی، یہ تو اس کی دنیا کا انجام ہے حشر کے

دن ایسا آدمی ابتدًا اندھا اُٹھیگا اور آخرت کا عذاب اسکے علاوہ ہے۔
سُلوک :۔ حکیم الامت رحؒ نے آیت سے مسئلہ قبض کا اثبات کیا ہے جو سالک کو کبھی گناہ یا غفلت یا کسی اور وجہ سے قلب میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے جس کا ظاہری اثر عبادات کا ذوق و شوق، لُطف و چین گم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اسلامی زندگی کو تلخ اور بے لُطف محسوس کرنے لگتا ہے۔ (سلوک ۲۱ اور ۱۰۷ ملاحظہ کیجئے۔)

(۲۲۰) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ۔ الآیۃ (طٰہٰ آیت ۱۳۱)

ترجمہ :۔ اور ہرگز ہرگز اُن چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن کو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو اُنکی آزمائش کے لئے دے رکھا ہے کہ وہ محض دنیاوی زندگی کی رونق ہیں اور آپ کے رب کی عطا کہیں بہتر اور دیرپا ہے۔

تفسیر :۔ دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً یہود، نصارٰی، مشرک، بُت پرست، مجوسی، بُدھ مت انسانوں کو جو عیش و عشرت کا سامان دیا گیا ہے اُنکی جانب آپ آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھئے یہ چیزیں دیکھنے کے بھی قابل نہیں ہیں ان کا یہ عیش چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ انکا امتحان لیا جا رہا ہے کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے بس وہ چند روزہ بہار آنکھ بند ہونے کی مدت ہے پھر اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

اے نبی ہم نے جو دولتِ ایمان و اسلام اور قرآن دی ہیں وہ دنیا کی عارضی وفانی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔
سُلوک :۔ حکیم الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ صوفیہ کرام میں ایک خصوصی عمل ہے

جس کو وہ اپنی زبان میں "نظر بر قدم" کہا کرتے ہیں، مذکورہ آیت میں اس کی تائید ہوتی ہے۔

(یعنی جو چیزیں اللہ کی یاد و فکر سے غافل کر دیتی ہیں ان سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں اس جانب توجہ نہ دیں)۔

ملحوظہ: دنیا کی ان زخرفات، رونقوں اور آسائشوں کو مذکورہ آیت میں "زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" کہا گیا ہے "زَهْرَةٌ" کے معنیٰ تازگی وشادابی ہیں۔

دُنیا کے اس تعارف میں یہ نکتہ ملحوظ ہے کہ یہ ساری چیزیں صرف تازگی وشادابی ہیں جو اپنے اپنے وقت پر مُرجھا جائیں گی۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ الآیۃ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ پارہ ۱۷

(۲۲۱) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔

الآیۃ (انبیاء آیت ۱)

ترجمہ: قریب آلگا لوگوں سے اُن کے حساب کا وقت اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں اعراض کئے ہوئے۔

تفسیر: حساب کا وقت سے مُراد قیامت کا دن ہے کہ وہ انسان کے لئے ہر دن قریب تر ہوتے جا رہی ہے، انسان کے لئے دو قیامت ہیں، پہلی قیامت تو خود اسکی موت ہے جب وہ آگئی اُسپر قیامت قائم ہوگئی۔ دوسری قیامت کائنات

کی ہے جس میں زمین و آسمان چاند سورج ستارے بکھر جائیں گے۔
لیکن انسان کی غفلت کا یہ حال ہے کہ اس کی فکر تو کیا کرتا اس حادثہ کا بھی یقین نہیں رہا ہے۔ غفلت میں پڑا ہے۔ آج یورپ و یورپ زدہ مشرق کی ساری آبادی کا یہی حال ہے۔

سلوک :- حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ غفلت سے مراد انکار و بغاوت ہے جو آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، مطلق غفلت مراد نہیں جس سے کوئی بھی خالی نہیں۔

(۲۴۲) وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ۔ الآیۃ
(انبیاء آیت ۷)

ترجمہ :- اور ہم نے (اے نبی) آپ سے قبل مردوں ہی کو (نبی بنا کر) بھیجا ہے جن پر ہم وحی نازل کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر :- سلسلۂ نبوت ہمیشہ مردوں میں رہا ہے کوئی عورت نبی نہیں رہی نیز ہر ملک و قوم سے مردوں کا انتخاب کیا گیا ہے فرشتہ یا کسی فوق البشر ہستی کو نبی نہیں بنایا گیا۔

"رِجَالًا" رَجُلٌ (مرد) کی جمع ہے یہاں بشرًا نہیں کہا گیا جس میں عورت بھی شامل ہو جاتی۔

سلوک :- حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نبوت جیسے مردوں میں جاری رہی ہے ایسے ہی اہل طریق نے خلافت بھی صرف مردوں کو دی ہے۔

(۲۴۳) وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۸)

ترجمہ :- اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے

ہوں اور نہ وہ ایسے تھے کہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں۔

تفسیر:۔ نبی و رسول بشری ضرورتوں سے بے نیاز نہیں ہوا کرتے ہیں انھیں عام انسانوں کی طرح بھوک پیاس دکھ درد، خوف و غم سب کچھ ہوا کرتا تھا وہ جس طرح بشری ضرورتوں کے ساتھ دنیا میں آئے سلامتی و ہدایت کے ساتھ موت کا بھی ذائقہ چکھے ہیں، اللہ نے انھیں انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کیا تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کھانا وغیرہ نہ کھانا کمالات و فضائل میں شامل نہیں ہے جیسا کہ عام لوگ بلکہ بعض خاص لوگ بھی ایسا خیال کرتے ہیں (کہ حضرت پہلے تو کھاتے ہی نہیں ہیں اور اگر کھاتے بھی ہیں تو برائے نام یا بطور سنت چکھ لیتے ہیں) ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۲۴۲) وَلَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ (کائنات کی پیدائش میں) اگر ہم کو اپنا مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا تو ہم اپنے پاس کی خاص خاص چیزوں کو مشغلہ بنا لیتے۔

تفسیر:۔ بعض مشرک قوموں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ یہ کائنات اور اس کی رنگارنگی محض "ایشور کی لیلا" ہے (خدا کی تماشہ گاہ) اس کائنات سے خدا کا مقصود صرف تماشہ دیکھنا اور دکھانا ہے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

آیت میں اس طفل خیالی کی تردید کی جا رہی ہے کہ اگر کائنات اللہ کی لیلا ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مردود و فانی جہان کو اپنا تماشہ گاہ کیوں بناتا، اللہ کے یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ تر چیزیں ہیں انہی کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہوتا؟

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی

تخلیق خود مخلوق کے نفع ومصلحت کے لئے کی گئی ہے۔

من نہ کردم امر تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

(۲۲۵) وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۲۸)

ترجمہ:- اور وہ سب فرشتے اللہ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

تفسیر:- قدیم زمانے میں جہاں زمین و آسمان، شجر و حجر کی پوجا ہوئی ہے بعض قوموں نے فرشتوں کی بھی پوجا کی ہے اور بھارت میں دیوتا پرستی کے نام سے جو شرک چلا ہوا ہے وہ حقیقۃً یہی ملائکہ پرستی ہے آیت میں اسی ملائکہ پرستی کی تردید کی جارہی ہے کہ فرشتے تو اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں اللہ کے حکم کی ذرہ برابر بھی نافرمانی نہیں کرتے اور انھیں جو بھی حکم دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں وہ کسی کو نجات تو کیا دیتے کسی کی سفارش بھی نہیں کرسکتے وہ ہر وقت ہیبت الٰہی سے لرزاں و ترساں رہا کرتے ہیں۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے آیت کے لفظ خَشْيَتِهٖ (اللہ کی ہیبت) سے یہ اخذ کیا ہے کہ وہ خوف افضل ہے جو عظمتِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ عذابِ الٰہی کے اندیشے سے (اگرچہ یہ بھی خوف الٰہی ضرور ہے) لیکن بندگانِ خاص کا خوف عظمتِ الٰہی سے متعلق ہوا کرتا ہے۔

(۲۲۶) وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۳۵)

ترجمہ:- اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے آزمایا کرتے ہیں اچھی طرح۔

تفسیر:- مذکورہ آیت اور اوپر کی آیات میں انسانوں کے لئے تین قانون بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے خواہ جلد یا طویل مدت کے بعد۔

(۲) انسان جب تک زندہ رہے گا اُس کا امتحان اچھی و بُری حالتوں میں برابر ہوتا رہے گا کہ کن کن حالات میں وہ ایمان پر قائم رہتا ہے اور کن کن حالات میں کفر و معصیت کی طرف جُھک پڑتا ہے۔

(۳) ہر انسان کو اللہ کے حضور پہنچکر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

آیت میں شر و خیر سے مخالف طبع حالات جیسے مرض و افلاس وغیرہ اور موافق طبع حالات جیسے صحت و خوشحالی مراد ہیں کہ کون ان حالات سے دوچار ہو کر سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور کون مایوس ہو کر اللہ سے بدظن ہو جاتے ہیں اور طاعت و عبادت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

سلوک :- حکیم الامت رح نے مذکورہ آیت سے قبض کا مسئلہ ثابت کیا ہے کہ قبض میں حکمتیں اور اسرار ہوتے ہیں اور اسی حکمت سے اہل طریق تسلّی لیا کرتے ہیں (یعنی قبض کو بُرا نہیں سمجھتے)۔

(۲۲۷) وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۳۶)

ترجمہ :- اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے بس مذاق کرنے لگتے ہیں۔

تفسیر :- کافروں کی اخلاقی پستی کا نقشہ بیان کیا جا رہا ہے، آج بھی کتنے بے نصیب ایسے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑانا اُنکا محبوب مشغلہ ہے، اسلام کو سنجیدگی سے دیکھنے سننے یا قریب ہونے کا ارادہ تک نہیں کرتے بس مذاق ہی مذاق اڑانا مقصود رہتا ہے۔

سلوک :- حکیم الامت رح نے آیت سے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ (اور صالحین) کی بے قدری بھی اسی بد اخلاقی میں آجاتی ہے۔ نعوذ باللہ العظیم۔

(۲۴۸) خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۳۷)

ترجمہ:- انسان کی خلقت ہی عُجلت (کے خمیر) سے ہوئی ہے۔

تفسیر:- جیسے انسان کا جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہوا ہے اس میں عجلت و جلد بازی کی کیفیت بھی رکھی گئی ہے جسکا ظاہری اثر یہ نکلا کہ انسان ہر معاملہ میں عُجلت پسند واقع ہوا ہے۔

قدیم زمانے کی اقوام نے اپنے اپنے نبیوں سے قیامت، عذاب، ہلاکت، قہر و انتقام کا مطالبہ کیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو یہ دھمکیاں پوری کر دو؟ انتظار کس بات کا ہے؟ یہی عجلت پسندی ان کی ہلاکت کا باعث ہوئی ہے۔

سلوک:- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے طریق تصوّف میں سالک کو جو تشویشات پیش آتی ہیں وہ اسی عُجلت پسندی کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ (چندے صبر کن باقی بخند)

(۲۴۹) اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۴۹)

ترجمہ:- متقین اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ قیامت سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔

تفسیر:- آیت میں اہل تقویٰ کے دو وصف بیان کئے گئے ہیں۔

اوّل خشیت رب، دوّم یوم الحشر سے خوفزدہ۔

سلوک:- اہل علم لکھتے ہیں کہ آخرت میں نجات و کامیابی کا یہی راز ہے کہ دنیا کی زندگی میں اِن دو وصفوں کو اختیار کیا جائے۔

(۲۵۰) اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۵۲)

ترجمہ:۔ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیاں کیا چیز ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟

تفسیر:۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے نبوّت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنے بت تراش و بت فروش باپ آزر اور بت پرست قوم سے کہا یہ مورتیاں کیا حقیقت رکھتی ہیں جن پر تم تکیہ کئے بیٹھے ہو؟ یہ جب خود اپنے نفع و نقصان کی مالک نہیں تو تم کو کیا دیں گی، ان میں حیات بھی تو نہیں، بے جان و بے حرکت ہیں۔

سلوک:۔ مولینا اسمٰعیل شہیدؒ نے مذکورہ آیت سے تصوّر شیخ کے ناجائز ہونیکا استدلال کیا ہے جو تصوّف میں رائج ہے۔

حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ جو تصوّر شیخ غالی صوفیوں میں رائج ہے وہ تو بلاشبہ ناجائز ہے۔

(تصوّر شیخ کی حقیقت اہل علم سے معلوم کرلی جائے)

(۲۵۱) قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۵۳)

ترجمہ:۔ وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔

تفسیر:۔ جاہلی مذاہب کا ہمیشہ یہی سہارا رہا کہ آباء و اجداد کی نقل و تقلید کو حجت و دلیل قرار دیا ہے اور اصلی و قدیم دین اسی کو سمجھا ہے، زمانہ قدیم کا یہ ناسور آج بھی جاہلی قوموں میں جاری و ساری ہے، لیکن افسوس اسکا ہے کہ ان جیسے جراثیم بعض مسلمانوں میں بھی پھیل گئے ہیں وہ قدیم آبائی رسم و رواج کو دانتوں سے مضبوط پکڑے ہوئے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں رد ہے اُن جاہل مریدوں کا جو بزرگوں کی تقلید و اتباع میں غلو کرتے ہیں اور دلیل صریح مل جانے کے بعد بھی انہی کو حجت و دلیل بنائے بیٹھے ہیں۔

(۲۵۲) قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۶۳)

ترجمہ :- ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا نہیں بلکہ اِن کے بڑے نے کی ہے سو اِن ہی سے پوچھو اگر یہ بولتے ہوں۔

تفسیر :- سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام اُس واقعہ سے متعلق ہے جب کہ قوم اپنے کسی میلے ٹھیلے میں شرکت کرنے باہر چلی گئی تھی سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور قوم کے مرکزی بُت خانے میں گھس کر سارے بتوں کا حشر کر دیا، اور پھر بڑے بُت کے گلے میں ہتوڑا چھوڑ آئے۔

واپسی پر قوم نے جب یہ منظر دیکھا تو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے پُوچھا یہ حرکت کس نے کی ہے؟ آیت میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا جواب مذکور ہے لیکن نہایت لطیف انداز میں جس کے مفہوم میں دو معنیٰ ملحوظ ہیں ایسے دُو معنیٰ کلام کو عربی زبان میں توریہ کہا جاتا ہے، کہنے والا خفی معنیٰ مُراد لیتا ہے لیکن سُننے والا اس کے ظاہری معنیٰ سمجھتا ہے (کلام سے دونوں مفہوم نکلتے ہیں)۔

ملحوظہ :- توریہ علم بلاغت کی ایک قسم ہے جو ادیبوں و شاعروں کے کلام میں کثرت سے استعمال کی جاتی ہے اور یہ کلام کا ایک حُسن ہے جو عنوان میں ندرت و خوبی پیدا کرتا ہے۔

کلام عرب کے علاوہ ہر زبان میں اس کا رواج ہے اور ایسا کلام فصیح و بلیغ شمار کیا جاتا ہے۔ ایسے کلام سے بات کرنے والا عجیب و غریب فوائد حاصل کر لیتا ہے۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ کسی دینی مصلحت کے تحت بعض بزرگوں سے جو کلام بطور توریہ منقول ہے اُس کی اصل یہی آیت ہے۔

(۲۵۳) قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۔ الآیۃ

(انبیاء آیت ۶۹)

ترجمہ:۔ ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی ہوجا ابراہیم پر۔

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بُت شکنی پر نمرود اور آل نمرود نے آپکو آگ میں جلادینے کا فیصلہ کرلیا اور دہکتی آگ میں ڈال بھی دیا۔

اللہ نے نار کو حکم دیا کہ تو ٹھنڈی ہوجا؟ آگ سلامتی بن گئی سیدنا ابراہیم علیہ السلام آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد صحیح وسالم باہر آگئے، جن کے نصیب میں ایمان تھا وہ تو ایمان لائے اور جو کفر پر قائم تھے وہ کافر ہی رہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ اُمت کے بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انپر بھی آگ نے کچھ اثر نہیں کیا، ایسے واقعات اسی قصہ کی نظیر ہیں۔

(۲۵۴) وَنَجَّیْنٰہُ وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا لِلْعٰلَمِیْنَ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۷۱)

ترجمہ:۔ اور ہم نے ابراہیم اور لوط (علیہم السلام) کو ایسی سرزمین کیطرف بھیج کر بچایا جس کو ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے بابرکت بنایا ہے۔

تفسیر:۔ اس سرزمین سے مراد ملک شام ہے جو دینی و دنیوی برکتوں اور رحمتوں کی سرزمین ہے، اور جو ارض الانبیاء ارض المحشر ارض المقدس کے القاب سے معزز ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نار نمرودی سے نجات ملنے کے بعد ملک شام کی طرف ہجرت کر جانیکا حکم ملا۔ آپ اور آپ کے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام ہجرت کر گئے اس طرح ظالموں کے ظلم سے نجات پائی۔

سلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ فریق مخالف کے ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جانا توکل کے خلاف نہیں بلکہ سنت انبیاء کے موافق ہے۔

(۲۵۵) فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ الآیۃ

(انبیاء آیت ۷۹)

ترجمہ :۔ سو ہم نے اُس فیصلہ کی سمجھ بوجھ سلیمان کو دی اور علم و حکمت تو ہم نے ہر ایک (داؤد و سلیمان) کو دیا تھا۔

تفسیر :۔ آیت کا تعلق اس مشہور مقدمہ سے متعلق ہے جو عدالت داؤدی میں قوم کے ایک شخص نے پیش کیا تھا، سیدنا داؤد علیہ السلام نے فیصلہ دیدیا، لیکن صاحبزادے سیدنا سلیمان علیہ السلام جو ابھی کمسن تھے اس سے بہتر فیصلہ کی رائے دی جو قبول ہو گئی۔

(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صـ۲۷ دیکھئے۔)

سلوک :۔ عارفین نے یہاں یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ رائے کی مضبوطی اور نظر و فکر کی قوت محض فضل ربانی ہے۔ فقہاء کرام نے اس واقعہ سے چند مسئلے مستنبط کئے ہیں۔

(۱) اظہار حق میں شرم و ادب نہ کرنا چاہیئے ورنہ سیدنا سلیمان علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی رائے کے خلاف نہ کہتے۔

(۲) اظہار حق کبھی بہ مصلحت واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب۔

(۳) ایک قاضی کا فیصلہ دوسرے قاضی کے فیصلے کو منسوخ کر سکتا ہے۔

(۴) مجتہد کو چاہیئے کہ اپنے فیصلہ سے رجوع کرلے جب کہ دوسرا فیصلہ زیادہ بہتر معلوم ہو۔

(۲۵۶) وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۸۰)

ترجمہ:۔ اور ہم نے داؤد کو زرہ بنانے کی صنعت تمہارے نفع کیلئے سکھادی تھی تاکہ وہ تم کو تمہاری لڑائیوں میں حفاظت کرے، تو کیا تم شکر ادا کروگے۔

تفسیر:۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کو جو عظیم الشان معجزات دیئے گئے اُن میں زرہ سازی (جنگی اسلحہ سازی) کی صنعت بھی تھی، لوہا اور فولاد آپ کے ہاتھوں میں مسخر کردیا گیا تھا جب فولاد ہاتھ میں لیتے تو وہ مُوم کی طرح نرم وگداز ہوجاتا تھا پھر آپ اُس سے طرح طرح کے جنگی آہنی لباس، ہتھیار اور حفاظت کے آلات بنالیا کرتے تھے۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔
(۱) دستکاری سے معاش حاصل کرنا (حدیث میں ہے حلال ترین روزی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے)
(۲) اسباب کا اختیار کرنا (توکل کے خلاف نہیں)

(۲۵۷) وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَنْ يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۸۲)

ترجمہ:۔ شیاطین میں کچھ ایسے بھی تھے جو سلیمان کے لئے سمندر میں غوطے لگاتے اور اس کے علاوہ اور کام بھی انجام دیا کرتے تھے۔

تفسیر:۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں جیسے انسان وجانور تھے ایسے ہی چرند پرند، جنات وشیاطین کو بھی شامل کیا گیا تھا وہ اس سرکش مخلوق سے حیرت انگیز کام لیا کرتے، جنات اور شیاطین سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگاکر قیمتی ونایاب موتی نکالا کرتے اور پہاڑوں کو تراش خراش کر عمدہ وقیمتی پتھر، ہیرے جواہرات لایا کرتے تھے۔

یہ سب سیدنا سلیمان علیہ السلام کے مطیع وفرمانبردار ہونے کے علاوہ آپ کے

لرزاں و ترساں رہا کرتے تھے۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ صوفیہ کرام میں یہ جو مشہور مقولہ ہے

ہر کہ ترسد از حق و تقویٰ گزید

ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

ترجمہ :۔ جو کوئی اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اُس سے جن و انس اور ہر مخلوق ڈرتی ہے۔

آیت سے اس جانب اشارہ ملتا ہے۔

(۲۵۸) وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۸۳)

ترجمہ :۔ اور ایوب کا تذکرہ کیجئے جب اُنھوں نے اپنے ربّ کو پکارا کہ مجھکو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

تفسیر :۔ سیدنا ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بھرپور خوشحالی و آسودگی عطا کی تھی آپ بڑے صابر و شاکر بندے تھے اللہ نے پھر آپ کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالا یہ اس کی حکمت و مصلحت تھی کہ سیدنا ایوب علیہ السلام کو کائنات میں صبر و شکر کرنیوالوں کے لئے نمونہ بنائے۔

کھیت و باغات جل گئے، مویشی مر گئے، نوکر و چاکر فرار ہو گئے، اولاد محل کے گر جانے سے دب کر فوت ہو گئی، عزیز رشتہ دار دوست احباب الگ ہو گئے خود آپکے بدن میں سخت بیماری لگ گئی، دوستوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ یقیناً ایوب نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے جس کی اُسے سزا مل رہی ہے۔ (وَقَدْ اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ)

صرف ایک وفادار بیوی نے آخر وقت تک ساتھ دیا۔

پھر سیدنا ایوب علیہ السلام نے اپنے ربّ کو رُو رُو کر ایسی دلسوزی، بیقراری

وعاجزی سے پکارا کہ دریائے رحمت اُمنڈ پڑا. فوت شدہ اولاد کے علاوہ مزید اتنی ہی اولاد عطا ہوئی، کھیت و باغات، مواشی، حشم خدم، محلات ساز و سامان سب کچھ ملا بلکہ دو چند ملا.

حدیث میں یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ غسل کر رہے تھے تو آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برس پڑیں سیدنا ایوب علیہ السلام بے تحاشا سمیٹنے لگے اللہ نے وحی کی اے ایوب کیا میں نے تجھے غنی نہیں بنایا؟ آپ نے جواب دیا لَاغِنیً عَنْكَ یَارَبَّنَا. الحدیث اے رب تجھ سے بے نیازی کیونکر ممکن ہے.

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے دو مسئلے اخذ کیے ہیں.

(۱) اللہ سے رو رو کر دعا کرنا، توکل کے خلاف نہیں.

(۲) ضرورت و حاجت کے وقت اللہ سے شکوہ کرنا رضا بالقضا کیخلاف نہیں.

ملحوظہ:- توراۃ کی روایت ہے کہ سیدنا ایوب علیہ السلام کے ہاں سات ہزار بھیڑ بکریاں اور تین ہزار اونٹ، پانچ سو جوڑے گائے بیل، پانچ سو خچر تھے انکے نوکر چاکروں کی تعداد سینکڑوں تھی، اہل مشرق میں ایسا کوئی مالدار نہ تھا.

(تفسیر ماجدی)

اسی روایت میں اُن کی دُعا کا ذکر اس طرح ملتا ہے.

ایوبؑ نے سجدہ کیا اور کہا میں اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا نکل آیا تھا اور آخرت میں ننگا جاؤنگا، خداوند نے دیا، خداوند نے لیا، خداوند کا نام مبارک ہے.

عمر شریف (۲۱۰) سال پائی.

(۲۵۹) اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۖ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ. الآیۃ (انبیا آیت ۹۰)

ترجمہ:- بلاشبہ یہ سب نیک کاموں میں دوڑنے والے تھے اور ہم کو پکارتے

رہتے تھے اُمید و خوف کے ساتھ اور یہ سب ہمارے آگے عاجزی کرنیوالے تھے۔

اوپر کی آیات میں چند اُولوا العزم نبیوں کا تذکرہ اور اُن کی سیرت اور اُن پر اللہ کے فضل و کرم کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں مذکورہ آیت میں اُس فضل و کرم کی علت و وجہ بیان کی جارہی ہیں کہ یہ حضرات نیکیوں میں سبقت کرنے والے اللہ کو خوف و شوق سے پکارنے والے اور ہر وقت اللہ کے آگے جھکنے والے تھے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ طاعات و عبادات سے دنیوی نعمتیں بھی ملتی ہیں۔

ملحوظہ:۔ بعض بے علم صوفی کہا کرتے ہیں کہ اللہ کو نعمتوں کی توقع اور عذاب کے خوف سے پکارنے والے اصلی محبّ نہیں ہوتے بلکہ اللہ کو بے غرض یاد کرنا چاہئے۔

مذکورہ آیت سے اُن کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے، نبیوں سے بڑھکر اللہ کا اور کون محبّ ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود مذکورہ انبیاء کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرمارہے ہیں کہ وہ حضرات ہم کو اُمید و خوف سے پکارا کرتے تھے۔ اللّٰہم اھدنا وسدّدنا خطانا۔

(۲۶۵) وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ۔ الآیۃ (انبیاء آیت ۱۰۹)

ترجمہ:۔ اور میں خبر نہیں رکھتا کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب آگیا ہے یا دور دراز ہے۔

تفسیر:۔ مطلب یہ کہ بغاوت و سرکشی پر جو عذاب آنے والا ہے اُسکا وقت اور دن کیا ہے اس تفصیل سے میں بے خبر ہوں، رہا عذاب کا آنا وہ قطعی و یقینی ہے

بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب تھا جو آپ نے اپنی قوم کو دیا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ نبیوں کو قطعی علم تو صرف عذاب کے واقع ہونے اور قیامت کے پیش آنیکا رہتا ہے وقت اور زمانے کے تعین کا علم انھیں نہیں ہوتا الآیہ کہ اللہ ہی کسی کو دیدے، تو وہ اُس بات سے واقف ہو جاتا ہے۔

آیت میں علم کامل کی نفی جب رسول اکرم اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جارہی ہے تو پھر کسی پیر یا ولی میں غیب دانی کا اعتقاد رکھنا کیسی کھلی نادانی و جہالت ہے۔

سورۃ الحج پارہ ۱۷

(۲۶۱) وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔ الآیۃ (الحج آیت ۲)

ترجمہ:۔ اور (اے مخاطب) تجھکو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔

تفسیر:۔ آیت کا پورا ترجمہ یہ ہے۔

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو کیونکہ قیامت کا زلزلہ ایک بھاری چیز ہے جس روز تم اس زلزلہ کو دیکھو گے اُس روز تمام دودھ پلانے والیاں (مارے ہیبت) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (پورے دن

ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور تجھکو لوگ نشہ کی حالت میں دکھائی دیں گے،
حالانکہ وہ واقع میں نشہ میں نہ ہوں گے البتہ اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔
قیامت کے قریب دو خوفناک زلزلے پیش آئیں گے جو ساری دنیا کو
اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔
پہلا زلزلہ وقوعِ قیامت سے پہلے ہوگا اور دوسرا قیامت کے واقع ہولتے وقت۔
ان دونوں زلزلوں کی شدت وحدت کا حال مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا ہے
پھر آخر میں عام لوگوں کی بدحواسی و بیقراری کو لفظ سُکاریٰ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ
اُس دن سارے انسان نشہ کی سی حالت میں ہوں گے لیکن یہ نشہ نہ ہوگا بلکہ زلزلے
کا ہیبت ناک اثر ہوگا جو انسانوں کو معطّل کر دیگا۔
ملحوظہ:۔ مذکورہ آیت میں لفظ مُرْضِعَۃٌ آیا ہے۔
عربی زبان میں دودھ پلانے والی عورت کو مُرضِعٌ، مُرْضِعَۃٌ کہا جاتا ہے
(رضاعت کے معنیٰ دودھ پلانا) لیکن دونوں لفظوں کے معنیٰ میں ایک لطیف
فرق پایا جاتا ہے۔
بچے کو دودھ پلانے والی خواہ وہ اس وقت دودھ پلا رہی ہو یا موقوف،
کر چکی ہو ایسی عورت کو مُرضِعٌ کہا جاتا ہے لیکن مُرْضِعَۃٌ ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جو
فی الحال بچے کو دودھ پلا رہی ہو اور دودھ پلانے کا عمل جاری ہے قیامت کا
بھونچال کچھ ایسا ہیبت ناک و وحشت ناک ہوگا کہ ماں کا یہ احساس ختم ہو جائیگا
کہ اس کا شیرخوار بچہ اس کے سینے سے لگا ہوا ہے اور وہ بھاگ کھڑی ہوگی۔ اللہ اکبر
سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے حالتِ سُکر کی اصطلاح ثابت کی ہے
جو تصوف میں بولی جاتی ہے، بعض حالات کے مدوجزر کے باعث سالک کو
حالتِ سُکر پیش آتی ہے حالانکہ وہ مسکر (نشہ) نہیں ہوتا (بلکہ سُکر جیسی کیفیت

ہوتی ہے جو لذت ذکر یا عظمتِ الٰہی سے سالک کو بے خود کر دیتی ہے)

(۲۶۲) ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ الآیۃ (الحج آیت ۳۲)

ترجمہ:۔ بات یہ ہے کہ جو شخص دین خداوندی کے یادگاروں کا پورا لحاظ رکھیگا تو اس کا یہ لحاظ رکھنا دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

تفسیر:۔ محترم علامات اسلام چیزیں شعائر اللہ کہلاتی ہیں ان میں قربانی کے جانور اور زمین حرم جس کا آیت میں ذکر ہے اسی طرح بیت اللہ، ملتزم، میزاب رحمت، حجر اسود، چاہِ زمزم، حطیم کعبہ، صفا و مروہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، تمام مساجد، قرآن حکیم، اذان، اقامت، نماز، روزہ، حج بلکہ تمام احکام واجبہ شامل ہیں، ان چیزوں کا ادب و احترام کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا تقوی القلوب کی علامت ہے ایسا شخص اللہ اور اُس کی طرف جملہ منسوب چیزوں کا قدر دان و قدر شناس سمجھا جاتا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے آیت سے دو مسئلے اخذ کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ تقویٰ کا بنیادی محل قلب ہے۔

دوم، شعائر اللہ کی تعظیم میں انبیاء اور اولیاء کے آثار بھی داخل ہیں (بشرطیکہ حد شرع کے اندر ہوں۔)

(۲۶۳) فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ الآیۃ

ترجمہ:۔ تو خود بھی اس قربانی کے گوشت سے کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھلاؤ۔

تفسیر:۔ قربانی کے گوشت کے بارے میں ہدایات دی جارہی ہیں کہ اس کا گوشت قابل انتفاع ہے خود کے لئے بھی اور دوسروں کیلئے بھی، یہ شرکی ذبیحہ

نہیں ہے جس میں غیر اللہ کا تقرب اور خوشنودی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔
آیت میں اہل حاجت کی دو قسم بیان کی گئی ہیں۔ اَلْقَانِعَ، اَلْمُعْتَرَّ۔
قانع ایسا محتاج جو صبر کئے بیٹھا ہے جو کچھ بھی ملجاتا ہے اسپر قناعت کرتا ہے کسی سے اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتا۔
مُعْتَرّ وہ شخص ہے جو بے قرار ہو کر سوال کرتا ہے تنگی و سختی کو برداشت نہیں کرتا گویا وہ سُوالی قسم کا آدمی ہے۔
یہ ہر دو ضرورت مند اور محتاج ہیں انھیں جہاں صدقات واجبہ کا استحقاق ہے قربانی کا گوشت بھی انھیں دیا جائے۔
سُلوک:۔ بعض عارفین نے لکھا ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت اہتمام سے تناول فرمایا ہے آپ کا یہ اہتمام اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا مستحب و پسندیدہ عمل ہے، اور اس اہتمام و پسندیدگی کا یہ راز ہے کہ جو چیزیں اخلاص کے ساتھ اللہ کی جانب منسوب ہوجاتی ہیں اُن کا رغبت و شوق سے استقبال کرنا چاہیئے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ بعض بزرگوں نے اشیاء مباحہ سے جو اعتناء برتی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

(۲۶۳) لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ الآیۃ (الحج آیت ۳۷)

ترجمہ:۔ اللہ کے پاس نہ اُن قربانی کے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُنکا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

تفسیر:۔ اہل بابل (عراق) کا جاہلی عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی دعوت آسمانوں پر ہوتی ہے چنانچہ دنیا میں ان کے نام سے جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے وہ اُسکی خوشبو محسوس کرتے ہیں اور پھر سب ملکر تناول فرماتے ہیں۔

سُلوک:۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ قلب کی نیت صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے اس عمل میں کوئی بھی شریک نہیں، یہی نیت جب کسی عمل میں ہو تو اُسکا نام اخلاص اور وہ عمل خیر و ثواب کہلاتا ہے۔

اور شرک اس لئے قبیح و بُرا ہے کہ اسمیں اللہ کے علاوہ اوروں کی بھی نیت رہتی ہے جس سے جانور کا گوشت حرام ہو جاتا ہے، رہا گوشت کھانا کھلانا، ہدیہ دینا، فروخت کرنا یا اس قسم کے اور فوائد کے لئے جانور ذبح کرنا جائز ہے، لحم و دم وغیرہ سے اللہ کی ذات بالکل بے نیاز و غنی ہے، نیت اور اکل دو علیحدہ چیزیں ہیں۔

(۲۶۵) اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ

(الحج آیت ۳۸)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ ایمان والوں سے (مشرکین کے غلبہ و اقتدار) کو دُور کر دے گا۔

تفسیر:۔ آیت کا نزول اُس صورتِ حال سے متعلق ہے جبکہ مکۃ المکرمہ میں مشرکین کا غلبہ و تصرف تھا اور مسلمانوں کو حج و عمرہ کرنیکی اجازت نہ تھی اور مسلمان ہر طرح کمزور و بے بس تھے۔

پھر مستقبل قریب میں مشرکین کا وہ غلبہ و اقتدار باقی نہ رہا اور ۸ھ میں مکۃ المکرمہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا اور کفر و کفر کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور آج ۱۴۱۷ھ تک مکۃ المکرمہ پر کفر و شرک کا غلبہ نہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عادت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کا بہت جلد انتقام لیتے ہیں۔

(۲۶۶) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ الآیۃ

(الحج آیت ۴۱)

ترجمہ:- یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں حکومت دیدیں تو یہ نماز کی پابندی کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور انجام تو سب کا اللہ ہی کے یہاں ہے۔

تفسیر:- آیت میں اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کی تشریح کی گئی ہے کہ حکومت اگر سچے مسلمانوں کی قائم ہوجائے تو مسجدیں آباد اور پُررونق ہوجائیں ہر طرف تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونجا کریں، بیت المال کے قیام کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہے، عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے، رشوت خوری، سود خوری، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑجائے، بدکاریاں، چوریاں ڈاکے خواب و خیال ہوجائیں، آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی بھی نہ دے، مہاجنوں، سُود خوروں بنکوں کے ٹاٹ اُلٹ جائیں، گویّے، ہیجڑے اگر تائب نہ ہوں تو شہر بدر کردیئے جائیں، سینما تھیئٹر، شہوانی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگادی جائے گندہ و فحش افسانہ و شاعری کی جگہ پاکیزہ ادبیات آجائیں، غرض دنیا رہ کر بھی دنیا جنت بن جائے۔ (تفسیر ماجدی)

سُلوک:- بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے اہل تمکین کے مقام کی طرف کہ ان کے یہاں شطحیات نہیں ہوتے اور نہ ان کے اقوال و اعمال سے کوئی گمراہ ہوتا ہے۔

ملحوظہ:- شطحیات ایسے کلام و پیام کو کہا جاتا ہے جو غلبۂ حال میں بے قصد و ارادہ زبان سے نکل جائے، اور جو شریعت کے بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہو، چونکہ اس میں قصد و ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اسکے کہنے والے پر گناہ بھی نہ ہوگا۔ البتہ ایسے کلام و پیام کی نقل کرنی اور اسکی تبلیغ کرنی جائز نہ ہوگی۔

حکیم الامت رحؒ نے غلبۂ حال کی ایک مثال قرآن حکیم سے بھی دی ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ رضؓ کی درخواست پر اُن کے منافق باپ عبداللہ بن اُبی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے کھڑے ہو گئے حضرت عمر رضؓ نے مداخلت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے آپکو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ۔ الآیۃ۔ (توبہ آیت ۸۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے میں ستر سے زائد مرتبہ مغفرت کی دعا کرونگا، چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھ دی، ابھی ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسری آیت نازل ہوئی اور آپ کو ہمیشہ کے لئے منع کر دیا گیا۔ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا۔ الآیۃ (توبہ آیت ۸۴)۔
حکیم الامت لکھتے ہیں کہ ہمارے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحب رحؒ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل غلبۂ حال کے تحت تھا، چونکہ آپ کی فطرتِ سلیمہ میں رأفت و رحمت غالب تھی آیت کے ظاہری الفاظ سے تمسک کر لیا اور آیت کو تخییر پر محمول فرمایا۔ آیت کے ظاہری الفاظ میں اس کی گنجائش پائی جاتی ہے۔
(واقعہ کی تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۲۶۷ مطالعہ کیجئے)

(۲۶۷) فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ۔ الآیۃ (الحج آیت ۴۶)

ترجمہ:۔ بات یہ ہے کہ نہ سمجھنے والوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔
تفسیر:۔ اُوپر کی آیات میں بڑی بڑی قوموں کے حالات و واقعات بیان

کیے گئے ہیں اور اُن کے تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر اور اُنکا انجام بھی بیان کیا گیا ہے اِس کے باوجود بھی اگر موجودہ قومیں اُن سے عبرت و نصیحت حاصل نہ کریں تو یہ اندھے پن کی علامت ہے یہ اندھاپن آنکھوں کا نہیں دِلوں کا اندھاپن ہے کہ دل اندھے ہوگئے ہیں۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جسمانی آنکھوں کیطرح قلوب کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔

(ایک حدیث سے اس کی تائید بھی ملتی ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ الحدیث)

(۲۶۸) فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ۔ الآیۃ (الحج آیت ۵۲)

ترجمہ :۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے اور اپنی آیات (احکام) کو اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔

تفسیر :۔ شیاطین کی خواہ وہ انسانوں سے ہوں یا جنات سے ہمیشہ یہ روش رہی ہے کہ جب حق کو اُبھرتا ہوا دیکھتے ہیں تو مقابلہ کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے شکوک و شبہات سے مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرنا چاہتے ہیں، مثال کے طور پر جب یہ آیت نازل ہوئی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ۔ الآیۃ تم پر مردہ جانور حرام کیا گیا۔ تو شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا جانور تو حلال ہے اور اللہ کا مارا ہوا حرام؟

اسی طرح آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ الآیۃ تم اور جن جن کو تم نے اللہ کے سوا پوجا ہے سب جہنم کا ایندھن ہوں گے اس میں تم سب کو داخل ہونا ہے۔

تو شیاطین نے دلوں میں یہ شبہ ڈالا کہ بہت سی قوموں نے عیسیٰ (علیہ السلام) اور عزیر (علیہ السلام) اور اللہ کے فرشتوں کی بھی عبادت کی ہے تو پھر یہ حضرات بھی جہنم میں جائیں گے۔

مذکورہ آیت میں اس وسوسہ اندازی کا جواب دیا گیا ہے ایسے شکوک و شبہات سے ایمان والوں کے قلوب متاثر نہیں ہوتے بلکہ نزول قرآن سے اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت رہ نے لکھا ہے کہ شیطانی وساوس خود بخود مضمحل ہوجاتے ہیں اُن کے دفعیہ کے لئے مستقل تدبیر کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے قلوب کی خود حفاظت فرماتے ہیں

اہل طریق مشائخ دفع وساوس کے لئے جدّ و جہد نہیں کرتے اور نہ اپنے مُریدوں کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔

(۲۶۹) وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۔ الآیۃ

ترجمہ :۔ اور اگر اس پر بھی یہ لوگ آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ (اخیر بات) یہ فرما دیجئے کہ اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے (وہ قیامت کے دن فیصلہ کردے گا)۔

تفسیر :۔ ضد و عناد جہاں بھی ہوں گے مصالحت یا موافقت کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا، اختلاف کی خلیج بڑھتے ہی جائے گی ایسی صورت میں علیحدہ ہوجانا ہی اس قضیہ کا آخری حل ہوا کرتا ہے آیت میں اسی کی تعلیم دی جارہی ہے۔

سُلوک :۔ آیت میں صوفیہ عارفین کی اُس عادت کی تائید ملتی ہے کہ جب اُن سے کوئی مخالف مُعانداً اُلجھ جاتا ہے تو وہ اُس سے فوری علیحدہ ہوجاتے ہیں بحث و مباحثہ میں نہیں پڑتے۔

(۲۷۰) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ۔ الآیۃ (الحج آیت ۷۲)

ترجمہ:۔ اور جب اُن لوگوں کے سامنے ہماری آیات جو (اپنے مضامین میں) خوب واضح ہیں پڑھکر سُنائی جاتی ہیں تو تم اُن کافروں کے چہروں میں بُرے آثار دیکھتے ہو، قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں گے جو ہماری آیتیں اُن کے سامنے پڑھ رہے ہیں۔

تفسیر:۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دین بیزار اور آخرت فراموش انسان آیات الٰہی اور اس کے احکام کا تذکرہ سُنکر اُداس اُداس ہوجاتے ہیں اور اُن کا جی متلانے لگتا ہے دل پراگندہ و پریشان ہوتا ہے دل کی اُس ناگواری کا اثر چہروں پر نمایاں ہوجاتا ہے۔

قرآن حکیم نے اس کیفیت کو دوسری جگہ بھی بیان کیا ہے إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ۔ الآیۃ

جب ان کے آگے اللہ واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو جن لوگوں کو آخرت کا یقین نہیں ہے ان کے قلوب وحشت زدہ ہوجاتے اور جب اس کے علاوہ دوسری بات کہی جاتی ہے تو یہ خوش ہوجاتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت سے اُن مدعیانِ تصوف کی مذمت بھی نکلتی ہے کہ جب اِن کے آگے وہ آیات پڑھی جاتی ہیں جو اُن کے زعم و پندار کے خلاف پڑتی ہیں تو انکے چہروں پر ناگواری کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

پھر حکیم الامت لکھتے ہیں کہ ایسے لوگ موجودہ زمانے میں کثرت سے ہیں۔

تفسیر ماجدی کے مفسر لکھتے ہیں کہ آج بھی دشمنانِ دین کے علاوہ بہت سے "روشن خیالوں" کے چہروں پر یہ کیفیت دیکھی جاسکتی ہے۔

(۲۷۱) وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ الآیۃ (الحج آیت ۷۸)

ترجمہ:۔ اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنیکا حق ہے۔

تفسیر:۔ مطلب یہ کہ دین کے کاموں میں غفلت یا سستی نہ کرو بلکہ دین کا ہر کام چاہے وہ زبانی ہو، مالی، بدنی، قلمی ہر پوری مستعدی وتندہی سے کرتے رہو۔

جہاد قرآن حکیم کی ایک خاص اصطلاح ہے جو ہر قسم کی دینی واُخروی جدوجہد کو شامل ہے۔ اس میں دعوت و تبلیغ، وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف جملہ دینی امور شامل ہیں اِن سب خدمات کو اہتمام وخوبی سے ادا کرنا جہاد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

اسی جہاد کی ایک عظیم قسم قتال فی سبیل اللہ (میدانی جنگ) بھی ہے۔

سُلوک:۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ آیت ہر قسم کے مجاہدات کو شامل ہے۔

مثلاً مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب، مجاہدۂ رُوح (بیضاوی وکبیر)

مجاہدۂ نفس سے مراد ہر قسم کے حقوق کو ادا کرنا جو بندے پر واجب ہیں اور لذّات وشہواتِ دنیا سے اپنے نفس کو پاک رکھنا۔

مجاہدۂ قلب سے مراد دل کو اغراضِ فاسدہ سے پاک کرنا اور اغراضِ حسنہ سے آراستہ کرنا۔

مجاہدۂ رُوح سے مراد اپنی شخصیت وانفرادیت کو فنا کردینا۔

تصوف کی حقیقی رُوح یہی اعمال ہیں۔

(۲۷۲) مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا۔ الآیۃ (الحج آیت ۷۸)

ترجمہ:۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملّت پر ہمیشہ قائم رہو اللہ نے تمہارا لقب

مسلمان رکھا ہے نزول قرآن سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ رہیں اور تم اور لوگوں پر گواہ ثابت ہو۔

تفسیر:۔ اسلام کوئی مؤقتی یا نسلی، قومی یا جغرافیائی مذہب نہیں اور نہ دیگر مذاہب کی طرح نوزائیدہ مذہب ہے، یہ عالمگیر قدیم مذہب ابتدائے عالم کے پہلے انسان (سیدنا آدم علیہ السلام) کا دین تھا جس کی ارتقائی منزلیں خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت پر مکمل ہو گئیں، اور قیامت تک نسل انسانی کے لئے یہی دین مذہب قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کا نام اسلام رکھا اور اس مذہب کے ماننے والوں کا لقب مسلمان۔

آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیمؑ میں بھی اسلام کے ماننے والوں کا یہ لقب موجود تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ بعض صوفیہ کے اس عمل کی تائید نکلتی ہے کہ انھوں نے اپنے حلقہ کے بعض مریدوں کو ایک اچھا سا لقب دیا ہے (بشرطیکہ یہ شان و فخر کے لئے نہ ہو اور نہ مشرکانہ صفت کا حامل ہو)

حکیم الامتؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ لقب معنوں سے خالی نہیں ہو سکتا لہٰذا اُمت محمدیہ کے افراد میں انقیاد و اتباع کا مادّہ یقیناً زیادہ ہو گا، (کیونکہ اسلام کے معنیٰ گردن جھکا دینا ہے)۔

سورۃ المؤمنون پارہ ۱۸

(۲۷۳) اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. الآیۃ (المومنون آیت ۲)

ترجمہ:- (اُن مسلمانوں نے فلاح پائی) جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

تفسیر:- خشوع کے معنیٰ سکون اور خوف کے ہیں جو قلب کی صفت ہے اور اس کے ساتھ ایک لفظ خضوع بھی ہے جس کے معنیٰ پست ہونا، جھک جانا، یہ جسم و بدن کی صفت ہے۔

نماز میں خشوع و خضوع کا یہ مطلب ہوا کہ قلب خاشع و خائف اور جسم ساکن و ساکت ہو جس کے ظاہری آثار بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، اِدھر اُدھر نہ دیکھنا وغیرہ۔

احادیث میں تذکرہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ و سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے بے جان لکڑی۔

سلوک:- آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع و خضوع مطلوب و پسندیدہ عمل ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ تحقیقی بات یہی ہے کہ خشوع و خضوع قبولیت صلوٰۃ کی شرط ہے۔ (روح المعانی)

(یعنی اللہ کے یہاں وہی نماز مقبول ہے جس میں خشوع ہو۔)

(۲۷۴) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ. الآیۃ (المومنون آیت ۳)

ترجمہ:- اور جو لوگ نکمی (فضول) بات پر دھیان نہیں دیتے۔

تفسیر:۔ لغو کہتے ہر اُس حرکت وعمل کو جو فضول اور بے حاصل ہو نہ اُس میں دنیا کا نفع ہو نہ آخرت کا، ایمان والے فضول اور بیکار مشغلوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے اگر کوئی شخص لغو دنکمی بات یا کام کرتا ہو تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور علیحدہ ہو جاتے ہیں، اسی مبارک خصلت کا ذکر آیت میں کیا جارہا ہے۔

شیخ سعدیؒ اسی قرآنی حکمت کو اپنی ایک حکایت میں اسطرح ذکر کرتے ہیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو ۔ چو بگذشت بر عارف جنگجو

گر ایں مدعی دوست بشناختے ۔ بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے مبالغۃ فی الورع (تقویٰ کا اعلیٰ ترین اہتمام) ثابت ہوتا ہے جس کو اہل طریقت اختیار کرتے ہیں یہ حضرات ایسے امور کو بھی ترک کر دیتے ہیں جس میں نہ نفع ہو نہ نقصان۔

حکیم الامتؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ لغویات کا ادنیٰ درجہ مباحات ہیں اور آخری درجہ گناہ ومعصیت ہیں۔

(۲۷۵) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۔ الآیۃ (المومنون آیت ۲۶)

ترجمہ:۔ (نوح نے پکارا) عرض کیا اے میرے پروردگار تو میرا بدلہ لے انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

تفسیر:۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ نہایت صبر آزما حالات سے دوچار رہی ہے، طبقہ انبیاء میں جن نبیوں نے اپنی قوم اور قوم کے سرداروں سے سخت اذیتیں اٹھائی ہیں اُن میں آپ سرفہرست ہیں۔

سیدنا نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہے شب وروز انھیں نصیحتیں کرتے رہے ہر شبہ کا جواب دیا تبلیغ وتفہیم کا سلسلہ جاری رکھا بحث ومناظرہ بھی کرتے رہے اس کام میں صدیاں گزر گئیں، قوم اور قوم کے سرداروں نے ایک نہ مانی،

تاریخی روایات میں یہ تصریح ملتی ہے کہ اس طویل مدت میں صرف اسیؔ افراد ایمان لائے۔ واللہ اعلم

آخر قوم نے یکّا فیصلہ کر لیا کہ نوح کو خاموش کر دیا جائے اور اُن کی دھمکی کا یہ جواب دیا جائے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کا تم اندیشہ کر رہے ہو۔

سیّدنا نوح علیہ السلام نے قوم کی ایذاؤں سے عاجز و بے بس ہو کر اللہ کی جناب میں شکوہ کیا الٰہی میں مغلوب و بے بس ہو چکا ہوں آپ اس قوم سے بدلہ لیجئے اِنھوں نے مجھے بُری طرح جھٹلا دیا ہے۔

پھر قوم کا وہ حشر ہوا (جس کی تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ ص ۱ پر مطالعہ کیجئے)

سلوک :۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں پیغمبروں کا صبر بھی غیر محدود نہیں ہوتا جب وہ دیکھتے ہیں کہ پیامِ حق کی برابر تکذیب ہو رہی ہے تو ایک مدت کے بعد اُن کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا ہے پھر وہ ہلاکت کی دُعا کر دیتے ہیں: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ الآیۃ (نوح آیت ۲۶)

(۲۷۶) يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔

الآیۃ (المومنون آیت ۵۱)

ترجمہ :۔ اے پیغمبرو تم نفیس پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

تفسیر :۔ نفیس چیزوں سے، حلال پاکیزہ غذائیں مراد ہیں، اسلام میں ترک حلال کی گنجائش نہیں ہے جو چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں اس کا مقصد یہی ہے کہ انکو استعمال کیا جائے اور اس اکل و شرب کی غرض یہی ہے کہ نیک اعمال کرنے کے لئے قوت حاصل کی جائے، اکل برائے عبادت ہونا چاہیئے نہ کہ اکل برائے اکل؟

شیخ سعدیؒ کہتے ہیں۔

آدم برائے زیستن وذکر کردن است، تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

سلوک :- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں رہبانیت (ترک عیش) کا ابطال ہے جس میں بعض غالی دیندار مبتلا ہیں۔ اللّٰھم اھدھم۔

(۲۷۷) اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ۔ الآیۃ

(المؤمنون آیت ۵۵)

ترجمہ :- کیا یہ کافر لوگ یوں گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جارہے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں؟ بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے (اس کے انجام کو)

تفسیر :- مال و دولت، شان و شوکت، تاج و تخت اللہ کے مقبول بندوں کی علامت ہیں، تب ہی تو انھیں دنیا میں سرفراز کیا جارہا ہے، یہ عالمگیر دھوکہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے اور آج بھی کثرت سے پایا جاتا ہے، افسوس تو یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی اس خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔

عیش و عشرت اگر اللہ کے یہاں مقبولیت و تقرب کی علامت ہیں تو جانوروں اور سانپ بچھوؤں کی عیش و عشرت کو کیا کہا جائے گا؟ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ عارفین نے کہا ہے کہ جس طرح ظاہری نعمتوں سے دھوکہ نہ ہونا چاہیئے اسی طرح باطنی نعمتوں (احوال، کشف و الہام وغیرہ) پر مغرور نہ ہونا چاہیئے، کہ کہیں یہ احوال سالک کی ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ نہ بن جائیں۔

(۲۷۸) وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ۔ الآیۃ (المؤمنون آیت ۶۰)

ترجمہ :- اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور (باوجود

دیتے رہنے کے) اُن کے دل اس سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس
جانے والے ہیں۔

تفسیر:- آیت میں نیک بندوں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کے باوجود خوفزدہ رہتے ہیں کہ اُن کے صدقات وخیرات اللہ کے ہاں قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں کہ ہم نے اس کی مرضی کے مطابق خرچ بھی کیا ہے یا نہیں، نیّت واخلاص ٹھیک تھا یا نہیں، مال حلال وپاک تھا یا نہیں وغیرہ۔

سلوک:- حکیمُ الامّتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے اعمال اور نفس پر مطمئن نہیں ہونا چاہیئے (نفس کی مثال ایک دشمن کی سی ہے وہ کسی بھی وقت دھوکہ دے سکتا ہے دشمن سے بے خبر رہنا خطرناک حالت ہے اللہ کے نیک بندے نفس وشیطان سے ہر وقت چوکنا رہتے ہیں)۔

(۲۷۹) قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ. الاٰیۃ (المؤمنون آیت ۶۶)

ترجمہ:- میری آیتیں تم لوگوں کو پڑھکر سنائی جاتی تھیں تو تم اُلٹے پاؤں بھاگا کرتے تھے تکبّر کرتے ہوئے قرآن کو مشغلہ بناتے ہوئے، بے ہودہ بکتے ہوئے۔

تفسیر:- کافروں کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ اُنھیں آخرت میں طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا اور وہ اسمیں بے اختیار فریاد واستغاثہ کرینگے اور عاجزی وبے بسی سے رحم وکرم کی درخواست کریں گے، ان کے بڑے لیڈر، سردار، پیشوا جو دنیا کی زندگی میں ہر طرح کا سامان جاہ وحشم رکھتے تھے وہ آخرت میں عذاب ومشکلات میں اپنے ماتحت کافروں کے لیڈر ورہنما کی حیثیت سے مبتلا ہوں گے اِنھیں یہ کہا جائے گا کہ یہ عالم دار العمل نہیں دار الجزاء ہے یہاں چلانا،

پکارنا، عاجزی کرنا بھیک مانگنا لاحاصل ہے جو دار العمل تھا اسمیں تو تم ناز و اکڑا کرتے تھے۔ ایمان و عمل سے تم کو عار و تکبر تھا۔

شان نزول کی روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ فخر و ناز کرنے والے اہل قریش تھے جنھیں خانہ کعبہ کی تولیت و خدمت پر ناز و فخر تھا۔

سلوک :- مشائخ طریقت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کسی نسبت و فضیلت پر ناز و فخر کرنا بُرا ہے، مثلاً یہ کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں، فلاں سلسلے سے وابستہ ہیں، فلاں مزار کے سجادہ نشین و خادم ہیں۔ فلاں بزرگ کے خلیفہ ہیں، فلاں فلاں برکات کے امین ہیں وغیرہ۔

(۲۸۰) وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ۔ الآیۃ (المؤمنون آیت ۷۱)

ترجمہ :- اور اگر دین حق اِن لوگوں کی خواہشات کا تابع ہوجاتا تو آسمان و زمین اور جو اِن میں آباد ہیں سب تباہ ہوجاتے۔

تفسیر :- آیت میں دین اسلام کا انکار کرنے والے کافروں کا مزاج بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ذہن و فکر اسقدر فاسد ہوچکا ہے کہ حق کی اتباع کرنا تو درکنار دین حق کو اپنا تختۂ مشق بنانا چاہتے ہیں، کہ اس میں یہ یہ اضافہ کیا جائے، یہ یہ ترمیم کی جائے وغیرہ۔

آیت میں اسی زعم فاسد کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر اللہ ان کی خواہشات و مرضیات پر نظام عالم کو جاری کردے تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہوجائے، ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض چند لوگوں کی خواہشات کے تابع کردیا جائے تو وہ بھی دو چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت وہ بھی ابدالآباد تک قائم رہ سکے؟ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ الآیۃ

سُلوکؔ:۔ حکیمُ الامت ؒ لکھتے ہیں کہ اس میں اہل طریق کے معمولات کی اصل ہے کہ وہ مُریدوں ومعتقدوں کی خواہشات اور فرمائشوں کا اتباع نہیں کرتے بلکہ حکمت ومصلحت کا پاس ولحاظ کرتے ہیں۔

(۲۸۱) أَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۔ الآیۃ

(المؤمنون آیت ۷۲)

ترجمہ:۔ کیا آپ اُن سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

تفسیر:۔ آیت کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق وامانت کا حال کافروں کو خوب معلوم ہے آپ اِن سے اپنی دعوت وتبلیغ پر کچھ بدلہ طلب نہیں کر رہے ہیں آپ کی نصیحت تو صرف انکی ہی خیر خواہی کیلئے ہے اسکے باوجود وہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے۔

سُلوکؔ:۔ حکیمُ الامت ؒ لکھتے ہیں کہ جس شخص کی اصلاح وتربیت میں کوشش کی جاتی ہے اس سے مال ونفع طلب کرنا بُرا ہے کیونکہ یہ مقصود کی تحصیل میں مُخل ثابت ہوتا ہے۔

(۲۸۲) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۔ الآیۃ (المؤمنون آیت ۹۶)

ترجمہ:۔ ان کی بُرائی کا ازالہ ایسے طور پر کر دیجئے کہ جو بہت ہی اچھا ہو۔

تفسیر:۔ یعنی مشرکین کی شرارتوں وخباثتوں کا انتقام اپنی طرف سے نہ لیں کیا عجب ہے کہ آپکا یہ خلق عظیم ان کے حق میں مفید ثابت ہو اور وہ ایمان لے آئیں، ویسے انتقام لینا بھی درست ہے لیکن نبی کا مقام رخصت کا نہیں ہوتا عزیمت کا ہوا کرتا ہے، لہٰذا آپ خلق عظیم پر قائم رہیئے ہم خود انتقام کے لئے کافی ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ عوام کی بے ادبی و گستاخیوں کو درگزر کرنا چاہیئے اور خواص و متعلقین کی تادیب کی جائے۔

(۲۸۳) وَقُلْ رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ۔ الآیۃ (المومنون آیت ۹۷)

ترجمہ:۔ (آپ یوں دُعا کیجئے) اے میرے پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے رب پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ میرے قریب آئیں۔

تفسیر:۔ وسوسہ ڈالنا تو شیاطین کا کارنامۂ حیات ہے اگرچہ پیغمبر اس کے اثر اندازی سے محفوظ ہیں تاہم شر سے بچنے کے لئے تعلیم دی جا رہی ہے کیونکہ دشمن بہر حال دشمن ہی رہتا ہے اس سے ہر وقت خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔

خطاب بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جیسا کہ قرآن حکیم کا عام عنوان ہے لیکن مخاطب عام مسلمان ہوا کرتے ہیں انھیں مزید محتاط رہنا چاہیئے۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ جب وساوس کاملین کو بھی پیش آسکتے ہیں تو عام مسلمان اس سے بے خوف کیونکر رہ سکتے ہیں (احتیاط و بیداری کے علاوہ مذکورہ دعا بھی کرنی چاہیئے)۔

(۲۸۴) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ۔ الآیۃ (المومنون آیت ۱۰۱)

ترجمہ:۔ پھر جب صُور پھونکا جائیگا تو باہمی رشتے ناطے اُس دن نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

تفسیر:۔ قیامت کے دو صور کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے پہلا صور تو وہ ہو گا جس سے کائنات فنا ہو جائے گی پھر دوسرے صور سے مُردے جی اٹھیں گے

اور اُن کا حشر ہوگا، اسی دوسرے صُور کا اثر آیت میں بیان کیا جارہا ہے کہ اس وقت باہمی رشتے ناطے، قرابتیں، نسبتیں، تعلقات، کام نہ آئیں گے کوئی کسی پر رحم نہ کرے گا ہر شخص کو صرف اپنی فکر رہے گی جیسا کہ دیگر آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

اس دن کی یہ نفسا نفسی ایک خاص وقت تک محدود رہے گی پھر اہل ایمان ایک دوسرے کی شفاعت اور مدد کریں گے اور ان کے تعلقات کام آئیں گے۔

(تفسیر مظہری)

اس کا ثبوت سورۂ طور آیت ۲۱ میں واضح طور پر ملتا ہے اہل ایمان کی اولاد اور اُنکی اتباع کو بھی اللہ تعالیٰ (بشرط ایمان) انکے نیک ماں باپ کے ساتھ کر دیں گے۔

(ترجمہ شیخ الہند سورۂ طور آیت ۲۱ حاشیہ ۲)

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے وہ بچے جو نابالغی کی حالت میں فوت ہو گئے تھے جنت کا پانی لیکر اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے ہوں گے تاکہ انھیں محشر کی گرمی میں ٹھنڈا پانی پلائیں، رواہ ابن ابی الدنیا عن ابن عمرؓ وعن ابی ذرؓ (تفسیر مظہری)

اسی طرح ایک حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر نسبی تعلق ٹوٹ جائے گا بجز میرے نسب اور دامادی رشتے کے، (اِلَّا نَسَبِیْ وَصِھْرِیْ) الحدیث۔

اس حدیث شریف کو سُنکر سیدنا عمر الفاروقؓ نے سیدہ اُمِ کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب سے نکاح کر لیا تھا اور چالیس ہزار درہم مہر مقرر کیا، رواہ ابن عساکر بسندِ صحیح عن ابن عمرؓ (ترجمہ شیخ الہند سورۃ المومنون آیت ۱۰۱ حاشیہ ۲)

سُلوک :- حکیم الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ بعض صوفیہ محققین لکھتے ہیں کہ رشتے ناطوں کا پارہ پارہ ہوجانا کافروں کے حق میں ہے اس دن کافروں کے رشتے ناطے،

تعلقات کسی بھی کافر کے کام نہ آئیں گے، لہٰذا یہ وعید کافروں کے بارے میں ہو گی، علم تفسیر میں یہ قاعدہ معروف ہے کہ وعید و توبیخ کی آیات میں مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جاتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل ایمان کو بعض نسبتیں کام آئینگی ان شاء اللہ، مگر شرط وہی اِلَّا بِاِذْنِہٖ بہر صورت ہو گی۔

(۲۸۵) قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ. الآیۃ

(المؤمنون آیت ۱۰۸ تا ۱۱۱)

ترجمہ:۔ ارشاد ہو گا (اے کافرو) اسی جہنم میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

تفسیر:۔ آیت میں اہل جہنم کے ایک رسوا کن واقعہ کا ذکر ہے واقعہ کا آغاز اوپر کی آیات میں اسطرح آیا ہے کہ جب کافروں کو جہنم میں گرا دیا جائے گا تو انکے چہروں کو آگ جھلستی ہو گی اور اسمیں اُن کے منہ (کالح) بگڑے ہوئے ہوں گے (کالحُوْن) کے معنیٰ ایسا شخص جس کے دونوں ہونٹ اُس کے دانتوں کو چھپا نہ سکیں ایک اُوپر ہو جائے دوسرا نیچے لٹک جائے اور دانت کھلے نظر آئیں جیسے بھنی بکری کا سر، حضرت ابن مسعودؓ سے کالحؒ کے معنیٰ پوچھے گئے فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلَی الرَّأْسِ الْمَشِیْطِ، کیا تم نے بکری کی بھنی ہوئی سری نہیں دیکھی، ایسی شکل کو کالحؒ کہا جاتا ہے جہنمی کے بھی چہرے آگ کی تپش سے زندہ رہتے ہوئے ایسے ہی ہو جائینگے)

کالحُوْن کی ایک اور تفسیر حدیث مرفوع میں اس طرح آئی ہے جہنم کی آگ سے جلتے جلتے بدن سوج جائے گا نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک آجائے گا اور اوپر کا ہونٹ سکڑ کر کھوپڑی تک پہنچ جائیگا اور زبان باہر زمین پر لٹکتی ہو گی۔

(رواہ الترمذی. بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم کو میری آیتیں پڑھکر سنائی نہیں جاتی تھیں؟

جنہیں تم جھٹلایا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب ہم کو اس جہنم سے باہر نکال دیجئے اب اگر ہم پھر ایسا کریں گے تو بیشک ہم پورے قصوروار ہونگے، ارشاد ہوگا دھتکارے ہوئے اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

(اِخْسَئُوْا کا ترجمہ اُردو میں دُھتکارنا کیا جاتا ہے دراصل یہ کلمہ کُتّے کو دُھتکارتے وقت جس لہجے سے بولا جاتا ہے ایسا دُھتکارنا مراد ہوتا ہے۔)

اللہ فرمائے گا ایک گروہ میرے بندوں میں ایسا بھی تو تھا جو کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار، ہم ایمان لائے سو ہم کو بخش دیجئے اور رحم کیجئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھکر ہیں، تو تم نے (اے کافرو) اِن کا ٹھٹھا اڑایا تھا یہاں تک کہ اس مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلادی اور تم ان ایمان والوں سے ہنسی ہی کرتے رہے میں نے آج اُن کو ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے کہ وہی پوری طرح کامیاب رہے۔

سُلوک:۔ اہل تحقیق علماء لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کی بڑی شان ہے ان سے عداوت رکھنا اور ٹھٹھہ کرنا بڑی گستاخی و بے ادبی ہے جس کا نتیجہ و انجام عذاب جہنم ثابت ہوا۔

ملحوظہ:۔ امام بیہقیؒ نے محمد بن کعب القرظی کی ایک روایت نقل کی ہے کہ قرآن حکیم نے اہل جہنم کی پانچ درخواستیں نقل کی ہیں جس میں وہ بے بس و بے قرار ہوکر اپنے رب کو پکاریں گے، اللہ تعالیٰ اُنکی چار درخواستوں کا تو جواب دیں گے اور پانچویں درخواست کے جواب میں حکم ہوگا اِخْسَئُوْا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (دور ہو بات نہ کرو)۔

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا یہ آخری جواب ہوگا اس کے بعد اہلِ جہنم کچھ

بول نہ سکیں گے پھر وہ جہنم میں جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو بھونکتے رہیں گے۔
(تفسیر مظہری)

اہل جہنم کی وہ پانچ درخواستیں یہ ہیں۔

السوال۱:۔ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ۔ الآیۃ

(المؤمن آیت ۱۱)

وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے واقعی ہمیں دو دو موت دی اور دو دفعہ حیات دی اب ہم اپنے قصوروں کا اعتراف کرتے ہیں کیا اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟

الجواب:۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ۔ الآیۃ

(المؤمن آیت ۱۲)

یہ حالت جس میں تم مبتلا ہو اس وجہ سے ہے کہ جب ایک اللہ کی طرف تمکو بلایا جاتا تھا تو تم لوگ ماننے سے انکار کر دیتے تھے اور جب اس ساتھ دوسروں کو ملا دیا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔

السوال۲:۔ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ الآیۃ (السجدہ آیت ۱۲)

اے ہمارے پروردگار ہم نے خوب دیکھ لیا اور خوب سن لیا اب ہمیں دنیا میں واپس بھیجدے تاکہ ہم نیک عمل کریں ہمیں اب یقین ہو چکا ہے۔

الجواب:۔ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ الآیۃ

(السجدہ آیت ۱۴)

پس اب چکھو مزہ اپنی اس حرکت کا کہ تم نے اِس دن کی ملاقات کو فراموش

کردیا تھا ہم نے اب تمہیں فراموش کر دیا ہے۔

السوال ۳: رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۴۴)

اے ہمارے پروردگار ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے ہم تیری دعوت کو لبیک کہیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔

الجواب: اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ۔ الآیۃ (ابراہیم آیت ۴۴)

کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم پر تو کبھی زوال آنا ہی نہیں ہے؟

السوال ۴: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ۔ الآیۃ (الفاطر آیت ۳۷)

اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال دے تاکہ ہم نیک عمل کریں اُن اعمال سے مختلف جو پہلے کرتے رہے ہیں۔

الجواب: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۔ الآیۃ (الفاطر آیت ۳۷)

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہے تو سبق لے سکتا تھا اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آچکا تھا۔ اب مزہ چکھو ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔

السوال ۵: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۔ الآیۃ (المومنون آیت ۱۰۶، ۱۰۷)

اے ہمارے رب ہماری کم بختی ہم پر چھا گئی تھی ہم واقعی گمراہ لوگ

تھے. اے پروردگار اب ہمیں یہاں سے نکال دیجئے پھر ہم ایسا قصور کریں گے تو بیشک ہم ظالم ہوں گے۔

الجواب:۔ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ۔ الآیۃ (المؤمنون آیت ۱۰۸)

دُور ہو مجھ سے پڑے رہو اسی میں اور مجھ سے بات نہ کرنا۔

(۲۸۶) وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ۔

الآیۃ (المؤمنون آیت ۱۱۸)

ترجمہ:۔ اور آپ کہئے اے میرے پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما بیشک آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھکر ہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں اللہ سے مغفرت و رحمت طلب کرنیکی درخواست کا مضمون ہے۔ مغفرت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ گناہ مٹا دیئے جائیں اور مخلوق کی نگاہ سے انھیں پوشیدہ کر دیا جائے تاکہ رسوائی نہ ہو اور رحمت نیک اعمال کی توفیق و سعادت کو کہا جاتا ہے کہ اسمیں اضافہ کیا جائے۔ (ابن کثیر)

سلوک:۔ تفسیر ماجدیؒ کے مفسر لکھتے ہیں کہ اس الحاح و زاری کے ساتھ دعا کرنے کی ترغیب افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جارہی ہے تو دوسروں کا ذکر کیا ہوگا؟

اللہ اللہ آیت میں کتنا زور عبدیت پر اور کتنی تاکید توحید کی ہے؟

سُورَۃُ النُّور پارہ ۱۸

(۲۸۷) وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الآیۃ (النور آیت ۲)

ترجمہ :۔ اور تم لوگوں کو ان دونوں (زنا کاروں) کے بارے میں ترس نہ آئے اللہ کا حکم جاری کرنے میں اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر :۔ زنا کار مرد اور زنا کار عورت کا اسلامی حکم بیان کیا گیا کہ انھیں (اس جرم میں جبکہ وہ شادی شدہ نہ ہوں) سَو سَو کوڑے مارے جائیں، مجرم پر ترس کھا کر سزا معاف کر دینا یا کم کر دینا یا ہلکی کر دینا ایمان باللہ کے خلاف ہے گویا ایسا شخص جو نرمی کرے مسلمان نہیں، قوانین الٰہی ہر حال جاری ہونے ہیں مجرموں پر ترس کھانا گویا مخلوق خدا کے ساتھ بے رحمی کرنی ہے اور اسلامی معاشرے کو غیر محفوظ اور ناپاک کر دینے کے مرادف ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامت لکھتے ہیں آیت سے مشائخ کے اس عمل کی تصدیق تائید ہوتی ہے کہ وہ مریدوں کی بعض خطاؤں میں نرمی نہیں کرتے (اور بھرپور سزا جاری کرتے ہیں)

(۲۸۸) وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الآیۃ

(النور آیت ۲)

ترجمہ :۔ اور چاہیئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔

تفسیر:۔ زنا ہی کا مسئلہ نہیں ہر مخش جرم کی سزاؤں میں اعلان وتشہیر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ وہ منظرِ عام پر جاری کی جائیں مثلاً چوری، شراب نوشی، تہمت وبغاوت، قتل کی سزاؤں کو مجرم پر علی الاعلان جاری کیا جاتا ہے اور یہ اعلان وتشہیر گویا سزا کا ایک جزو ہے، تاکہ خود مجرم اور دوسروں کو نصیحت وعبرت ہو۔

سُلوک:۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ شیخ جب اپنے مُرید کو تادیب کرنا چاہے تو اسکو مُریدوں کے مجمع میں سزا دے تاکہ اُس کے نفس کو شکستگی ہو اور دوسروں کو عبرت ملے۔ (رُوح المعانی)

(۲۸۹) اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۔ الآیۃ

(النور آیت ۳)

ترجمہ:۔ زناکار مرد نکاح بھی کسی سے نہیں کرتا بجز زناکار عورت یا مشرک عورت کے اور زناکار عورت بھی نکاح نہیں کرتی مگر زانی مرد یا مشرک مرد سے اور زناکاروں سے نکاح کرنا مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

تفسیر:۔ بہت سی جاہلی قوموں میں یہ دستور رہا ہے کہ عورت ایک طرف کسی مرد کے نکاح میں بھی ہے دوسری طرف شوہر کے علم میں بلکہ اس کی اجازت سے زناکاری میں بھی مُبتلا ہے، زمانہ جاہلیت کا ذکر ہی کیا ہے۔ موجودہ متمدّن یورپی قوموں میں یہ ناسُور آج بھی باقی ہے، اور اس کو "آزادیٔ نسواں" کا خوبصورت عنوان دیا جاتا ہے: ؎

خرد کا نام جُنوں رکھ دیا جُنوں کا خرد

قرآن حکیم نے ایسے رشتوں کو حرام و ناپاک قرار دیا ہے۔

آیت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسی بے عصمت عورت اور ایسے بدکار مرد کی طرف کوئی شریف مرد یا شریف عورت رغبت بھی نہیں کر سکتے جب تک وہ

بھی ایسی مسخ شدہ ذہنیت کا شکار نہ ہوں۔

آیت میں یہی حقیقت بیان کی جارہی ہے کہ زناکار مرد، زناکار عورت ہی سے نکاح کر سکتا ہے۔

سلوک :۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے نیکوں کو بُرے آدمیوں سے میل جول نہ رکھنا چاہیے۔

(۲۹۰) وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ الآیۃ (النور آیت ۴)

ترجمہ :۔ اور کبھی ان لوگوں کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ گنہگار ہیں۔

تفسیر :۔ آیت میں زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والوں کا حکم بیان کیا جارہا ہے کہ کسی عفیفہ یا کدامن عورت پر یا کسی عفیف و پارسا مرد پر بدکاری (زنا) کا الزام لگانا دراصل اس کی آبروریزی کرنا ہے جو اللہ کی نگاہوں میں سخت جرم ہے، جب زناکاری خود ایک بڑا گناہ ٹھہرا تو اس کی تہمت بھی کسی کلمہ گو کے حق میں شدید ترین ہی ہوگی کیونکہ اس الزام میں جھوٹ کے علاوہ مسلمان کی عزت ریزی بھی ہے جسکو اللہ نے ایمان و اسلام کی نعمت سے عزت دی اس کو ذلیل و رسوا کرنا اللہ سے بغاوت کرنے کے مرادف ہے۔

بہرحال زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کو جب کہ وہ چار چشم دید گواہ نہ پیش کر سکے سزا ۸۰ اسی کوڑے اس کی پیٹھ پر برسا دئے جائیں گے اور اسکو معاملات میں مردود الشہادت قرار دیا جائے گا (یعنی معاملات لین دین شادی بیاہ وغیرہ میں اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی)

اگر اس نے توبہ کر لی اور نیک سیرت اختیار کر لی تو اللہ اس کے گناہ کو معاف کر دے گا یعنی ایسے توبہ کرنے والے کو نیک بندوں میں شمار کر لے گا البتہ مردود الشہادت ہونے کی صفت اب بھی باقی رہیگی کیونکہ آیت وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ

شَهَادَةً اَبَدًا کہا گیا ہے (یعنی کبھی بھی اُنکی شہادت قبول نہ کی جائیگی۔

(دُرِّ منثور، ابن کثیر)

سُلوک :۔ حکیم الامت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ کی عادات میں یہ بات ملتی ہے کہ اپنے مُرید کی کسی خطا پر معاف کردینے کے بعد بھی اپنا خاص تعلق نہیں رکھتے البتہ اسلامی خیر خواہی کے تحت اسکو کسی دوسرے شیخ کامل سے وابستگی کا مشورہ دیا کرتے ہیں۔

(۷۹۱) لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ، الآية

(النور آیت ۱۱)

ترجمہ :۔ تم (اس افواہ کو) اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔

تفسیر :۔ آیت میں اُس بدترین تہمت کا تذکرہ ہے جو اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے لگائی تھی۔ (تفصیل کے لئے ہدایت کے چراغ جلد ۲ ص۶۸۹ دیکھئے جو اس واقعہ کی قرآنی تشریح ہے)۔

تہمت زدہ بے گناہ شخصیت کو تو فطرۃً رنج و غم ضرور ہی تھا لیکن عام مسلمانوں کو بھی غم و صدمہ تھا کہ ملّتِ اسلامی کی مادرِ محترمہ و مکرمہ پر بہتانِ عظیم لگایا گیا، آیت میں تسلّی دی جارہی ہے کہ اس حادثہ پر غم نہ کریں انجام اس کا خیر ہی خیر ہے، قیامت تک کے لئے بے گناہ اور پاک دامن عورتوں کی عزت و ناموس کا قانون جاری ہوگیا، ہزاروں نہیں لاکھوں خواتینِ اسلام عزت و احترام سے معاشرے میں اپنا تشخص قائم رکھ سکیں گی، اور خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت و طہارت کی شہادت آسمان سے نازل ہوئی اور قیامت تک نمازوں میں اور مسجدوں و منبروں پر ان آیات کی تلاوت جاری رہے گی، یہ خیر ہی خیر نہیں تو اور کیا ہے؟

سلوک :۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ کو اس بات پر غمگین نہ ہونا چاہیئے کہ منکرین و مخالفین اُن سے طعن و تشنیع کے ساتھ پیش آتے ہیں، اس عمل سے تو اُن کے مراتب میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۲۹۲) لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۔ الآیۃ

(النور آیت ۱۲)

ترجمہ :۔ جب تم لوگوں نے یہ افواہ سنی تھی تو مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں نے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہدیا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

تفسیر :۔ اسی بہتان عظیم پر مسلمانوں کو ادب سکھلایا جارہا ہے کہ نیک گمان بھی تو ایک حقیقت ہے اس حقیقت سے آنکھیں کیوں بند کرلی گئیں خود اپنے لئے جس بات کو پسند کیا جاتا ہے مسلمان بھائی کے لئے کیوں اختیار نہیں کیا جاتا؟ یہ کیسی خودغرضی اور نفس پرستی ہے کہ کسی کی عزت و ناموس کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ کیا تہمت لگاکر تم پاک و بری ہوگئے؟

سلوک :۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی تاکید ہے کہ خبروں اور افواہوں میں سخت احتیاط اور تحقیق سے کام لینا چاہیئے محض عام شہرت اور سنی سنائی باتوں سے متاثر ہونا گناہ کی بات ہے۔

اہل اللہ بعید سے بعید احتمال پر بھی حسن ظن رکھتے ہیں پھر اس کی معمولی سی توجیہ بھی کرلیتے ہیں۔

تفسیر ماجدی کے مفسرؒ نے آیت کے لفظ "بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا" سے اخلاقیات کا ایک لطیف درس اخذ کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "اَنْفُسِهِمْ" لاکر قرآن حکیم نے اُمّتِ مسلمہ

کو "احساسِ وحدت" کا درس دیا ہے کہ اُمت کے ہر فرد کو دوسرے فرد کی بدنامی اسی طرح محسوس ہونی چاہیئے جیسے خود کو اپنے نفس کی رسوائی محسوس ہوتی ہے۔

ملحوظہ:۔ سیدہ طاہرہ صدیقہؓ پر جو تہمت لگائی تھی اُسکا بانی مبانی مدینہ منورہ کا مشہور منافق عبداللہ بن اُبی تھا یہی خبیث سیدھے سادھے مسلمانوں کو جمع کرتا اور اُس تہمت کی اشاعت کرتا اس جھوٹی تہمت کی شہرت سے دو تین مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے تھے اور وہ بھی اس کمینہ کا ساتھ دینے لگے۔

مردوں میں دو، حسان بن ثابتؓ اور مسطحؓ اور عورتوں میں حمنہؓ بنت جحشؓ جو سزا کے بعد تائب ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی بیوی نے اسی طوفانِ بدتمیزی کے وقت اپنے شوہر سے کہا کہ عام لوگ تو عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں ایسا ہی کہہ رہے ہیں۔

حضرت ابوایوبؓ نے کہا یہ سب جھوٹے ہیں کیا تم ایسا کام کر سکتی ہو؟ بیوی نے کہا ہرگز نہیں۔

فرمایا پھر صدیق کی بیٹی، نبی کی بیوی عائشہ صدیقہؓ تم سے بڑھکر طاہرہ وعفیفہ ہے۔ انکی نسبت ایسا بُرا گمان کیوں؟ بیوی خاموش ہو گئی۔

(۲۹۳) وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۚ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۔ الآیۃ

(النور آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ اور جب تم نے یہ تہمت سنی تو کیوں نہ کہدیا کہ ہم کو ایسی بات زبان سے نکالنا جائز نہیں یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

تفسیر:۔ اس آیت میں بھی سابقہ آیت کی مزید تاکید ہے کہ مسلمانوں کو ایسی خبر سُننے کے وقت کیا عمل کرنا چاہیئے، وہ یہ کہ صاف صاف کہدینا چاہیئے

بلا کسی گواہی کے ایسی بات زبان سے ہرگز نکالن درست نہیں یہ تو بڑا الزام ہے یہ واقعہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ مقدسہ کا ہے یہاں تو مزید احتیاط کی ضرورت تھی۔

سُلوک :۔ حکیمُ الاُمت ؒ نے اس تاکید سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ شیخ کے اہل و عیال کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ کرنا چاہیے ان کو ایذاء دینا دوسروں کو ایذا دینے سے زیادہ بُرا ہے۔

(۲۶۳) وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ۔ الآیۃ (النور آیت ۲۲)

ترجمہ :۔ اور قسم نہ کھائیں بڑے درجے والے اور گنجائش والے تم میں کے کہ وہ خرچ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو اور اُن لوگوں نے جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے چاہیے کہ معاف و درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ بھی (تمہاری خطاؤں سے) تم کو معاف کرے اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر :۔ سیّدہ عائشہ طاہرہ صدیقہ رضؓ کی برأت و طہارت کی تصدیق آسمان سے نازل ہونے کے بعد منافقوں کو تو عذاب آخرت کے لئے چھوڑ دیا گیا اور جو نادان مسلمان اس تہمت میں شریک ہوگئے تھے انھیں تہمت کی سزا اسّی اسّی کوڑے لگائی گئی اور معاملہ صاف کر دیا گیا۔

البتہ بعض حیثیت والے صحابہ نے شدّتِ غیرت سے قسم کھائی تھی کہ جس جس نے اس تہمت میں حصّہ لیا ہے انھیں کسی قسم کی مالی امداد نہیں کی جائیگی۔ چنانچہ بعض غریب مسلمانوں کے مالی تعاون بند ہوگئے ان میں حضرت مسطح رضؓ صحابی بھی تھے جن کا مالی تعاون سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کیا کرتے تھے۔

مذکورہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی کہ رزق و روزی کا دروازہ کسی جرم و خطا پر بند نہیں کیا جانا چاہیے اگر اللہ بھی تمہاری خطاؤں پر اپنا دروازہ بند کرلے تو پھر تم کو کون رزق دے گا۔

آیت کے نزول پر سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنا تعاون جاری کر دیا اور بقیہ صحابہ نے بھی ان کی تقلید کی۔

سُلوک :۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے مشائخ کو اپنے مُریدوں کی خطاؤں و لغزشوں پر اپنے فیوض (علمی و رُوحانی) بند نہ کرنے چاہئیں۔

(رُوح المعانی)

(۷۹۵) ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۔ الآیۃ (النور آیت ۳۰)

ترجمہ :۔ یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے۔

تفسیر :۔ اہل ایمان کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، نیچی رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے نگاہیں نیچی رہنی چاہئیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ نگاہیں حرام منظر پر نہ پڑنی چاہئیں اگر کہیں ایسا موقعہ و محل آجائے تو نظریں نیچی کرلی جائیں اور حرام منظری سے احتیاط کی جائے۔ اسی کو قرآنی الفاظ میں "غضِ بصر" کہا جاتا ہے۔ مذکورہ آیت میں مسلمان مرد اور عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔

یہ پاکیزہ تعلیم نظر کرنے والے کے قلب و نظر کی طہارت و شرافت کا ذریعہ ہے اکثر برائیاں نظر کے غلط استعمال پر پیدا ہوتی ہیں، زنا اور فحش کاری جو بڑے گناہوں میں سرفہرست ہیں اسی بدنگاہی کا انجام ہوا کرتے ہیں اور دِلوں کا بگاڑ اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ نظر بازی چونکہ زنا اور فحش کا مقدمہ ہیں اس لئے اسکا انسداد کیا گیا ہے۔ یہ تعلیم سلوک کا عظیم درس ہے، کہ نگاہیں نیچی رکھیں۔

ملحوظہ:۔ دہلی کے شاعر ذوق کا شعر ہے۔
آنکھ سے آنکھ ہے لڑتی مجھے ڈر ہے دل کا، کہیں یہ جائے نہ اس جنگ و جدل میں مارا
اسی شہر دہلی کے ایک غیر معروف ہندو شاعر لالہ مکند رام نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے۔
دل کا نہیں قصور مکند آنکھیں ہیں ظالم، یہ جا کے نہ لڑتیں وہ گرفتار نہ ہوتا
غیر مسلم شاعر بھی کبھی سچی بات کہہ دیتا ہے۔ اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ پر فرمایا۔ اِنَّ الْکَذُوْبَ قَدْ یَصْدُقُ۔ الحدیث
جھوٹا کبھی سچ بھی کہہ دیتا ہے۔

(۲۹۶) اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الآیۃ (النور آیت ۳۵)

ترجمہ:۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

تفسیر:۔ یعنی اللہ ہی نورِ ہدایت بخشنے والے ہیں آسمان والوں کو اور زمین والوں کو (یعنی جملہ مخلوقات کو) نور اُس روشنی کو کہا جاتا ہے جو آنکھوں سے نظر آئے لیکن اللہ کو ظاہری آنکھ سے دیکھنا ممکن نہیں اس لئے نور کے مجازی معنی مراد لئے جائیں گے یعنی زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی موجود ہیں وہ اللہ کا فیض و کرم ہے۔
شاہ عبدالقادر صاحب محدث رح لکھتے ہیں کہ اللہ سے رونق و بستی ہے زمین و آسمان کی اسکی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائے۔ (موضح القرآن)

سلوک:۔ امام غزالی رح نے نور کی تفسیر ظَاهِرٌ بِنَفْسِهٖ مُظْهِرٌ لِغَيْرِهٖ (اپنی ذات سے موجود اور دوسروں کو وجود دینے والا) لکھکر نور کا مصداق "وجود" قرار دیا ہے، اس لحاظ سے نور السموات والارض کا مطلب "وجود السموات والارض" یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کے وجود سے قائم ہے۔
اس تفسیر پر حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ "وحدت الوجود" کا مطلب بھی یہی ہے۔

ملحوظہ :- نور کا ترجمہ اُردو میں مختلف الفاظ سے کیا گیا ہے۔ شیخ الہندؒ نے "روشنی" لکھا ہے۔ حکیم الامتؒ نے نور کا ترجمہ نور ہی لکھا ہے۔ "منور و ہادی" شاہ رفیع الدین صاحب محدثؒ نے بھی نور ہی لکھا ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ نے "رونق" لکھا ہے۔

عربی تفسیروں میں تفسیر ابن عباسؓ میں نور کا ترجمہ "ہادی" لکھا ہے۔
امام جلال الدین سیوطیؒ نے منوّر لکھا ہے۔

اور امام غزالیؒ نے "ظاہر بنفسہٖ مظہر لغیرہٖ" لکھکر نور کا مصداق "وجود" قرار دیا ہے اور پھر نور السموات والارض کا مطلب وجود السموات والارض کہا ہے۔

(۲۹۷) فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْہَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ الآیۃ (النور آیت ۳۶)

ترجمہ :- (یہی ہدایت یافتہ لوگ) ایسے گھروں میں جاکر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ اُنکا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے (مُراد مسجدیں ہیں) اُن مسجدوں میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ (یعنی نمازیں پڑھتے ہیں)

تفسیر :- بیوت سے مُراد مساجد ہیں اُن کی پاکی و صفائی اور ادب و احترام کا حکم دیا جارہا ہے۔ اسمیں ہر قسم کی گندگی، فضول گوئی اور دُنیاوی اعمال سے پرہیز کیا جائے، نماز، تسبیح و تہلیل و تلاوت قرآن سے اللہ کا نام بلند کیا جائے۔ مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ داخل ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی جائے۔

سلوک :- فقہاء کرام نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ مساجد میں دُنیاوی باتیں کرنا اور خرید و فروخت کرنا حکایت و شکایت بیان کرنا ممنوع ہیں۔ (جصاص)

(۲۹۸) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ۔ الآیۃ (النور آیت ۳۷)

(وہ ایسے لوگ ہیں) جنھیں نہ تجارت غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز سے اور زکوٰۃ دینے سے اور وہ خوفزدہ رہا کرتے ہیں ایسے دن کے پیش آنے سے (یعنی قیامت) جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔

تفسیر:۔ اللہ کے نیک بندوں کو روزی و معاش کے دھندے اللہ کی یاد اور اس کے احکام کی بجا آوری سے غافل و بے پروا نہیں کرسکتے بڑا سے بڑا بیوپار اور کوئی بھی خرید و فروخت اللہ سے غافل نہیں کرتی۔

سُلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے تصوف کے ایک مشہور مقولہ "خلوت در انجمن" کی اصل نکالی ہے (یعنی دل بیار دست بکار، دل تو اللہ سے وابستہ رہے اور ہاتھ پیر کاروبار میں)۔

(۲۹۹) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۔ الآیۃ (النور آیت ۳۹)

ترجمہ:۔ کافروں کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا آدمی اُس کو دور سے پانی خیال کرتا ہے اور جب اس کے قریب جاتا ہے تو پانی وانی کچھ نہیں پاتا، محروم رہ جاتا ہے۔

تفسیر:۔ کافر اور مشرکوں کے اعمال ظاہری حالت میں پُر رونق اور بھاری معلوم ہوتے ہیں لیکن اللہ کے یہاں بے حقیقت ہیں کیونکہ بغاوت (ایک اللہ کو تسلیم نہ کرنا) ایسا شدید جرم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے باغی کو کہیں پناہ نہیں ملتی اگرچہ وہ بڑے بڑے رفاہی کام انجام دیتا ہو۔

قرآن حکیم نے ایسے باغیوں کے اعمال کو ریت کے میدان سے تشبیہ دی ہے کہ دھوپ کے وقت دور سے ریت کا میدان پانی کی لہروں جیسا نظر آتا ہے لیکن پیاسا آدمی جب اُس کے قریب پہنچتا ہے تو مٹی و ریت کے سوا اور کچھ نہیں پاتا، مایوس پیاسا رہ جاتا ہے ایسا ہی حال آخرت میں کافروں و مشرکوں کے اعمال کا ہوگا ان کے سارے اعمال خاک کا تودہ ثابت ہونگے۔

ایک عربی شاعر اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ ، اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارُ ،

سُلوک :۔ حکیمُ الامت نے اس قرآنی مثال سے بعض فریب خوردہ صوفیوں کا انجام ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنے بعض اعمال و احوال کو حقائق خیال کرتے ہیں حالانکہ اُن کی حقیقت خیالات سے زیادہ نہیں ہوتی جن کی حقیقت امتحان یا موت کے وقت معلوم ہوجائے گی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

(۵۰۰) وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ. الآیۃ (النور آیت ۴۷)

ترجمہ :۔ اور یہ لوگ کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے اور اُنکا حکم مان لیا پھر اُن میں کا ایک گروہ اس کے بعد سرتابی کر جاتا ہے اور یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں۔

تفسیر :۔ آیت میں منافقین کا ذکر ہے یہ لوگ زبان سے تو ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن عمل کا وقت آتا ہے تو صاف پھر جاتے ہیں حقیقت تو یہی ہے کہ اِن کے دلوں میں شروع ہی سے ایمان نہ تھا جو کچھ بھی وہ صرف زبانی جمع خرچ ہے۔

سلوک :۔ حکیمُ الامت نے لکھا ہے کہ آیت کے مضمون سے اُن لوگوں

کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے جو دل سے مشائخ کو تسلیم نہیں کرتے اور زبان سے باتیں بناتے ہیں۔

(۵۰۱) وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِن نُّوْرٍ۔ الآیۃ (النور آیت ۴۰)

ترجمہ:۔ اور جسکو اللہ نور نہ دے اُسکے لئے کہیں بھی نور نہیں۔

تفسیر:۔ چنانچہ کافر لوگ اپنے انکار و عناد کی وجہ سے تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں ان کا کوئی سہارا نہیں، ہدایت سے وہی محروم رہتے ہیں جو خود ہی ہدایت حاصل کرنے کا ارادہ نہیں کرتے۔

سُلوک:۔ صوفیہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جس شخص میں قبولِ حق کی استعداد نہیں اس میں عقل بھی نہیں ہوتی۔

(۵۰۲) وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا۔ الآیۃ (النور آیت ۵۴)

ترجمہ:۔ اور اگر تم نے رسول کی اطاعت کر لی تو راہ سے جا لگو گے۔

تفسیر:۔ اہتداء کے معنیٰ راہ یاب ہونا، منزل پر پہنچ جانا، کامیاب ہو جانا، لہٰذا جس نے رسول کی اطاعت و پیروی کر لی وہ سیدھی و درست راہ پر آ گیا، اس کے بعد منزل خود بخود مل جاتی ہے، اصل سیدھی راہ پر آ جانا ضروری ہے۔

قرآن حکیم کی پہلی سورت میں پہلی دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی تعلیم آئی ہے۔

سُلوک:۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اطاعتِ رسول سے کشفِ حقائق ہوتا ہے کیونکہ تَهْتَدُوا کا انجام حقیقت تک پہنچ جانا ہے۔ (رُوح المعانی)

سورۃ الفرقان پارہ ۱۸

(۵۰۳) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۴)

ترجمہ:۔ اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن صرف خالص جھوٹ ہے جس کو اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھڑ لیا ہے اور دوسروں نے اس میں اس کی مدد کی ہے۔

تفسیر:۔ اردو کی مثل ہے کھسیانی بلی کھمبا نوچے، قرآن کا جواب پیش کرنا تو درکنار مضحکہ خیز تبصرہ کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے ذہین و زیرک آدمی ہیں انھوں نے ایک اثر انگیز کتاب اپنی طرف سے لکھ دی اور اس تصنیف میں دوسروں نے ان کی مدد بھی کی اس کے بعد اس کو خدا کا کلام قرار دیدیا۔

چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ ایسا ہی طعن و اعتراض بعض خشک علماء نے امی اولیاء اللہ پر کیا ہے کہ ان کے بعض مرید علماء نے ان کے اقوال و اعمال کی تاویلیں کی ہیں۔

(۵۰۴) وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۷)

ترجمہ:۔ اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسول کیسا ہے جو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

تفسیر: وہی جاہلی فکر کہ رسول کو تو فوق البشر ہونا چاہیے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، خرید و فروخت کرنے کی ضرورتیں پوری کرنے میں یہ رسول عام انسانوں کی طرح ہے، فرشتے کیوں نہیں انکی مدد کرتے؟ کیوں نہیں ان کے یہاں آسمانی خزانہ ہوتا وغیرہ، پھر انھیں رسول و نبی کیوں تسلیم کیا جائے۔

جاہلیت کے عجائب زمانہ میں ایک یہ بھی عجوبہ ہے کہ خدا خود تو دنیا میں آسکتا ہے کسی بھی انسان بلکہ سانپ بچھو کے قالب میں بھی، لیکن کسی بشر کو اپنا نائب، اپنا سفیر، اپنا پیامبر نہیں بنا سکتا۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

سلوک: حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت سے مشی فی الاسواق (بازاروں میں چلنا پھرنا) کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیث میں جو اس کی کراہت آئی ہے وہ بلا ضرورت بازاروں میں گھومنا پھرنا مراد ہے۔ (ایسا عمل مکروہ ہے)

(۵۰۵) لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا

الآیۃ (الفرقان آیت ۲۱)

ترجمہ: یقیناً ان لوگوں (کافروں) نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور حد سے بہت دور نکل گئے ہیں۔

تفسیر: زعم و پندار ایسی ناپاک خصلتیں ہیں جو انسان کو انسانیت ہی سے نکال کر خواب و خیال کے عالم میں پہنچا دیتی ہیں ایسا انسان ہم چوں من دیگرے نیست کی چکر میں پڑا رہتا ہے، حالانکہ وہ اہل دنیا کی نظروں میں گر چکا ہے۔

سلوک: حکیم الامت لکھتے ہیں کہ جو سالک علم سلوک میں غیر اختیاری احوال کا منتظر رہا کرتا ہے اس کا یہ انتظار تکبر کی علامت ہے کہ وہ احوال کو اپنے مجاہدات و اعمال کا ثمرہ سمجھتا ہے۔

(۵۰۶) وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا - الآیۃ (الفرقان آیت ۲۳)

ترجمہ:- اور (قیامت میں) ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے جو یہ دنیا میں کر چکے ہیں سو اُن کو ایسا کر دیں گے جیسا پریشان غبار ہوا کرتا ہے (یعنی بے قدر و قیمت)۔

تفسیر:- قیامت کے دن کافروں کے اعمال کا انجام بیان کیا جا رہا ہے کہ جن جنکو دنیا میں اپنے اعمال کا غرور و غرّہ تھا کہ ہم نے فلاں فلاں کام انجام دیے ہیں اسکا بدلہ ہمیں ضرور ملے گا ہماری یہ جدوجہد ضائع نہ جائے گی وغیرہ۔

آیت میں ان اعمال کا وزن بیان کیا گیا ہے چونکہ ان کے یہ اعمال ایمان و اخلاص سے خالی تھے قیامت کے دن اُڑتی ہوئی غبار کی طرح ہلکے اور بے وزن ہونگے انکا کوئی مقام نہ ہوگا خاک کی طرح پڑے رہیں گے۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے دو مسئلے اخذ کئے ہیں پہلا تو یہ کہ بغیر اخلاص و ایمان کوئی عمل مفید نہیں۔ دوسرا یہ کہ عُجب و خود پسندی اعمال کو غارت کر دیتی ہیں۔

(۵۰۷) یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا - الآیۃ (الفرقان آیت ۲۷)

ترجمہ:- جس دن ظالم اپنے دونوں ہاتھ کاٹ کاٹ کھائیگا اور کہتا ہوگا کیا اچھا ہوتا رسول کے ساتھ میں راہ پر لگ جاتا۔ ہائے میری کمبختی میں فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا اُس نے تو مجھکو بہکا دیا اُس ہدایت کے بعد جو میرے پاس آ چکی تھی اور شیطان تو ہر وقت انسان کو دغا دینے والا ہی ہے۔

تفسیر:- ظالم سے بے دین و کافر آدمی مراد ہے قیامت کے لیل و نہار دیکھکر کافر و بے دین آدمی حسرت و ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹ لیگا اور زبان سے کہتا پھرے گا ہائے افسوس میں نے دنیا کی زندگی میں پیغمبر کا راستہ کیوں نہ اختیار

کرلیا تھا اور بُروں کا کہا مانا اور ان کے فریب میں آگیا ورنہ آج یہ روزِ بد دیکھنا نہ پڑتا، اے کاش کہ میں فلاں فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، اے کاش اُسکے اور میرے درمیان دوستی ورشتہ نہ ہوتا تاکہ میں اس سے دُور ہی رہتا، اے کاش کہ میں نے پیغمبر کی بات کیوں نہ مانی جو ہدایت کیلئے کافی تھی، مگر اس کمبخت دوست نے کان دھرنے نہ دیا اور میں دینِ حق سے ہمیشہ دُور رہا۔

سلوک :۔ حکیمُ الامت ؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرار (بُروں) کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیئے، شریر اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کی یاد سے غافل کردے۔

ملحوظہ :۔ تفسیری روایات میں آیت کا شانِ نزول اسطرح بیان کیا گیا ہے۔

عقبہ بن ابی مُعیط مکۃ المکرمہ کے سرداروں میں شامل تھا، یہ جب کبھی بیرونی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معززین کی کھانے پر دعوت کرتا ایک مرتبہ حسبِ عادت اُس نے دعوت کا انتظام کیا اسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کیا جب کھانے کا وقت آیا تو آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہ کھاؤنگا جب تک تم یہ گواہی نہ دیدو کہ اللہ ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، عقبہ نے رواروی میں یہ کلمہ کہدیا آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

عقبہ کا ایک جگری دوست اُبیّ بن خلف تھا اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ عُقبہ مسلمان ہوگیا ہے بہت پیچ و تاب کھایا، عقبہ نے عُذر کیا کہ قریش کے معززین میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تھے اگر وہ بغیر کھائے چلے جاتے تو میری بڑی رسوائی ہوتی اس لئے میں نے اُن کی دلجوئی کے لئے یہ کلمہ کہدیا، اُبیّ نے کہا میں ایسی واہی تباہی باتوں کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ تم جاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منھ پر تھوک نہ آؤ؟ العیاذُ باللہ۔

آخر اس مردود نے یہ گستاخی کر ہی دی، مذکورہ آیات اس حادثہ کے بعد نازل ہوئیں۔
واقعہ اگرچہ خاص ہے لیکن آیات کا حکم اور خطاب عام ہے۔ اللّٰهم احفظنا منہ۔

(۵۰۸) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ۔ الآیۃ
(الفرقان آیت ۳۱)

ترجمہ:- اور ہم اس طرح مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن رکھے ہیں اور آپکا پروردگار ہدایت و نصرت کے لئے کافی ہے۔

تفسیر:- یہ عادتِ قدیمہ ہمیشہ جاری رہی ہے کہ ہر نبی اور حق کے داعیوں کی مخالفت میں جن و انس کی ایک جماعت قائم رہی ہے جو نبی کی بات ملنے میں رکاوٹیں ڈالتی رہی ہے لیکن جن کی نیتوں میں حق طلبی و حق پرستی رہی ہے انھیں تو ہدایت مل گئی اور جو مخالفت و عناد میں پڑے رہے وہ محروم و ناکام ہی رہے۔ اور اللہ کی نصرت و حفاظت اہل حق کے لئے کافی رہی ہے۔

سلوک:- علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے اگر اس قول کو آیت کے ساتھ ملا لیا جائے کہ ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ولی کا بھی ایک دشمن ہوا کرتا ہے۔ (اور اللہ اُس ولی کا ناصر و محافظ ہوا کرتا ہے)
(روح المعانی)

(۵۰۹) كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۳۲)

ترجمہ:- (آیت کا پورا ترجمہ یہ ہے) کافر کہتے ہیں کہ اس نبی پر قرآن یکبارگی (مکمل) کیوں نہ اُتارا گیا؟ (تھوڑا تھوڑا) ہم نے اس لئے اُتارا تاکہ اسکے ذریعہ سے آپ کے قلب کو قوی رکھیں اور ہم نے اسکو ٹھیر ٹھیر کر اُتار دیا۔

تفسیر:۔ کافروں کے بے ہودہ شبہات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو پھر تھوڑا تھوڑا کیوں نازل کیا گیا یکدم کیوں نازل نہ ہوا (جیسا کہ تورات انجیل اور دوسری کتابیں یکدم نازل ہوئی ہیں)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام اللہ کا نہیں خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سوچ سوچ کر حسب موقع تصنیف کر لیا ہے۔ آیت میں اس بکواس کا جواب ملتا ہے کہ تدریجی نزول میں اپنے نبی و رسول کی مصلحت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کہ یکدم پورے کلام کے نزول سے قلب رسول متاثر نہ ہو، اللہ کا کلام بھاری اور پر عظمت ہوا کرتا ہے۔

تدریجی نزول میں قلب رسول کی تقویت و حفاظت کے علاوہ عام مسلمانوں کی رعایت و سہولت بھی ہے کہ کلام اللہ کو یاد رکھنے اور سمجھنے میں آسانی رہے، اسطرح تھوڑا تھوڑا کلام محفوظ ہوتا رہا۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ مشائخ نے لکھا ہے کہ عبادات کے ثمرات اور مقامات جب تدریجی طور پر پیدا ہوتے ہیں تو اس میں رسوخ و پختگی اور دوام کی کیفیت رہتی ہے، جو چیز جلد آتی ہے جلد چلی بھی جاتی ہے، سالک کو تاخیر ہونے سے تنگ دل نہ ہونا چاہیئے بلکہ صبر کرنا چاہیئے۔

حکیم الامت رح یہ بھی لکھتے ہیں کہ علماء کے یہاں تعلیم و تدریس کا سبقاً سبقاً ہونا اور مشائخ کے ہاں افادہ و اضافہ کا تدریسی طور پر ہونا اسی قرآنی حکمت کے تحت ہے۔

(۵۱۰) اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۳۴)

ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی جانب لے جائے جائیں گے۔

تفسیر:۔ قرآن اور رسول پر اعتراضات کرنیوالے جنکا مقصد اعتراض کے سوا اور کچھ نہیں انکا حشر آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ محشر سے جہنم کی طرف پیروں کے بل نہیں چہروں کے بل گھسیٹے ہوئے اوندھے منہ پھینک دیئے جائیں گے، دنیا میں ان کی عقلیں اوندھی تھیں آخرت میں اوندھے منہ گر پڑیں گے۔

سُلوک:۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ جو لوگ اپنی طبیعت کے تقاضوں پر رہے پستی میں گر پڑے۔ (روح المعانی)

(۵۱۱) أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوٰىهُ. الآیۃ (الفرقان آیت ۴۳)

ترجمہ:۔ کیا آپ نے اس شخص کی حالت دیکھی جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنائے رکھا ہے۔

تفسیر:۔ یعنی جن لوگوں کا معبود و مقصود ہی پیٹ اور پیٹ کی خواہشات ہوں کہ جدھر خواہش گئی اُدھر ہی جھک پڑے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لیا جو مخالف ہوئی رد کر دیا آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت ملا پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔

عرب جاہلیت کے لوگ آج بھی فرنگی لباس میں موجود ہیں بُت پرستی نہ سہی مریم پرستی اور ہوا پرستی میں تو مُبتلا ہیں ہی۔

سُلوک:۔ آیت سے خواہشات نفسانی کے اتباع کی مذمت نکلتی ہے، اور صوفیہ کے اس مشہور قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ کُلُّ مَا شَغَلَکَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتُکَ۔ جو چیز بھی حق سے غافل کر دے وہ تمہارا معبود باطل ہے۔

(۵۱۲) وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا. الآیۃ (الفرقان آیت ۴۷)

ترجمہ:۔ اور اللہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ اور نیند کو

آرام کی چیز بنایا اور دن کو جی اُٹھنے کا وقت بنایا۔

تفسیر:۔ آیت میں ذاتِ حق کی توحید و یکتائی کا بیان ہے اُس نے دن و رات کو ایک خاص مقصد کے لئے بنایا رات کی تاریکی چادر کی طرح فضا پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ اپنے مشاغل چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اُجالا ہوتا ہے تو نیند سے اٹھکر اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں، اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئیگی جس میں کائنات دوبارہ اُٹھ کھڑی ہو گی، آیت کی پوری تفسیر اس وقت سمجھ میں آئیگی جب مشرک قوموں کے عقیدے بھی پیشِ نظر ہوں جنھوں نے دن و رات کو دیوتا قرار دیا ہے یا اُنھیں کسی دیوی دیوتا کا پیدا کیا ہوا نظام مانا ہے۔

سلوک:۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ رات کو لباس قرار دینے میں اشارہ نکلتا ہے کہ رات تمہارے احوالِ باطنہ (شوق و دُعا و گریہ وزاری) کا لباس ہے اور نیند مجاہداتِ نفس سے بدن کو راحت دیتی ہے اور دن اپنی ضروریاتِ معاش کے لئے چلنے پھرنے کا وقت ہے۔

حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے چار فوائد معلوم ہوئے۔ اوّل یہ کہ اپنے احوالِ باطنہ کو مخفی رکھنا چاہیئے۔ دوم صاحبِ مجاہدات کو ضرورت کے موافق آرام کر لینا چاہیئے۔ سوم طلبِ معاش کی اجازت ہے ممنوع نہیں۔ چہارم طلبِ معاش طریقت کے منافی نہیں۔

(۵۱۳) وَهُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۴۸)

ترجمہ:۔ اور وہ ایسی ذات ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشگوار ہواؤں کو بھیجتی ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں۔

سلوک :۔ سنّت اللہ یہی ہے کہ بارش سے پہلے ٹھنڈی و راحت افزا ہوائیں چلتی ہیں گویا یہ بارش کی خوشخبری کا اعلان ہے پھر بارش سے مُردہ زمین میں حیات پیدا ہوتی ہے خشک و بنجر زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ قحط و خشک سالی دور ہوتی ہے فضا میں سکون و قرار پیدا ہوتا ہے باغ و کھیت سرسبز ہونے لگتے ہیں جہاں خاک اڑتی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے انسانوں کے علاوہ جانور بھی سیراب ہو جاتے ہیں۔

سلوک :۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں سالک کو واصل باللہ ہونے سے پہلے وصول کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ملحوظہ :۔ علم تصوف میں وصل و فصل کے دو لفظ لکھے اور بولے جاتے ہیں۔ وصل کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ کثرتِ ذکر و فکر سے بندے کو اللہ کے ساتھ ایک خاص ذوقی تعلق اور حضوری کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور غیر سے غفلت و دوری یہی تعلق و کیفیت جب پختہ اور دائمی ہو جائے تو اس کو وصل کہا جاتا ہے اور اس نسبت والے کو واصل باللہ کہا جاتا ہے۔

(اس تشریح سے "نسبت" کی بھی تعریف نکل آئی جو تصوف میں کثرت سے بولی جاتی ہے)

(۵۱۴) وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۵۳)

ترجمہ :۔ اور وہ ذات ایسی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ایک کا پانی شیریں و تسکین بخش ہے اور دوسرا تلخ و کڑوا اور دونوں کے بیچ میں ایک آڑ ہے جو ایک دوسرے کو ملنے نہیں دیتی۔

تفسیر :۔ عجائب قدرت کا ذکر ہے جو اللہ کی شان و قدرت ظاہر کر رہی ہیں۔

دو دریا یکساتھ ملکر جاری ہیں ایک دریا کا پانی شیریں فرحت بخش اور دوسرے کا کڑوا و تلخ، دونوں دریا اپنی اپنی کیفیت پر قائم ہیں نہ شیریں پانی، کڑوے پانی میں ملتا ہے اور نہ کڑوا پانی شیریں پانی کو متاثر کرتا ہے دونوں پانی کے وسط میں ایک خدائی آڑ ہے جو ایک دوسرے کو ملنے نہیں دے رہی ہے یہ محیر العقول نظام اللہ کی قدرت و شان کو ظاہر کر رہا ہے۔

اسکے بعد بھی اگر کوئی ہدایت نہ لے اُسکا اپنا قصور ہے۔

آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ یہ دو دریا کسی خاص مقام پر موجود ہیں کہ جسکی نشان دہی کی جاسکے بلکہ اس کا اثر دیکھا جا سکتا ہے ایک دریا کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں ہے اور اُسی کے دوسری جانب سے لیا جائے تو تلخ و کڑوا ملتا ہے۔

مثال کے طور پر ہندوستان میں مشرقی سرحد پر ضلع ارکان (علاقہ برما) اور چاٹگام ضلع بارسیال میں ایسے دو دریاؤں کا ثبوت ملتا ہے (بیانُ القرآن و ترجمہ مولینا شبیر احمد عثمانی رح)

تفسیر کبیر میں آیت کی تفسیر اسطرح کی گئی ہے۔

دنیا میں پانی کے دو عظیم الشان ذخیرے ہیں ایک سمندری پانی جو تلخ اور پیاس بڑھانے والا ہوتا ہے۔ دوسرا جو دریاؤں، جھیلوں، تالابوں اور پہاڑی چشموں سے نکلتا ہے اور جو شیریں و فرحت بخش ہوا کرتا ہے اللہ عظیم کی قدرت و صنعت کو دیکھو کہ دونوں متضاد صفت پانی ایک ہی زمین سے نکل رہے ہیں، تلخ پانی کے قریب ہی زمین کھودی جائے تو وہاں سے شیریں پانی نکلتا ہے آخر یہ غیبی نظام کسی قادر مطلق کا نہیں تو پھر کس کا ہے؟ کہ ایک دوسرے کو ملنے نہیں دیتا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

سُلوک: صوفیہ کرام نے بحرین کی اس مثال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معنوی حیثیت سے بھی دو بحر قرار دیئے ہیں۔ بحرِ روح، بحرِ نفس۔ رُوح کی صفات حمیدہ ہیں اور نفس کی صفات ذمیمہ (بُری) ہیں یہ دونوں متضاد صفات ایک جسم میں اس طرح جمع کر دیے گئے ہیں کہ سطحی نظر میں دونوں ایک دوسرے سے ملتبس اور مختلط معلوم ہوتے ہیں مگر واقع میں دونوں میں امتیاز ہے جسے صاحب بصیرت معلوم کر لیتا ہے۔

(۵۱۵) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۶۳)

ترجمہ:۔ اللہ رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ کے نیک بندوں کی صفات واخلاق میں تواضع، انکساری ہوا کرتی ہے جسکا اثر اُن کی چال ڈھال رفتار گفتار سے ظاہر ہونے لگتا ہے متکبرین کی طرح اکڑفوں نہیں کرتے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ اہل اللہ میں یہ صفت نمایاں پائی جاتی ہے۔

(۵۱۶) وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ الآیۃ (الفرقان آیت ۶۳)

ترجمہ:۔ اور جب اُن سے جاہل لوگ جہالت کی بات کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں خیر۔

تفسیر:۔ اللہ کے نیک بندوں کی یہ بھی علامت ہے کہ وہ جہالت، گالی گلوچ کا جواب نہیں دیتے اور نہ قولی وفعلی انتقام لیتے ہیں بلکہ درگزر کر دیتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں اور علیحدہ بھی ہو جاتے ہیں۔

آیت میں اس خصلت کو "قَالُوْا سَلٰمًا" کے الفاظ سے ادا کیا ہے۔

اُردو محاورہ میں ایسے موقع پر خیر صاحب یا بس بس بولا جاتا ہے اور بات ختم کردی جاتی ہے۔

لفظ "سَلٰمًا" تسلیم سے نہیں بلکہ تَسَلُّم سے مشتق ہے جس کے معنی علیحدہ ہونا بری ہونا ہیں اس لفظی تحقیق کے بعد آیت کا یہ ترجمہ ہوگا۔

اللہ کے نیک بندے جاہلوں سے اُلجھتے نہیں اگر ایسا موقعہ پیش آجائے تو علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ (قرطبی)

سُلوک :- حکیمُ الامت رح لکھتے ہیں کہ ضبط و تحمّل اور درگزر کرنا انسانی اخلاق کی بلند ترین خصلت ہے۔

(۵۱۷) وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔

الآیۃ (الفرقان آیت ۶۴)

ترجمہ :- اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام میں لگے رہتے ہیں۔

تفسیر :- نیک بندوں کی شب بیداری، عبادت گزاری کے لئے ہوا کرتی ہے یہ نہیں کہ یہ لوگ اپنی راتوں میں شراب خانوں، نشاط خانوں، قحبہ خانوں، سینما خانوں، جُوا خانوں، کلبوں، ناچ گھروں میں نارے مارے پھرتے ہوں۔

جائز استراحت کے لئے بقدر ضرورت آرام بھی کرتے ہیں اکثر تو نمازوں و دعاؤں میں ساری ساری رات گزار دیتے ہیں اس کے باوجود بھی شامت اعمال سے لرزاں و ترساں رہا کرتے ہیں۔ کہ کہیں اعمال کھوٹے ثابت نہ ہو جائیں۔

سُلوک :- حکیمُ الامت رح لکھتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندے اپنی عبادت و ریاضت پر مطمئن نہیں ہوجاتے بلکہ یہ خلش انہیں بے چین کئے رہتی ہے کہ کہیں ہمارے یہ اعمال کھوٹے ثابت نہ ہوں۔

(۱۸) قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۔ الآیہ (الفرقان آیت ۷۷)

ترجمہ:۔ آپ کہدیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کریگا اگر تم عبادت نہ کروگے سو تم خوب جھٹلا چکے ہو عنقریب یہ جھٹلانا وبال بنکر رہیگا۔

تفسیر:۔ کافروں نے حق کو جو جھٹلادیا ان کا یہ عمل خود ان کے گلے کا ہار ثابت ہوگا آخرت کی ابدی زندگی میں ابدی ہلاکت وعذاب سے دوچار ہوں گے دنیا میں بھی بہت جلد اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، چنانچہ غزوہ بدر ۲ھ میں کفر کی طاقت پاش پاش ہوگئی۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت میں تردید ہے اُن جاہل صوفیوں کی جو محض تبرکات یا کسی بزرگ کے انتساب کو اپنی مقبولیت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دربارِ خداوندی میں بندوں کی جو بھی قدر و عزت ہے وہ ایمان وعمل صالح کی بناء پر ہے۔

سورۃ الشعرآء پارہ ۱۹

(۱۹) لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ الآیہ (الشعرآء آیت ۳)

ترجمہ:۔ شاید آپ ان کافروں کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان دیدیں گے۔

تفسیر:۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ کے کافر جس شدت سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی مخالفت کر رہے تھے ویسے ہی آپکی خیر خواہی و دلسوزی اور زیادہ ہو رہی تھی۔

شب و روز آپ اس غم و فکر میں گھل رہے تھے کہ آخر یہ لوگ اللہ کی یکتائی کیوں تسلیم نہیں کر رہے ہیں؟ آپ کی یہ بیقراری و بے چینی اس حد تک پہنچ رہی تھی کہ اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ آپ کسی ذہنی یا جسمانی حادثہ سے دوچار نہ ہو جائیں۔

قرآن حکیم نے آپکی اس حالت کو مذکورہ آیت میں اسطرح ظاہر کی ہے، شاید آپ ان ہٹ دھرم لوگوں کے غم و فکر میں اپنی جان کھو دینے والے ہیں۔

یہ ایک مشفقانہ خیر خواہی کا بلیغ انداز ہے جس میں اعتدال کی تعلیم کے علاوہ نصیحت و خیر خواہی کا پہلو ہوا کرتا ہے۔

"لَعَلَّكَ بَاخِعٌ" شاید آپ اس غم میں اپنی جان ضائع کر دینگے، کھو دینگے متأثر کر دیں گے۔

"بَاخِعٌ" بَخْعٌ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنیٰ پوری طرح ذبح کر ڈالنے کے ہیں، لہٰذا لفظی ترجمہ یہ ہوگا، شاید آپ خود کو ذبح کرنا چاہتے ہوں۔

مقصود یہ کہ آپ ان کافروں کے ایمان نہ لانے پر اسقدر غم و حزن نہ کیجئے آپکا کام ابلاغ "پہنچا دینا" ہے ایمان قبول کرنا نہ کرنا ان کے اختیار کی بات ہے ان بے نصیبوں کے غم و فکر میں اپنے آپکو اس قدر گھلا دینے کی ضرورت نہیں۔

سلوک :- علامہ آلوسیؒ نے آیت سے دو باتیں اخذ کیں ہیں۔

ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت (اُمتِ دعوت پر) انتہائی شفقت و کرم تھا۔

دوم کافروں کے ایمان لانیکی حرص و خواہش رکھنا تقدیر کیخلاف نہیں۔ (روح المعانی)

حکیم الامت رح نے بھی آیت سے دو باتیں اخذ کیں ہیں۔

اوّل:۔ شفقت و خیر خواہی میں اعتدال مناسب ہے۔

دوم۔ کسی کی اصلاح و تہذیب شیخ کے اختیار و تصرف میں نہیں۔

(۵۲۰) اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ۔ الآیۃ (الشعرآء آیت ۴)

ترجمہ:۔ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے کوئی ایسی نشانی اُتار دیں کہ اُنکی گردنیں اس کے آگے بالکل ہی جُھک جائیں۔

تفسیر:۔ مطلب یہ ہے کہ سارے جہان کے لوگوں کا ایمان لے آنا ہماری مرضی ہوتی تو سب کے سب ایمان لے آتے کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی، غیب سے ایسا کوئی نشان دکھا دیا جاتا جس کے بعد چار و ناچار ایمان لانا ضروری ہو جاتا لیکن ہم نے اس عالم کو دارِ ابتلاء (آزمائش کا گھر) بنایا ہے کسی پر جبر و اکراہ روا رکھا نہ گیا، اب جو ایمان لائے گا اپنے فائدے کے لئے ہوگا اور جو کفر پر قائم رہے گا وہ اپنے آپ کو خسارے میں رکھیگا۔ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ الآیۃ

سلوک:۔ علامہ آلوسی رح بغدادی نے لکھا ہے کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ کسی کو ایمان لانے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔

حکیم الامت رح نے لکھا ہے چونکہ باطنی طور پر کسی کو مجبور کر دینا بھی جبر و اکراہ کی تعریف میں آتا ہے لہٰذا مشائخ طریقت نے طریق سلوک و ارشاد میں اسکو پسند نہیں کیا ہے۔

(۵۲۱) وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ۔ الآیۃ (الشعرآء آیت ۱۳)

ترجمہ:۔ اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان بھی خوب نہیں

چلتی براہِ کرم ہارون کے پاس اپنا پیام بھیج دیجئے۔

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب اپنی دعوت و تبلیغ فرعون اور فرعونی سرداروں تک پہنچاؤ، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس عظیم و پرخطر اقدام پر خوف و اندیشہ ہوا کہ کہیں قتل نہ کر دیا جاؤں اس کے علاوہ یہ بھی احساس تھا کہ وہ روانی سے اپنا مافی الضمیر ادا نہ کر سکینگے۔

عرض کی الٰہی اس اقدام پر میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے میری زبان بھی زور آور نہیں، میرا بھائی ہارون فصاحت و بلاغت کی زبان رکھتا ہے اس کو میرے ساتھ کر دیجئے تاکہ میری پشت پناہی ہو۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض طبعی نقصانات روحانی کمال کے منافی نہیں ہوتے (یعنی خوف، اندیشہ، خطرہ، زبان کی لکنت وغیرہ۔ بڑے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں یہ چیزیں بڑائی و بزرگی کے لئے عیب نہیں ہیں)

(۵۲۲) قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ الآیۃ

(الشعرآء آیت نمبر ۲۰)

ترجمہ:۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا واقعی میں نے وہ حرکت کی اور مجھے غلطی سرزد ہو گئی۔

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور اپنی نبوت کا اعلان کیا تو فرعون اور فرعونیوں نے بجائے اس کے کہ ان کی باتوں پر غور کرتے کہنے لگے، اے موسیٰ کیا تم وہ نہیں ہو جس کو ہم نے بچپن میں پالا پوسا تھا اور ایک عرصہ تک تم ہماری سرپرستی میں رہے پھر جوانی میں ہمارے ایک آدمی کو مار بھی ڈالا تھا اس کے بعد تم فرار ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سب باتوں کا بے تکلف جواب دیا اور اپنی خطا کا بھی اقرار کر لیا اور پھر اپنا پیغام دُہرا دیا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ نبیوں کے اخلاق میں کسقدر صدق وامانت ہوا کرتی ہے کہ بے تکلف اپنے قصور کا اعتراف کر لیا، یہی خصلت اولیاء اللہ میں بھی پائی جاتی ہے۔

(۱۴۳) وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔

الآیۃ (الشعراء آیت ۲۲)

ترجمہ:۔ اور یہی وہ احسان ہے جس کا تو مجھ پر بار رکھ رہا ہے تو نے تو بنی اسرائیل کو سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے۔

تفسیر:۔ فرعون سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلا رہا ہے کہ میں نے بچپن میں تجھے ڈوب مرنے سے نجات دی پھر اپنے محل سرا میں تیری شاہی پرورش کی اور ناز و نعمتوں میں تجھکو رکھا گیا، حتیٰ کہ تو جوان ہو گیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس احسان جتلانے کا جواب دیا کہ تیرے ہی ظلم وستم کے باعث مجھے دریا میں بہا دیا گیا تھا تیرے گھر والوں نے لاوارث سمجھکر نکال لیا اور پرورش کی تاکہ بے اولاد گھر میں مجھ سے رونق رہے، اور گھر والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اگر بنی اسرائیل کے بچوں پر تیرا ظلم نہ ہوتا تو مجھے دریا میں یوں ڈالا نہ جاتا اور نہ میری پرورش تیرے یہاں ہوتی، میری پرورش پر احسان جتلانا فضول ہے۔ ع

خود کردہ را علاجے نیست

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ اہل تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ کافر کے احسان کا اعتراف کرنا چاہیئے محض کفر و شرک کی وجہ سے کفرانِ نعمت نہیں

کی جاسکتی۔ (تفسیر کبیر)

(۵۲۴) قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الآیۃ (الشعراء آیت ۲۳)

ترجمہ:- فرعون نے کہا پروردگار عالم کیا چیز ہے؟

تفسیر:- یہ سوال فرعون کا ہے جو مجسمہ شرک تھا، مصری عقیدہ میں سورج دیوتا سب سے بڑا دیوتا سمجھا جاتا تھا اور فرعون کو اسکا اوتار یا مظہر قرار دیا گیا تھا جس سے اسکا دماغ خراب ہوچکا تھا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے جواب پر اسکو بڑی حیرت ہوئی بولا، یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ کائنات کا پالنے والا کیا صرف ایک ہوسکتا ہے؟

جاہلی دماغ ہر مخلوق کے لئے ایک ایک علیحدہ دیوی، دیوتا قبول کرلیتا ہے لیکن اس حقیقت کو قبول کرنے پر ہرگز تیار نہیں ہوتا کہ ساری کائنات کا صرف ایک ہی رب ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پھر جواب دیا کہ زمین و آسمان اور درمیانی فضا کا صرف ایک ہی خدا ہے جو سب کی پرورش کررہا ہے اور روزی دے رہا ہے، اور رہنمائی بھی کررہا ہے۔

سلوک:- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے معلوم ہوا کہ اللہ کی صورت اور حقیقت بیان نہیں کی جاسکتی جس کو علم الکلام میں معرفت بالکنہ کہا جاتا ہے، صرف معرفت بالصفات بیان کی جاسکتی ہے جس کو آپ نے "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا" الآیۃ سے ادا کیا ہے۔

ورنہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جواب میں اللہ کی حقیقت بیان فرماتے کیونکہ فرعون کا سوال اسی بارے میں تھا۔

(۵۲۵) فَجُمِعَ السَّحَرَۃُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ الآیۃ (الشعراء آیت ۳۸)

ترجمہ:- چنانچہ ماہر جادوگر ایک معیّن دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے۔

تفسیر:- فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلہ کے لئے ملک کے نامور جادوگروں کو جمع کر لیا اور عوام کو عام شرکت کی دعوت دیدی گئی مقابلہ کے لئے وقت و تاریخ مقرر کر دی گئی۔

سورۂ طٰہٰ میں تصریح ہے کہ وہ مصریوں کی خاص عید کا دن تھا "یَوْمُ الزِّینَۃِ" چنانچہ مقابلہ ہوا اور جادوگر شکست کھا گئے اور اپنے عجز و بے بسی کا اعتراف کیا اور وہ اور عوام النّاس کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو گئی، حق غالب ہوا اور سحر و نظر بندی فنا و غارت ہو گئی۔

سلوک:- حکیم الامت نے آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اہل باطل کے اجتماعات میں کسی دینی و اسلامی غرض کے لئے شرکت کرنا جائز ہے، جسکو بعض غیر مخلص علماء اپنی کسرِ شان سمجھکر گوارہ نہیں کرتے۔ (مقصود صرف اصلاح و تبلیغ حق ہو مفاداتِ قومی یا ملکی نہ ہوں۔)

(۵۲۶) قَالَ لَهُم مُّوسَىٰٓ أَلْقُوا مَآ أَنتُم مُّلْقُونَ. الآیۃ

(الشعراء آیت ۴۳)

ترجمہ:- موسیٰ نے جادوگروں سے کہا تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈال لو۔

تفسیر:- جادوگروں نے مقابلے سے پہلے سیدنا موسیٰ علیہ السّلام سے کہا تھا اے موسیٰ تم اپنا کرتب کر دکھاؤ، یا ہم اس کا آغاز کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے اپنے بازو آزماؤ۔

اس پر جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں جو ڈھیروں لائے تھے میدان میں ڈالدیا وہ سب کے سب چھوٹے بڑے، موٹے پتلے سانپ بنکر چوطرفہ دوڑنے لگے پھر سیدنا موسیٰ علیہ السّلام نے اپنا عصا ڈالا وہ ایک ایک کر کے سارے

کرتبوں کو نگلنے لگا اور میدان صاف کر دیا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے جادوگروں کو سحر کرنے کا مشورہ دیا جبکہ سحر کرنا یا اُس کا مشورہ دینا بھی حرام ہے تو پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ایک حرام کام کی اجازت کیونکر دی؟

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سحر کی نہ اجازت دی اور نہ مشورہ دیا بلکہ یہ ایسے ہی ہے جیسا کسی بے دین سے کہا جائے کہ اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرو؟ اس مطالبہ سے اجازت یا رضامندی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا کہ دعویٰ اور دلیل دونوں صحیح ہیں بلکہ ایسا عنوان باطل کو توڑنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

جادوگروں کے کرتب اُسی صورت میں فنا ہو سکتے تھے جب وہ فن ظاہر کریں، چنانچہ ایسے ہی ہوا اس لئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انھیں اپنے کرتب دکھانے کے لئے کہا۔

حکیم الامت نے یہ تفصیل لکھکر ایک عادت کی توثیق کی جو بعض بزرگوں میں پائی جاتی ہے وہ یہ کہ بعض مرتبہ منکرات کو دیکھکر یہ حضرات چشم پوشی کر لیتے ہیں حقیقت میں یہ چشم پوشی نہیں ہوتی بلکہ اس کی تہہ میں کوئی دینی و موقتی مصلحت ہوا کرتی ہے جو اُس وقت عام نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے، بعد میں اُسکا فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔

(۵۲۷) فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ. الآیۃ (الشعراء آیت ۴۶)

ترجمہ:۔ سو جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔

تفسیر:۔ سحر کا یہ عمل اُن کے فن کا انتہائی آخری عمل تھا جب اُنھوں نے

دیکھا کہ یہ عمل آناً فاناً فنا ہوتا جا رہا ہے تو ان کے قلوب نے بلا توقف اعتراف کر لیا کہ موسیٰ (علیہ السّلام) کا عمل انسانی قوت سے مافوق ہے ایک غیبی قوت و قہری طاقت ہے جو سب طاقتوں سے بالاتر ہے بے ساختہ سجدہ میں گر پڑے اور ایمان لے آئے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ بزرگوں کے کلام میں "جذب الٰہیہ" کا بکثرت ذکر ملتا ہے۔ وہ اسی جیسی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو یکدم اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔

(۵۲۸) قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۔ الآیۃ

(الشعراء آیت ۶۲)

ترجمہ:۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں کیونکہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا۔

تفسیر:۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام فرعون کے ظلم سے اپنی قوم کو بچانے کیلئے راتوں رات مصر سے نکل گئے صبح صبح دریا کے کنارے پہنچ گئے جسکو پار کرنا تھا اتنے میں فرعون اپنی فوج کو لیکر قریب آ گیا، قوم نے جب یہ منظر دیکھا تو پکار اٹھے تورات کی ایک دلچسپ روایت یہ ہے۔

"موسیٰ سے کہا کیا مصر میں قبروں کے لئے جگہ نہ تھی کہ جو ہم کو وہاں کر جنگل میں مرنے کے لئے لے آیا" (توراۃ خروج ۱۴: ۱۰ و ۱۱)

سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام نے اپنے پیغمبرانہ وقار و تمکنت کیساتھ فرمایا گھبراؤ نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا میرا رب میرے ساتھ ہے وہ نجات کی راہ ابھی دکھا دیگا، چنانچہ دریا پھٹ پڑا اور راستہ نکل آیا۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے فرمایا مذکورہ بالا آیات کے مجموعہ سے تدبیر اور

ترکِ تدبیر کے مسئلے میں اعتدال و توسّط کی تعلیم ملتی ہے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو تدبیر تو یہ بتائی کہ قوم کو لیکر راتوں رات ملک چھوڑ دیں، پھر جب قوم نے اپنے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا تو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے انھیں "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" کہکر اللہ کی معیّت ہوتے ہوئے اپنی تدبیر پر بھروسہ نہیں کیا، بلکہ کہا اللہ ہی نجات دینے والا ہے۔

پھر حکیم الامت لکھتے ہیں کہ عارفین کی بھی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اسباب اختیار کرتے ہیں مگر توسط و اعتدال کے ساتھ اور اسمیں مبالغہ و غلو نہیں کرتے۔

(۵۲۹) وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ. الآیۃ (الشعراء آیت ۷۹)

ترجمہ:۔ اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی شفا بھی دیتا ہے۔

تفسیر:۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا خلاصہ اِن آیات میں ملتا ہے۔

اللہ کی ذاتِ عالی تمام صفاتِ کمال کی جامع ہے وہی خالق ہے وہی مُدبّر و ہادی ہے، کھانا پانی وہی دیتا ہے صحت و شفا اسی کے اختیار میں ہے موت و حیات کا وہی مالک ہے، دنیا و آخرت کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں یہ نہیں کہ مخلوق کا کام کسی دیوی دیوتا کے حوالہ کیا ہو۔

مشرک جاہل قوموں نے انہی صفات کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ دیوی دیوتاؤں کے وجود کو تسلیم کیا ہے اور اللہ کے اختیارات کو سینکڑوں فرضی و خیالی دیوی دیوتاؤں کے حوالہ سمجھا ہے۔ اِن قوموں کو جب بھی ٹھوکریں لگی ہیں وہ انہی صفات سے متعلق رہی ہیں۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ. الآیۃ

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیات کے مضمون میں عبدیت کی

کامل تعلیم اور ادب موجود ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعاؤں میں ظاہر کر دیا کہ جس طرح دینی نعمت (یعنی ہدایت) کی مجھے ضرورت ہے اسی طرح دنیاوی نعمت کھانے پینے کی بھی احتیاج ہے (یعنی ہر دو نعمتوں کا محتاج ہوں)۔

بعض زہد و قناعت کے دعویدار دنیاوی نعمتوں سے بے نیازی برتتے ہیں اور اس کو رضا و تسلیم کے خلاف خیال کرتے ہیں لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنی قوم میں اعلان کر رہے ہیں کہ جس طرح ہدایت و رہنمائی کا میں محتاج ہوں اسی طرح کھانے پینے، صحت و شفا کا بھی محتاج ہوں۔

ملحوظہ:۔ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ الآیۃ

آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہ نہیں فرماتے کہ وہی مجھے بیمار کرتا ہے اور وہی شفاء دیتا ہے، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے، گویا بیماری و نقص کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں اور شفا بخشی و صحت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہے ہیں، اسی کا نام ادب و احترام اور حق عبدیت ہے۔

(۱۳۰) وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ۔ الآیۃ (الشعراء آیت ۸۲)

ترجمہ:۔ اور وہی اللہ ہے جس سے میں آس لگائے بیٹھا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دیگا۔

تفسیر:۔ اللہ کے ساتھ نبیوں کا ادب و احترام بے مثال و نادر قسم کا ہوا کرتا ہے، سیدنا ابراہیم ابو الانبیاء، خلیل اللہ، رسول اللہ ہیں، اللہ کی جناب عالی میں کس درجہ ادب و احترام سے عرض کر رہے ہیں کہ مجھے آس و امید ہے کہ وہ میری

خطاؤں کو معاف کر دیگا۔

یہاں ان صوفیہ خام کار کے دعوے کیا حقیقت رکھتے ہیں جنھوں نے کہا ہم اپنے مُریدوں و معتقدوں میں سے جسکو چاہے چھڑالیں گے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت سے دو ادب مستفاد ہوتے ہیں۔

اوّل، پیغمبر اپنے لئے صاف صاف خطا ولغزش کا وجود تسلیم کرتے ہیں محض اجتہادی غلطی کہکر گزر نہیں جاتے۔

دوم، اپنی معافی کو بھی جزم ویقین کے ساتھ بیان نہیں کرتے بلکہ اسکی صرف اُمید وآس رکھتے ہیں۔

(۵۳۱) رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۔الآیۃ

(الشعراء آیت ۸۳ تا ۸۵)

ترجمہ:۔ اے میرے رب مجھے حکمت عطا کر اور نیک لوگوں میں مجھکو شامل فرمالے اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھئے اور مجھکو جنت النعیم کے لوگوں میں داخل فرما۔

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے انھوں نے اپنے رب سے طلب مغفرت کے علاوہ چار اور دعائیں بھی طلب کیں ہیں۔

۱ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا. علم ودانائی عطا فرما۔

۲ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ. مجھکو نیکوں میں شامل رکھئے۔

۳ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ. آنے والے انسانوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھئے۔

وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ. مجھے جنت النعیم کا وارث بنا (جو جنت کا اعلیٰ درجہ ہے)

نبیوں کی دُعائیں جہاں دنیا وآخرت کی جامع ترین دعائیں ہوا کرتی ہیں وہاں یہ دُعائیں اللہ ربُّ العزت کے مزاج و مرضی کے عین مُطابق بھی ہوا کرتی ہیں نبی و رسول اپنے رب سے وہی چیزیں مانگتے ہیں جو اللہ کو محبوب و پسندیدہ ہوا کرتی ہیں۔ (اسلئے بھی اُنکی دُعائیں مقبول ہوجاتی ہیں)

سُلوک :۔ حکیمُ الامتؒ نے پہلی دعا سے علم و حکمت کی طلب ثابت کی ہے کہ علم و حکمت میں ترقی کے لئے مسلسل دُعا کی جانی چاہیئے۔

دوسری دُعا بڑے درجوں کی دُعا و تمنّا کرنا جائز اور پسندیدہ عمل ہے۔

تیسری دعا سے بعض بزرگوں کی دُعا و تمنّا کی اصل ملتی ہے کہ انھوں نے اپنے سلسلۂ تعلیم و تربیت کی بقا و تحفظ کے لئے دُعائیں کیں ہیں)

چوتھی دُعا سے جنت کی تمنا اور حرص کرنی چاہیئے خاص طور پر بڑے درجہ کی جنت کے لئے جیسے جنت النعیم، جنت الفردوس وغیرہ۔

حکیمُ الامتؒ نے اس چوتھی دُعا کی طلب و حرص سے اُن جاہل صوفیوں کا ردّ کیا ہے جو جنت اور ذکرِ جنت سے بے نیازی برتتے ہیں۔ ع

ارے ظالم تو نے پی ہی نہیں

(۵۳۲) قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ الآیۃ

(الشعرآء آیت ۱۱۱)

ترجمہ :۔ وہ بولے کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ تیری پیروی کرنے والے کم درجے لوگ ہیں۔

تفسیر :۔ سیّدنا نوح علیہ السلام نے جب دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے قوم کے غریب غربا، کم درجہ لوگوں نے لبیک کہا اور ایمان لائے قوم کے سرداروں اور خوشحال لوگوں نے ساتھ دینے سے اسلئے انکار کیا کہ اس کام میں

قوم کے خستہ پستہ لوگ شریک ہیں ان کی رائے اور فیصلہ کا کیا اعتبار؟ یہ کوئی عجیب وغریب بات نہ تھی ہر نبی کی پیروی واطاعت کرنے والے ابتداءً غریب غرباء ہی رہے ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کو قبول کرنے والے ادنیٰ معاش ماہی گیر تھے، خود سیدنا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ابتداءً ایمان لانے والے بھی تو مکۃ المکرمہ کے غریب غرباء کی اکثریت تھی اور آج بھی کسی اسلامی وایمانی تحریک سے وابستہ ہونے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔

اہل دولت، جاہ عزت والے ہر دور میں نکمے اور عیش خور رہے ہیں پھر جب حق کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ساتھ لگ جاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا وَسَدِّدْ خُطَاھُمْ۔

سُلوک:- حکیم الامت نے آیت سے ایک اہم تنبیہ اخذ کی ہے، بعض دنیادار لوگ اہل اللہ سے محض اس لئے دور رہتے ہیں کہ اُن کی ذاتی حیثیت وخاندانی وجاہت معمولی اور ادنیٰ درجے کی ہے۔

انھیں ایسے لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے میں اپنی کسرِ شان نظر آتی ہے اور وہ اِس کو اپنی توہین خیال کرتے ہیں اس طرح اہل اللہ کے خیرات وحسنات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

آیت سے اس نظر وفکر کی مذمت نکلتی ہے۔

(۵۱۳۳) فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ الآیۃ (الشعراء، آیت ۱۱۸)

ترجمہ:- سو آپ ہی میرے اور اُنکے درمیان ایک کھلا فیصلہ فرمادیں اور مجھکو اور جو میرے ساتھ ایمان والے ہیں نجات دیجئے۔

تفسیر:- سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال

تک جاری رہی، یہ طویل مدت بڑی کٹھن اور صبر آزما حالات میں گزری ہے اور جب قوم نے بطور آخری فیصلہ سیدنا نوح علیہ السلام کو سنگسار کر دینے کی دھمکی دیدی تو آپ نے بھی وہ آخری دُعا کر دی جو ہر نبی کو اپنی اُمّت کے بارے میں دی جاتی ہے۔ یہی دُعا قوم کی غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

سُلوک :۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے استنباط کیا کہ جو شخص دین کو ضرر پہنچا رہا ہو اس کے لئے بددعا کرنی جائز ہے اور یہ عمل صبر و حلم کے خلاف نہیں۔

ملحوظہ :۔ ذخیرۂ احادیث میں یہ روایت ملتی ہے کہ ہر نبی کو ایک مقبول دُعا دی گئی ہے جس کو وہ کسی بھی وقت اختیار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہر نبی نے اپنی زندگی میں وہ دُعا حاصل کر لی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے وہ دُعا قیامت کے دن اپنی اُمّت کی عام بخشش کے لئے محفوظ رکھی ہے۔

فصلوات ربی وسلامہ علیہ۔

(۵۳۲) أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۔ الآیۃ (الشعراء آیت ۱۲۸ و ۱۲۹)

ترجمہ :۔ کیا تم فضول یادگاریں ہر اُونچے مقام پر بناتے ہو اور بڑے بڑے محلات بھی کہ تمہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔

تفسیر :۔ قوم عاد کی تہذیب و تمدّن کا ذکر ہے کہ یہ قوم صنعت و حرفت و تعمیرات کی شوقین تھی زندگی کی ساری دلچسپیوں میں اُونچے اُونچے پہاڑوں پر مکانات و قلعے بنانا اور تفریح گاہیں سجانا تھا۔ انکا یہ شوقِ تعمیر کسی رہائشی ضرورت کی بنا پر نہ ہوا کرتا تھا محض جذبات کی تسکین اور نام و نمود شان و شوکت کا اظہار مقصود ہوا کرتا تھا۔

اس قوم کا اصلی جُرم اِنکارِ آخرت تھا جو اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ تعزیرات میں انکارِ توحید کے بعد شدید ترین جُرم ہے۔ اس قوم کی ہدایت کیلئے سیدنا ہود علیہ السلام کو

مبعوث کیا گیا تھا قوم نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو پیشرو انبیاء کے ساتھ قوموں نے کیا ہے، آخر ایک زبردست خوفناک تیز و تند آندھی نے جو سات رات آٹھ دن تک مسلسل برق رفتاری سے چلتی رہی پورے شہر اور اہل شہر کو اوندھا کر دیا۔

سُلوک :۔ حکیم الامت رح نے لکھا ہے عبث و فضول کام کی مذمت آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔

عقیدے کے لحاظ سے تو یہ قوم دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی قائل نہ تھی لیکن زبردست اور مضبوط ترین تعمیرات کی ساخت پرداخت کا مشغلہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ انھیں دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اس لئے انھیں اس عقیدے کا معتقد قرار دیا گیا (آج بھی جو لوگ دنیا اور دنیا سازی کے مشغلہ میں رات دن ایک کئے ہوئے ہیں انکی نظر و فکر بھی قوم عاد سے مختلف نہیں)۔

حکیم الامت رح نے مزید یہ لکھا ہے کہ یہاں حضرات صوفیہ کے اُس تعامل کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کافروں جیسے عمل کرنے والوں کو کافر کہہ دیا جاتا ہے نیز احادیث میں بھی اسکی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

(۵۱۵) وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ. الآیۃ (الشعراء آیت ۱۳۰)

ترجمہ :۔ اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بالکل جابر بنکر گرفت کرتے ہو سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

تفسیر :۔ عیش دستی کے علاوہ قوم عاد کی دوسری عادت ظلم و تشدد کی تھی، ان کے قومی جرائم میں غریبوں، مسافروں اور اجنبیوں پر ظلم و زیادتی کرنا پسندیدہ مشغلہ تھا ان کی گرفت ظالمانہ ہی ہوا کرتی تھی، مسافروں کے لئے ان کے یہاں کوئی ضابطہ قانون نہ تھا اور نہ ملک کی عدالتیں اسکو جرم سمجھتی تھیں۔

سُلوک :۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس گرفت سے مراد ایسی گرفت ہے

جس میں نہ رحم ہو، نہ اس سے تادیب کا قصد ہو اور نہ اس میں انجام پر نظر ہے (ایسی گرفت ظلم و تشدد کہلاتی ہے)

حکیم الامت لکھتے ہیں کہ جس گرفت میں یہ تینوں مثبت امور ملحوظ رہیں وہ اصلاح و تربیت ہے، ظلم و تشدد نہیں۔ (یعنی جس گرفت میں نرمی ہو اور تعلیم و تادیب کا قصد ہو اور انجام پر نظر رہے ایسی گرفت طریق سلوک کے منافی نہیں (بلکہ ایسی گرفت سلوک کی بنیادی تعلیمات و ہدایات میں شامل ہے۔)

(۱۰۰) فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ۔ الآیۃ (الشعراء آیت ۱۵۷، ۱۵۸)

ترجمہ:۔ سو ان لوگوں نے اونٹنی کو مار ڈالا پھر نادم ہوئے آخر عذاب نے انھیں پکڑ لیا۔

تفسیر:۔ سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ ہے قوم نے آپ کی نبوت کی تصدیق کے لئے مقامی پہاڑ سے اونٹنی پیدا کرنے کا مطالبہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے پہاڑ جیسی اونٹنی ظاہر کر دی اور قوم سے یہ عہد لیا گیا کہ قومی کنویں ایک دن یہ اونٹنی اور اسکا بچہ پانی پئے گا اور دوسرے دن قوم کے جانور پیا کریں گے۔

کچھ دن تو قوم نے پابندی کی آخر تنگ آگئے کیونکہ جس دن وہ اونٹنی پیا کرتی تھی سارا کنواں خالی ہو جاتا تھا دوسرے دن قوم کے جانوروں کو برائے نام ہی پانی ملا کرتا تھا آخر اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے ان لوگوں نے اونٹنی کو مار ڈالا، دوسرے دن سے عذاب کے آثار شروع ہو گئے تو بہت نادم و پشیمان ہوئے، لیکن تیسرے دن عذاب نے انھیں تہس نہس کر دیا۔

(تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ دیکھئے جو اس عذاب کی قرآنی تشریح ہے)۔

سلوک :- صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ قوم کی ندامت اس لئے لاحاصل رہی کہ انھوں نے اپنے جرم کی تلافی ایمان سے نہ کی (یعنی ایمان نہ لائے کیونکہ توبہ کی یہی حقیقت ہے کہ اس جرم کو ترک کر دیا جائے۔)

حکیم الامت نے لکھا ہے کہ توبہ کے لئے طبعی ندامت کافی نہیں عقلی ندامت ہونی چاہیئے۔ طبعی ندامت تو ہر نقصان پر ہوا کرتی ہے۔

سچی توبہ کے تین رکن ہیں۔

اوّل، گناہ کو فوری ترک کر دیا جائے۔ دوم، دل سے نادم و شرمندہ ہونا، سوم، آئندہ کے لئے پختہ عزم و ارادہ کرنا کہ اب یہ گناہ نہ کیا جائے گا۔

(قوم صالح کی ندامت و پشیمانی میں یہ تینوں امور نہ تھے اس لئے عذاب سے بچ نہ سکے)۔

(۵۲۷) وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ الآیۃ (الشعرآ۔ آیت ۱۸۶)

ترجمہ :- اور تم تو ہماری طرح ایک بشر ہو اور ہم تم کو جھوٹوں میں شامل سمجھتے ہیں اچھا پھر تو تم ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو اگر تم سچے ہو، شعیب نے کہا تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے۔

تفسیر :- قوم شعیب کا بھی وہی جاہلی عقیدہ تھا جو پیشتر و قوموں کا رہا ہے یہ لوگ نبوت و بشریت میں تنافی کے قائل تھے کہ جو نبی ہے وہ بشر نہیں ہوتا نبی کو فرشتہ یا اور کوئی مخلوق ہونا چاہیئے انسان کیونکر نبی ہو سکتا ہے شعیب تو ہماری طرح ایک بشر ہے، پھر نبوت کا دعوی کرنا جھوٹا دعویٰ ہے۔

یہ اوندھی فکر ماضی کی سینکڑوں قوموں کو لاحق رہی ہے سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم بھی یہی فکر دُہراتی تھی اور اس پر بھی بس نہیں کرتی بلکہ یہ بچکانا مطالبہ بھی کرتی رہی کہ اگر تم سچے ہو تو آسمان کا ایک ٹکڑا ہی گرا دو تاکہ ہم یقین کرلیں کہ تم نبی و رسول ہو۔

گویا اس اندھی فکر سے قوم کا مطلب یہ تھا کہ آسمان کا ٹکڑا اگر دینا ممکن ہے لیکن نبی، بشر نہیں ہو سکتا۔

ہر دور کے انبیاء کرام کو تقریبًا ایسے ہی احمقوں سے سابقہ پڑا ہے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آج بھی بعض پڑھے لکھے جاہل لوگ اولیاء اللہ کو لوازم بشریت کی بنا پر تسلیم کرنے کو تیار نہیں کیونکہ اُن کی زندگی عام انسانوں کی طرح مجبور و بے بس ہے۔

حکیم الامت رح نے آیت سے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ کشف و خوارق اہل اللہ کے بس میں نہیں ہوا کرتے ہیں۔

(۵۳۸) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ الآیۃ (الشعراء آیت ۱۹۳ تا ۱۹۵)

ترجمہ :۔ اس قرآن کو رُوحُ الامین نے آپ کے قلب پر اتارا ہے تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں شامل ہوں صاف صاف عربی زبان میں۔

تفسیر :۔ قرآن حکیم وہ مبارک و عظیم کتاب ہے جسے ربّ العالمین نے جبرئیل امین کے واسطے سے اپنے رسول کے قلب پر اُتارا ہے کیونکہ یہ نبی ہی کا قلب تھا جو اللہ کی اس بھاری امانت کو برداشت کر سکے چنانچہ وحی آتی اور آپ کے قلب مبارک پر اترتی آپ نے اسکو اپنے دل سے سُنا اور سمجھا اور محفوظ کر لیا آپ دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے دل کی آنکھوں سے فرشتے کو دیکھتے تھے۔

قلب مبارک پر قرآن کا یہ نزول الفاظ و معنیٰ ہر دو کے ساتھ ہوا کرتا تھا، اختتام وحی کے بعد آپ پڑھکر سنا دیا کرتے اور کاتبان وحی کو لکھوا دیتے۔

سُلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادی رح نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو ایک "قوتِ سامعہ" (سننے کی قوت) اور ایک "قوتِ باصرہ" (دیکھنے کی قوت)

دی گئی تھی (جسکا ذکر مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى الآیۃ (النجم آیت ۱۱) میں موجود ہے) اس حقیقت کے بعد یہ ثابت ہوا کہ قلب میں سمع و بصر بھی ہوا کرتے ہیں جیسا کہ ظاہر میں ہیں اور جب کبھی یہ دونوں مل جاتے ہیں تو ادراک قوی تر ہو جاتا ہے احادیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

(۵۳۹) فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ

الآیۃ (الشعراء آیت ۲۱۳)

ترجمہ:۔ پس آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریئے ورنہ آپ کو سزا ہونے لگے گی۔

تفسیر:۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں "فرمایا تو رسول کو اور سنایا اوروں کو" (موضح القرآن)۔ (مطلب یہ کہ جو خود توحید کا داعی ہو وہ شرک کیوں کریگا؟ لہٰذا خطاب عام انسانوں کو کیا جارہا ہے)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ولی کبھی ایسی حالت پر نہیں آتا کہ جس سے شرعی احکام معاف ہو جائیں (کیونکہ ولی کا درجہ نبی سے بلند نہیں ہے جب نبی کے لئے یہ حالت ممکن نہیں تو پھر ولی کیلئے کیونکر ممکن ہے؟)۔

(۵۴۰) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

الآیۃ (الشعراء آیت ۲۱۵)

ترجمہ:۔ اور اُن لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے جنھوں نے آپکی پیروی کی ہے۔

تفسیر:۔ کہاں پیغمبر اور کہاں اُمتی؟ شرافت و کرامت کے اعتبار سے دونوں کا مقابلہ ہی کیا؟

یہاں صراحت سے مخدوم و آقا کو اپنے غلاموں کے ساتھ نرمی و انکساری سے پیش آنیکا حکم دیا جارہا ہے، یہ تعلیم اسلام کے سوا اور کہاں مل سکتی ہے؟

سُلوک : علماء نے لکھا ہے کہ جب نرمی وانکساری کا حکم بڑوں کو مل رہا ہے تو خود چھوٹوں اور خادموں، مُریدوں، شاگردوں کو اپنے بزرگوں، مرشدوں، استادوں کے حضور میں کہیں زیادہ انکساری کے ساتھ رہنا چاہیئے۔

حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ طریق کے شیوخ کو اسمیں تعلیم وہدایت ملتی ہے کہ اپنے مخلص تابعین سے نرمی وتواضع کے ساتھ پیش آئیں۔

(۵۲۱) فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ. الآیۃ

(الشعراء آیت ۲۱۶)

ترجمہ :- اور اگر یہ لوگ آپکا کہا نہ مانیں تو آپ کہدیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں۔

تفسیر :- اُوپر کی آیت ۲۱۵ میں حُبّ فی اللہ کی تعلیم تھی مذکورہ آیت میں بُغض فی اللہ کی تعلیم ہے۔ (یعنی نصیحت وخیر خواہی کے بعد بھی کوئی کہا نہ ملنے اور مخالفت پر اڑا رہے تو اُس سے دور ہو جانا ہی بہتر ہے کیونکہ جب وہ خود اپنا نقصان کر رہا ہے تو اس کے ضرر سے کم از کم ہم تو محفوظ ہو جائیں۔)

آیت میں مخالفوں سے کنارہ کش ہو جانیکا جو عنوان بیان کیا گیا ہے (یعنی میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں) خود دعوت وتبلیغ کا بھی عنوان ہے لہٰذا ایسے لوگوں سے بری ہو کر بھی پیام حق پہنچا دیا گیا۔

سُلوک :- حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ طریق میں جن مشائخ نے اپنے نافرمان مُرید سے انقطاع کر لیا ہے، آیت سے اسکی تائید ملتی ہے۔

(۵۲۲) تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ الآیۃ (الشعراء آیت ۲۲۲)

ترجمہ :- شیاطین ایسے لوگوں پر اُترتے ہیں جو بڑے درجے کے جھوٹے اور بدکردار ہوں۔

تفسیر :- یعنی شیاطین کی سازباز ایسے ہی لوگوں سے رہا کرتی ہے جو لپاٹئے قسم کے بے عمل بدعمل ہوں اور جو خود شیاطین کو دعوت بھی دیتے ہوں، ورنہ اہل ایمان پر شیاطین کا سایہ تک نہیں پڑسکتا۔

حدیث شریف میں یہ مضمون ملتا ہے کہ جب مؤمن شیطان پر غالب آنا چاہتا ہے تو شیطان کی طاقت چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوتی ہے۔

سلوک :- حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ صادق و کامل الایمان پر شیطان ایسا تصرف نہیں کرسکتا جس سے اس کے دین کو ضرر پہنچے (وہ ترغیب تو دے سکتا ہے گناہ نہیں کرواسکتا)

ملحوظہ :- جن اللہ والوں کو شیاطین سے ضرر پہنچا ہے وہ صرف صوری (ظاہری) ہوا کرتا ہے جس کے اندر سینکڑوں فوائد ہوا کرتے ہیں جن کا ظہور کچھ تو دنیا میں ہوا باقی آخرت میں کامل طور پر ظاہر ہوگا۔

(۵۴۳) وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ الآیۃ (الشعراء آیت ۲۲۴)

ترجمہ :- اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں جو خود کرتے نہیں، البتہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انھوں نے اللہ کا ذکر کثرت سے کیا۔

تفسیر :- قرآن حکیم نے شعرگوئی کی ہمت افزائی نہیں کی کیونکہ اچھی بات اچھی ہی ہے خواہ نظم ہو یا نثر، حَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ (اچھا شعر اچھا ہے اور برا شعر برا ہے)۔

اس بحث کا یہ آخری فیصلہ ہے، رہے باقی دلائل اسمیں جانبداری اور غیر جانبداری سب کچھ پائی جاتی ہے۔

ملحوظہ:- قرآن حکیم نے شعر و شاعری کو شانِ نبوت کے لئے غیر مناسب قرار دیا ہے۔ یٰسین آیت ۶۹۔

روایات حدیث میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شعر پورے طور پر یاد نہ تھا دورانِ گفتگو اگر کسی شاعر کا کوئی اچھا شعر زبان مبارک پر آجاتا تو غیر موزوں پڑھ جاتے تھے یا اسمیں الفاظ کا الٹ پھیر ہوجاتا تھا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تقریر و وعظ میں کبھی اشعار پڑھا کرتے تھے؟

فرمایا کہ شعر سے بڑھکر آپؐ کو کسی چیز سے نفرت نہ تھی البتہ کبھی کبھار بنو قیس کے شاعر کا ایک آدھا شعر پڑھتے مگر اول کو آخر، آخر کو اول پڑھ جاتے تھے ایسے موقع پر میرے والد ابو بکرؓ فرماتے یارسول اللہ شعر یوں نہیں بلکہ یوں ہے، تو آپؐ فرماتے بھائی میں شاعر نہیں ہوں اور نہ شعر گوئی میرے کرنے کا کام ہے۔ (انتہیٰ) تاہم جس شعر میں اچھی بات ہوتی تو آپ اس کو پسند فرماتے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً۔ بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں۔

اُمیّہ بن ابی الصلت کا کلام سنکر فرمایا۔ اٰمَنَ شِعْرُہٗ وَکَفَرَ قَلْبُہٗ۔ اس کا شعر مؤمن ہے مگر دل کافر۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے سَو کے قریب عُمدہ عُمدہ اشعار آپ کو سنائے آپؐ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔

قرآن حکیم نے اچھے شعراور نیک شاعروں کو اُن عام شاعروں سے علیحدہ قرار دیا ہے جو تخیلات، خرافات، عریانیات، فاحشات پر مبنی مضامین کی تخلیق میں اپنا زور بیان ختم کرتے ہیں۔

با ایمان صالح کردار شاعروں کی نظر و فکر، مقصد و نیّت عام شاعروں سے بالکل مختلف ہوا کرتی ہے۔

جب وہ دیکھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو پھر اپنی زبان سے وہی کام لیتے ہیں جو ایک مردِ مجاہد توپ و تفنگ سے کام لیا کرتا ہے، ورنہ ہر وقت گنگناتے رہنا، شعر و شاعری کا مشغلہ رکھنا صالحین کا شیوہ نہیں ہے۔

سلوک :- بعض عارفین نے حق کی حمایت اور تاثیر فی القلب کے لئے اشعار سے کام لیا ہے۔

(عہدِ نبوت کے حسّان بن ثابتؓ سے لیکر مولانا رومیؒ، جامیؒ، شیخ سعدیؒ حافظ عراقیؒ، اور ماضی قریب کے اقبالؒ، جوہرؒ، اصغرؒ، اکبرؒ، اور زمانۂ حال کے حکیم اختر[1] کی شاعری اِسی طبقے میں آجاتی ہے۔ واللہ اعلم)

---

[1] مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم (۱۴۱۷ھ م ۱۹۹۶ء) خلیفہ مجاز حضرت محی السنۃ شاہ مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشنِ اقبال ۲ کراچی۔ پاکستان۔

سُورَۃُ النَّمْل پارہ ۱۹

(۵۴۴) اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ۔ الآیۃ (النمل آیت ۴)

ترجمہ:- جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے انکے اعمال اُن کی نظروں میں خوشنما بنا رکھے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

تفسیر:- یہ ایک کھلی بات ہے کہ جن قوموں کے دلوں سے آخرت کا خیال مٹ جاتا ہے وہ اپنا سارا وقت اور ساری توانائی اسی دنیا کی دوڑ دھوپ اور اسکی ترقی کے لئے وقف رکھتے ہیں۔

یہ اس لئے کہ جنھیں اپنے انجام کی کوئی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو وہ اسی دنیائے فانی میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کی تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگانی ہے وہ دنیا کی محبت میں غرق ہو کر اللہ والوں پر آوازیں کسا کرتے ہیں آسمانی نظام کا ٹھٹھہ کرتے اور قانون شریعت کو جنگل کا قانون قرار دیتے ہیں۔

اور اگر اسلام اور مسلمانوں سے قریب بھی ہوتے ہیں تو مذہب کو پرسنل (شخصی) معاملہ کہکر گزر جاتے ہیں اور جو کام خود انجام دے رہے ہیں اسکو بہت اچھا اور مفید تر خیال کرتے ہیں اور اسی میں اپنا سر ٹکراتے رہتے ہیں، آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ انہی لوگوں کو رہے گا۔

سلوک:- حکیم الامت رح نے آیت کے مضمون سے یہ اخذ کیا ہے کہ ہر شخص کے قلب کی شہادت معتبر نہیں ہوتی یعنی اگر کسی آخرت فراموش کا خود اپنا قلب

کسی عقیدہ پر مطمئن اور پراعتماد ہو تو یہ اس کے حق ہونیکی دلیل نہیں ہوگی کیونکہ سارے باطل مذاہب والے اپنے مذہب اور اس کے عقیدوں کو حق ہی سمجھتے ہیں
قرآن حکیم نے اس پُر پیچ مسئلہ کی صحیح تشخیص کردی کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انھیں اپنے اعمال وعقائد خوبصورت اور حق معلوم ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ خدا بیزاری و آخرت فراموشی کا نتیجہ ہے جس کا انجام دہ دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔

(۵۲۵) وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ الآیۃ (النمل آیت ۱۵)

ترجمہ:۔ اور اُن دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سارے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی ہے۔

تفسیر:۔ سیدنا داؤد و سلیمان علیہم السلام کا تذکرہ ہے دونوں باپ بیٹے اللہ کے اُن انعامات کا ذکر کر رہے ہیں جو انھیں حاصل تھے، طبقۂ انبیاء میں مال و دولت، حکومت و طاقت، شان و شوکت جسقدر ان دونوں حضرات کو ملی ہیں قرآن حکیم نے اسکو خصوصیت سے بیان کیا ہے۔
(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صـ ۲۲ دیکھئے)۔

سیدنا داؤد و سیدنا سلیمان علیہم السلام اللہ کے اس فضل و کرم کو بطور حمد و ثنا بیان کر رہے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ غلبۂ فنا کے آثار کا قائم اور مستمر رہنا کاملین کے لئے بھی لازم نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ کسی انسان پر خاکساری و تواضع کے آثار کا ہر وقت قائم رہنا ضروری نہیں، کبھی کبھی انسان اپنے فضائل و کمالات کا جو اللہ کی عطا و بخشش

ہوا کرتی ہیں ذکر کر دیتا ہے ایسا اظہار خاکساری و تواضع کے خلاف نہیں ہوتا۔
علاوہ ازیں نعمت کا اظہار کرنا عُجب و تکبّر میں شمار نہیں کیا جاتا البتہ جو اظہار فخر و شان کے لئے کیا جاتا ہے وہ عُجب و کبر کی علامت ہے، سیدنا داؤد و سُلیمان علیہم السلام اللہ کے احسان و عطایا کو بطورِ اظہارِ نعمت و شکر گزاری بیان کر رہے ہیں

(۵۴۶) وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ ۔ الآیۃ (النمل آیت نمبر ۱۶)

ترجمہ:۔ اور ہم کو ہر قسم کی نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔

تفسیر:۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام اپنی قوم میں اللہ کے فضل عظیم کو بیان کر رہے ہیں جو انھیں نصیب تھا، ان انعامات میں ایک انعام منطق الطیر (پرندوں کی بول چال) کا علم تھا، پرندے اُن سے اور وہ پرندوں سے اس طرح گفتگو کر لیا کرتے تھے جیسا دوست دوست سے کیا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر قسم کی نعمتیں بھی نصیب تھیں۔ (جسکی تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۴۰ پر مطالعہ کیجئے۔)

سلوک ✤:۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مال و دولت کی کثرت کاملین کو نقصان نہیں دیتی۔

(۵۴۷) وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ ۔ الآیۃ (النمل آیت ۲۴)

ترجمہ:۔ میں نے اُسکو اور اس کی قوم کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے یہ عمل ان کے لئے خوشنما بنا رکھا ہے اور راہِ حق سے دُور رکھا ہے پس وہ لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔

تفسیر:۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی رعایا میں جنات و حیوانات کے علاوہ پرندے بھی تھے ایک پرندہ جسکا نام قرآن حکیم نے ہُدہُد بیان کیا ہے۔ فلسطین ملکِ شام سے سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے ملک سبا (یمن) کی ایک

فرمانروا خاتون کی خبر لایا اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اسکی اطلاع دی کہ وہ ملک پر بڑی شان وشوکت سے حکمرانی کررہی ہے لیکن وہ اور اسکی ساری قوم مشرک ہے سورج کی پرستش کرتی ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے مذکورہ واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ جانوروں میں بھی بقدر ضرورت علم ومعرفت موجود ہے۔ (احادیث سے بھی اس حقیقت کی تائید ملتی ہے بعض جانوروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا اور آپکی نبوت کی تصدیق کی علاوہ ازیں اپنی شکایات بھی آپکو سنائی ہیں۔)

(۵۲۸) قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً۔ الآیۃ (النمل آیت ۳۴)

ترجمہ:۔ ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اُسے تہ وبالا کردیتے ہیں اور بستی کے عزت والوں کو ذلیل بھی کردیتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ لوگ بھی کریں گے۔

تفسیر:۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ایک خط لیکر ہُدہُد پھر ملک سبا گیا اور ملکہ کے تخت پر جب وہ حکمرانی کررہی تھی ڈال دیا، ملکہ نے خط پڑھا اور اپنے اہلِ دربار سے کہا میرے یہاں ایک عظیم الشان بادشاہ کا خط آیا ہے جس میں اُن کی اطاعت قبول کرنے (ایمان لانے) کی ہدایت ہے، خط کا یہ مضمون ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ۔

تم لوگ میرے مقابلے میں بڑائی نہ کرو اور اطاعت قبول کرکے چلے آؤ۔

دربار کے سرداروں نے جب یہ شاہی فرمان سُنا تو بگڑ گئے کہنے لگے ہم کمزور قوم نہیں ہیں قوت وطاقت والے جنگ آزما ہیں ان کا مقابلہ کیا جائے گا باقی آپ کی

جو مرضی ہو ہم اطاعت کریں گے۔
ملکہ ذہین وعقلمند خاتون تھیں اہل دربار کو وہ جواب دیا جو مذکورہ آیت میں موجود ہے۔
سلوک:۔ خلاصۃ التفاسیر کے مفسر (المتوفی ۱۹۰۵ء) نے اپنے استاذ فخر المتاخرین مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ استاذ مرحوم نے اثنائے درس مذکورہ آیت پر فرمایا تھا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ انقلاب کا خواہشمند ہو البتہ یوں دعا کرے اے اللہ حاکم وقت کو ایسی اور ایسی توفیق دے اور ہدایت نصیب کر کہ وہ عدل وانصاف قائم کرے، یہ نہ کہے کہ اے اللہ حاکم معزول و برطرف ہو اور فلاں فلاں شخص حاکم وحکمراں ہو، یہ اس لئے کہ ایسی صورت میں ہزار ہا بے گناہ وبے جرم شرافت والے پس جاتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)
امام رازیؒ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے خط سے یہ استنباط کیا ہے کہ نبیوں کے کلام میں طوالت نہیں ہوتی عبارت مختصر ہوا کرتی ہے، نفس مطلب پر اکتفا کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

(۵۲۹) قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ. الآیۃ (النمل آیت ۴۰)
ترجمہ:۔ جس شخص کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا اس نے کہا میں اس تخت کو آپ کے آگے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤنگا۔
تفسیر:۔ ہدہد پرندے نے ملکہ سبا کی تفصیلات میں یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس ملکہ کا ایک عظیم الشان تخت ہے جو جواہرات سے مرصع سونے چاندی سے آراستہ جس پر بیٹھکر وہ حکمرانی کرتی ہے۔
سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جب یہ سنا تو اپنے اہل دربار سے کہا کیا تم میں

کوئی ایسا بھی ہے جو اُس تخت کو اُٹھا لائے قبل اِس کے کہ وہ اطاعت قبول کرکے یہاں چلی آئے۔

ایک دیو ہیکل جن نے کہا میں حاضر ہوں آپکی مجلس برخاست ہونے سے پہلے اُس تخت کو اُٹھا لاؤنگا۔ اسپر دوسرے نے کہا حضور میں تو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اُٹھا لاؤنگا۔

چنانچہ چند سکنڈوں میں اٹھا لایا، سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جب یہ تخت دیکھا تو بے ساختہ فرمایا یہ میرے ربّ کا فضل وکرم ہے۔

(واقعہ کی تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۵۳ پر مطالعہ کیجئے جو تاریخ قدیم کی عجیب وغریب حکایت ہے۔)

دربارِ سلیمانی کا یہ دوسرا شخص کون تھا؟ اور اُسکو کس کتاب کا علم تھا؟ روایات مختلف ہیں۔

بعضوں نے جبرئیل امین کہا ہے اور بعض نے ایک فرشتہ قرار دیا ہے۔ اہل تحقیق علماء نے انکا نام آصف بن برخیا لکھا ہے جو مملکت سلیمانی کے وزیر بھی تھے انھیں اسماء الٰہی کا علم حاصل تھا جس کے ذریعہ بڑے بڑے محیّر العقول کارنامے انجام دیا کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر)

سُلوک :- حکیمُ الامّت رح نے اس واقعہ سے خوارق وکرامات کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اہلِ سنّت والجماعت کہتے ہیں۔ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَآءِ حَقٌّ۔ (فقہ اکبر)

(۵۵۰) قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ۔ الآیۃ (النمل آیت ۴۱)

ترجمہ :- سلیمان (علیہ السلام) نے اہل دربار کو حکم دیا کہ اس کے تخت کی صورت

بدل دو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا اُن لوگوں میں شامل ہے
جو ہدایت نہیں پاتے۔

ترجمہ:۔ ملکہ سبا کا وہ تخت دربار سلیمانی میں جب پہنچا تو آپ نے فرمایا اس تخت میں کچھ ترمیم کر دو تاکہ ملکہ کا امتحان لیا جا سکے کہ وہ اپنے تخت کے جاننے پہچاننے میں ہدایت پاتی ہے یا نہیں؟
(گویا معجزہ دیکھکر ایمان لاتی ہے یا نہیں)
چنانچہ جب ملکہ دربار سلیمانی میں آئی تو اُس سے پوچھا گیا کیا آپ کا تخت شاہی بھی ایسا ہے؟
ملکہ نے فوری جواب دیا ہاں یہ تو گویا وہی ہے۔ اس کے بعد ملکہ نے کہا ہم لوگ اس معجزے کے جاری ہونے سے پہلے ہی آپ کی نبوّت کی تصدیق کر چکے اور مسلمان ہو گئے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت سے بعض مشائخ طریقت کے اس عمل کی تائید ہوتی ہے کہ وہ اپنے سلسلے میں کسی کو داخل کرنے سے پہلے اسکا امتحان لیا کرتے ہیں۔

(۵۵۱) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ الآیۃ (النمل آیت ۵۹)

ترجمہ:۔ آپ کہئے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اُسکے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب کر لیا ہے۔

تفسیر:۔ مذکورہ سورت میں جن جن قوموں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر آیا ہے اُن کی ہلاکت خیزی کے اختتام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد و ثنا کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

سُلوک :- علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ کفار کی ہلاکت کے موقع پر حمد الٰہی کرنیکا تذکرہ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

حکیم الامتؒ نے اس پر مزید استنباط کیا ہے کہ دشمنوں کی ہلاکت پر مسرور ہونا اخلاق فاضلہ کے خلاف نہیں۔

(۵۵۲) حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا ۔ الآیۃ (النمل آیت ۸۴)

ترجمہ :- یہاں تک کہ جب وہ قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو اللہ ان سے پوچھے گا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم ان آیات کو اپنے احاطۂ علم میں بھی نہ للئے۔

تفسیر :- قیامت کے قریب کثرت سے چھوٹے بڑے حادثے پیش آئیں گے یہ تمام حادثے اُس آخری تباہی کا پیش خیمہ ہوں گے جو قیامت کی شکل میں ظاہر ہونے والی ہے۔

ان حادثات میں "دَابَّةُ الْاَرْضِ" کا بھی خروج ہوگا اس جانور کا نام "جسّاسہ" بیان کیا گیا ہے۔

شاہ عبد القادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ قُربِ قیامت میں مکۃ المکرمہ کا صفا پہاڑ اچانک پھٹ پڑے گا اور اُس میں سے ایک جانور نکلے گا جو انسانوں سے باتیں کرے گا اور ایمان والوں اور بے ایمانوں کو ایک خاص نشان لگا کر جُدا کردیگا۔ (تفصیل کیلئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صـــ دیکھئے)

مذکورہ آیت میں بے ایمان لوگوں کی فہمائش کی جارہی ہے کہ انھوں نے بے علم و تحقیق آیات الٰہی کی تکذیب کیوں کی؟

سُلوک :- حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ جس بات کی

حقیقت معلوم نہ ہو اُس کا انکار کرنا بُرا ہے جیسا کہ بعض کوتاہ نظر لوگ عارفین کا کلام بے غور و فکر ردّ کر دیتے ہیں۔
آیت سے ایسے عمل کی مذمت نکلتی ہے۔

(۵۵۳) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا۔
الآیۃ (النمل آیت ۹۳)

ترجمہ:۔ اور آپ کہدیجئے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ثابت ہے۔ الخ

تفسیر:۔ سورۃ النمل کی یہ آخری آیت ہے سورت کا اختتام حمد و ثنا پر کیا گیا ہے کہ علم و حکمت، ملک و دولت، طاقت و قدرت، کون و مکان، زمین و زمان عزت و شان سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہے وہی اُس کا خالق و مالک و حقدار ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ اہل اشارات نے کہا ہے کہ سورت کے خاتمے پر الحمد للہ لانے میں یہ تعلیم ہے کہ مسلمانوں کو بھی اپنے سارے اقوال و اعمال کے خاتمہ پر حمد و ثنا کرنی چاہیئے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔

(۵۵۴) وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ۔ الآیۃ (القصص آیت ۵)

ترجمہ:۔ اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور ملک میں گھٹایا جا رہا ہے

اُن پر احسان کریں اور انھیں سرداری عطا کریں اور اُنھیں زمین کا مالک بنائیں۔

تفسیر:۔ ملک مصر میں قبطی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی تھے جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے لیکن فرعون بنی اسرائیل کو اُبھرنے نہیں دیتا تھا گویا ملک کے سارے قبطی آقا بنے ہوتے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اِن سے ذلیل سے ذلیل کام لیتے اور اُن کو کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ وہ ملک میں کوئی مقام حاصل کر سکیں۔ ظلم صرف اس حد تک نہ تھا بلکہ کسی کاہن نے فرعون سے کہدیا تھا کہ تمہاری سلطنت کا زوال ایک اسرائیلی کے ہاتھ ہوگا، اس پر اس پاگل نے اپنے زعم میں قضا وقدر کی روک تھام کیلئے "قتل اولاد" کا قانون جاری کیا پھر کیا تھا ملک میں ہر روز بنی اسرائیل کے نومولود بچے قتل کر دیئے جاتے تھے۔

آیت میں اسی ظلم وجبر کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فرعون کے انتظامات تو یہ تھے لیکن ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ کمزوروں کو قوی اور پستوں کو بالا کر دیں، جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا اُن کے سروں پر دین کی اِمامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھیں چنانچہ ایسے ہی ہوا جس اسرائیلی کے ہاتھ فرعون اور فرعونیوں کی تباہی مقدر تھی اللہ نے اُس بچے کی اُسی کے محل میں اُسی کے بستر پر اُسی کی گود میں شاہانہ ناز ونعمت سے پرورش کروائی اور یہ دکھلا دیا کہ اللہ جو انتظام کرنا چاہے کوئی طاقت اُسے نہ روکے۔ (موضح القرآن)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ عارفین نے اس واقعہ سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ کسی کو ناحق کمزور ومظلوم بنانا دراصل اُس پر اللہ کی تائید ونصرت کو دعوت دینا ہے۔ (لہٰذا مظلوم کو پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی طرف سے

مظلوموں کی تائید و نصرت بہر حال ہو جاتی ہے)

شفق بن کے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر
یہ کس کشتۂ بے گناہ کا لہو ہے؟

(۵۵۵) وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ (قصص آیت ۹)

ترجمہ:۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرنا کیا عجب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں (اللہ فرماتا ہے) اور انھیں اپنے انجام کی کچھ خبر نہ تھی۔

تفسیر:۔ جس زمانے میں فرعونی حکومت کے قانون میں "قتل اولاد" کا سلسلہ جاری تھا سیدنا موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ماں نے تقریباً تین ماہ تک تو چھپائے رکھا اور جب راز فاش ہونے لگا تو اللہ نے وحی نازل کی کہ بچہ کو ایک محفوظ صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دیا جائے، دریا فرعون کے شاہی محل کے نیچے ہو کر گزرتا تھا صندوق بہتے بہتے وہاں پہونچا تو فرعون کی بیوی نے اُسے اٹھا لیا کھولا تو اس میں ایک حسین و جمیل بچہ تھا بچہ کی پرکشش مظلومانہ صورت نے ان کے دل کو بیحد متاثر کر دیا اور وہ دل سے فریفتہ ہو گئی۔

سلوک:۔ عارفین نے لکھا ہے کہ اللہ والوں سے محبت کرنا خواہ طبعی حیثیت سے کیوں نہ ہو رائیگاں نہیں جاتا، اس کا فائدہ بہر حال ملتا ہے چنانچہ فرعون کی بیوی آسیہ رضی نے بچہ سے محبت کی تھی، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اعلانِ نبوت پر ایمان لائی بلکہ "سیدۃ نساء العالمین" کے لقب سے مشرف ہوئیں۔

(۵۵۶) وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا الآیۃ (قصص آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ اور موسیٰ کی والدہ کا دل بیقرار ہوا قریب تھا کہ وہ اپنے بچہ کا حال ظاہر کر دیتیں اگر ہم اُن کے دل کو مضبوط نہ کئے ہوتے۔ (ہمارا ارادہ تھا کہ) وہ یقین

کرنے والوں میں شامل رہیں۔

ترجمہ:۔ اللہ کی وحی و الہام سے موسیٰ کی والدہ نے اپنے شیر خوار بچے کو دریا میں توڈال دیا لیکن بعد میں ہر لحظہ بیقراری میں اضافہ ہوتا گیا قریب تھا کہ صبر و ضبط کا دامن چھوٹ جاتا اور راز کو ظاہر کر دیتیں لیکن خدائی الہام کہ وہ بچہ تمہاری گود میں بہت جلد آجائے گا تسلی لیتی رہیں۔

سلوک:۔ عارفین نے لکھا ہے کہ کاملین بھی طبیعت کے اثرات سے بالکل محفوظ نہیں ہوجاتے انہیں تردد و تشویش پیدا ہوتی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو تردد و تشویش پیدا ہوگئی تھی حالانکہ اللہ کی وحی اور اُس کا الہام انہیں واضح طور پر مل چکا تھا کہ بچہ بہت جلد تمہاری گود میں آجائے گا۔

حکیمُ الامت لکھتے ہیں کہ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا الآیۃ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اخلاق کی تکمیل میں انسانی عمل دخل کافی نہیں تائیدِ الٰہی کا ہونا بھی ضروری ہے بغیر تائید الٰہی کوئی شخص کامل نہیں ہوتا۔

(۵۵۷) وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ الآیۃ (قصص آیت ۱۱)

ترجمہ:۔ ماں نے موسیٰ کی بہن سے کہا موسیٰ کا سُراغ تو لگا سو اس نے بچے کو دور سے دیکھا اور لوگ (اہل فرعون) اس سے بے خبر تھے۔

تفسیر:۔ یعنی جب فرعون کے دربار میں صندوق کھلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہوگئی، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنی ایک بیٹی سے کہا، بچہ کا پتہ لگانے کے لئے نکل جا اور اجنبی بن کر اس کے حالات معلوم کر، چنانچہ وہ ساری تفصیلات لے آئی۔

سلوک:۔ حکیمُ الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اعتدال کیساتھ تدبیر

کرنا توکّل کے خلاف نہیں ہے۔

(۵۵۸) وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ الآیۃ (قصص آیت ۱۳)

ترجمہ:۔ تاکہ وہ جان لیں اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے البتہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے۔

تفسیر:۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے دو وعدے کئے تھے اپنے نومولود بچے کو فرعون کے ظلم سے بچانے کیلئے دریا میں چھوڑ دو ہم اس بچے کو پھر تمہاری گود میں پہنچا دیں گے۔

دوسری بات یہ کہ ہم اس بچے کو نبوّت سے بھی سرفراز کریں گے، چنانچہ پہلا وعدہ تو ماں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حیرت انگیز طریقے سے موسیٰ اپنے گھر اپنی ماں کی گود میں آگئے۔

دوسرا وعدہ جوانی میں پورا ہوا اور نبوّت سے سرفراز کئے گئے، اللہ کے دونوں وعدے پورے ہوئے۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث رحؒ لکھتے ہیں، ایسے مسئلے میں بڑے بڑے لوگ چکرا جاتے ہیں اور بے یقین سے ہو جاتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ اللہ کا وعدہ ظاہر ہونے سے پہلے اطمینان کی کیفیت نہ ہونا کمال ایمان کے خلاف نہیں۔ (یعنی ایک شخص کو اللہ کے وعدوں پر ایمان و یقین تو ہے اس کے باوجود قلب کو اطمینان کی کیفیت حاصل نہ ہو تو یہ ایمان و یقین کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ایسی تشویش فطرت کے طبعی تقاضوں میں شامل ہے جس پر شرعی مواخذہ نہیں ہوتا۔)

(۵۵۹) قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ الآیۃ (قصص آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ موسیٰ نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا سو آپ معاف کردیں سو اللہ نے انھیں معاف کردیا بیشک اللہ معاف کرنے والا و رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نبوت سے پہلے فرعون کے محل میں مقیم تھے آئے دن بنی اسرائیل پر فرعونیوں کے ظلم و ستم دیکھا کرتے تھے ایک دن ایسے ہی ہوا کہ ایک فرعونی اسرائیلی کو زدکوب کررہا تھا اسرائیلی نے حضرت موسیٰ سے مدد چاہی لیکن فرعونی حضرت موسیٰ کو خاطر میں نہ لایا، حضرت موسیٰ اس ظلم و زیادتی کو برداشت نہ کرسکے اُس فرعونی کو ایک گھونسہ رسید کردیا، بس وہ وہیں گر پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں دم توڑ دے گا بہت پچھتائے اور پھر اللہ سے معافی طلب کی، چونکہ نیت و ارادہ قتل کا نہ تھا اور نہ ہی ایسا عمل قتل کا سمجھا جاتا ہے، بے قصد و ارادہ خون ہوگیا اللہ سے اس تقصیر کی معافی طلب کی، اللہ نے بذریعہ وحی معافی کی اطلاع دیدی۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کاملین کو خشیتِ الٰہی نسبتاً اوروں سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔ (بے قصد و ارادہ لغزش پر بھی اللہ سے توبہ و استغفار کرتے ہیں)۔

(۵۶۰) فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۔ الآیة

(قصص آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ پھر موسیٰ نے شہر میں خوف و اندیشہ و انتظار کی حالت میں صبح کی۔

تفسیر:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو اُس فرعونی کو دفع ظلم کے لئے گھونسہ رسید کیا تھا لیکن وہ بُودا ثابت ہوا کہ پانی تک نہ مانگا فوری مرگیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ساری رات بیقرار رہے کہ جب اس کی شہرت ہوگی

تو میرا کیا ہوگا عدالت کیا فیصلہ کریگی عوام کا ردِّ عمل کیا رہیگا وغیرہ۔
سُلوک :۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کے خوف کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں۔ مذکورہ آیت اس نظریہ کی تردید کر رہی ہے۔ (مدارک)
(حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اہل فرعون سے ساری رات خوف و اندیشہ رہا، یہ طبعی خوف تھا جو خطرات کے وقت پیش آتا ہے ایسا خوف و اندیشہ عیب نہیں)۔

(۵۶۱) فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۔ الآیۃ (قصص آیت ۲۴)

ترجمہ :۔ تو موسیٰ نے اُن دو لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کیا پھر پلٹ کر سایہ میں آگئے اور عرض کی اے میرے پروردگار آپ اس وقت جو بھی نعمت عنایت فرمائیں میں اُسکا سخت محتاج ہوں۔

تفسیر :۔ مصر میں فرعونی کے نادانستہ قتل پر خوف زدہ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وطن چھوڑ دیا اور شہر مدین کی جانب کوچ کیا، شہر مدین ملک مصر سے آٹھ دس دن کی مسافت پر تھا اور مصر کے حدود سے باہر، بھوکے پیاسے پہنچے ایک کنویں پر لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اس مجمع کے پیچھے دو شریف لڑکیاں اپنے جانور لئے کھڑی تھیں اور لوگ انھیں کنویں کے قریب آنے نہیں دے رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ظلم برداشت نہ ہوسکا لڑکیوں سے پوچھا تمہارا کیا قصہ ہے؟ وہ بولیں ہمارے والد بوڑھے اور کمزور آدمی ہیں اگر وہ تندرست ہوتے تو ہم کو اپنے جانوروں کے چارہ پانی کرنے کی حاجت نہ ہوتی جب قوم کے یہ مرد اپنے جانوروں کو سیراب کر لیتے ہیں تو پھر ہمکو بچا کچا پانی مل جاتا ہے، ہم اپنے جانور سیراب کر لیتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

سخت غیرت آئی اور لڑکیوں پہ ظلم برداشت نہ ہوسکا اٹھے اور مجمع کو چیرتے پھاڑتے کنویں پر پہنچے اور لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کردیا پھر واپس آکر درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے اور اپنے ربّ سے مناجات کی اے میرے پروردگار میں بھوکا پیاسا ہوں، شہر اجنبی ہے میرا یہاں کوئی نہیں میں آپ کے فضل وکرم کا محتاج ہوں.

سُلوک :- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کاملین کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت کا اللہ کے سامنے اظہار کردیتے ہیں.

آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کاملین اور بڑے لوگوں کو خدمتِ خلق سے عار نہیں ہوتی.

(۵۶۲) فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ الآیۃ (قصص آیت ۲۵)

ترجمہ :- پھر اُن دونوں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی چلتی تھی شرم وحیا سے بولی میرے والد آپکو بُلاتے ہیں تاکہ اُس خدمت کا بدلہ دیں جو آپ نے ہمارے جانوروں کو سیراب کیا تھا.

تفسیر :- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شریف لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلاکر رُخصت کردیا تھا اور خود ایک درخت کے نیچے بیٹھکر اپنے رب سے بھوک پیاس کی فریاد کی.

ادھر وہ خیر طلب کررہے تھے اُدھر اللہ نے اپنے فضل سے خیر بھیجی، انھیں دو لڑکیوں میں سے ایک شرمیلے انداز سے چلتی آئی اور منھ چھپاکر کہا ہمارے والد آپکو یاد کرتے ہیں تاکہ اُس خدمت کا صِلہ دیں جو آپ نے انجام دی ہے.

حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہوگئے، بات شرم وحیا کی اس لئے تھی کہ لڑکی

ایک اجنبی مرد کے پاس اکیلے آئی تھی اگر گھر میں کوئی خادم ہوتا یا اور کوئی مرد، تو اسکی نوبت نہ آتی۔

سیدنا عمرؓ نے مذکورہ آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

جَآءَتْ تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَآئِلَةً بِثَوْبِهَا عَلٰى وَجْهِهَا لَيْسَتْ بِسَلْفَعٍ مِّنَ النِّسَآءِ وَلَّاجَةً وَّلَا خَرَّاجَةً۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم)

وہ شرم وحیا سے چلتی ہوتی اپنا چہرہ گھونگھٹ میں چھپائے ہوئے آئی اُن بیباک عورتوں کی طرح دندناتے چلی نہیں آئی جو ہر طرف نکل جاتی ہیں اور ہر جگہ گھس جاتی ہیں۔

سیدنا عمرؓ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ حیاداری کا تصور قدیم ترین اور شرفاء کی علامت رہا ہے۔

سیدنا عمرؓ واضح الفاظ میں چہرہ ڈھانکنے کو حیا کی علامت اور اسکو اجنبی مردوں کے سامنے کھولنے کو بے حیائی قرار دے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں عورت کے لئے غیرت وحیاداری اگر مطلوب نہ ہوتی تو قرآن حکیم کو ان تصریحات کی کیا ضرورت تھی؟

شریف زادیوں کے لئے چٹک، مٹک، لچک ہرگز ہرگز سزاوار نہیں ہیں۔

شہر مدین کے سردار اور نبی محترم سیدنا شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کی یہ غیرت وحیاداری اُونچی اُونچی شریف زادیوں کے لئے کسقدر سبق آموز ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔

ملحوظہ:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ لڑکیوں کی خدمتِ مواشی سے بے پردگی کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ ضرورت کے لئے گھر سے نکلنا جائز ہے جبکہ لباس کامل

اور جسم مستور (پوشیدہ) ہو۔ (بیان القرآن)

(۵۶۳) قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ۔ الآیۃ (قصص آیت ۲۷)

ترجمہ:۔ شعیب (علیہ السلام) نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دیدوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو اور اگر تم نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ تمہاری طرف سے احسان ہوگا اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا۔ انشاء اللہ تم مجھکو خوش معاملہ پاؤ گے۔

تفسیر:۔ سیدنا شعیب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی ورسول تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرنے کے بعد فراستِ نبوت سے محسوس کرلیا کہ یہ نوجوان مستقبل کا عظیم نبی ورسول ہوگا، پھر ان کو اپنا داماد بنا لینے کا ارادہ کرلیا جس کا تذکرہ مذکورہ آیت میں ہے۔

ان صاحبزادی کا اسم گرامی اسلامی تاریخی کتب میں سیدہ صفورہؓ بیان کیا گیا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے نکاح ہوگیا اور مہر آٹھ سالہ "گھریلو خدمت" قرار پائی۔ غالباً مواشی کا چارہ پانی اور انکی نگہداشت تھی۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ بیوی کے مہر میں "گھریلو خدمت" یا دیگر اور کوئی خدمت لڑکی کی رضامندی سے طے کرنا شریعت اسلامی میں بھی جائز ہے۔ (ردّ المحتار، بیان القرآن)

(یعنی مہر کے لئے نقد مال ہونا ضروری نہیں مہر میں کوئی خدمت بھی طے کرلی جاسکتی ہے)

(۵۶۴) قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ وَنَجۡعَلُ لَکُمَا

سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا۔ الآیۃ (قصص آیت ۳۵)

ترجمہ:۔ اللہ نے فرمایا ہم ابھی تمہارے بھائی (ہارون) کو تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور تم دونوں کو (ایک خاص) شوکت عطا کرتے ہیں سو اُن لوگوں کا تم پر غلبہ نہ ہوگا۔

تفسیر:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد فرعون اور اہل فرعون کے یہاں دعوت و تبلیغ کے لئے جانیکا کا حکم ملا۔ آپ نے اللہ کی جناب میں اپنے دو عذر پیش کئے پہلا تو یہ کہ میں قادر الکلام نہیں ہوں اور زبان میں لکنت ہے دوسرا یہ کہ فرعون اور اہل فرعون سے مجھکو جان کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے عذر کا یہ حل عنایت فرمایا کہ اپنے بھائی ہارون کو اپنے ساتھ رکھو وہ تمہارے دست و بازو ثابت ہوں گے، سیدنا ہارون علیہ السلام قادر الکلام، فصیح البیان بھی تھے۔

اور جان کے خطرے کو اس طرح دُور کر دیا کہ دونوں بھائیوں کے جسم پر ایک وہبی شوکت و ہیبت پیدا کر دی کہ کوئی بُرے ارادے سے قریب نہ آسکے، چنانچہ سیدنا موسیٰ و ہارون علیہم السلام نے نہایت اطمینان و بے خوفی سے اللہ کا پیام فرعون اور اہل فرعون کو پہنچا دیا۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ اللہ والوں کو منجانب اللہ ایک شان و شوکت عطا ہوتی ہے جس سے وہ بے خوف و خطر دین کے کام انجام دیا کرتے ہیں۔ (چنانچہ سلاطین بھی اولیاء اللہ سے خائف رہے ہیں۔)

(۵۶۵) اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔ الآیۃ

(قصص آیت ۵۴ و ۵۵)

ترجمہ :۔ اُن لوگوں کو دُہرا اجر ملے گا اسلئے کہ انھوں نے صبر کیا اور بُرائی کا بدلہ نیکی سے کرتے رہے اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا تھا اُس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔ اور جب کوئی بات لغو سُنا کرتے تو اُسے ٹال دیا کرتے اور کہا کرتے کہ ہمارے اعمال ہمارے (نفع) کے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہم تم کو سلام کرتے ہیں، ہم بے سمجھ لوگوں سے تعلقات نہیں رکھتے۔

تفسیر :۔ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو قرآن حکیم نے یہ خوشخبری دی کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو انھیں دُہرا اجر ملے گا ایک تو خود اُن کے آسمانی مذہب کا، دوسرا اسلام لانے کا۔

جیسا کہ ازواج مطہرات کو خوشخبری دی گئی تھی کہ اُن کے نیک اعمال پر دُہرا اجر ملے گا۔ (احزاب آیت ۳۱)

مذکورہ آیت میں نیک لوگوں کے اخلاق بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) صبر کرتے ہیں۔ (۲) بُرائی کا بدلہ نیکی سے ادا کرتے ہیں۔ (۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (۴) لغو فضول کاموں سے دُور رہتے ہیں۔ (۵) بے سمجھ جاہل لوگوں سے علیحدہ رہتے ہیں۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے آیت سے دو مسئلے اخذ کیے ہیں۔

نیک لوگ حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال سے دور رہتے ہیں۔

"یَدْرَءُوْنَ" سے حُبِّ جاہ اور "یُنْفِقُوْنَ" سے حُبِّ مال کا زوال ثابت ہوتا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ عموماً یہی دو سبب ایمان لانے سے مانع ہوا کرتے ہیں۔

(۵۶۶) اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ الآیۃ (قصص آیت ۵۶)

ترجمہ:۔ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے البتہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر:۔ صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی، جب کہ وہ بستر مرگ پر تھے آپ نے انھیں نہایت دلسوزی سے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا چچا جان صرف ایک بار کلمہ پڑھ لیجئے، میں انشاء اللہ اسی کے ذریعہ آپکی نجات کیلئے سفارش کرونگا (الحدیث) قریب تھا کہ ابو طالب کلمہ پڑھ لیتے لیکن قریش کے کافر سردار جو انکے اردگرد کھڑے تھے منع کر دیا، آخر ابو طالب اپنے آبائی دین پر فوت ہو گئے۔

سلوک:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ بلا ضرورت اس مسئلہ پر گفت وشنید نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس میں خاندانی سادات کی تاذّی اور مذمت کا پہلو نکلتا ہے لہٰذا احتیاط بہتر ہے۔ (بیان القرآن)

(۵۶۷) وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔ الآیۃ (قصص آیت ۶۸)

ترجمہ:۔ اور آپ کا رب جس چیز کو بھی چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے اور مخلوق کو تجویز کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

تفسیر:۔ کائنات کے جملہ اختیارات وتصرفات صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں اسمیں کوئی مخلوق شریک نہیں، نہ جن نہ ملک نہ مقبولانِ بارگاہ الٰہی، وہ یکتا وتنہا مالک ومتصرف ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے انسانی اختیارات وتصرفات میں انسان کے "جبر محمود" ہونیکا عقیدہ ثابت کیا ہے۔ (یعنی انسان اپنے اختیارات میں نہ

"مجبور محض" ہے اور نہ "قادر مطلق" ہے بلکہ "مجبور محمود" ہے یعنی ایسا مجبور جو اللہ کے یہاں پسندیدہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تو مستقلاً قادر و مختار ہے اور بندہ اپنے غیر مستقل ہونیکا علماً و عملاً اعتقاد رکھے، یہی "جبر محمود" ہے۔

(۵۶۸) لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۔ الآیۃ (قصص آیت ۷۰)

ترجمہ:۔ سب تعریف اسی کی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

تفسیر:۔ حمد و ثنا کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ جو بھی نعمت ہے اُسی کی جانب سے آتی ہے پھر مخلوقات میں تقسیم ہوتی ہے۔

سلوک:۔ اہل تحقیق نے لَهُ الْحَمْدُ سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل بالآخر خیر ہی خیر ہوتا ہے، ورنہ ہر حال میں حمد و ثنا اسی کے لئے ثابت نہ ہوتی۔

(۵۶۹) إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۔ الآیۃ (قصص آیت ۷۶)

ترجمہ:۔ جب اُس کی قوم نے اُس سے کہا اترانا نہیں بیشک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر:۔ قارون کا تذکرہ ہے یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور فرعون کا وزیر خزانہ بھی، جیسا کہ ظالم بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم یا جماعت کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں فرعون نے بنی اسرائیل (قوم موسیٰ) میں سے اس ملعون کو چن لیا تھا، اس سے فائدہ اٹھا کر اُس نے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی۔

جب فرعون اور اہل فرعون غرقِ آب ہو گئے تو یہ تنہا رہ گیا اور قوم میں اپنی دولت و ثروت پر اترانے لگا اور علی الاعلان سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت شروع

کردی اور یہ سب کچھ مال و دولت کے گھمنڈ میں تھا سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم نے اُسے فہمائش کی کہ اترانا ٹھیک نہیں ہے اللہ کو یہ خصلت سخت ناپسند ہے لیکن وہ اِن باتوں کو خاطر میں نہ لایا اور مخالفت تیز کر دی، آخر کار وہ خود اپنے ہاتھوں دفن ہوا۔

(تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ ص ۵۲۲ دیکھئے جو قدیم تاریخ کی عبرتناک داستان ہے۔)

سلوک:۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے اس واقعہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ سالک کو اپنے احوال اور وارداتِ قلبی پر ناز کرنا مذموم ہے اور اگر اِن نعمتوں کو اللہ کی عطا و بخشش سمجھکر خوش ہو تو یہ مذموم نہیں۔

(۵۷۰) وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الآیۃ (قصص آیت ۸۰)

ترجمہ:۔ اُن لوگوں نے جن کو دین کی فہم عطا ہوئی تھی کہا تمہارا ناس ہو اللہ کے ہاں کا ثواب کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لایا اور نیک عمل کئے۔

تفسیر:۔ قارون کی دولت و ثروت دیکھکر آخرت فراموش لوگ کہا کرتے تھے کہ قارون کی کیا ہی عیش ہے اور اُسکا کتنا بلند نصیبہ ہے۔

انجام کے جاننے والے اس پر ملامت کرتے کہ آخرت کے ثواب کے مقابلے میں اس کی عیش ہیچ در ہیچ ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث رحؒ لکھتے ہیں "دُنیا میں کچھ آرام ہے تو دس بیس برس اور مرنے کے بعد کاٹنے ہیں ہزاروں برس۔" (موضح القرآن)

سلوک:۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے "وَيْلَكُمْ" (تنبیہ کا کلمہ) سے استنباط کیا ہے

کہ نصیحت و تعلیم میں زجر و تنبیہ جائز ہے جبکہ بات واضح ہو اور مخاطب قبول نہ کرے۔

(۵۷۱) تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۔ الآیۃ

(قصص آیت ۸۳)

ترجمہ:۔ یہ عالم آخرت تو ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور اچھا انجام تو صرف تقویٰ اختیار کرنیوالوں کا ہے۔

تفسیر:۔ قارون کی دولت و حشمت کو نادان لوگوں نے بہت بڑی کامیابی سمجھی اور اُس کی زندگی کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا ہی قسمت والا ہے۔

قرآن حکیم نے بیان کیا کہ یہ بڑی قسمت نہیں، بڑی قسمت تو آخرت کی کامیابی ہے اور آخرت صرف اُنہی لوگوں کا نصیبہ ہے جو اللہ کے ملک میں فساد و بگاڑ نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ زمین میں انکا بول بالا ہو، بول بالا تو اسلام کا قرآن کا چاہتے ہیں۔

سلوک:۔ آخرت کی زندگی جس طرح گناہوں سے خراب ہو جاتی ہے اسی طرح تکبر (عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ) سے بھی خراب و ناکام ہوتی ہے، اسلئے مشائخ اہل طریقت ترک معاصی کیطرح تکبّر کے ازالہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

ملحوظہ:۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۔ الآیۃ

خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ جنہیں اہل علم نے خلیفہ راشد کہا ہے بستر مرگ پر اپنی

نزع کے وقت یہی آیت کی تلاوت کر رہے تھے۔

تفسیر ماجدی کے مفسر نے لکھا ہے کہ آیت ایسی جامع و کامل ہے کہ ہر شخص اسکا کتبہ کمرے میں لٹکا کر ہر وقت پیش نظر رکھے۔

(۵۷۲) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ الآیۃ (قصص آیت ۸۸)

ترجمہ:۔ اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

تفسیر:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ ذاتِ حق کے علاوہ ہر موجود ہالک یعنی معدوم ہے، کیونکہ ہالک اسم فاعل ہے جس کے معنیٰ یہ نہیں کہ آئندہ کسی زمانے میں ہلاکت طاری ہو گی بلکہ مراد یہ ہے کہ عملی فنا ہر موجود پر مستقلاً طاری ہوتا رہتا ہے اور اُس کا تحقق اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہالک کو کالہالک اور معدوم کو کالمعدوم کے معنیٰ میں لیا جائے اور مُراد یہ سمجھی جائے کہ موجودات کا وجود ذاتی اور مستقل نہ ہونے کے سبب ہر وقت قابل عدم اور وجود لاوجود جیسا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں وحدتُ الوجود کا حاصل بھی یہی ہے۔ مذکورہ آیت اس مسئلہ پر روشنی ڈالتی ہے۔

سُورَةُ العَنکبُوت پارہ ۲۰

(۵۷۳) أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔ الآیۃ (العنکبوت آیت ۲)

ترجمہ:۔ کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں۔

تفسیر:۔ زبان سے اسلام وایمان کا دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن اسلام کا ثبوت پیش کرنا آسان نہیں، طرح طرح کے مصائب و مشکلات آتے ہیں اس وقت صبر وضبط سے کام لینا اور ایمان و یقین میں خلل پیدا نہ ہونے دینا ضروری ہوتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کو اسکی دینی حیثیت سے آزمایا جاتا ہے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کرام کی ہوتی ہے پھر انکے بعد نیک صالحین کی پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کی جو ان حضرات سے قریب قریب ہیں۔

صحابۂ کرام نے ایک دفعہ کفّار قریش کی ایذا رسانیوں سے پریشان ہوکر آپ سے شکایت کی اور دُعا کی درخواست کی آپؐ نے دعا فرمادی اور ارشاد فرمایا تم سے پہلے زمانہ میں ایمان والوں کو سخت سے سخت ایذائیں دی جاتی تھیں کسی کو زمین میں زندہ گاڑ دیا جاتا، کسی کے سر پر آرہ چلاکر دو ٹکڑے کردیا جاتا، کسی کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں پھیر کر چمڑا اور گوشت اُدھیڑ دیا جاتا تھا، پھر بھی یہ سختیاں انھیں دین وایمان سے پھیرا نہیں کرتی تھیں۔ (بخاری)

مؤمن کی یہ آزمائش دنیا و آخرت میں اسکے امتیاز اور خصوصی موقف کے لئے کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نفاق اور غیر اخلاص کو ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ مجاہدات اور آزمائش وصول الی المقصود کے شروط (عادیہ) میں شامل ہیں بغیر مجاہدہ منزل نہیں ملتی، مجاہدہ خواہ اختیاری ہو یا اضطراری بہرحال ضروری ہوا کرتا ہے۔

(۵۷۴) وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ۔ الآیۃ (العنکبوت آیت ۶)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی محنت کرتا ہے اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے بیشک

اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔

تفسیر:۔ بے نیازی کے معنی اُردو کے بے نیازی (بے پروا) کے نہیں ہیں بلکہ غیر محتاج کے معنی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مخلوقات کی کسی بھی چیز کا محتاج اور ضرورت مند نہیں۔

اگر کسی نے محنت کی اُس نے خود اُس کا پھل کھایا، اللہ کو اس سے کیا نفع و فائدہ؟

سلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے استنباط کیا کہ اللہ کی صفت بے نیازی سے انسانوں کے عُجب و دعویٰ استحقاق کی بنیاد گر جاتی ہے۔ (عُجب و تکبر وہ کرے جو کسی کا محتاج نہ ہو)

(۵۷۵) وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا (العنکبوت آیت ۸)

ترجمہ:۔ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حُسن سلوک کرے۔ الخ

تفسیر:۔ والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے اور اس مخلصانہ رشتہ کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، اللہ کے بعد زمین پر ماں باپ سے زیادہ اور کوئی خیر خواہ نہیں ہوتا اسی خیر خواہی کی وجہ سے ماں باپ کا درجہ بلند تر ہو جاتا ہے۔

آیت تو حضرت سعد بن ابی اوقاص رض کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اسکا خطاب عام ہے، جب یہ مسلمان ہو گئے تو ان کی مشرکہ والدہ حمنہ بنت ابی سفیان سخت ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ جب تک تم اپنے آبائی دین میں واپس نہیں آتے اپنا کھانا پینا ترک رکھوں گی اور چھت کے نیچے آرام نہ کروں گی۔

حضرت سعد رض اسلام لانے سے پہلے بھی اپنی والدہ کے نہایت فرمانبردار اور

خدمت گزار مشہور تھے ماں کی یہ تکلیف دیکھی نہ جاسکی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا،
مذکورہ آیت نازل ہوئی اور حضرت سعدؓ کو مشرکہ ماں کی بات ماننے سے روک دیا گیا،
آخر دو چار دن بعد ماں نے خواہی نخواہی اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔
سُلوک :۔ تفسیر ماجدی کے مفسر لکھتے ہیں کہ غالباً تاریخ عالم کی یہ پہلی بھوک ہڑتال تھی (بلکہ بھوک پیاس ہڑتال) جسکو اسلام نے برداشت نہیں کیا، فَقَدْ خَابَتْ وَخَسِرَتْ۔

(۵۷۶) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ۔ الآیۃ (العنکبوت آیت ۱۲)

ترجمہ :۔ اور کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ ہوں گے، حالانکہ یہ لوگ اُن گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

تفسیر :۔ عہد نبوّت میں اہل مکّہ کی اکثریت غریب غرباء کی تھی ابتداءً انہی میں چند سعادتمندوں نے اسلام قبول کیا تھا آبائی مذہب چھوڑ دینے سے اہل دولت و ثروت نے انکا مقاطعہ (بائیکاٹ) کر رکھا تھا اور یہ اور زیادہ تنگ حال ہو گئے اُنکی تنگی و عسرت پر بعض کافر کہا کرتے تھے کہ یہ سب اسلام قبول کرنے کا نتیجہ ہے تم اپنے آبائی دین پر آجاؤ، جن گناہوں کے اندیشہ پر تم نے اپنا دین چھوڑا ہے اُن گناہوں کی ذمّہ داری ہم قبول کرلیں گے، اللہ کے ہاں ہمارا نام لے لینا کہ فلاں فلاں نے، ہم سے یہ وعدہ کیا ہے۔
اللہ نے جواب دیا کہ یہ جھوٹے ہیں جھوٹے، دوسروں کا بوجھ تو کیا اٹھاتے

اپنا بوجھ بھی بھاری کر رہے ہیں۔
سُلوک:۔ حکیمُ الامّت نے آیت سے اُن جاہل پیروں کے وعدہ وعید کی تردید کی ہے جو اپنے مُریدوں کے مجمع بڑھانے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں ہمارے سلسلہ میں آجاؤ سلسلہ کے بزرگوں کی نسبت کام آجائے گی۔
(۵۷۷) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔

الآیۃ (العنکبوت آیت ۲۰)

ترجمہ:۔ آپ کہیئے تم لوگ زمین میں چلو پھرو پھر اس پر غور کرو کہ اللہ نے مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا، پھر دوسری بار بھی پیدا کرے گا۔
تفسیر:۔ قرآن حکیم نے زمین کی سیر و سیاحت کی ترغیب اس لئے نہیں دی کہ اپنے فاضل اوقات گزارے جائیں یا دنیا کا کھیل تماشہ دیکھا جائے اور لطف زندگی حاصل کی جائے۔

بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی پیدائش کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کیا جائے اور چل پھر کر معلوم کیا جائے کہ اللہ نے کیسی کیسی مخلوق پیدا کی ہیں اور اُن کے لیل و نہار کیسے کچھ ہیں اور انھوں نے اپنا مقصد حیات کیا کیا قرار دے لیا ہے؟ اس طرح غور کرنے سے ایک تو تمہاری خود اپنی زندگی کا جائزہ ملے گا پھر دوسروں کی زندگی عبرت و نصیحت کا کام دے گی اس کے بعد ایک تیسری اُخروی زندگی سامنے آئیگی جہاں ساری مخلوقات کو جمع ہونا ہے۔
سُلوک:۔ حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ آیت کے تقاضہ پر بعض اہلِ طریقت نے اپنی زندگی میں سیاحی زندگی کو شامل کر لیا تھا تاکہ عالم میں گھوم پھر کر اللہ کی صفتِ خلق کا مشاہدہ کریں اور مخلوقات کے احوال سے عبرت حاصل کریں اور اس سے اپنی آخرت کو کامیاب بنائیں۔

(۵۷۸) وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ الآیۃ (العنکبوت آیت ۲۵)

ترجمہ:۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے یہ بھی کہا کہ تم نے تو صرف اپنے باہمی تعلقات کی وجہ سے اللہ کو چھوڑ کر بت پرستی تجویز کر لی ہے پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کا منکر ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تفسیر:۔ بت پرستی کو کوئی بھی عقل والا درست نہیں سمجھتا خود مشرکوں میں بھی آج بہت سی قومیں ہیں جو بت پرستی کی مخالف ہیں، بے روح و جان پتھروں کو پوجنا، ان کے آگے ادب و احترام کے مراسم ادا کرنا، ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا اور ان سے خوف و امید رکھنا آخر یہ کیوں اور کس لئے ہے؟ لیکن نادان لوگوں نے یک جہتی و اتفاق و اتحاد کے لئے ہر قوم و قبیلے کے لئے ان کے معبود مقرر کر لئے تاکہ ایک مذہب پر سب لوگوں کو متحد کیا جائے اور وہ ایک دوسرے کے معاون ثابت ہوں اس طرح انھوں نے اللہ کو چھوڑ دیا۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت میں دلالت ہے کہ جس اتحاد و اتفاق میں اسلام کا فساد و بگاڑ ہو ایسا اتحاد واجب الترک ہوگا۔

(۵۷۹) وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ الآیۃ (العنکبوت آیت ۲۷)

ترجمہ:۔ اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسکا صلہ دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں وہ صالحین میں ہوں گے۔

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کی بیشمار نعمتیں رہی ہیں ان میں سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ آپ کے بعد توحید و رسالت کی دعوت آپ ہی کی

اولاد سے ہوئی سینکڑوں نہیں ہزاروں انبیاء و رسل سارے جہان کیلئے ہدایت و نور کا ذریعہ رہے ہیں۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کی دو بڑی نسلی شاخیں تھیں ایک اسرائیلی جو سیّدنا یعقوب بن اسحاق علیہ السّلام سے چلی، دوسری اسمٰعیلی جو سیّدنا اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل سے چلی جس میں خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سیّدنا اسحاق اور سیّدنا اسمٰعیل علیہم السّلام دونوں سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کے صاحبزادے ہیں۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کو دنیا میں جاہ و مال، عزّت و خوش اقبالی حاصل تھی اور آخرت میں آپ کو قربِ الٰہی کے منصب سے نوازا گیا۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ دُنیوی نعمتوں کی کثرت جیسا کہ بعض اہل اللہ کو نصیب رہی ہے آخرت میں ان کے مراتب کو گھٹا نہیں دیتی (جیسا کہ بعض کم علموں کا خیال ہے)

(۵۸۰) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ۔ الآیۃ
(العنکبوت آیت ۳۰)

ترجمہ :۔ لُوط (علیہ السّلام) نے کہا اے میرے پروردگار میری مدد کر ان شریر لوگوں پر۔

تفسیر :۔ سیّدنا لوط علیہ السّلام کی یہ بددُعا تھی جو انھوں نے اپنی باغی و سرکش قوم پر کی ہے، اُن کی یہ دعا اُن آخری لمحات میں ہوئی جب قوم کی ہدایت و نیکی کے سارے اسباب ٹوٹ گئے تھے یہ ایسے ہی تھا جیسا کہ سیّدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہدایت سے نا اُمید ہو کر بددُعا کی ہے۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ دین کے دشمنوں

کے لئے بد دعا کرنا جائز ہے، علاوہ ازیں اس قسم کی دُعا اخلاقی اقدار کے خلاف نہیں ہوتی۔

ملحوظہ:- سیّدنا لوط علیہ السّلام کی قوم کا بنیادی جرم تو توحید ورسالت کا انکار تھا، علاوہ ازیں اُنکا ایک قومی گناہ بھی تھا جو روئے زمین پر پہلی مرتبہ ایجاد کیا گیا تھا، جس سے جنگل کے جانور بھی نا آشنا ہوں گے۔

یعنی مَرد، مرد سے اور عورت، عورت سے ملوّث تھی نہ مرد کو عورت سے دلچسپی تھی نہ عورت کو مَرد سے تعلق تھا، عربی زبان میں ایسے فحش عمل کو "لواط، مُساحقہ" کہا جاتا ہے۔

سیّدنا لُوط علیہ السّلام کی بَدُدعا پر اللہ نے عذاب کے لئے فرشتوں کو نازل کیا، فرشتوں کی یہ جماعت جسکی تعداد تین اور بعض روایات میں سات آئی ہے پہلے سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کے پاس آئی اور اُنھیں سیّدنا اسمٰعیل علیہ السّلام کی خوشخبری دی کہ عنقریب آپ کو انتہائی پیرانہ سالی میں بُردبار لڑکا پیدا ہوگا اس کے بعد یہ جماعت سیّدنا لوط علیہ السّلام کے شہر سدوم پہنچی، اور صبح صبح پورے شہر کو تہس نہس کر دیا۔

(تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ دیکھئے جو تاریخِ عالم کا رُسواکُن واقعہ ہے۔)

علّامہ نیشاپوری ؒ نے لکھا ہے کہ فرشتوں کا ایک سفر میں سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کو صاحبزادے کی خوشخبری دینا اور قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دینے میں یہ نکتہ ملحوظ ہے کہ اگر ایک ظالم و باغی قوم اللہ کی زمین سے خالی کی جانے والی ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ ایک عظیم الشان قوم بنی اسرائیل کی بنیاد ڈالنے والے ہیں۔

شہر سدوم کی تہ وبالا شدہ آبادیوں کے کھنڈر آج بھی تقریباً پانچ ہزار سال گزر جانے کے باوجود مشرق اردن میں بحرِ میّت (DEAD SEA) کے مشرقی حصہ میں نگاہِ عبرت کے لئے موجود ہیں۔

(۵۸۱) قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا۔ الآیۃ (العنکبوت ع ۳۲)

ترجمہ:۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اس بستی میں لوط (علیہ السلام) بھی ہیں فرشتوں نے کہا ہم کو خوب معلوم ہے وہاں کون کون رہتے ہیں، ہم لوط (علیہ السلام) اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے البتہ اُن کی کافر بیوی عذاب میں شامل ہونے والوں میں رہ جائیگی۔

تفسیر:۔ فرشتوں نے جب یہ خبر دی کہ ہم شہر سدوم کو تاخت و تاراج کرنے آئے ہیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہ اور اُن کے ساتھی بھی تو وہاں رہتے ہیں، فرشتوں نے مذکورہ بالا جواب دیا جو آیت میں موجود ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے آیت سے مستفاد کیا ہے کہ کسی مجمع میں اہل اللہ کا ہونا نزولِ عذاب سے حفاظت کا سبب بن جاتا ہے۔

آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ سے قرابت و رشتہ داری کا تعلق بغیر ایمان مفید نہیں ہوتا۔

(۵۸۲) وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ الآیۃ (العنکبوت آیت ع ۴۶)

ترجمہ:۔ اور تم اہل کتاب (یہود و نصاریٰ و صابئین) سے بحث و مناظرہ نہ کرو سوائے مہذب طریقہ کے۔

تفسیر: مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ غیر مسلموں سے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں بحث و مباحثہ سے حتی الامکان بچنا چاہیئے کیونکہ اس طریقے سے بہت کم لوگوں کو ہدایت ملی ہے

(تاہم بحث و مباحثہ کی ضرورت و اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے) اگر کہیں ضرورت پیش آجائے تو نرمی و خیر خواہی سے کام لینا چاہیئے تاکہ انھیں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہو۔

البتہ مخالفین میں جو بدزبان و بدتمیز قسم کے ہوں انھیں حسب مصلحت ترکی بترکی جواب دیا جاسکتا ہے، قرآن حکیم نے ایسا عنوان بھی اختیار کیا ہے۔

سلوک: حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت میں دلالت ہے کہ مخالف کے ساتھ پہلے تو نرمی برتی جائے اور جب اُسکا عناد ظاہر ہونے لگے تو سختی کرنے کی بھی اجازت ہے۔

حکیم الامت یہ بھی لکھتے ہیں کہ اہل اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے۔

(۵۸۳) یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ۔ الآیۃ (العنکبوت آیت ۵۶)

ترجمہ: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہیں بیشک میری زمین تو بہت وسیع ہے سو صرف میری ہی عبادت کرو۔

تفسیر: مکۃ المکرمہ کے غریب مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم لوگوں کو مشرک و کافروں نے تنگ کر رکھا ہے تو کوئی اندیشہ نہ کرو اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے ہجرت کر جاؤ وہاں تمہارا سب کچھ انتظام ہوجائیگا، دراصل یہ اللہ کی جانب سے خوشخبری اور وعدہ تھا۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ مکۃ المکرمہ کے کافروں نے جب انتہا کردی تو مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم ملا چنانچہ تراسی مسلمان ہجرت کی رجب ۵ نبوی میں مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔ اللہ نے انھیں تسلی دی کہ زندگی کے چند دن ہیں جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو پھر ہمارے پاس اکٹھے آجاؤ گے۔ (موضح القرآن)

سُلوک:۔ علماء نے آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جس ملک میں کفر و فسق کی کثرت ہو اور خدا پرستی کا موقعہ نہ ملتا ہو وہاں سے ہجرت کرجانا ضروری ہے۔ رہا بے گھر و بے وطن ہونا یہ کوئی مصیبت نہیں ہے اللہ نے ایسے لوگوں کیلئے وعدہ کیا ہے کہ انھیں چین کی زندگی ملے گی۔ اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ۔

(۵۸۳) یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ۔ الآیۃ (روم آیت ۷)

ترجمہ:۔ یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے محض بے خبر ہیں۔

تفسیر:۔ یعنی کافروں کی ساری عقلیں، ساری کوششیں صرف اسی مادّی کائنات کی اُدھیڑبُن میں کھپ گئی ہیں اس کے آگے اور اس کے بعد کا انھیں ذرا بھی خیال نہیں اور نہ غور کرنے کو تیار ہیں۔

بس اسی دنیا کی آرائش، زیبائش، کھانا پینا، اوڑھنا سونا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا اور پھر مرجانا یہی مقصد حیات یہی ان کے لیل و نہار ہیں، یہ کیوں غور نہیں

کرتے کہ اس کے بعد ایک ایسی زندگی بھی آنے والی ہے جس میں اپنے کئے کرائے کا حساب بھی دینا ہوگا۔

دنیا کا یہ نظام ویسے ہی بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا جبکہ ایک معمولی عقل رکھنے والا بھی کوئی حرکت بے مقصد نہیں کرتا تو پھر کائنات کا یہ عظیم و بے کران انتظام بے مقصد کیوں ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ جاہل صفت انسانوں نے غور کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار ہی نہیں کیا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں دلالت ہے کہ آخرت سے غفلت کرنا جہل کی علامت ہے۔

(۵۸۵) وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا۔ الآیۃ (روم آیت ۲۱)

ترجمہ:۔ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔

تفسیر:۔ آیت میں مردوں کے لئے تین باتیں بطور اصل بیان کی گئیں ہیں۔

اوّل:۔ تمہاری بیویاں خود تمہاری ہم جنس ہیں یعنی تمہاری ہی جیسی خواہشات جذبات، احساسات رکھنے والی ہیں۔

دوم، انکی پیدائشی غرض و غایت خود تمہارے لئے سرمایۂ راحت اور باعثِ تسکین ہے کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور راحت پاؤ۔

سوم، تمہارے اور ان کے تعلقات کی بنیاد باہمی محبت و خلوص و ہمدردی پر ہونی چاہیئے۔

مردوں پر اللہ کا یہ ایسا عظیم احسان ہے کہ اس نے اس پُرآشوب دنیا اور

ہیں ان کے لئے بیویوں میں سامان چین وسکون مہیا کر دیا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔

سلوک :۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ بیویوں کی طرف میلان والتفات ہونا کمال تقویٰ کے خلاف نہیں، جیسا کہ بعض خشک حضرات سمجھا کرتے ہیں۔

ملحوظہ :۔ دین اسلام میں عورت کا مقام دیگر مذاہب کی طرح مرد کی کنیز کیطرح نہیں ہے بلکہ وہ مرد کی رفیق حیات، مونس غمخوار، یار وفادار ہے اور جذبات وخواہشات میں مرد کے مساوی ہے۔ علاوہ ازیں شوہر کے ایمان واسلام کی محافظ اور اسکے بچوں کی مربی ومشفق مادرِ عزیز بھی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بیوی کو نصف ایمان قرار دیا ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ کسی کو اگر نیک بیوی مل جائے تو اس کے نصف ایمان کی ضمانت ہوگئی۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا، لوگو! تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔

خوشبو، نیک بیویاں، آنکھوں کی وہ ٹھنڈک (سرور) جو نماز میں ہے۔ (الحدیث)

(۵۸۶) وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔ الاٰیۃ (روم آیت ۲۳)

ترجمہ :۔ اور اللہ کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا (بھی) ہے رات اور دن میں اور اپنے لئے اس کی دی ہوئی روزی کا تلاش کرنا ہے۔

تفسیر :۔ اللہ تعالیٰ نے رات کی نیند اور دن میں تلاش معاش کو اپنی

عظیم نعمتوں میں شمار کیا ہے، بہت کم لوگوں کا ذہن اس جانب گیا ہے کہ یہ دونوں حالتیں بھی عظیم نعمتیں ہیں لیکن غور و فکر کرنے والوں کو قرآن حکیم یہ دعوت دیتا ہے کہ اس حقیقت پر غور کریں کہ یہ کیسی عظیم تر اور ضروری نعمت ہیں رات کی راحت نیند میں پوشیدہ رکھی ہے اور دن کا چین و سکون رزق و روزی سے وابستہ ہے، یہ نعمتیں اللہ نے ہر انسان کو دی ہیں اگر ایک بھی گم ہو جائے تو انسان موت کو پسند کرنے لگتا ہے چہ جائیکہ دونوں گم ہو جائیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ انسان کی یہ دو حالتیں عجیب ہیں۔ سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہوشیار کوئی نہیں۔ (موضح القرآن)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ استراحت (آرام لینا) کے لئے سونا اور اسباب معاش کے لئے نکلنا تقویٰ و کمال کے خلاف نہیں البتہ اس میں انہماک (ڈوب جانا) برا ہے۔

ملحوظہ:۔ روایتی و موروثی مشائخ نے محنت مزدوری کو بزرگی کے خلاف تصور کیا ہے اور اپنے تقدس کو مریدوں کے تحفہ تحائف سے تقویت دیا کرتے ہیں۔

(۵۸۷) فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ الآیۃ (روم آیت ۳۰)

ترجمہ:۔ اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔

تفسیر:۔ فطرت سے مراد صلاحیت و قابلیت ہے جو اللہ نے ہر انسان کی خلقت میں امانت رکھی ہے، انسان اگر حق کو سننا اور سمجھنا چاہے تو حق سمجھ میں آجاتا ہے اور اس کو وہ قبول کر لیتا ہے۔

انسان کی ساخت پرداخت ہی ایسی بنائی گئی ہے گویا ہر انسان کی طبیعت میں قبولِ حق کا جوہر موجود ہے اگر کوئی اس کو ضائع کر دے یا خارجی اسباب اسکو مغلوب کر دیں تو یہ انسانی فطرت کا قصور نہیں اپنا اور خارجی قصور ہے اور جن علماء نے فطرت سے مراد اسلام لیا ہے اُن کی مُراد بھی یہی قبولِ حق ہے کیونکہ اسلام بھی حق ہے۔

قبولِ حق کی یہ صلاحیت بدل نہیں سکتی یعنی فنا نہیں ہوتی ہر انسان میں موجود ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت نے لکھا ہے کہ فطریات میں تبدیلی نہیں ہوتی البتہ ریاضت اور مجاہدہ سے تعدیل ہو جاتی ہے۔

یعنی فطرت کا رُخ موڑا تو جا سکتا ہے زائل و فنا نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر غضب کی کیفیت کو لیجئے ہر انسان کی فطرت میں یہ کیفیت رکھی گئی ہے، یہ صفت حلال و حرام دونوں موقعوں پر استعمال ہوتی ہے غضب کا بے جا استعمال حرام ہے اور حق کے لئے غصّہ کرنا حلال ہے اب اگر کوئی چاہے کہ غضب کی یہ کیفیت ہی دل سے زائل ہو جائے کہ غصّہ پیدا ہی نہ ہو تو یہ ممکن نہیں کیونکہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی جو فطرت ہے وہ موجود رہے گی البتہ ریاضت و مجاہدہ سے اس کیفیت کا رُخ تبدیل کیا جا سکتا ہے کہ صرف جائز اور حق کے لئے غصّہ کیا جائے اہلِ طریق نے اس حقیقت کو مختصر الفاظ میں اسطرح لکھا ہے۔

"فطرت کا ازالہ ممکن نہیں اِمالہ ممکن ہے"

(اِمالہ کے معنی رُخ پھیر دینا)۔

(۵۸۸) فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ الآیۃ (روم آیت ۵۰)

ترجمہ: سو ذرا رحمتِ الٰہی کے آثار تو دیکھو کہ اللہ زمین کو اُسکے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر: آیت میں حیات بعد الممات کا تذکرہ ہے کہ دنیا کی اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی پیش آنے والی ہے جسکو آخرت کہا جاتا ہے اس عالم کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ دُنیوی زندگی کا دائمی صلہ دیا جائے لیکن دوبارہ زندگی پھر کیونکر ہوگی، اس کو مذکورہ آیت میں ایک ظاہری مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ موسم گرما میں جب زمین خشک و بنجر ہو جاتی ہے اور اسمیں خشکی سے شگاف پڑ جاتے ہیں گویا وہ مردہ انسان کی طرح بے رونق و بے فیض ہو جاتی ہے حقیقت میں یہ کیفیت زمین کی موت ہے۔

پھر اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو پانی برسا کر اُسی زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیا جاتا ہے گویا یہ زمین کی دوسری حیات ہوئی، اسی طرح قیامت کے بعد مُردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا اسی کو یوم الحشر کہا جاتا ہے، لیکن یہ حقیقت اُنہی لوگوں کو ملتی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں اور حق کی تلاش میں رہتے ہیں۔

سُلوک: حکیمُ الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت میں تجلّی افعال کے مشاہدہ کا حکم ملتا ہے۔

(تجلّی افعال کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ کارخانۂ عالم کا نظام جن اسباب کے تحت چلایا جا رہا ہے اُس نظام پر غور و فکر کیا جائے تاکہ خالقِ کائنات کی تدبیر و تخلیق کا مشاہدہ حاصل ہو، اللہ کی معرفت صفات ہی کے مشاہدے سے ممکن ہے ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ اس جہان میں ممکن نہیں ہے۔)

۵۸۹ فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ۔ الآیۃ (روم آیت ۵۲)

ترجمہ:۔ آپ مردوں کو تو سنا نہیں سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر لا سکتے ہیں، آپ صرف انھیں لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں اور مانتے بھی ہیں۔

تفسیر:۔ یعنی ضدی و عنادی کافر مردوں، بہروں، اندھوں کی سطح پر ہیں لہٰذا آپ ان سے نہ ایمان لانے کی توقع رکھیں نہ اُن کے انکار و تکذیب پر غمزدہ ہوں، جب کوئی سننا ہی نہ چاہے اور نہ نفع حاصل کرنیکا ارادہ کرے بلکہ مخالفت و بغاوت کرنے لگے تو ایسے شخص کو کون نفع پہنچا سکتا ہے۔

سلوک:۔ آیت کے تینوں جملوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت نہ نبی کے اختیار میں ہے اور نہ کسی اور کے اختیار میں، بعض نادانوں کا یہ خیال کہ کامل بنا دینا شیخ و مرشد کے اختیار میں ہے کہاں تک درست ہے؟ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۔

۵۹۰ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ۔ الآیۃ (روم آیت ۶۰)

ترجمہ:۔ سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ بے یقین ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں۔

تفسیر:۔ حالات کیسے ہی سنگین و صبر آزما ہوں آپ کے ہاتھ سے صبر و استقامت کا دامن کسی حال میں بھی چھوٹنے نہ پائے آپ اپنی دعوت و تبلیغ جاری رکھئے نتائج پر نظر نہ رکھئے، نتائج تو اللہ کے اختیار میں ہیں وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے اُس کی گمراہی میں اس کو چھوڑ دے، آپ سے کامیابی

اور سربلندی کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ہو کر رہے گا آپ ان بدعقیدہ و بے ایمان لوگوں کو ایسا کوئی موقعہ نہ دیں کہ وہ آپ پر طنز و طعن کر سکیں، پھر دیکھئے کہ یہی بدعقیدہ لوگ آپ کو ذرا بھی جنبش نہ دے سکیں گے۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں تعلیم ہے ساری امت کے لئے خصوصیت سے امت کے اُن لوگوں کو جو مقتدائی شان رکھتے ہیں کہ وہ اپنا ظاہر و باطن یکساں حالت میں رکھیں، اور حتی الامکان کافروں اور بدکار لوگوں کو اعتراض و طعن و تشنیع کا موقع نہ دیں۔

سورۃ لقمٰن پارہ ۲۱

(۵۹۱) هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ. الآیۃ (لقمان آیت ۳)

ترجمہ :۔ (قرآن حکیم کی یہ آیات) ہدایت و رحمت ہیں نیک کاروں کے حق میں۔

تفسیر :۔ آیت میں قرآن حکیم کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے کہ یہ کوئی سیاسی، تاریخی، حکایاتی کتاب نہیں ہے راہِ حق بتانے والی نیک کاروں کے لئے رہنما اور رحمت ہی رحمت ہے اس کی ہدایات پر چلکر بے خوف و خطر اپنی دنیا اور آخرت کامیاب کر لیتے ہیں۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے آیت کے ایک لفظ "لِلْمُحْسِنِيْنَ" سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ محسنین جو ہدایت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں انھیں قرآن کی یہ آیات رہنمائی و ہدایت کرتی ہیں، معلوم ہوا کہ ہدایت کے بے شمار مراتب ہیں درجۂ احسان کی کوئی حد نہیں انسان قرآن کی ہدایت اختیار کر کے اللہ کے یہاں درجہ بدرجہ قریب تر

ہوتا رہتا ہے۔ لَا تَقِفُ عِنْدَ حَدٍّ۔

(۵۹۲) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ الآیۃ (لقمان آیت ۶)

ترجمہ: اور بعضا آدمی ایسا ہے جو اُن باتوں کو خریدا کرتا ہے جو (آخرت سے) غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھ لوگوں کو گمراہ کرے اور اُس کا مذاق اُڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلّت کا عذاب ہے۔

تفسیر: احادیث میں آیت کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا کہ مکّۃ المکرّمہ کا ایک کافر رئیس نضر بن حارث تجارت کے لئے فارس (ایران) و روم جایا کرتا تھا وایسی میں وہاں سے جاہلی لٹریچر کی فحش کتابیں لاتا اور اہلِ عرب کو سناتا اور کہا کرتا کہ پڑھنے کی چیز تو یہ کتابیں ہیں قرآن میں کیا رکھا ہے وغیرہ۔

عملی دل بہلائی کے لئے اپنے ساتھ حسین لڑکیاں بھی رکھتا تھا جو راگ راگنی رقص و سُرور سے لوگوں کے مجمع کو بڑھاتی تھیں، قرآن کریم نے ایسی جدّ و جہد اور تجارت کرنے والوں پر آخرت میں ذلّت کے عذاب کی اطلاع دی ہے۔

سلوک: حکیم الامّت رحؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے ہر اُس گانے و راگ راگنی و عیّاشی کی محفلوں کی ممانعت نکلتی ہے جو دین و آخرت سے غفلت پیدا کرتی ہیں یا عقائد خراب کرتی ہیں۔

(۵۹۳) اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ۔ الآیۃ (لقمان آیت ۱۴)

ترجمہ: اے مخاطب تو میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کر میری ہی جانب واپس ہونا ہے۔

تفسیر:۔ سیدنا لقمانؑ نے جو نصیحتیں اپنے بیٹے کو کیں ہیں اُن میں مذکورہ نصیحت بھی شامل ہے، کہ اللہ کے حقوق کے ساتھ اپنے والدین کے حقوق بھی پورے کئے جائیں۔

حقوق الٰہی کے ساتھ ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کا ذکر اس بات کی طرف خبردار کرتا ہے کہ والدین کے حقوق کو معمولی نہ سمجھا جائے، ساری زندگی اِس کا اہتمام رکھنا چاہیئے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مُنعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی طرح جو لوگ بھی نعمت کا واسطہ و ذریعہ ہوں اُن کا بھی شکر کرنا مطلوب ہے لہٰذا والدین کی شکر گزاری کے ساتھ اُستاذ، خیر خواہ، شیخ و مرشد بھی اس فہرست میں شامل ہوں گے انکا بھی حق ادا کیا جائے۔

ملحوظ:۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ سیدنا لقمانؓ نے اپنے بیٹے کو اللہ کے حقوق تو بیان کئے ہیں لیکن ماں باپ کے حقوق بیان نہیں کئے یہ غالباً اس لئے کہ اپنی نصیحت میں غرض شامل نہ ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد دیگر نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق بیان کیا کہ اللہ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق ہے اُس کو بھی ادا کرو، پھر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں باپ نے اللہ کا حق بتایا اللہ نے باپ کا۔

(موضح القرآن)

(۵۹۴) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۔ الآیۃ (لقمان آیت ۱۸،۱۹)

ترجمہ:۔ اور لوگوں سے اپنا رُخ نہ پھیر اور نہ زمین پر اکڑ کر چل بیشک اللہ تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں

میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ۔
تفسیر:۔ یہ بھی سیدنا لقمانؓ کی نصیحتیں ہیں جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کیں تھیں۔
اسلامی معاشرت کے اصول میں یہ چار نصیحتیں بنیادی کردار کی حامل ہیں۔
(۱) تکبّر سے کسی کو نہ دیکھنا۔ (۲) اکڑ کر اترا کر نہ چلنا۔ (۳) اپنی چال میں تواضع و متانت اختیار کرنا۔ (۴) بات کرنے میں آواز کو نرم و پست رکھنا۔
ہدایات میں پہلی دو نصیحتیں تو جسم کی کیفیت سے متعلق ہیں اور باقی دو جسم کے عمل سے وابستہ ہیں، جس کا حاصل یہ نکلا کہ مسلمان کا حال و قال معتدل، متواضع، شریفانہ ہونا چاہیئے۔
سلوک:۔ حکیم الامّتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متکبرین کی چال ڈھال سے پرہیز کرنا چاہیئے۔
ملحوظہ:۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدّثؒ لکھتے ہیں کہ اترانے اور شیخی کرنے سے آدمی کی عزّت نہیں بڑھتی بلکہ اچھا خاصا آدمی عام نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جاتا ہے سامنے نہیں تو پیچھے لوگ بُرا کہتے ہیں۔

(۵۹۸) وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۔ الآیۃ
(لقمان آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی کفر کرے سو آپ کو اسکا کفر غمگین نہ کرے ان سبکو ہمارے پاس لوٹنا ہے۔
تفسیر:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں جن آیات سے تسلّی دی گئی ہے اُن میں ایک آیت یہ بھی ہے کہ آپ کسی کے کفر و عناد سے دلگیر نہ ہوں آخر ان سبکو ایک دن ہمارے پاس آنا ہے اُس دن اِن سب کا

کیا کرایا دھرارہ جائیگا، تھوڑے دن کا عیش ہے موت کے بعد سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے بہت ہی زیادہ اہتمام ومُبالغہ نہ کرنا چاہیئے۔ (ضروری نصیحت کر کے علیحدہ ہوجانا اور نتیجہ کو اللہ کے حوالہ کرنا چاہیئے نتیجہ سامنے آئیگا خواہ دنیا میں یا آخرت میں)۔

سُورَةُ السَّجْدَة پارہ ۲۱

(۵۹۶) اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ۔ الآیۃ (السجدہ آیت ۷)

ترجمہ:۔ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔

تفسیر:۔ اللہ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ٹھیک اسی کے مناسب حال اُسکی ساخت وفطرت رکھی اور کائنات کی کوئی چیز بھی بے مقصد پیدا نہیں کی۔

مراقبہ: کائنات کا یہ ایسا وسیع وعریض میدان ہے جس کے کنارے نہیں ملتے۔ قرآن حکیم نے جابجا تفکیر فی الخلق کی ترغیب دی ہے، مخلوقات کی تخلیق میں غور وفکر کرنے سے معرفت الٰہی کے دروازے کھلتے ہیں اور قلب وجگر پر اللہ کی عظمت وقدرت کا عرفان گہرا ہوجاتا ہے۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ اللہ کی ہر مخلوق میں حُسن و خوبی ہے یہاں تک کہ صفات کبر و بُخل میں بھی۔
(مطلب یہ کہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی چیز فضول اور بُری نہیں اس کے اپنے منافع ہیں جبکہ ان کا قصد کیا جائے غلط و ناجائز استعمال بہر حال غلط و بُرے نتائج پیدا کرتا ہے)۔
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ الآیۃ۔

(۵۹۷) اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ الآیۃ
(السجدہ آیت ۱۵)

ترجمہ:۔ بس ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انکو ہماری آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔

تفسیر:۔ یعنی اللہ کے نیک و فرمانبردار بندے وہی ہیں جب انکو نصیحت کی جاتی ہے یا خیر کی دعوت دی جاتی ہے تو بلا تامّل قبول کر لیتے ہیں، اعراض یا انکار نہیں کرتے بلکہ اس عمل سے اُن کا خشوع و خضوع اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اللہ کی حمد و ثنا کرنے لگتے ہیں۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّت رحؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں کامل الایمان لوگوں کی علامت اور شان بیان کی گئی ہے۔

(۵۹۸) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ الآیۃ
(السجدہ آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ اِن کے پہلو خوابگاہوں سے جُدا رہتے ہیں اپنے پروردگار کو وہ

پکارتے ہیں خوف و اُمید سے اور جو کچھ ہم نے اُنھیں دیا ہے اس میں سے
خرچ کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر:۔ پہلوؤں کا خوابگاہ سے علیحدہ رہنے کا مطلب ہے کہ وہ نیک بندے راتوں کو اپنے بستر چھوڑ چھوڑ کر عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

خوف اور اُمید سے اللہ کو پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے اندیشے سے وہ غافل نہیں رہتے اور امید اس کی رکھتے ہیں کہ انکی عبادتیں قبول ہونگی علاوہ ازیں اپنی ہر اُس چیز میں سے صدقہ خیرات کرتے رہتے ہیں جو اللہ نے انھیں دی ہیں۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں رات کی اس عبادت سے مُراد تہجد کی نماز ہے، اس لحاظ سے نماز تہجد کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی ذات پر رات کی نماز (تہجد) واجب کرلو کیونکہ تم سے پہلے تمام نیک بندوں کی یہی عادت رہی ہے۔ الحدیث)

ملحوظ:۔ رات کی اس عبادت کرنے والوں کا صِلہ اگلی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

"سو کسی کو علم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان (بیشمار نعمتیں)
ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں پوشیدہ رکھی گئی ہیں یہ اُنکے اعمال کا
صلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔" (السجدہ آیت ۱۷)

شاہ عبدالقادر صاحب محدث رح لکھتے ہیں کہ جس طرح ان نیک بندوں نے راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر بے ریا عبادت کی ہے اس کے بدلے میں اللہ نے

اُن کی نعمتیں دیگر بندوں سے چھپا کر آخرت میں رکھی ہیں۔
شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اللہ سے لالچ کرنا اور ڈرنا بُرا نہیں دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ (موضح القرآن)
(البتہ غیروں سے ڈرنا اور لالچ کرنا بُرا ہے۔)

(۵۹۹) وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ الآیۃ (السجدہ آیت ۲۱)

ترجمہ:- اور ہم انھیں قریب کا عذاب بھی اُس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے تاکہ یہ لوگ باز آجائیں۔

تفسیر:- کفر و معصیت کا انجام آخرت میں دیکھنا ہی ہے لیکن حیاتِ دنیا میں بھی اس کا انجام بد ملا کرتا ہے مجرم جیسے جرم کو جرم نہیں سمجھتا اسی طرح اُس کے انجام کو انجام و نتیجہ خیال نہیں کرتا حالانکہ اُس کو زندگی میں مختلف مکروہات سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے لیکن اس کو یہ نادان حوادثِ زمانہ یا اتفاقی حادثات قرار دیکر اپنے گناہ گار دل کو مطمئن کر دیتا ہے، اس کا یہ اندھا پن ہے جو نور اور تاریکی کو ایک خیال کر رہا ہے۔

آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیا کے مصائب، زلازل، امراض، قحط و خشک سالی، قتل و غارت گری، مال و اولاد کی تباہی و بربادی، خوف و ہراس کی کیفیات یہ سب کفر و معصیت کے نتائج ہیں جو انھیں دنیا کی زندگی میں مل رہے ہیں۔

سلوک:- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ بعض صوفیہ نے عذابِ ادنیٰ سے دنیا کی حرص و ہوس مُراد لی ہے اور عذابِ اکبر سے اُس حرص کی سزا مُراد لی ہے جو آخرت میں ملے گی۔

(۶۵۵) وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۔ الآیۃ (السجدہ آیت ۲۴)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اُن میں جبکہ انھوں نے صبر کیا بہت سے پیشوا بنادیئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

تفسیر:۔ یعنی جو لوگ صبر و برداشت کرتے ہیں اور اللہ کی آیات واحکام کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں اور اُسپر عمل پیرا ہوا کرتے ہیں تو اللہ کا معاملہ بھی اُن کے ساتھ احسان وکرم کا ہوا ہے اُنھیں دین ودنیا دونوں کا پیشوا بنایا گیا اور عزت وشان عطا کی ہے۔ اللہ کی یہ سُنت دائمی رہی ہے قدیم زمانے میں بھی ایسا ہوا اور آج بھی یہی ہوگا، شرط یہ ہے کہ اللہ کے وعدوں کا یقین بھی ہو یقینِ محکم۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت ؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں دلالت ہے مشائخ کے اُس عمل کی کہ جب وہ مُرید میں ریاضت ویقین کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اُسکو خلافت دیدیا کرتے ہیں۔

(۶۵۶) فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ۔ الآیۃ (السجدہ آیت ۳۰)

ترجمہ:۔ سُو آپ اُن کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور انتظار کیجئے یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

تفسیر:۔ مشرکین کی طعن وتشنیع پر آپ ملولِ خاطر نہ ہوں آپ کا مذاق اُڑا کر یہ خود اپنا مذاق اُڑا رہے ہیں ان کا انجام بہت جلد سامنے آنے والا ہے گویا یہ انجام بد کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ آیت بھی اُن آیات میں شامل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی رہی ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت نے لکھا ہے کہ جو لوگ عارفین صادقین کے کمالات وفضائل کے مُنکر ہیں اور ان کے ساتھ مذاق کا معاملہ کرتے ہیں جب اُنھیں خبردار کیا جاتا ہے تو اس کی پروا نہیں کرتے تو ایسے لوگوں سے کنارہ کشی کر لینی چاہیئے اور انتظار کرنا چاہیئے کہ انھیں کوئی وبال نہ پکڑ لے۔

سُورۃ الاحزاب پارہ ۲۱

(۶۰۲) یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۱)

ترجمہ:۔ اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیئے اور کافروں ومنافقوں کا کہا نہ مانئے۔

تفسیر:۔ قرآن حکیم ہدایت وخیر خواہی کی کتاب ہے قرآن حکیم کا آغاز ہی اس تعارُف سے ہوا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔ الآیۃ

یہ کتاب سراپا ہدایت ورہنمائی ہے، اس لحاظ سے قرآن حکیم میں بعض ہدایات مکرّر سہ کرر آئی ہیں اُن میں مذکورہ آیت بھی شامل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا مشرکین وکافرین کی ایذا رسانیوں پر تسلی دی جاتی رہی ہیں اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیئے جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہیں اور مشرکین ومنافقین کا

کہنا نہ مانئے جیسا کہ اب تک آپؐ نے کہا نہیں مانا ہے۔
سُلُوکؔ :۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ کاملُ الایمان آدمی کسی وقت بھی ایسی حالت میں نہیں ہوتا کہ اس سے احکامِ شرعیہ معاف ہوجائیں (جیسا کہ بعض نادانوں کا خیال ہے)۔
آیت میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ الآیۃ

(۶۰۳) مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ۔ الآیۃ

(الاحزاب آیت ۴)

ترجمہ :۔ اللہ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے ہیں۔
تفسیر :۔ ع سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔
جس طرح کسی کے منہ میں دو زبانیں نہیں ہوتیں یا کسی کی دو حقیقی ماں نہیں ہوتیں یا دو حقیقی باپ نہیں ہوتے اسی طرح ایک سینے میں دو دل نہیں ہوتے، زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر اس سے جدائی ہوجاتی گویا اس بکواس سے بیوی حقیقی ماں ہوگئی، اسی طرح کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیا تو وہ اُس کا بیٹا ہوگیا حقیقی بیٹے کی طرح اس کے احکام بھی وہی ہوجاتے تھے حتیٰ کہ میراث میں بھی وہ شریک ہوجاتا تھا۔
قرآن حکیم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق کو قدرتی و فطری تعلق سے جُدا کرنے کے لئے ان مفروضات کی شدت سے تردید کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اپنی بیوی کو ماں کہہ دیا جائے تو کیا یہ شخص دو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا؟ اسی طرح کسی نے غیر کو اپنا بیٹا بنالیا تو کیا اس لڑکے کے دو باپ ہوگئے؟
یہ ایک بے حقیقت بات ہے جس کو لوگوں نے رواج دے لیا ہے

قرآن نے ایسی باتوں کو منکر اور جھوٹ کہا ہے (مجادلہ آیت ۲)

مذکورہ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عہدِ نبوت میں ایک کافر تھا جس کے بارے میں شہرت تھی کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں ایک دل سے سنتا ہے دوسرے سے سمجھتا ہے، یعنی اس پر چودہ طبق روشن ہیں۔

غزوۂ بدر میں جب مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے یہ بھی اپنا ایک جوتا ہاتھ میں لئے اور دوسرا پیر میں ڈالے بھاگ رہا تھا اس کے دوست ابوسفیان نے جب یہ تماشہ دیکھا تو اس کو یاد دلایا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ فوری متنبہ ہوا اور کہنے لگا میں تو اپنے دونوں جوتے اپنے پیروں میں سمجھ رہا تھا، (دو دل والے کی یہ بیداری و باخبری تھی)۔ (روح المعانی)

غرض قرآن حکیم نے اس مصنوعی رشتہ کو قدرتی و فطرتی تعلق سے جدا کیا اور خبردار کیا کہ فضول اور بے حقیقت بات نہ کرنی چاہئے ایسا کہنا بے ہودہ پن اور اللہ کے یہاں ناپسندیدہ ہے۔

سلوک :۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے صوفیہ کے اس قول کی اصل نکل آئی کہ نفس ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں کرسکتا پھر اس پر یہ استنباط کیا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں تسبیح پڑھتا ہوں اور باتیں بھی کرتا ہوں اور عین گفتگو کے وقت ذکر اللہ میں بھی مشغول رہتا ہوں ایسا شخص جھوٹا اور فریب خوردہ ہے۔ (ایک وقت میں دو جانب توجہ نہیں ہوسکتی کیونکہ دل ایک ہی ہے)۔

ملحوظہ :۔ آیت سے دفع وساوس کا علاج کیا گیا کہ جس شخص کو کثرت سے وساوس آتے ہوں وہ ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے وساوس خود بخود دور ہو جائیں گے کیونکہ دل بیک وقت دو باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا (یعنی بیک وقت وساوس

کی طرف اور ذکر اللہ کی طرف بھی)۔

(۶۰۲) اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ۔
الآیۃ (احزاب آیت ۵)

ترجمہ:۔ تم ان بچوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو یہ اللہ کے ہاں راستی کی بات ہے اور اگر تم اُن کے باپ کو نہ جانتے ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں زمانۂ جاہلیت کے اس دستور کی تردید ہے جو عام طور پر خاندانوں میں رائج تھی منہ بولے بیٹے (لے پالک) کو اپنا حقیقی بیٹا قرار دے لیا کرتے تھے اور حقوق و احکام میں وہی معاملہ کرتے تھے جو حقیقی بیٹوں کے ساتھ کیا جاتا تھا یعنی اپنی بیوی اُس کی ماں، اپنی بیٹی اُس کی بہن اور اپنا بیٹا اُس کا بھائی۔ اسی طرح نکاحی رشتہ میں برابر کا شریک حتّٰی کہ آدمی کے مرنے کے بعد اسکی میراث میں بھی برابر کا حصّہ دار ہوا کرتا تھا۔

آیت میں اس جاہلی نظام کو ختم کردیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ جو جس کے صُلب سے پیدا ہوا وہی اسکا باپ ہے اُسی کے نام سے اس کو پکارا جائے اور اگر کسی لڑکے کے حقیقی باپ کا نام معلوم نہ ہو تو اسکو اپنا دینی بھائی اور دوست قرار دے لیا کرو اور ایک عام مسلمان کیطرح اُسکو اپنے ساتھ رکھو۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت نے آیت سے استنباط کیا کہ پیر بھائیوں کے حقوق بھائیوں جیسے اسی طرح پیر کے حقوق باپ کیطرح ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے دینی بھائیوں کو اخوان کہا ہے۔ (الحجرات آیت ۱۰) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مسلمانوں کی ماں قرار دیا ہے۔ (احزاب آیت ۶)

سیدہ اُم سلمہؓ فرماتی ہیں اَنَا اُمُّ الرِّجَالِ مِنۡکُمۡ وَالنِّسَآءِ اور سیدہ عائشہؓ

فرماتی ہیں اَنَا اُمُّ رِجَالِکُمْ لَا اُمُّ نِسَاۗءِکُمْ (رُوح المعانی) میں تمہارے عورتوں اور مردوں کی ماں ہوں۔

ملحوظہ:۔ ابتداء اسلام میں عرب کے دستور کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا چنانچہ دستور کے مطابق لوگ انھیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے اوروں کی طرح اِن کو بھی زید بن حارثہ پکارنے کا حکم فرمایا۔

چنانچہ آپؐ نے بھی خود ایک موقع پر زید بن حارثہ کو فرمایا اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا (تم ہمارے بھائی اور دوست ہو)

(۶۰۵) اِذْ جَاۗءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ۔ الآیۃ

(احزاب آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ اور جب تم پر وہ لوگ آچڑھے تھے اُوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں تھیں اور کلیجے مُنہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اُس موقع پر مسلمانوں کا سخت امتحان لیا گیا اور سخت زلزلے میں ڈالے گئے۔

تفسیر:۔ آیت میں غزوۂ احزاب جس کا دوسرا نام غزوۂ خندق ہے کا تذکرہ ہے غزوہ اس جہاد کو کہا جاتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شرکت فرما ہوں۔

یہ غزوہ ۴ھ یا ۵ھ میں پیش آیا (غالباً ۴ھ کا آخری اور ۵ھ کا ابتدائی حصّہ ہو۔)

ہجرت نبوی کے چوتھے سال یہودیوں کے ایک قبیلے کو جو بنو نضیر کے نام سے

مدینہ منورہ میں آباد تھا شہر بدر کر دیا گیا (جس کا ذکر سورۃ الحشر میں آیا ہے) اِن لوگوں نے عرب قبائل میں گھوم پھر کر عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کر لیا تقریباً بارہ ہزار کا لشکر تھا جو سامان ضرب وحرب سے مسلح ہو کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے یہودیوں کا ایک اور قبیلہ بنو قریظہ جو مسلمانوں سے معاہدہ کر کے امن کی حالت میں تھا اپنا معاہدہ توڑ کر بنو نضیر سے مِل گیا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ الآیۃ اس طرح یہودیوں کو ایک بڑی طاقت فراہم ہو گئی، مسلمانوں کی کل جمعیت تقریباً تین ہزار تھی جن میں ایک تعداد اُن دغاباز منافقین کی بھی تھی جو عین موقع پر میدان جنگ سے فرار اختیار کیا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ پر یہ پہلا بڑا حملہ تھا اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد حملہ آور نہ ہوئی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے اس پُرخطر حملہ کے بارے میں مشورہ کیا حضرت سلمان فارسیؓ نے جو عجمی جنگوں سے واقف تھے مشورہ دیا کہ مدینہ کے اطراف جہاں سے حملہ ہونے کا امکان ہے طویل خندق کھودی جائے، چنانچہ ساڑھے تین میل لمبی خندق تیار کر لی گئی سخت سردی کا موسم، کھانے پینے کی تنگی، سازوسامان کی قلت اور دشمن کسی بھی وقت سر پر آنے والا تھا، ایسے سنگین حالات تھے کہ کلیجے منھ کو آرہے تھے اور مارے دہشت آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں تھیں اور بعض لوگ طرح طرح کے گمان میں مُبتلا ہو رہے تھے تقریباً یکماہ یہ غیر یقینی کیفیت رہی دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں لیکن مشرکین کو یکبارگی حملہ کرنیکی ہمّت نہ ہوئی البتہ دور دور سے تیراندازی کرتے رہے جسکا جواب بھی دیا جاتا رہا آخر ایک تاریک رات کو اللہ نے ہوا کا ایک خوفناک جھکڑ چلا دیا ریت اُڑا اُڑ کر مشرکین کی آنکھوں میں گھُس پڑی، سارا سازوسامان منتشر ہونے لگا، اُونٹ اور گھوڑوں نے راہِ فرار اختیار کی، خیمے اُکھڑ اُکھڑ کر ہوا میں اُڑنے لگے پھر تاریکی اور جسم کاٹنے والی

سردی نے ایک کو دوسرے سے جُدا کر دیا، ابُوسفیان جو لشکر کا سپہ سالار تھا اس خدائی فوج کی تاب نہ لاسکا اور کوچ کا اعلان کر دیا، آخر نامُراد و ناکام ہو کر متحدہ عرب کی اس جمعیت نے راہ فرار اختیار کی۔

(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۵۷ دیکھئے۔)

مذکورہ بالا آیت میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے اللہ نے اس کو اپنی خاص نعمت قرار دیا ہے جو اس وقت مسلمانوں پر نازل ہوئی۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت رح نے آیت کے الفاظ وَتَظُنُّوْنَ سے خواطر نفس کا اِثبات کیا ہے جس کا تذکرہ علم تصوف میں ملتا ہے، خواطر اُن وساوس کو کہا جاتا ہے جو طبعی طور پر انسان کے قلب میں پیدا ہوتے ہوں ایسے وساوس عموماً چار قسم کے ہوا کرتے ہیں۔

ایک اللہ کی طرف سے دوسرے فرشتوں کی طرف سے، تیسرے خود اپنے نفس کی طرف سے، چوتھے شیطان کی طرف سے۔

پہلے وسوسہ کو خاطرِ حق کہا جاتا ہے، دوسرے کو الہام وکشف، تیسرے کو ہاجس اور چوتھے کو وسواس کہا جاتا ہے۔

اِن خواطر کی پہچان یہ ہے کہ اگر کوئی نیک بات دل میں آئے اور عمل کی توفیق ہوجائے تو یہ خاطرِ حق ہے، لیکن نیک بات دل میں تو آئے لیکن عمل کی توفیق نہ ہو تو اس کو الہام کہا جاتا ہے۔

اسی طرح کوئی بُری بات دل میں آئے اور اس سے شہوت یا غضب یا تکبر وریا وغیرہ صفات نفس کی طرف رغبت ہوتی ہو تو اِس کو ہاجس کہا جاتا ہے (لیکن اِسکا دل میں قرار نہیں رہتا) اور اگر دل میں گناہ کا میلان پیدا ہوجائے اور وسوسہ کا قرار ہوجائے تو اس کو وسواس کہا جاتا ہے (جس کا سورۃ الناس میں ذکر ہے مِنْ شَرِّ

اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۔ الآیۃ) ۔ شریعت وطریقت ص۲۵۵۔

پھر حکیم الامتؒ نے آیت سے طبعی خوف کا بھی اثبات کیا ہے جو بڑے لوگوں کو بھی پیش آتا ہے غزوۂ احزاب میں دشمنوں کی متحدہ یلغار کے موقع پر صحابۂ کرام کی حالت کو بیان کیا گیا کہ اُن کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں، ایسا خوف ایمان و یقین کے خلاف نہیں ہوتا یہ ایک طبعی حالت ہے جو ناگہانی اور خلاف توقع حالات پر پیدا ہو جاتی ہے تقاضۂ طبیعت سے کوئی محفوظ نہیں۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کا سخت امتحان لیا گیا اور آزمائش میں ڈالے گئے بلاؤں کا پیش آنا خیر ہی ہوا کرتا ہے لہٰذا سالک کو قبض کی حالت پیش آنے پر صبر کرنا اور طاعات پر قائم رہنا چاہیئے۔

(۲۰۶) وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۲۲)

ترجمہ:- اور جب اہل ایمان نے (کافروں کو) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی موقع ہے جس کی ہم کو اللہ اور اُس کے رسولؐ نے خبر دی ہے اور اللہ اور رسولؐ نے سچ فرمایا تھا اور اس سے انکے ایمان اور طاعت میں اور ترقی ہو گئی۔

تفسیر:- غزوۂ احزاب (خندق) میں جیسا کہ بیان کیا گیا شہر مدینہ کے اطراف خندقیں کھودی گئیں تھیں اس عمل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شرکت فرما تھے ایک جگہ سخت چٹان نکل آئی جس نے صحابہ کو بے بس کر دیا تھا آپؐ نے اللہ کا نام لیکر کدال سے اُس پر دو چار ضرب لگائیں، ہر ضرب پر آگ کا شرارہ نکلا شرارے کی روشنی میں آپ کو ملکِ ایران فارس، شام و روم و یمن کے محلات نظر آئے آپؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ سارے ملک اسلام کے زیر تسلط آجائیں گے۔

پھر جب مسلمانوں نے مشرکین کی فوجوں کو دیکھا کہ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں بجائے اس کے کہ شک میں پڑتے یا پریشان ہوتے اُن کا ایمان و یقین اور جذبہ فداکاری اور بڑھ گیا۔

مکّی زندگی میں مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی تھی کہ کافروں کے احزاب (جماعتیں) شکست کھا جائیں گے۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهزُومٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ۔ الآیۃ (صٓ آیت ۱۱)

اور جب غزوۂ احزاب میں ان لشکروں کی تباہی دیکھیں تو مسلمانوں کا ایمان اور ترقی کر گیا۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ کاملین پر بھی کبھی قبض طاری ہوتا ہے لیکن یہ قبض ان کے لئے مغفرت الٰہی کی زیادتی کا سبب بن جاتا ہے۔ (اسکے بعد ایمانی قوّت اور زیادہ ہو جاتی ہے)۔

(۶۰۷) یَاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۲۸)

ترجمہ:۔ اے نبیؐ آپ اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دُنیوی زندگی اور اُس کی بہار چاہتی ہوں تو آؤ میں تمہیں مال متاع دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتی ہوں تو اللہ نے تم میں نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار رکھا ہے۔

تفسیر:۔ فتح خیبر شوال ۵ھ م فروری ۶۲۷ء مسلمانوں کے معاشی حالات کچھ بہتر ہو گئے تھے مال غنیمت بھی کثرت سے آرہا تھا مسلمانوں کے گھروں میں خوشحالی کے آثار پیدا ہونے لگے ایسے وقت ازواج مطہرات نے بھی آپس میں گفتگو کر کے طے کیا کہ ہم سب ملکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گھریلو خرچ میں کچھ اضافہ کا

مطالبہ کریں چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیّدہ حفصہؓ دونوں نے سب بیویوں کی نمائندگی کرتے ہوئے آپؐ سے اضافۂ خرچ کا مطالبہ کر دیا، آپؐ کو ان کا یہ مطالبہ واصرار پسند نہ آیا اور باتیں شاق گزریں پھر آپؐ نے یکماہ کے لئے کسی بھی بیوی کے گھر نہ جانیکی قسم کھالی اور مسجد نبوی کے ایک کونے میں بالاخانہ بنواکر فروکش ہوگئے، شُدہ شُدہ یہ بات عام ہوگئی اور یہ تاثر پھیلنے لگا کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے، سیّدنا ابوبکرؓ اور سیّدنا عمر فاروقؓ خاص طور پر بہت فکرمند تھے کیونکہ یہ دونوں ازواج علی الترتیب آپکی صاحبزادیاں تھیں۔

یکماہ بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی جس کو آیت تخییر کہا جاتا ہے۔

اے نبی اپنی ازواج سے صاف صاف کہدیں کہ دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کر لیں، اگر دنیا کا عیش وبہار چاہتی ہوں تو میرا اور تمہارا نباہ نہ ہوگا اور میں تم کو تمہارا حق دے دلاکر حسن وخوبی سے رخصت کردونگا (یعنی طلاق دیدونگا)۔

اور اگر تم اللہ اور رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی خواہشمند ہوں تو نبی کے ساتھ رہنے میں اس کی کمی نہ ہوگی۔

آیت کے نزول کے بعد آپؐ اپنی ازواج کے حجروں میں گئے اور فرداً فرداً ہر ایک سے دریافت فرمایا سب نے اللہ ورسول اور آخرت کی کامیابی کو اختیار کیا اور دنیا کی عیش وعشرت کا خیال دل سے نکال دیا۔

سُلوک:۔ حکیم الامّتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں دلالت ہے اس بات کی کہ دنیا کی محبت اور اُس کی زینت اللہ ورسول سے دُوری وا جنبیّت پیدا کرتی ہے۔

ملحوظہ:۔ جس وقت آیت تخییر نازل ہوئی اُس وقت آپکی نو بیویاں تھیں۔

سیّدہ عائشہؓ، سیّدہ حفصہؓ، سیّدہ اُم حبیبہؓ، سیّدہ سودہؓ، سیّدہ اُم سلمہؓ (یہ پانچوں تو قریشی نسب تھیں) سیّدہ صفیہؓ خیبریہ، سیّدہ میمونہؓ ہلالیہ، سیّدہ زینبؓ اَسدیہ، سیّدہ جویریہؓ مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن، ان سب نے اللہ اور رسول کو اختیار کیا اور گھریلو خرچ کی کمی پر صبر اختیار کیا۔

البتہ بعض روایات میں ایک بیوی عامرہ حمیریہ کا ذکر ملتا ہے انھوں نے خرچ کی تنگی پسند نہ کی اور آپؐ کی زوجیت سے خارج ہوگئیں۔ (رُوح المعانی)

(۶۰۸) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۳۰)

ترجمہ:۔ اے نبی کی بیویوں تم میں سے جو کوئی کھلی بے ہودگی کرے گی اس کو دُہری سزا دی جائیگی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔

تفسیر:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو ایسا خطاب بطور تہدید و تنبیہ اور امکانی قسم کا ہے جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے، بیٹا اگر تم نے اپنی ماں کو ستایا تو تمہارا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا۔ بہرحال بڑوں کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے۔

نبی کی بیویوں کا انتخاب نبی کی شان کے مطابق ہی کیا گیا تھا بھلا اس طبقہ میں بے حیائی تو کجا بُرائی بھی قدم نہیں رکھ سکتی۔ قرآن حکیم میں اس عنوان کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ الآیۃ (زمر آیت ۶۵)

اگر آپ شرک کریں تو آپ کے اعمال غارت ہو جائیں گے اور آپ نقصان

اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

اور ایک اور موقع پر فرمایا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔

(الحاقہ آیت ۴۴)

اگر یہ پیغمبر ہمارے ذمے جھوٹی باتیں لگا دیتے (یعنی جو کلام ہمارا نہ ہوتا اُسکو ہمارا کلام قرار دیتے) تو ہم اُن کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اُن کی رگ جان کاٹ دیتے

ایک اور موقع پر فرمایا۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل آیت ۷۵)

(اگر آپ شرک کی طرف مائل ہوتے) تو اس حالت میں ہم آپکو دو گنا عذاب چکھاتے زندگی میں بھی موت کے بعد بھی۔

یہ سب تعبیرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں امکانی و تمثیلی قسم کی ہیں دوسروں کو دھمکانے اور خبردار کرنے کے لئے ایسا عنوان اختیار کیا جاتا ہے مسئلہ چونکہ نہایت اہم و نازک تھا اس لئے اُس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راست خطاب کیا گیا ورنہ جو خود کائنات میں توحید کا داعی و علمبردار ہو اُس سے بغاوت یا شرک کیونکر ممکن ہے؟

آیت میں ازواج مطہرات کو بھی اسی قسم کی تہدید و تنبیہ کی گئی ہے۔ مقصود دوسروں کو متنبہ کرنا ہے۔

علاوہ ازیں لفظ فاحشۃ (کھلی بے ہودگی) کی ایک تفسیر محدث بیہقیؒ نے امام تفسیر مقاتلؒ سے نقل کی ہے کہ اِنّھا الْعِصْيَانُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فاحشہ سے مراد نبی کی مرضی کے خلاف کرنا، تنگ کرنا، پریشان کرنا منقول ہے اس تفسیر پر ظاہری شبہ بھی نہیں ہوتا۔ (بیان القرآن)

سُلوک :۔ حکیمُ الامّتؒ لکھتے ہیں کہ جس کی فضیلت زیادہ ہے اُس کا عصیان اور طاعت بھی زیادہ ہے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ علماء اور بڑے درجے کے لوگوں پر گرفت عام لوگوں کی گرفت سے زیادہ سخت ہوتی ہے اسی طرح انکا اجر وثواب بھی عام لوگوں کے اجر وثواب سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ (رُوح المعانی)

حکیمُ الامّتؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اہل اللہ میں یہ جو مشہور ہے. نزدیکاں رابیش بُود حیرانی۔

آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۲۶۹) یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ. الآیۃ (احزاب آیت ۳۲)

ترجمہ :۔ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو لہٰذا نامحرم مردوں سے بات کرنے میں نزاکت اختیار نہ کرو کہ اس سے ایسے شخص کو بُرا خیال پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں کھوٹ وخرابی ہے اور قاعدہ کے مطابق بات کیا کرو۔

تفسیر :۔ آیت میں عورتوں کو ایک عظیم اخلاقی تعلیم دی گئی ہے جو بداخلاقی وبدکرداری کی جڑ ہی کاٹ دیتی ہے، کسی بھی بگاڑ کی بنیاد عام طور پر زبان ہوا کرتی ہے زبان سے جیسے نیکیوں کے چشمے پھوٹتے ہیں ایسے ہی برائیوں کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔ مذکورہ آیت نے خواتین کو یہ تعلیم دی ہے کہ ضرورت پر غیر محرم مردوں سے بات کرتے وقت دلکش ونرم ونازک لہجہ اختیار نہ کریں بلکہ واضح طور پر سیدھا سادا جواب دیدیں تاکہ آواز کی نزاکت سے کسی کو ناجائز فائدہ اٹھانیکا موقع نہ ملے۔

عورت کی آواز میں فطرۃً و خلقۃً کشش و نزاکت پائی جاتی ہے لیکن پاکباز خواتین کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ حتی الامکان اجنبی مردوں سے دل سے دل ملائے بات نہیں کرتیں اور نہ اُن کے قلبی میلان کو اپنی جانب جذب کرتیں۔

علماء ربّانین نے "فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

(۱) شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ لکھتے ہیں، تم دب کر بات نہ کرو۔

(۲) شاہ رفیع الدین صاحب محدثؒ لکھتے ہیں، بولنے میں مت نرمی کرو۔

(۳) حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں، بولنے میں نزاکت نہ کرو۔

(۴) مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں، نرم و دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔

(۵) سیدنا ابن عباسؓ سے منقول ہے، اجنبی سے بات کرنے میں قریب نہ ہوں۔ (الدُّر المنثور)

تعبیرات کے اختلاف کے باوجود سب کا ایک ہی مفہوم ہے کہ عورت کو ضرورت کے وقت اجنبی مردوں سے سیدھا سادا کلام کرنا اور پھر علیحدہ ہوجانا چاہیئے۔

لیکن شاہ عبد القادر صاحب محدثؒ نے آیت کے مفہوم کو جس عبارت سے ادا کیا ہے وہ تعبیر کا اعلیٰ ترین عنوان ہے اور اللہ کی مُراد سے قریب تر بھی، لکھتے ہیں۔

"عورتوں کو یہ ادب سکھایا کہ کسی اجنبی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں اپنے بیٹے کو، اور بات بھی بھلی و معقول ہو۔
(موضح القرآن)

تفسیر ماجدی کے مفسّر لکھتے ہیں کہ مضبوط اور شریفانہ لہجہ اور بے دل شکن

اور، دل آزار لہجہ اور۔ (پہلا لہجہ پسندیدہ ہے اور دوسرا ناپسند و مردود)

سُلوک :۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے جیسے فتنے سے بچنا ضروری ہے ایسے ہی فتنے کے اسباب سے بھی بچنا ضروری ہے اگرچہ اسباب بعید ہی کیوں نہ ہو، خاص طور پر اجنبی عورتوں سے سلام وکلام میں خلاملا رکھنا نہایت سنگین معاملہ ہے۔

اجنبی عورتوں سے سلام کلام کرنا، میل ملاقات رکھنا، بے تکلّف ہو جانا انھیں دیکھنا اور تاکنا، ان کے قریب ہونا، انکا حُسن وجمال بیان کرنا، اُن کو بے پردہ کر دینا، اُن کے خیال وتصور سے لطف اندوز ہونا وغیرہ وغیرہ، یہ سب فتنے کے اسباب ہیں جن سے پرہیز کرنا ضروری ہوا کرتا ہے۔

ملحوظہ :۔ فتنے کے مذکورہ اسباب سے جہاں مردوں کو پرہیز کرنا ضروری ہے عورتوں کے لئے بھی یہی ہدایت ہے کہ وہ بھی ان اسباب سے دُور رہیں فساد ہر دو جانب سے پیش آتا ہے۔

(۶۱۰) وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۳۳)

ترجمہ :۔ اور اپنے گھروں میں قرار رکھو اور جاہلیت قدیمہ کی طرح اپنے آپکو دکھاتی نہ پھرو اور نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو۔

تفسیر :۔ زمانۂ جاہلیّت (اسلام سے پہلے) بھی عورتیں بناؤ سنگار کر کے باہر نکلا کرتی تھیں اور اپنی زیبائش وآرائش سے عام مردوں کو دعوتِ نظارہ دیا کرتی تھیں۔

لیکن آج عام مسلمانوں کی عورتیں بھی اس روش پر آگئی ہیں، اس بداخلاقی

و بے حیائی کا طریقہ اسلام کیونکر پسند کر سکتا ہے جبکہ اسکی ساری تعلیمات عفّت و شرافت تہذیب و اخلاق پر قائم ہیں اس لئے اسلام نے اُس بے حیائی کا دروازہ بند کر دیا اور عورتوں کو گھروں میں زیادہ وقت گزارنے کا حکم دیا، مرد بیرون خانہ کا محافظ ہے تو عورت اندرون خانہ کی ذمّہ دار، انسانی زندگی کے صرف دو گھر ہیں، اندرون خانہ بیرون خانہ۔

سُلوک :۔ تفسیر ماجدی کے مفسّر لکھتے ہیں کہ آیت میں مذکورہ احکام کی ترتیب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی حیا داری اور عزّتِ نفس کا تاکیدی حکم، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اس ترتیب سے پردہ داری اور حیا داری کا حکم کسقدر اہم اور قابل توجہ ہو جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا سَدِّدْ خُطَانَا۔

ملحوظہ :۔ فقیہہ کبیر قاضی ابوبکر عبد اللہ بن العربی اُندلسی (متوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی سیر و سیاحت میں کوئی ایک ہزار شہر و بستیاں دیکھی ہیں، شہر نابُلس (فلسطین شمالی) کی عورتوں سے بڑھکر اور کہیں کی عورتوں کو پاکدامن نہیں پایا، اس شہر میں کئی ماہ قیام کیا شہر و بازاروں میں انھیں کبھی چلتا پھرتا نہیں دیکھا صرف جمعہ کے دن نماز کے لئے نکلتی تھیں پھر نماز ادا کر کے اپنے گھروں میں داخل ہو جاتیں۔

پردہ داری اور باعصمتی کی یہ کیفیت مسجد اقصیٰ (فلسطین) کی معتکف عورتوں میں بھی پائی ہے، ورنہ اور مقامات میں جہاں جہاں عورتوں کو بے پردہ چلتے پھرتے دیکھا ان کو طرح طرح کی بُرائیوں اور فتنوں میں ہی دیکھا ہے۔ (ابن العربی)

راقم الحروف کہتا ہے یہ حال ۵۴۲ھ یعنی آج سے ساڑھے آٹھ سو سال پہلے کا ہے لیکن آج ۱۴۱۷ھ م ۱۹۹۶ء کوئی غیرت مند مسلمان قاہرہ، اسکندریہ، تہران،

انقرہ، بغداد، کوفہ، بصرای، دمشق، کراچی، لاہور، ڈھاکہ، دہلی، لکھنو، بمبئی میں کھلی بے حیائی دیکھنے کی کیونکر تاب لاسکتا ہے؟ فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔

(۶۱۱) وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۳۷)

ترجمہ:- اور آپ اُس وقت کو بھی یاد کیجئے جب آپ اُس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی فضل کیا ہے اور آپ نے بھی اپنی عنایت کی ہے کہ اپنی بیوی (زینبؓ) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر، آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں کی طرف سے اندیشہ کر رہے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اُس سے ڈرا جائے۔ الخ

تفسیر:- مذکورہ آیت ایک خاص واقعہ پر نازل ہوئی تھی وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو اپنا منھ بولا بیٹا بنا لیا تھا جو ایک زمانے میں ایک نصرانی کی غلامی میں آچکے تھے یہ آپکے چہیتے تھے یہاں تک کہ ایک مدت تک عوام میں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے پکارے بھی جاتے تھے پھر آپؐ نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینبؓ سے کرنا چاہا جو قریشی خاندان کی تھیں لیکن خود زینبؓ اور اُن کے بھائی نے اس رشتہ کو پسند نہ کیا تھا اس پر وہ آیت نازل ہوئی جس میں دھمکی دی گئی کہ اللہ و رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور مومن عورت کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں۔

(احزاب آیت ۳۶)

بالآخر حضرت زیدؓ کا نکاح سیدہ زینبؓ سے ہوگیا لیکن مزاج میں اتحاد و توافق نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اختلاف رہا کرتا تھا آخر حضرت زیدؓ نے

طلاق دینے کا ارادہ کر لیا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی فہمائش کرتے کہ طلاق نہ دو صبر کرو پھر اس درمیان میں وحی الٰہی نے آپ کو اطلاع دی کہ زیدؓ بہر حال طلاق دے دیں گے اس کے بعد زینبؓ کا نکاح آپؐ سے کر دیا جائے گا بلکہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔

اس کے باوجود حضرت زیدؓ کے اصرار اور تقاضہ پر آپ یہی فرمایا کرتے تھے کہ طلاق نہ دو صبر کرتے رہو۔

آپؐ کو یہ اندیشہ ہوا کرتا تھا کہ سیّدہ زینبؓ اگر میرے نکاح میں آگئیں تو عام لوگوں میں خاص طور پر کافروں و مشرکوں میں یہ شکوک و شبہات پیدا ہونگے کہ نبی نے اپنے منھ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا جبکہ ایسا نکاح اُس دور میں معیوب سمجھا جاتا تھا اُدھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ یہ بدرسم ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائے، تو فہمائش کی گئی کہ آپ کو عوام کی ایسی خیالی باتوں کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے اندیشہ صرف اللہ سے کرنا چاہئے اس معاملہ میں بھی ہر معاملہ کی طرح آپ کا ظاہر و باطن یکساں رہنا چاہئے۔

اور لوگوں کے طعن و اعتراض کا خیال نہ کرنا چاہیے اسی بات کو آیت میں کہا گیا کہ آپ ایک بات کو دل میں چھپائے ہوئے تھے (کہ زینبؓ سے نکاح ہوگا) اللہ اسکو ظاہر کرنا چاہتا تھا، آپ لوگوں سے اندیشہ کر رہے تھے۔

سُلوکؔ:۔ حکیم الامّتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جس کام میں کوئی دینی و اسلامی مصلحت ہو جیسا کہ مذکورہ واقعہ میں مصلحت تھی ایسے امور میں عوام کی ملامت اور طعن کی پروا نہ کرنی چاہیے اور اُس کو ظاہر کر دینا چاہیے، البتہ جس کام میں عام مسلمانوں کے لئے کوئی مفسدہ و مضرت ہو تو اس میں احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے۔ جیسا کہ حطیم کعبہ کی تعمیر میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحوظ رکھا تھا۔
(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ دیکھئے)۔

(۶۱۲) يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الّٰتِيٓ آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۵۰)

ترجمہ:۔ اے نبی ہم نے آپکے لئے آپ کی یہ بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ اُن کے مہر دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپکی ملکیت ہیں جنھیں اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں دلوایا ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحی احکامات ہیں جس میں اُمت کے افراد شریک نہیں ہیں، یہ خصوصی احکام آپ کی ذاتِ اقدس کی حد تک مخصوص ہیں اور اس کی وجہ قرآن حکیم نے یہ بتائی ہے کہ آپ کے مقاصد پیغمبرانہ اور تقاضوں اور ذمہ داریوں کے پیش نظر یہ احکام آپ کو دیئے گئے ہیں تاکہ کار نبوت کی تکمیل میں آپ کو حرج کا سبب نہ بنیں وہ مخصوص احکام یہ ہیں۔

(۱) ازواج کے انتخاب میں آپ پر کوئی تحدید نہیں (وفات تک آپکی نو بیویاں باحیات تھیں)

(۲) خاندان کی اُنہی عورتوں سے آپ کا نکاح درست تھا جنھوں نے آپ کے ساتھ مکۃ المکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔

(۳) غیر خاندان کی عورتوں میں صرف مومنہ مسلم خاتون ہونا کافی تھا۔

(۴) وہ خواتین جو آپ کو مالِ غنیمت میں ملی تھیں انمیں مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ اپنے لئے انتخاب کرسکتے تھے۔

(۵) ایسی خواتین بھی آپکے لئے حلال تھیں جو بغیر مہر آپکے نکاح میں آجاتی ہوں۔

(۶) کتابیہ (یہودیہ، نصرانیہ) سے آپ کا نکاح حلال نہ تھا۔
(۷) بیویوں میں شب گزاری و دیگر معاملات میں آپ پر مساوات کرنا واجب نہ تھا۔ (اگرچہ آپؐ عدل برقرار رکھا کرتے تھے)
(۸) موجودہ ازواج کو علیحدہ کرکے دوسری ازواج کا اختیار کرنا درست نہ تھا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ تعدد ازواج (مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ) دُو دُو، تین تین، چار چار بیویاں رکھنا کمال زہد و قناعت کے خلاف نہیں۔

(۶۱۳) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ الآیۃ (احزاب آیت ۵۹)

ترجمہ:۔ اے نبی آپؐ کہدیں اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو کہ وہ نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں، اس سے جلد پہچان ہوجایا کرے گی اور انھیں ستایا نہ جائے گا۔

تفسیر:۔ اگر کسی ضرورت سے عورتوں کو باہر نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور اپنا چہرہ چھپا لیا کریں، جیسا کہ سورہ نور آیت ۳۱ میں وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ الآیۃ زینت کی قید آئی ہے یعنی اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، زینت میں اگر چہرہ اور سر شامل نہ ہو تو پھر عورت کی کوئی زینت، زینت ہی نہ ہوگی۔ بے چہرے کی عورت میں کیا زینت ہوگی؟ بلکہ ایسی بے سر عورت کو دیکھ کر خود اس کے عاشق بھاگ کھڑے ہوں گے لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ باہر نکلنے کی صورت میں اپنے سر و چہرے پر نقاب ڈال لیا کریں۔

جلباب چادر، اُوڑھنی، بُرقعہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے، مقصود یہ ہے کہ عورت بے پردہ نہ ہو، اس ہیئت و لباس سے ہر شخص کو پہلی نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف و حیادار خاندانی عورت ہے، بازاری قسم یا بیباک و چنچل قسم کی نہیں، اس سے راہ کے بدمعاشوں، اوباشوں کو چھیڑ چھاڑ کرنیکی ہمت نہ ہوگی۔ اس طرح وہ اپنی جان و مال عزت و آبرو سے حتی الامکان محفوظ ہو جائیگی۔

عورت کی عصمت و عفت کے تحفظ میں اسکی وضع قطع، چال ڈھال، لباس کے وقار کو بڑا دخل ہوا کرتا ہے، جو عورت اپنی وضع قطع و رفتار و گفتار سے آوارہ معلوم ہوتی ہے اسکو دیکھکر صرف اچکوں، لفنگوں، بدمعاشوں کو نہیں اچھے خاصے شریف لوگوں کے دلوں میں بھی گُدگُدی پیدا ہونے لگتی ہے۔

یہ ناپاک جذبہ کون غیرت مند مسلمان برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی بیوی بیٹی، ماں بہن کے لئے راہ کے چلتے انسانوں کے دلوں میں پیدا ہو؟

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ لباس میں وقار و تمکنت اور بھاری پن ہونا بُرا نہیں۔ (جیسا کہ بعض مشائخ عمدہ و نفیس لباس استعمال کرتے ہیں البتہ نام و نمود شان و شوکت مقصود نہ ہو ورنہ قیامت کے دن یہی ذلت کا لباس ثابت ہوگا۔)

(۲۱۴) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ الاٰیۃ (احزاب آیت ۷۰)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کرو اللہ تمہارے اعمال درست کر دیگا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا۔

تفسیر:۔ انسان کی عادت اگر صحیح و سچی و پکی بات کرنے کی ہو جائے تو

اس کی برکت سے اس کے دوسرے سارے اعمال درست اور استوار ہو جاتے ہیں یہ ایک پوشیدہ حقیقت تھی جس کو اللہ کے کلام نے ظاہر کر دیا ہے۔

اہلِ علم لکھتے ہیں کہ ایمان کی اساس میں اکلِ حلال اور صدقِ مقال اہم ترین خصلت ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کیا مومن زنا کر سکتا ہے؟

فرمایا کیوں نہیں۔

پھر پوچھا گیا کیا چوری کر سکتا ہے؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ بھی کر سکتا ہے۔

دریافت کیا گیا کیا مومن جھوٹ کہہ سکتا ہے؟

ارشاد فرمایا نہیں۔ (الحدیث)

بہرحال آیت میں اللہ کا یہ وعدہ ملتا ہے کہ سچ بولنے پر دیگر اعمال کی درستگی بھی کر دی جاتی ہے اور باقی جو رہ گئے اللہ اُن کی مغفرت کر دیگا۔

سلوک:۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ وعدہ الٰہی میں تخلّف نہیں ہوتا (یعنی جھوٹ کا امکان نہیں) (قرطبی) لہٰذا صدقِ کلامی دیگر اعمال کی اصلاح کے لئے اکسیر ثابت ہوتی ہے۔

حکیم الامت ؒ لکھتے ہیں جیسا کہ صدق بیانی اور تقویٰ دیگر اعمال کی درستگی کا ذریعہ ہیں اس لئے مشائخ حضرات بعض اوقات اپنے مریدوں کو ایک عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں مگر مقصود اس سے کسی دوسرے عمل کی اصلاح کرنی ہوتی ہے۔ (جیسے اذکارِ مخصوصہ و اعمالِ زائدہ و مراقبات سرّیہ وغیرہ) یہ ان کی اپنی فراست و ذکاوت ہے۔

(۶۱۵) إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا. الآیۃ

(الاحزاب آیت ۷۲)

ترجمہ:۔ ہم نے دکھائی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو تو کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسکو اٹھالیا بیشک وہ بڑا بے ترس نادان ہے۔

تفسیر:۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدّث لکھتے ہیں کہ اپنی جان پر ترس نہ کھایا کہ امانت کیا ہے پرائی چیز رکھ لیا اپنی خواہش کو روک کر۔ (موضح القرآن)

امانت کیا تھی؟ مفسرین نے اس ایک حقیقت کو کئی تعبیرات سے ادا کیا ہے مقصود سب کا ایک ہی ہے یعنی "شریعت اور اس کی ذمہ داری" اور اسکو پورا کرنا۔ (قرطبی)

مطلب یہ ہوا کہ انسان کے سوا باقی قوی سے قوی تر مخلوق نے اس ذمہ داری کو برداشت نہ کیا اور ڈر گئے کہ یہ کیونکر پوری ہو گی ان کا یہ قبول نہ کرنا بغاوت و سرکشی کی بنا پر نہ تھا بلکہ خشیت الٰہی اس کا سبب تھی۔

امام حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ساتوں آسمان اور عرش عظیم سے خطاب ہوا کہ تم یہ امانت اور جو کچھ اسمیں ہے قبول کرو گے؟

عرض کیا اس میں کیا ہے؟

ارشاد ہوا کہ نیکی پر اجر و ثواب اور بدی پر مؤاخذہ و عذاب۔

اس پر سب نے معذرت کر دی پھر ساتوں زمین اور پہاڑوں سے خطاب کیا انھوں بھی وہی جواب دیا۔

ابن جریجؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ معاملہ تین دن تک پیش ہوتا رہا لیکن ساری مخلوق نے خشیت وہیبت الٰہی سے عذر کردیا کہ پروردگا ہم تو فقط تابع وحکمبردار ہیں عذاب وثواب کی ہمّت نہیں رکھتے۔ (ابن کثیر)

کائنات کی ساری مخلوقات میں صرف حضرت انسان نے اس امانت کو قبول کرلیا، اور پھر اللہ کی مرضیات واحکامات کا پابند بھی یہی ٹھیرا۔

تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی محدّثؒ کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر امانت پیش کرنے کے بعد حضرت آدم علیہ السّلام پر یہ امانت پیش کی گئی جس کو انھوں نے فوراً قبول کرلیا۔

لکھتے ہیں کہ بارِ امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گزرا تھا جتنا ظہر وعصر کے درمیان ہوتا ہے کہ ابلیس مردود نے سیّدنا آدم علیہ السّلام کو اس مشہور لغزش میں مبتلا کردیا جس کے بعد سیّدنا آدم علیہ السّلام کا جنّت سے اخراج عمل میں آیا۔ (قرطبی)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرضِ امانت کا یہ واقعہ آسمانوں پر پیش آیا اور قبول کرنے والے سیّدنا آدم علیہ السّلام تھے جو نسل انسانی کے نقطۂ آغاز ہیں۔ فصلوٰتُ رَبّی وسلامُہٗ عَلَیہ۔ وَاللہُ اَعلم وَعِلمہٗ اتم۔

سُلوک:۔ کائنات میں انسان کی فضیلت اسی لئے ہوئی کہ اس نے "امانت" کو قبول کرلیا۔

بیعت میں اپنے شیخ سے جو اطاعت کا اقرار کیا جاتا ہے وہ بھی امانت کی ایک قسم ہے جس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔
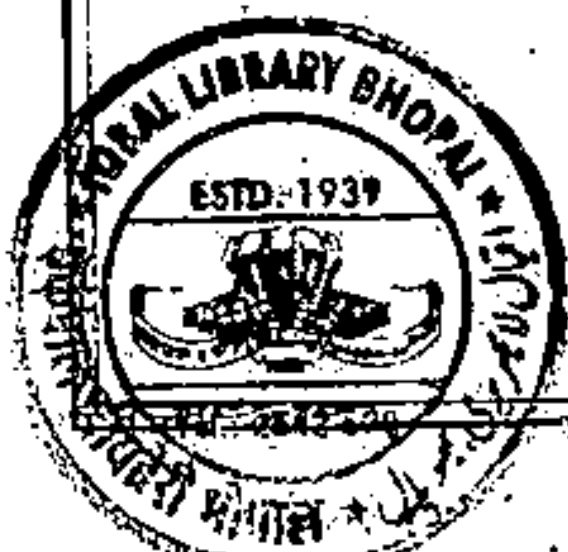
سورۃ السبا پارہ ۲۲

(۶۱۶) وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ - الآیۃ (سبا آیت ۱۰)

ترجمہ:- اور یقیناً ہم نے داؤد (علیہ السّلام) کو بڑی فضیلت دی تھی، اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم تھا) داؤد (علیہ السّلام) کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا تھا کہ وہ بنائے کشادہ زرہیں (جنگی آہنی لباس) اور یہ کہ (لباس کے) کڑیوں کے جوڑ میں مناسب انداز رکھیں اور سب کام ٹھیک کیا کریں میں تمہارے سارے اعمال کو دیکھ رہا ہوں۔

تفسیر:- سیّدنا داؤد علیہ السّلام کبھی کبھی جنگل کی طرف نکل جاتے تو اللہ کی یاد اور خوف الٰہی سے روتے ہوئے تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو جاتے اللہ نے آواز بھی ایسی پرکشش و دلبری قسم کی دی تھی کہ قریب کے چرند و پرند حتّٰی کہ درخت و پہاڑ بھی ان کی تسبیح میں شریک ہو جاتے اللہ کے ذکر سے جنگل گونج اٹھتا تھا۔

روایات حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہی تسبیح دریا کے کنارے کی جاتی تو بہتا پانی ٹھہر جاتا تھا صوت داؤدی اللہ کی ایک خاص عطا و بخشش تھی جو انھیں دی گئی۔

اسی طرح ایک دوسرا فضل یہ بھی تھا کہ لوہے اور فولاد کو جب وہ اپنے ہاتھ میں

لیتے وہ موم کی طرح نرم وگداز ہو جاتا، پھر جنگی آلات و جنگی لباس جس قسم کے چاہتے بنا لیتے تھے۔

علاوہ ازیں اسی دستکاری کو فروخت کر کے اپنی اور اہل و عیال کی روزی کا بھی انتظام کرتے تھے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کارِ نبوت و رسالت کی انجام دہی کے علاوہ حکومت وسلطنت کے امور کی دیکھ بھال بھی انجام دیتے تھے، اپنی معاش زرہ سازی پر رکھی تھی بیت المال سے روزینہ نہیں لیا کرتے تھے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے تین مسئلے اخذ کئے ہیں۔

(۱) خرقِ عادت کا ثبوت۔ (۲) دستکاری سے کمانے کی فضیلت۔ (۳) ہر کام میں اعتدال کی رعایت رکھنا۔

(۶۱۷) وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ

الآیۃ (سبا آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ اور جنات میں کچھ وہ تھے جو اُن کے آگے اُن کے پروردگار کے حکم سے کام کرتے تھے۔

تفسیر:۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کو جہاں بیشمار فضیلتیں حاصل تھیں اُن میں تسخیر جنات کی دولت بھی نصیب تھی جنات کی ایک بڑی تعداد ہر وقت اُن کی خدمت میں حاضر باش رہا کرتی تھی سیدنا داؤد علیہ السلام ان سے ایسے بڑے بڑے کام لیا کرتے جو انسانی طاقت سے بالاتر ہوا کرتے تھے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا کہ تسخیر جنات اگر کسی عمل و رمل کی وجہ سے نہ ہو بلکہ منجانب اللہ نصیب ہو تو یہ عبدیت کیخلاف نہیں۔ (بزرگوں نے جنات سے کام لیا ہے)

(۶۱۸) فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ۔
الآیۃ (سبا آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ سو انھوں نے سرکشی کی پھر ہم نے اُن پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا۔
تفسیر:۔ یعنی شہر والے کفر و شرک میں پڑ گئے اور نصیحت کرنے والوں کی پروا نہ کی، پانی کے جس بند سے ملک اور اہلِ ملک کی حیات وابستہ تھی وہی موت و ہلاکت کا سبب بنا۔

آیت میں ملک سبا کا تذکرہ ہے یہ ملک عرب کے جنوب میں واقع تھا جو آج علاقہ یمن کہلاتا ہے، نہایت سرسبز و شاداب زرخیز علاقہ تھا اس کا پایۂ تخت شہر مآرب جو موجودہ شہر صنعاء سے قریب ساٹھ میل مشرق میں واقع تھا اس شہر کے دائیں بائیں باغات کا طویل و عریض سلسلہ میلوں تک چلا گیا تھا پورا شہر باغ ہی باغ نظر آتا تھا، صدیوں تک اس پر قوم سبا کی حکمرانی رہی ہے۔ عہد سلیمانی میں تاریخ قدیم کی مشہور زمانہ ملکہ سبا (بلقیس نے) بھی اس ملک پر بڑی طمطراق سے حکومت کی ہے۔

اس ملک کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ ملک میں پانی کے بڑے بڑے بند تعمیر کئے جاتے تھے جو ہر موسم میں پانی سے لبریز رہا کرتے تھے، ملک کی دولت و ثروت اور عیش و عشرت کے قصے ملک فارس و روم کے ایوانوں میں بڑی حسرت و تعجب سے سنے جاتے تھے۔

پانی کے ان ذخائر میں سب سے بڑا عظیم الشان بند "سدِ مآرب" تھا جو دو بلند پہاڑوں کے درمیان ۸۰۰ قبل مسیح تیار کیا گیا تھا یہ بند ملک کی تین سو مربع میل زمین کو سیراب کرتا تھا خوشحالی و فراخی کا یہ حال تھا کہ ملک میں کوئی فقیر یا محتاج نہ تھا۔

روایات میں آیا ہے کہ اس قوم کی طرف تیرہ۱۳ نبی روانہ کئے گئے تھے لیکن قوم نے ایک کی بھی بات نہ مانی، بالآخر اللہ کے قانونِ مکافات سے دوچار ہو گئے، نعمتیں، زحمتوں وعذاب میں تبدیل ہو گئیں، وہی آبِ حیات، ہلاک وممات ثابت ہوا، سدِّ مآرب کو اللہ نے توڑ دیا سارا شہر غرقِ آب ہو گیا۔

(عہدِ قدیم کا یہ نادرالوجود حادثہ "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ پر مطالعہ کیجئے)

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت نے واقعہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ طاعت کو دنیوی نعمتوں کے حصول اور معصیت کو اُس کے زوال میں دخل ہوا کرتا ہے۔

(یعنی طاعت وعبادات سے جیسے دنیوی نعمتیں ملتی ہیں، گناہوں ونافرمانیوں سے نعمتوں کا زوال بھی ہو جاتا ہے)

(۶۱۹) وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ ۔ الآیۃ۔

(سبا آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ اور نہ اُس کے حضور میں کوئی سفارش کام آتی ہے البتہ اُسکے حق میں جس کے لئے اللہ اجازت دیدے یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا ارشاد فرمایا؟ وہ کہتے ہیں حق بات ہی کا حکم فرمایا ہے۔ اور واقعی وہ ذات عالیشان سب سے بڑی ہے۔

تفسیر:۔ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کا تذکرہ ہے جو اللہ کی بارگاہ میں

ہمہ وقت حاضر باش ہیں، جب اُنپر اوپر سے اللہ کا کوئی حکم نازل ہوتا ہے تو ان کے مجمع میں ہلچل پڑجاتی ہے اور وہ سب حواس باختہ ہوکر خوف وعظمت میں تھرّا جاتے ہیں اور تسبیح پڑھتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ پھر جب یہ عظمت وجلالی حالت ختم ہوتی ہے تو اپنی فہم ویادداشت پر اعتماد نہیں کرتے گھبراکر ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگتے ہیں کہ اللہ رَبُّ العزّت کا کیا حکم نازل ہوا؟ اُوپر والے فرشتے نیچے درجے کے فرشتوں کو درجہ بدرجہ جواب دیتے ہیں کہ حق بات ہی نازل ہوئی ہے، یہ اللہ کی عظمت وکبریائی کا تذکرہ ہے۔

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ مشرکین وکافرین نے اپنی شفاعت ونجات کے لئے سینکڑوں بُت اس لئے تراش لئے تھے کہ وہ اُن کے لئے نجات کی سفارش کریں گے اور اللہ بہر حال اِنکی سفارش ضرور قبول کرلیگا۔

لیکن آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جب مقرّبانِ بارگاہ الٰہی کا اللہ کے حضور یہ حال ہے تو بھلا ان مُردہ بے حس وبے جان پتھروں کا کیا اختیار ہوگا کہ اللہ کے حضور سفارش کریں اور کلام کریں؟

سُلوک:۔ حکیم الامّت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کبھی خوف وہیبت اس حد تک طاری ہوجاتی ہے کہ عقل وفہم معطّل ہوجائیں ایسے وقت انسان کو معذور قرار دینا پڑتا ہے جیسا کہ بعض اہل حال بزرگوں کو معذور سمجھا گیا ہے (یعنی اُنپر کوئی شرعی حکم جاری نہیں کیا گیا)۔

سُوْرَۃ فَاطِر پارہ ۲۲

(۶۲۰) وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۔ الآیۃ (الفاطر آیت ۴)

ترجمہ:۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں۔

تفسیر:۔ زمانۂ قدیم میں نبیوں کو جھٹلانے اور اُن کو ستانے کا عام مرض تھا یہ کوئی عجیب و اتفاقی بات نہ تھی مشرک قوموں کا مزاج ہی کچھ ایسا ہوا کرتا ہے کہ وہ حق کو دیکھنے، سننے، غور و فکر کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے صرف آباء پرستی ہی انکا دین و ایمان ہوا کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی قوم سے یہی مکروہ صورت پیش آئی تھی آپکو انبیاء سابقین کی سیرت سے تسلّی دی گئی کہ انھیں بھی بہت ستایا گیا بعضوں کو زندہ دفن کر دیا گیا، لیکن ان عظیم انبیاء نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔

سلوک:۔ تفسیر روح المعانی کے مفسّر لکھتے ہیں آیت میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی آپ کے وارثوں اور نائبوں کیلئے بھی اسمیں تسلی ہے کہ وہ بھی مخالفوں کی ایذاؤں پر صبر کریں۔

(۶۲۱) فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔ الآیۃ (الفاطر آیت ۸)

ترجمہ :۔ لہٰذا اُن پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔
تفسیر :۔ یعنی مشرکین کو اتنا سمجھانے اور منانے کے بعد بھی یہ آپؐ کو جھٹلاتے رہیں تو اس پر غم و افسوس نہ کیجئے آخرت میں بہت جلد فیصلہ ہو جائیگا آپؐ اپنی جان کو دُکھ میں نہ ڈالیں۔
سلوک :۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں انسانوں کی ہدایت و خیر خواہی کا کسقدر درد تھا اور انکی خیر خواہی میں کسقدر بیقرار ہو جایا کرتے تھے کہ جان نکلنا باقی رہ جائے۔

فصلوات ربّی وسلامہٗ علیہ۔

(۶۲۲) اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا الآیۃ

(الفاطر آیت ۲۸)

ترجمہ :۔ اللہ سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔
تفسیر :۔ علماء سے اصطلاحی علماء مُراد نہیں ہیں کہ فلاں فلاں کتابیں پڑھ چکے ہوں یا فلاں فلاں سند رکھتے ہوں بلکہ وہ اشخاص مراد ہیں جو اللہ اور اُس کی مرضیات کا علم رکھتے ہیں اور اُن کا عمل بھی اُسی علم کے مطابق ہوتا ہے۔ (رُوح المعانی)
شاہ عبد القادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں سب آدمی ڈرنے والے نہیں ہوتے، اللہ سے ڈرنا علم والوں کی صفت ہے۔
سلوک :۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت سے علم اور اہل علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی خشیت اور تقویٰ علم کی راہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (جصاص)
حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ عظمتِ الٰہی کا علم اگر اعتقادی ہو تو اُس سے

اعتقادی خشیت پیدا ہوتی ہے اور اگر حالی ہو تو اُس سے خشیت حالی (عملی) پیدا ہوتی ہے۔

(لہٰذا کامل خشیت الٰہی اُسوقت حاصل ہوگی جبکہ عظمتِ الٰہی کا علم اعتقادی اور حالی دونوں طریقوں سے ہو ایسی کیفیت صرف علماء راسخین ہی کو نصیب ہوتی ہے)

(۶۲۳) ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ الآیۃ (الفاطر آیت ۳۲)

ترجمہ:۔ پھر ہم نے یہ کتاب (قرآن حکیم) ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچائی جنکو ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا ہے۔

تفسیر:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے قرآن حکیم کی امانت اُمّت محمدیہ کے ہاتھوں میں آئی اور آیت سے یہ معلوم ہوا کہ یہی اُمت دنیا کی ساری ملتوں میں اللہ کی پسند کردہ ملّت ہے (ابن کثیر)

سُلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ نے لکھا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اعمال میں کوتاہی کرنے والے ہیں اس کے باوجود اللہ کا ساری اُمّتِ محمّدیہ کو اِصْطَفَیْنَا (ہم نے چُن لیا) کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ مطلق اِصْطِفَا ہر مومن کو حاصل ہے اسی کو ولایت عامّہ کہا جاتا ہے۔

(لہٰذا ہر مسلمان اپنے اپنے درجے میں ولی اللہ قرار پاتا ہے) اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ الآیۃ (بقرہ آیت ۲۵۷)

(۶۲۴) فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ۔ الآیۃ (الفاطر آیت ۳۲)

ترجمہ:۔ پھران میں بعض تو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض متوسط ہیں اور بعض اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کرتے ہیں یہ بہت ہی بڑا فضل ہے۔

تفسیر:۔ اللہ نے اپنی کتاب قرآن حکیم کی امانت جس اُمّت کو دی ہے (یعنی مسلمانوں کو) اُن میں عموماً تین طبقات ہیں۔

پہلا وہ طبقہ جو باوجود امانت کی ذمہ داری قبول کرنیکے گناہ کرکے اپنی جان پر ظلم کرلیتا ہے۔

دوسرا وہ جو درمیانی حالت میں رہتا ہے کبھی گناہ کرلیتا ہے اور کبھی نیکیاں بھی گویا اس کا خیر وشر مساوی مساوی ہے۔

تیسرا وہ طبقہ جو گناہوں سے بچتا بھی ہے اور طاعات وعبادات میں فرائض وواجبات کے علاوہ بہت کچھ نیکیاں کرتے رہتا ہے۔

ان تینوں طبقات کو قرآن حکیم نے ظَالِمٌ، مُقْتَصِدٌ، سَابِقٌ کہا ہے۔

امام رازیؒ نے ان تینوں طبقات کی اسطرح تشریح کی ہے۔ (تفسیر کبیر)

پہلا وہ طبقہ جس کا ظاہر خراب ہے اور باطن ٹھیک یہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ہیں۔

دوسرا وہ طبقہ جسکا ظاہر وباطن یکساں ہو یعنی جس کے خیر وشر مساوی مساوی ہوں یہ مُقْتَصِدٌ ہیں۔

تیسرا وہ طبقہ جس کے حسنات وخیرات زائد ہوں اور اس کا باطن ظاہر سے اچھا ہو یہ سَابِقٌ بِالْخَیْرَات ہیں۔

اُمت محمدیہ کے یہ تینوں طبقات جو حاملِ قرآن ہیں اہلِ جنّت ہونگے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جنّت کے درجات پائیں گے جو دنیا میں سابق بالخیرات تھے وہ آخرت میں بھی سابق ہوں گے، اور جو مُقْتَصِد تھے نجات یافتہ ہونگے

اور جو ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ تھے وہ مغفور و مرحوم ہوں گے۔

(قرطبی، ابن کثیر، رُوح المعانی)

سُلوک:۔ اُمُّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا اماں جان آیت کے اِن طبقات سے کون لوگ مُراد ہیں؟

فرمایا بیٹا یہ تینوں طبقات اہلِ جنت ہی کے ہیں۔

ان میں سَابِقٌ بِالْخَیْرَات وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گزر گئے۔

اور مُقْتَصِدٌ وہ اصحاب ہیں جو آپ کے بعد بھی آپ کی پیروی آخر دم تک کرتے رہے ہیں۔

اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ کا مصداق میں اور تم جیسے لوگ ہیں۔ (مُحدّث طیالسیؒ)

(۶۲۵) فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۝ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ۔ الآیۃ (الفاطر آیت ۴۲)

ترجمہ:۔ پھر جب ان کے پاس وہ ڈرانے والا آ ہی گیا تو بس اُن کی نفرت ہی کو ترقی ہو گئی زمین میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے۔

تفسیر:۔ آیت میں مشرکین عرب کا حال بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ یہود و نصاریٰ کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ تمہاری قوم میں سینکڑوں نبی آئے ہیں (حقیقت بھی یہی ہے کہ سارے انبیاء بنی اسرائیل سے تھے) لیکن تم نے اُن کی قدر نہ کی اگر ہماری قوم میں کوئی ایک نبی بھی آتا تو ہم اُسکی پوری پوری قدر کرتے۔

مذکورہ آیت میں اسی بات کا تذکرہ ہے، لیکن جب مکۃ المکرمہ میں انہی کی قوم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو سب سے پہلے انہی لوگوں نے مخالفت کی اور ان کی عداوت بڑھتی ہی چلی گئی۔

سُلوک :۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے صوفیہ کے اُس قول کی تائید ہوتی ہے جو وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ جس کی استعداد فاسد و خراب ہوتی ہے اُس کا مرض، وظائف و اشغال و اذکار سے اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگتا ہے۔

(آیت نے اِس کا مرض تکبّر قرار دیا ہے)

سُورۂ یٰسٓ پارہ ۲۲

(۶۲۶) اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ۔ الآیۃ

(یٰسین آیت ۱۱)

ترجمہ :۔ آپ تو بس اُسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور اللہ رحمٰن سے بے دیکھے خوف کرے، آپ اُس کو مغفرت اور عمدہ اجر کی خوشخبری سُنا دیجئے۔

تفسیر :۔ دعوت و تبلیغ کا نفع اُنہی لوگوں کو مِلتا ہے جو اچھی بات سننے اور اللہ سے خوف رکھنے والے ہیں جس کو اللہ کا خوف نہیں وہ نہ نصیحت کی پروا کرتا ہے اور نہ نصیحت کرنے والوں کی پروا، ہدایت و نصیحت انہی افراد کو ملتی ہے جو حق کے طالب ہوں اور آخرت کا خوف رکھتے ہوں۔

سُلوک :۔ حکیم الامت رحؒ نے فرمایا کہ تعلیم و تربیت پر جو نفع مرتّب ہوتا ہے وہ طالب (سالک) کی استعداد کا ظہور ہے (یعنی اُسکی قلبی صلاحیت کی علامت ہے)۔

حکیم الامت اس نکتہ پر متنبہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس نفع میں شیخ و مربی کی عطاو بخشش کا دخل نہیں ہوتا۔

(۶۲۷) اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ۔ الآیۃ (یٰسین آیت ۱۴)

ترجمہ:۔ جب ہم نے اُن کے پاس دو نبی بھیجے تو انھوں نے دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے نبی سے اُن دو کی تائید کی ان سب نے ملکر کہا کہ ہم تمہارے پاس اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔

تفسیر:۔ جس قوم کی طرف ان تینوں نبیوں کو روانہ کیا گیا تھا وہ شہر انطاکیہ (ملک شام) تھا جو اُس زمانے میں بُت پرستی کا مرکز شمار کیا جاتا تھا یہ زمانہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے کچھ پہلے کا ہے، اللہ نے اہل شہر کی اصلاح و تربیت کے لئے پہلے دو نبی روانہ کئے پھر اُن کی تائید کے لئے مزید ایک نبی روانہ کیا تینوں نے قوم سے کہا ہم اللہ کے رسول ہیں تمہاری اصلاح و تربیت کے لئے روانہ کئے گئے ہیں ہماری بات مانو تاکہ تم نجات پاؤ، لیکن شہر والوں نے تینوں کو جھٹلا دیا اور انھیں سنگسار کر دینے کی دھمکی دی۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے اس واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ اسمیں مشائخ کے اس عمل کی تائید ہے جو اپنے نائبین اور خلفاء کو دعوت و ارشاد کے لئے مختلف شہروں میں روانہ کرتے ہیں۔

(۶۲۸) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ الآیۃ (یٰسین آیت ۱۵)

ترجمہ:۔ انھوں نے کہا تم تو بس ہماری طرح معمولی آدمی ہو۔

تفسیر:۔ شہر انطاکیہ کے باشندوں کا تذکرہ ہے کہ جب اُن کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تین نبی پہنچے تو انھوں نے یہ کہہ کر انھیں جھٹلا دیا کہ تم ہماری طرح

ایک بشر معمولی آدمی ہو گیا اللہ کو کوئی اور معزز ہستی نہ ملی جس کے ذریعہ اپنا پیام پہنچاتا جاہلی دماغ ہمیشہ ایسا ہی سوچا کرتا ہے کہ بڑا عہدہ بڑے دولتمند کو ملنا چاہیئے، غریب غربا تو صرف اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہوا کرتے ہیں قدیم جاہلی قوموں کو نبیوں کی دعوت قبول کرنے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہی لگی تھی کہ نبی ورسول بشر نہیں ہو سکتا اس کو مظہر خدا یا اوتار یا دیوتاؤں کی اولاد ہونا چاہیئے۔

سلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے آیت سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ منتہی (کامل شخص) ظاہری احوال میں مبتدی (غیر کامل) کی طرح ہوتا ہے (لہٰذا اولیاء اللہ کو عوامی صورت و شکل میں دیکھکر ان کی بے قدری نہ کرنی چاہیئے یہ بڑی محرومی ہے)

ملحوظہ :۔ انسانِ کامل اور غیر کامل کی شناخت کے لئے مذکورہ مثال دونوں کا فرق واضح کرتی ہے۔

دو شخص جو دریا کے دونوں کنارے پر کھڑے ہیں یکساں حالت میں نظر آتے ہیں ایسا معلوم ہوتا کہ دونوں دریا پار کرنے کے لئے منتظر ہیں حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے پہلا شخص تو یقیناً ایسا ہی ہے اس نے ابھی تک دریا پار نہیں کیا لیکن دوسری جانب کھڑا شخص دریا پار کر چکا ہے اور اپنا مقصد پالیا ہے۔

یہی حال انبیاء کرام کا ہوا کرتا ہے وہ حق و صداقت پر فائز ہو چکے ہیں لیکن ظاہری شکل و صورت میں عام انسانوں کی طرح ہیں. قدیم جاہلی قوموں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا ورنہ انبیاء کرام کی ظاہری شکل و صورت دیکھکر دھوکہ نہ کھاتے ۔ ایسا ہی کچھ حال اولیاء اللہ کا ہوا کرتا ہے ختم نبوت کے بعد ایسے کاملین کے ساتھ بعض لوگوں نے وہی معاملہ کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(۶۲۹) قَالُوْۤا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ ۔ الآیۃ (یٰسین آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ وہ لوگ بولے ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آؤ تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

تفسیر:۔ سنگساری دنیا کی قدیم سلطنتوں اور تہذیبوں میں بکثرت رائج رہی ہے، قوم کے سرداروں نے اپنے ان خیر خواہوں کو اُن کی نصیحت و خیر خواہی سے باز نہ آنے پر سنگساری کی دھمکی دیدی اور اسکی وجہ یہ بیان کی کہ جب سے تم نے اپنی دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا ہے ہمارے ملک میں قحط سالی کا دور دورہ پڑ چکا ہے اور ہماری قوم میں پھوٹ پڑ چکی ہے یہ سب تمہاری نحوست کی وجہ سے ہوا ہے۔

سلوک:۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ جب قوم نے رسولوں کی تکذیب کی اور انھیں دھمکایا تو ملک پر قحط سالی اور مرض جُذام مُسلّط ہوا اور یہ مرض عام طور پر پھیل گیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ مقبولین (اہل اللہ) کے انکار کے وقت اللہ تعالیٰ کی یہی سنت رہی ہے کہ کوئی نہ کوئی مصیبت آ ہی جاتی ہے۔

(۶۳۰) قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۔ الآیۃ

ترجمہ:۔ اُن نبیوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی چپکی ہوئی ہے کیا نحوست یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔

تفسیر:۔ قوم کا یہ اعتراض کہ تمہاری نحوست سے قحط سالی اور امراض آئے ہیں ورنہ ہم خود خوشحال اور صحت مند تھے، نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری تکذیب و کفر

سے یہ عذاب آیا ہے نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں نصیحت سے تو خیر و برکات پیدا ہوتے ہیں تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟

سُلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ نبیوں کے جواب سے معلوم ہوتا کہ قوم کی استعداد فاسد و ناقص تھی تب ہی تو حق بات سمجھ نہ سکے۔ (رُوح المعانی)

(۶۳۱) وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔
الآیۃ (یٰسین آیت ۲۲)

ترجمہ :۔ اور میرے ہاں کونسا عذر ہے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سبکو اُسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

تفسیر :۔ شہر انطاکیہ کے باشندوں نے جب اُن خیر خواہ نبیوں کو سنگسار کر دینے کا فیصلہ کر لیا تو یہ بات عام ہو گئی شہر کے آخری کنارے ایک شخص حبیب نجارؒ نامی مخفی طور پر مسلمان ہو چکا تھا کفر و شرک کے شہر سے نکل کر عبادت الٰہی میں مشغول تھا جب اُس نے قوم کی یہ دھمکی سُنی تو دوڑتا ہوا شہر آیا اور قوم کو فہمائش کی کہ ان بے غرض خیر خواہوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو یہ لوگ تو تم سے کوئی معاوضہ بھی طلب نہیں کر رہے ہیں تو پھر ایسے مخلص و بے لوث بزرگوں کی بات کیوں نہیں سنتے اُس شخص نے یہ نصیحت خود اپنے اوپر رکھکر دوسروں کو سنانا شروع کیا کہ میں اُس ذات کی عبادت کیوں نہ کروں جسنے مجھے پیدا کیا ہے اور روزی بھی دی ہے پھر اسی کی طرف مجھکو لوٹ کر جانا بھی ہے۔ یہ اعلان شہر میں گھوم پھر کر کرنا شروع کیا لیکن قوم نے اُن نبیوں سے پہلے اسی مرد مجاہد کو بیدردی سے قتل کر دیا۔ قرآن حکیم یہ بات نقل کرتا ہے کہ اسکو موت کیسا تھ ہی جنت کا پروانہ دیدیا گیا اور فرشتوں کو حکم ملا کہ اسکو ابھی جنت میں داخل کر دو۔

سُلوک :۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ میں اپنے اوپر بات

رکھکر کلام کرنا "تلطّف" (لطیف حیلہ) کہلاتا ہے اور یہی طرز مخلص مصلحین کا ہوا کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس مردِ مجاہد نے جنّت میں پہنچکر بھی اپنی خیر خواہی کو باقی رکھا اور وہاں بھی حسرت کے لہجہ میں کہنے لگا، اے کاش میری قوم کو اس عالم جنّت کے اعزاز و تکریم اور غیر فانی نعمتوں کی حقیقت معلوم ہو جاتی تو وہ سب ایمان لے آتے۔

سچوں کی خیر خواہی عارضی اور فانی نہیں ہوتی، قرآن حکیم نے اس کی خیر خواہی کو نقل کر دیا۔

(۶۳۲) أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟ الشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔ الآیۃ (یٰسین آیت ۶۰)

ترجمہ:- اے اولادِ آدم کیا میں نے تم کو تاکید نہ کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔

تفسیر:- قیامت کے دن جب سب انسانوں کے فیصلے ہو جائیں گے تو اہل جہنم سے خطاب ہوگا، اے انسانوں کیا میں نے تم کو نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ تاکید نہ کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ لیکن تم نے اس کو نہ مانا اور شیطانی راستوں پر چلتے رہے اب رونے چلّانے سے کیا فائدہ؟ ہدایت کا وقت تو گزر گیا۔

آیت میں شیطان کی عبادت نہ کرنے کا عہد یاد دلایا جا رہا ہے، گمراہ قوموں نے شیطان کی اطاعت کی ہے لیکن اس عنوان کو لفظ عبادت سے ادا کیا گیا کیونکہ شیطان کی اطاعت، عبادت کی طرح سخت تر ہے۔ (روح المعانی، معالم التنزیل)

سلوک:- حکیم الامتؒ نے آیت کی اس تفسیر سے صوفیہ کے اُس قول کی تاویل کی ہے جس میں اُن لوگوں نے اپنے آپ کو یا کسی اور کو بُت پرست کہا ہے، صوفیہ کے ہاں بُت سے نفس اور خواہشات نفس مراد ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص نفس پرست یا نفس کا بندہ ہے۔
یہ مطلب نہیں کہ وہ واقع میں بُت پرست ہے، یہ تو صریح کفر و شرک والی بات ہے۔

(۶۳۳) فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۔ الآیۃ (یٰسین آیت ۷۶)

ترجمہ:- ان کی باتیں آپ کو غمزدہ نہ کردیں، ہم اُنکی چھپی و ظاہری باتیں سب جانتے ہیں۔

تفسیر:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر لوگ شاعر، ساحر، کاہن، مجنون وغیرہ کہا کرتے تھے جس سے آپؐ کو طبعی طور پر دُکھ و رنج ہوا کرتا تھا آپؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپؐ غمزدہ نہ ہوں یہ بے نصیب لوگ اللہ کی جناب میں اس سے بھی زیادہ بے ہودہ باتیں کہا کرتے ہیں تو اگر آپؐ کو شاعر ساحر کہدیں تو کیا تعجب ہے۔

سلوک:- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ کام کرنے والوں کو مخالفین کی باتوں کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ خود ان کا مناسب انتقام لے لیتے ہیں (خواہ مخواہ اپنے کام میں سُست نہ ہونا چاہیئے)

سورۃ الصّٰفّٰت پارہ ۲۳

(۶۳۴) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ۔ الآیۃ (الصافات آیت ۶۰-۶۱)

ترجمہ:۔ بیشک بہت بڑی کامیابی یہی ہے، ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔

تفسیر:۔ اوپر کی آیات میں جنّت کی نعمتیں حور وقصور، عیش وعشرت چین وسکون کا تذکرہ آیا ہے انہی نعمتوں کو حاصل کرنیکی ترغیب دی گئی ہے اسکو فوزعظیم (عظیم ترین کامیابی) قرار دیا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے آیت کے مضمون سے اُن جھوٹے مدّعیان تصوف کی مذمت کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جنّت کی کیا پرواہ حور وقصور سے کیا مطلب (ہم کو تو لقاء رب چاہیئے وبس۔)

البتہ جن مغلوب الحال بزرگوں سے اس قسم کی باتیں منقول ہیں وہ معذور ہیں، جنّت اور جنّت کی نعمتیں مطلوب ہیں جنکی ترغیب دی گئی ہے۔

(۶۳۵) وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ۔ الآیۃ

(الصّافات آیت ۷۶)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اُنکو اور اُن کے گھروالوں کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

تفسیر:۔ سیّدنا نوح علیہ السّلام کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنی قوم کو

نوسو پچاس سال تک تبلیغ کی لیکن قوم نے اس ساری مدت تک انہیں خوب ستایا بجز چند افراد کوئی ایمان نہ لائے آخر اللہ نے پانی کے عالمگیر طوفان سے قوم کو غرق کر دیا، سیدنا نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو جنکی تعداد اسی بیان کی جاتی ہے نجات دی پھر انھوں نے اس غم سے فلاح پائی جو صدیوں تک برداشت کر رہے تھے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ طبعی غم وحزن کمال کے خلاف نہیں کیونکہ طبعی تقاضے کاملین میں بھی رہتے ہیں، غم وحزن طبعی تقاضوں میں شامل ہیں، البتہ اس کے خلاف جو ثابت ہے وہ غلبہ حال ہے جس میں انسان معذور سمجھا جاتا ہے۔

(۶۳۶) وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا

الآیہ (الصّآفات آیت نمبر ۱۰۴، ۱۰۵)

ترجمہ:۔ اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔

تفسیر:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ذبح عظیم کا واقعہ ہے خواب میں اللہ نے حکم دیا کہ اپنے صاحبزادے اسمٰعیل کو اپنے ہاتھوں ذبح کریں دوسرے دن تعمیل حکم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کروٹ پر لٹا کر گلے پر چھری پھیر دی، خدائی انتظامات کے لئے اسباب کی ضرورت نہیں اسی لمحہ صاحبزادے اسمٰعیل کو ہٹا دیا گیا اور ایک دنبہ ذبح ہو گیا۔

(تفصیل کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ دیکھئے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عمل ذبح پر ندا آئی اے ابراہیمؑ تم نے خواب سچ کر دکھایا، یہ تمہارا بہت بڑا امتحان تھا ہم نے اس عمل کو ذبح عظیم قرار دیا ہے اور قیامت تک اس کی یادگار قائم کر دی ہے تم کو ہمارا اسلام ہو

ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بیشک آپ ہمارے مؤمن بندوں میں ہیں۔ ہم تم کو ایک اور صاحبزادے اسحٰق کی بشارت دیتے ہیں جو بلند نبیوں میں ہوں گے۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ صاحبزادے کو ذبح کرنیکا حکم بیداری میں بھی دیا جاسکتا تھا لیکن خواب میں حکم دیئے جانے کی غالباً یہ حکمت ہوگی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کی اطاعت خوب سے خوب تر ظاہر ہو چنانچہ آپنے خواب کو خیال یا وسوسہ نہ سمجھا اتنے بڑے کام پر آمادہ ہو گئے۔

ملحوظہ :۔ یہ واقعہ ہے کہ نبیوں کے خواب حقیقت ہوا کرتے ہیں انکی بیداری اور خوابی حالت احکام میں یکساں ہوا کرتی ہے اللہ کی طرف سے ان پر جو بھی حکم نازل ہوتا ہے وہ واجب العمل ہوا کرتا ہے وہ حکم خواہ بیداری میں نازل ہو یا خواب میں بہر صورت حقیقت ہی ہوا کرتی ہے۔

یہ مسئلہ خصوصیات نبوّت سے متعلق ہے (خواب کی حقیقت اور اُس کی شرعی حیثیت کے لئے "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صـ ۳۵۵ دیکھئے جو اس موضوع کی قرآنی تشریح ہے)

(۲۳۷) فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ

الآیۃ (الصّافات آیت ۸۸، ۸۹)

ترجمہ :۔ پھر ابراہیم (علیہ السّلام) نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا میں بیمار ہونے والا ہوں۔

تفسیر :۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کو کئی ایک آزمائشوں سے سابقہ پڑا ہے اور ہر امتحان میں کامیابی سے ہمکنار رہے ہیں انہی میں یہ واقعہ بھی ہے، قوم کے ایک سالانہ میلے کا وقت آگیا جو شرک کی قسم کا تھا اور بڑی دھوم دھام

سے منایا جاتا تھا اس قومی میلے میں شرکت کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے اصرار کیا گیا کہ بہر حال تم کو شرکت کرنی ہے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے انجانی حالت میں ستاروں کی طرف نظر کی پھر معاً فرمایا میں. بیمار ہونے والا ہوں "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" قوم جو ستارہ پرست تھی یہ سمجھی کہ ابراہیم کے بارے میں ستاروں کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے سرداروں نے معذور سمجھا اور انھیں چھوڑ کر میلے میں چلے گئے.

اس طرح سیّدنا ابراہیم علیہ السلام ایک شرکی عمل سے محفوظ ہو گئے.

قوم کے باہر نکل جانے کے بعد مرکزی بت خانے میں داخل ہوئے اور بتوں کا وہ حشر کیا جو بت شکنی کی تاریخ کا نادر الوجود واقعہ ہے.

سُلوک :- حکیمُ الامت نے آیت سے ثابت کیا ہے کہ دفع شر کیلئے حیلہ کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ دنیوی شر ہو یا دینی.

ملحوظہ :- حیلہ جس کو عربی اصطلاح میں توریہ کہا جاتا ہے ایسے کلام کو کہا جاتا ہے جس میں ذُو مفہوم پائے جاتے ہوں کہنے والا وہ مفہوم مُراد لیتا ہے جو سننے والا عموماً نہیں لیتا.

مثلاً کوئی اپنی بیوی کو دشمن کے کسی شر سے بچانے کیلئے کہدے کہ یہ میری بہن ہے تو ایسا کہنا درست ہے کیونکہ بہن جیسے حقیقی ہوا کرتی ہے دینی و اسلامی بہن بھی ہوتی ہے، لیکن سننے والا اس کو حقیقی بہن ہی خیال کریگا.

ایسے ذو معنیٰ کلام کو توریہ کہا جاتا ہے، صحیح غرض کے لئے ایسا کلام کیا جاتا ہے اسکو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا.

مذکورہ آیت میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اِنِّیْ سَقِیْمٌ فرمایا جس کے معنیٰ بیمار ہوں اور بیمار ہونے والا ہوں، دونوں ہو سکتے ہیں، سیّدنا ابراہیم علیہ السلام

نے دوسرے معنیٰ مراد لئے جبکہ قوم نے پہلا معنیٰ سمجھا۔

ایسے ہی جب بتوں کا یہ حشر دیکھکر سرداروں نے پوچھا، اے ابراہیم ہمارے بتوں کا یہ برا حال کس نے کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا "فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ" (اُن کے بڑے نے یہ حرکت کی)

بڑے سے مراد بڑا بُت اور خود سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ نبی قوم میں سب بڑا ہوتا ہے۔

(۶۳۸) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ۔ الآیۃ (الصّافات آیت ۸۱)

ترجمہ:۔ حقیقت میں یہ بڑا امتحان تھا۔

تفسیر:۔ یعنی خوابی حکم پر صاحبزادے کے حلق پر چھُری پھیر دینا کوئی آسان کام نہ تھا سخت دشوار امتحان تھا بڑے بڑے عزم و حوصلہ والوں کی برداشت بھی پارہ پارہ ہوجاتی ہے، لیکن سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام بلا تردّد کر گزرے۔

سلوک:۔ حکیم الامّت رح نے واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے کبھی خواص (اُونچے درجے والوں) کا بھی امتحان لیا جاتا ہے اس سے یہ شبہ نہ کرنا چاہئے کہ اللہ کے یہاں ان کی منزلت گر گئی تھی یا یہ قُربِ الٰہی سے دُور ہوگئے تھے (امتحان کی حکمت اللہ ہی کے علم میں ہوا کرتی ہے)

سورۃ صٓ پارہ ۲۳

(۶۳۹) ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُمْ فِيْ

شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۔ الآیۃ (صٓ آیت ۸)

ترجمہ:۔ توکیا ہم سب میں صرف اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے؟

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی ہی کی طرف سے شک میں پڑے ہوتے ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ میرا عذاب ابتک انھوں نے نہیں دیکھا۔

تفسیر:۔ قدیم قوموں کا یہ احمقانہ نظریہ کہ نبوّت ورسالت اہلِ دولت وثروت انسان کو ملنی چاہیئے۔ اہل مکہ کے مشرکین نے بھی اس مفروضہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اعتراض کیا کہ ایک یتیم ونادار انسان کو نبوّت کیونکر ملی جبکہ ہم میں بڑے دولتمند وعزّت والے موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس جہالت کی یہ وجہ بیان کی کہ یہ لوگ درحقیقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصی تکذیب نہیں کر رہے ہیں بلکہ وحی الٰہی کے مسئلہ میں بھٹک رہے ہیں کہ وحی ہم جیسے صاحب دولت وثروت اور قوم کے سرداروں پر اُترنی چاہیئے تھی یہ انکا اپنا زعم وپندار ہے جو انھیں کفر تک لے گیا۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت لکھتے ہیں کہ چونکہ اس نظریہ کا منشا کبر وتکبّر تھا تو آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبر ایسی بُری خصلت ہے کہ بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (جیسے کہ اہلِ مکہ کا کبر تھا)۔

(۶۴۵) اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۔

الآیۃ (صٓ آیت ۲۲)

ترجمہ:۔ اچانک داؤد (علیہ السّلام) کے پاس دونوں آگئے، داؤد (علیہ السلام) ان سے گھبرا گئے بولے آپ گھبرایئے نہیں ہم دونوں اہل مقدمہ ہیں ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے۔

تفسیر:۔ سیّدنا داؤد علیہ السّلام جس طرح اُولوا العزم نبی و رسول تھے اپنے زمانے کے حاکم اور بادشاہ بھی تھے رعایا میں دو شخص اپنا جھگڑا بے وقت اُن کی خدمت میں لائے جبکہ وہ اپنے مکان میں آرام کر رہے تھے انھوں نے آتے ہی اپنا مقدمہ پیش کر دیا اور عدل و انصاف کرنے کی تاکید میں یہ بے ادب عنوان اختیار کیا کہ ہمارے فیصلہ میں بے انصافی نہ کیجئے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت رحؒ نے مذکورہ عنوان سے یہ اخذ کیا ہے کہ خلاف تہذیب کلمات کو سیّدنا داؤد علیہ السّلام نے برداشت کیا اور فیصلہ دے دیا۔ اسی طرح مفتی اور شیخ کو سوال کرنے والوں کی بدتمیزی برداشت کرنی چاہیئے۔

ملحوظہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کی بے تمیزی پر کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مال تیرا ہے نہ تیرے باپ دادا کا مجھکو اللہ کے مال سے عطا کر؟

آپؐ نے نہایت خندہ پیشانی سے اُس کو فرمایا بیشک یہ سب اللہ کا مال ہے سامنے بکریوں کا ریوڑ تھا فرمایا جا یہ سب اپنے گھر ہانک لے جا، اُس بُدّو نے پہلے تو آپؐ کی طرف شک وشبہ سے دیکھا پھر سارا ریوڑ ہانک لے گیا، اپنے قبیلے میں پہنچکر اعلان کرنے لگا لوگو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے کا اندیشہ نہیں کرتے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۶۲۱) اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ۔ الآیہ

(صٓ آیت ۳۱)

ترجمہ:۔ (وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے) جب شام کے وقت اُن کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے، تو کہنے لگے کہ میں اس مال کی محبّت میں اپنے ربّ کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردے میں

چھپ گیا (غروب ہوگیا) ان گھوڑوں کو میرے پاس لاؤ پھر انھوں نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا (یعنی ذبح کر دیا)۔

تفسیر: سیّدنا سلیمان علیہ السّلام کا واقعہ ہے یہ عظیم نبی ورسول گزرے ہیں اِن کا عہد ۹۹۰ قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے، طبقۂ انبیاء میں نبوت ورسالت کے ساتھ حکومت وسلطنت بھی عظیم الشّان پائی تھی انسانوں کے علاوہ حیوانات، چرند پرند، جنّات اور ہوا پانی پر بھی حکمرانی کرتے تھے،

ایک دفعہ جہاد کے اعلیٰ نسل گھوڑوں کے معائنہ میں ذکر اللّٰہ کا اپنا معمول فوت ہو گیا اور وقت گزر گیا اس غفلت پر بہت دُکھ ہوا اور تلافی مافات کے طور پر گھوڑوں کو ذبح کر کے اسکا گوشت مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

سلوک: حکیم الامّت رح نے سیّدنا سلیمان علیہ السّلام کے اس واقعہ سے کئی ایک مسائل اخذ کئے ہیں۔

اوّلؔ، راحت وآرام کے لئے عمدہ سامان استعمال کرنا جائز ہے خصوصًا جبکہ دینی مصلحت بھی ہو۔

دوؔم، مستحب عمل سے غفلت ہوجانا بڑوں سے بھی ممکن ہے۔

سوؔم، غفلت کی تلافی کے لئے غافل کر دینے والی چیز کو صدقہ وخیرات کر دینا درست ہے۔

چہارؔم، غیرت حق بھی عمدہ خصلت ہے۔

ملحوظہ: جو چیز اللّٰہ سے غفلت کا ذریعہ بن جائے اُس کو اپنے پاس نہ رکھنا "غیرتِ حق" کہا جاتا ہے۔

بعض مشائخ صوفیہ نے جن میں مشہور صوفی شبلی رح بھی شامل ہیں جامہ دری، جامہ سوزی کی سند فعلِ سلیمانی سے نکالی ہے محققین صوفیہ نے اس استدلال کو قبول

نہیں کیا کیونکہ جامہ دری ہو یا جامہ سوزی اس میں اسراف وتبذیر پایا جاتا ہے جو نصّ قرآن سے حرام وممنوع ہے۔

(۶۴۲) هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔
الآیۃ (صٓ آیت ۳۹)

ترجمہ :- یہ ہماری بخشش ہے سو آپ کسی کو دیں یا نہ دیں آپ پر کوئی دارو گیر نہیں ہے۔

تفسیر :- سلیمان سلیمان علیہ السّلام پر اللہ کے فضل وانعامات کا تذکرہ ہے دنیا جہاں میں جسقدر نعمتیں انھیں دی گئیں تھیں شاید وباید ہی کسی کو ملی ہوں انسانوں پر حکمرانی، جنّات پر حکومت، حیوانات پر قدرت، ہوا پانی پر تسلّط اور زمین و پانی کے زر و جواہرات وغیرہ بے دریغ صرف کرنا۔

سیّدنا سلیمان علیہ السّلام ان سارے ساز و سامان مال وجاہ کے امین یا خازن نہیں مالک بنائے گئے تھے اور اسمیں انھیں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا تھا چاہے کسی کو دیں یا نہ دیں، پھر مزید یہ خوشخبری دی گئی تھی کہ اس خرچ وغیرہ پر انھیں حساب وکتاب نہ دینا ہو گا۔

سلوک :- حکیم الامّت رحؒ نے سیّدنا سلیمان علیہ السّلام کی اس خود مختاری سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ نے ان کے قلب کو ادائے حقوق کی ذمّہ داریوں میں مشغول نہ رکھنے کے لئے یہ کامل اختیار دیدیا تھا تاکہ وہ منصب نبوّت کی تکمیل میں کامل طور پر مشغول ہوں۔

پھر حکیم الامّت رحؒ نے تصوف کا ایک اور مسئلہ بھی اخذ کیا کہ سالک کا بڑا سرمایہ جمعیّت قلب ہے (دل کا پرسکون ہونا) صوفیہ کرام کو اسکا خاص اہتمام رہا کرتا ہے (کہ دل پراگندہ نہ ہونے پائے)

(۲۲۳) اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ اُرْکُضْ بِرِجْلِكَ ۔ الآیۃ (صٓ آیت ۴۱ تا ۴۲)

ترجمہ:۔ جبکہ ایوب (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھکو رنج و آزار پہنچایا ہے (اللہ نے حکم دیا) اپنا پیر زمین پر مار دیہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے اور پینے کا۔

تفسیر:۔ آیت میں سیدنا ایوب علیہ السلام کا تذکرہ ہے آپ کا وطن مشرقی فلسطین تھا، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر شریف دو سو دس سال تھی مال و دولت کی کثرت کے علاوہ آل و اولاد کی بھی کثرت تھی پھر اللہ نے انھیں ایک بڑی آزمائش میں مبتلا کر دیا جیسا کہ بڑے بڑے نبیوں میں اللہ کی یہ سنت جاری رہی ہے، مال و دولت کے علاوہ جسمانی صحت و عافیت بھی چھین لی گئی اولاد، نوکر، چاکر، حشم و خدم، عزیز دوست رشتہ دار سب علیحدہ ہو گئے صرف ایک اکیلی بیوی ساتھ رہ گئی، جو صبح و شام آپ کی خدمت کرتی تھی و بس۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے اس طویل مدت میں اللہ ہی سے اپنا رشتہ قائم رکھا جزع فزع، شکایت و حکایت، دُکھ درد کسی سے بھی ظاہر نہیں کیا۔ اللہ کی جناب میں اس طرح پکارا کرتے تھے۔

شیطان نے مجھکو سخت آزار میں کر دیا ہے آپ ارحم الراحمین ہیں"۔

اللہ نے اُن کی پکار قبول کی اور حکم دیا کہ اپنا پیر زمین پر مارو، پیر مارنا ہی تھا کہ چشمۂ آب چھوٹ پڑا، ٹھنڈا اور شیریں پانی بہنے لگا حکم دیا کہ اس پانی سے غسل کرو اور پھر نوش کرو۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے وحیِ الٰہی کی پیروی کی اور اُسی لمحہ شفایاب ہو گئے پھر اللہ نے سابقہ تمام مال و اسباب آل و اولاد جاہ و جائیداد اور اُس سے

دو چند مزید عطا کی۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت ؒ نے ندائے ایوّبی سے یہ اخذ کیا ہے کہ شیطان کا تصرف کاملین پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن اِسکا یہ تصرف گناہ و معصیت میں نہیں چلتا کہ خواہی نخواہی کسی سے گناہ کرادے بلکہ مادّی و جسمانی ضرر کی حد تک ممکن ہے۔ (جیسا کہ سیّدنا ایوب علیہ السّلام کے صرف جان و مال میں تصرف کیا تھا)

ملحوظہ:۔ تفسیر قرطبی کے مفسرؒ نے لکھا ہے کہ بعض جاہل صوفیہ نے "اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ" (اپنے پیر کو زمین پر پٹکو) سے ذکر اللہ میں رقص کرنے (جھومنے کودنے کا جواز نکالا ہے)۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

(۶۴۲) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۚ إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهٗۤ أَوَّابٌ۔ الآیۃ

(صٓ آیت ۴۴)

ترجمہ:۔ اور تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لو اور اس سے اپنی بیوی کو مار دو اپنی قسم نہ توڑو، بیشک ہم نے ایوّب کو بڑا صابر پایا، کتنا اچھا بندہ ہے اللہ کی طرف بار بار رجوع ہونے والا۔

تفسیر:۔ سیّدنا ایوب علیہ السّلام اپنی بیماری کے زمانے میں بیوی سے کسی بات پر سخت ناراض ہو گئے تھے اور قسم کھالی تھی کہ صحت کے بعد تجھکو سَو کوڑے ماروں گا۔ (بیمار کی قوت برداشت بھی بیمار ہوتی ہے)

جب تندرست ہو گئے تو اللہ نے حکم دیا کہ اپنی قسم کو پورا کرو چونکہ رفیق حیات مخلص خاتون تھی سزا کے نفاذ کا یہ طریقہ بتایا گیا کہ سَو عدد سینکوں (کاڑیوں) کا ایک گٹھا لیکر بیوی کے جسم پر ایک ضرب لگادی جائے سَو مار پوری ہو جائیں گے

اس حیلہ سے خاتون کی خیر خواہی کا حق بھی ادا کیا گیا اور قسم بھی پوری کر دی گئی۔

سلوک :۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ جس حیلہ سے شرعی حکم کا منشاء فوت ہوتا ہو ایسا حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ جن لوگوں نے آیت کے اس حیلے سے دین میں حیلہ سازی کا جواز نکالا ہے وہ درست نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس حیلہ سے شرعی حکم فوت ہو جاتا ہو مثلاً روپیہ، سونا چاندی پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص گیارہ ماہ تو اپنے پاس مال رکھے اور اس سے استفادہ کرتا رہے بارہویں مہینے اپنا کل مال اپنی بیوی یا بیٹے کو دیدے پھر بارہواں مہینہ گزرنے کے بعد اپنا مال واپس لے لے، چونکہ اس کی ملکیت میں سال بھر مال نہیں رہا لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوئی اس شاطرانہ حیلہ سے شرعی حکم زکوٰۃ سے بچ گیا، ایسا حیلہ حرام اور احکام الٰہی کا مذاق کرنا ہے اسی طرح اور بھی بہت سارے حیلے تراشے گئے ہیں جو باتفاق علماء حرام و ناجائز ہیں۔

ملحوظہ :۔ سیدنا ایوب علیہ السلام کا مذکورہ بالا حیلہ اس حرام حیلے سے بالکل مختلف ہے یہاں نہ کوئی شرعی حکم فوت ہو رہا ہے نہ کسی کا حق ضائع کیا جا رہا ہے بلکہ قصور وار نیک خاتون کو معاف کیا جا رہا ہے جو شرعاً مطلوب و پسندیدہ عمل ہے۔

(۶۲۵) وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ۔ الآیۃ

(صٓ آیت ۵۲)

ترجمہ :۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر خواتین ہونگی۔

تفسیر :۔ جنت کی نعمتوں کی تذکرہ ہے ان نعمتوں میں بڑی بڑی آنکھ والیاں

حسین و جمیل خواتین بھی ہیں جن سے اہلِ جنّت کے نکاح کر دیئے جائیں گے ان بے مثال حسن والیوں کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھنے والیاں ہوں گی، عورت کا نگاہ نیچی رکھنا حسن و جمال اور دلبری کی علامت ہوا کرتی ہے۔ جنت کی یہ حوریں حسن و جمال کے علاوہ اداۓ دلبری و ناز بھی رکھتی ہوں گی کہ آدمی فریفتہ ہو جائے۔

بعض مفسّرین نے "قٰصِرٰتُ الطَّرف" کا ترجمہ آنکھوں کو روکنے والیاں کیا ہے یعنی اپنی شوہر کے علاوہ کسی اور پر اپنی نظر نہ ڈالنے والی ہوں گی یہ خصلت بھی عورت کی وفاداری کی علامت ہے، کہ وہ صرف اپنے شوہر ہی سے محبّت کرنے والی ہونگی۔

بعض دیگر مفسّرین نے یہ بھی ترجمہ کیا ہے "نگاہ کو نیچے کرنے والیاں" یعنی وہ خود اس قدر حسین و جمیل ہوں گی کہ اپنے شوہروں کی نگاہوں کو ہمیشہ نیچے رکھنے والی ہونگی کہ انکو کسی اور عورت پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

سُلوک ﷺ: حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ جنت کی ترغیب کے عین موقع پر حسین عورتوں کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ مباح عورتوں کی جانب رغبت کرنا نہ حُبِّ الٰہی کے خلاف ہے نہ کسی فضیلت کے خلاف، (جیسا کہ بعض خشک مزاج صوفیہ یا باطل مذاہب کے رہنماؤں کا خیال ہے)

ایک موقع پر راقم الحروف کو یہ خیال آیا کہ خواتین کا اپنی نگاہوں کو نیچی رکھنا اگرچہ مشرقی تہذیب میں حُسن و جمال اور شرافت کی علامت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ عام مفسرین نے لکھا ہے، لیکن مغربی تہذیب میں یہ کوئی خوبی نہیں بلکہ نقص سمجھا جاتا ہے، تاہم حُوران جنّت مشرقی و مغربی ہر مسلمان کے لئے ہیں تو قٰصِرٰتُ الطَّرف کا ترجمہ "نگاہیں نیچی رکھنے والیاں" کرنا مغربی مسلمان کی تسکین کے لیۓ کافی نہ ہوگا، اور نہ یہ عنوان اُن کی زندگی میں دلچسپی و رغبت کا

کا باعث بنے گا۔

لہٰذا قٰصِرٰتُ الطَّرْف کا بامحاورہ ترجمہ "خمار آلود آنکھ والیاں" کر دیا جائے تو مشرقی و مغربی دونوں ذوق کا اختلاف ختم ہو جائیگا، خمار آلود آنکھیں جس طرح مشرقی تہذیب میں خوبصورت سمجھی جاتی ہیں اسی طرح مغربی تہذیب میں بھی حسین شمار ہوتی ہیں، علاوہ ازیں خمار آلود آنکھوں میں قٰصِرٰت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

(۲۶۶) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ، إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ. الآیۃ (صٓ آیت ۸۳)

ترجمہ:۔ کہا مجھکو تیری عزت کی قسم میں اُن سبکو بہکادوں گا بجز اُن میں سے اُن بندوں کے جو تیرے منتخب شدہ ہیں۔

تفسیر:۔ ابلیس لعین کا یہ کلام اُس وقت کا ہے جب سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں جنت سے نکالا جا رہا تھا، پہلے تو اس نے اللہ کے عین غضب کی حالت میں اپنے لئے قیامت تک درازیٔ عمر کی دُعا مانگی جو اُسی وقت دیدی گئی پھر معاً اپنی خبیث فطرت پر لوٹ آیا اور مذکورہ بالا کلام کر دیا، کہ زمین پر تیرے سارے بندوں کو گمراہ کر دونگا سوائے تیرے مخلص بندوں کے (یعنی ان سے دُور رہونگا کیونکہ یہ میرے جال میں نہیں آئیں گے)۔

سُلوک:۔ امام رازیؒ نے آیت سے ایک نکتہ اخذ کیا ہے کہ اس گستاخانہ کلام میں ابلیس نے اپنی سچائی کو قائم رکھا یعنی اندھا دُھند یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں تیرے سارے ہی بندوں کو گمراہ کر دونگا بلکہ اللہ کے نیک و پارسا بندوں کو اپنی گمراہی سے علیحدہ کر دیا کہ یہ میرے قابو میں نہیں آئیں گے۔ پھر رازیؒ لکھتے ہیں کہ جھوٹ ایسی گندہ خصلت ہے جس سے ابلیس تک کو حیا آئی (اور وہ سچی بات کہہ گیا)۔ (تفسیر کبیر)

سورۃ الزمر پارہ ۲۳

(۶۴۷) وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ الآیۃ

(الزمر آیت ۳)

ترجمہ:۔ اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو تجویز کرلیا ہے (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ بیشک اللہ اُن کے درمیان فیصلہ کردے گا جس بات میں یہ باہم اختلاف کر رہے ہیں۔

تفسیر:۔ شرک کرنے والے عام طور پر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان معبودوں اور بزرگوں کی پرستش کرکے ہم اپنے خدا کے نزدیک ہوجاتے ہیں پھر وہ ہم پر مہربان ہوجائے تو ہمارے کام بن جاتے ہیں۔

آیت میں اس جہالت کا جواب ہے کہ ان خالی خولی باتوں سے ان لوگوں کا توحید میں جھگڑا کرنا مقصود ہوتا ہے حقیقی فیصلہ تو قیامت کے دن ہو ہی جائے گا۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ اللہ کی صفات میں غیروں کی شرکت مطلقاً مذموم ہے اس بارے میں بالذات و بالغیر کی فلسفیانہ موشگافیاں باطل و مردود ہیں۔

ملحوظہ:۔ آیت کا مضمون مسلمانوں کیلئے بھی دعوت فکر ہے، پیروں، بزرگوں

اولیاء صالحین وغیرہم کو نادان مسلمانوں نے اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں عملاً دخیل بنالیا ہے اور اِن سے آس و اُمیدیں وابستہ کررکھی ہیں، یہ شرک فی الصفات مسلمانوں میں شدّت سے پھیل گیا ہے، جو دین توحید خالص کے لئے آیا تھا اس کو نادان مسلمانوں نے وثنیت و قبر پرستی سے داغدار کردیا ہے۔
وَ اِلَی اللّٰہِ المشتکیٰ۔

(۶۲۸) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ۔ الآیۃ
(الزمر آیت ۳)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ اس کو راہِ مستقیم پر نہیں لاتا جو جھوٹا ناشکرا ہو۔
تفسیر:۔ یعنی جس نے یہ بات ٹھان لی کہ وہ کبھی سچی بات (توحید) نہ مانے گا تو پھر ایسوں کے لئے ہدایت کا راستہ بند ہوجاتا ہے یعنی جھوٹ، خیر کے دروازے بند کردیتا ہے۔
سلوک:۔ صوفیہ نے کہا ہے اس میں اُس شخص کے لئے دھمکی و تنبیہ ہے جو اپنے آپ کے لئے ولایت کے کسی مرتبہ کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے۔

(۶۲۹) اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ۔ الآیۃ (الزمر آیت ۹)

ترجمہ:۔ بھلا جو شخص رات کے اوقات سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کررہا ہو آخرت سے خوفزدہ ہو اور اپنے ربّ سے رحمت کی اُمید کررہا ہو اب کیا علم والے اور بے علم برابر بھی ہوسکتے ہیں۔
تفسیر:۔ جس شخص کے عقائد درست ہوں اور اعمال بھی ٹھیک ہوں وہ توحید اور یومِ آخرت پر یقین رکھتا ہو اور عمل کی یہ کیفیت ہو کہ رات جو عموماً

خواب اور غفلت کا وقت ہوتا ہے عبادت میں مشغول رہتا ہو کیا ایسا شخص اور وہ شخص جو بے علم و بے عمل ہو اللہ کے یہاں برابر ہو سکتے ہیں؟

سُلوک:- صوفیہ عارفین نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے رجا (اُمید) کا پہلو خوف کے پہلو پر غالب رہنا چاہیئے (یعنی اللہ کی ذاتِ عالی سے توقع و اُمید زیادہ رکھنی چاہیئے۔) (تفسیر کبیر)

(۶۵۰) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ الآیۃ (الزُمر آیت ۲۲)

ترجمہ:- سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا سو وہ اپنے رب کے نور پر چل رہا ہے (کیا ایسا شخص اور اہلِ قساوت برابر ہو سکتے ہیں)۔

تفسیر:- یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ یہ شرح صدر (سینے کا کھل جانا) کیونکر ہوتا ہے؟

ارشاد فرمایا جب دل میں نور داخل ہو،

عرض کیا گیا اس کی کیا علامت ہے؟

فرمایا، دارُ الخلود (جنّت) کی رغبت ہو اور دارُ الغرور (دنیا) سے بے التفاتی اور موت کی طرف آمادگی ہو۔ (معالم التنزیل)

سُلوک:- حکیمُ الامّتؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں نور اور شرحِ صدر کی وضاحت ملتی ہے۔ (جو صوفیہ کی اصطلاح میں کثرت سے رائج ہے)

اہلِ تحقیق علماء نے آیت کے مضمون سے دو نکتے پیدا کئے ہیں

ایک یہ کہ ہر مؤمن کسی نہ کسی درجے میں سہی بہرحال معرفت و نور رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جس اسلام سے معرفت و نورانیت پیدا ہوتی ہے وہ وہ ہے

جو یقین کامل کے ساتھ ہو۔ (شک و شبہ کی راہ سے نہیں)
ملحوظہ:۔ آیت میں شرح صدر اور قساوت قلب کا ذکر آیا ہے، قساوتِ قلب کو شرح صدر کے مقابلہ میں بیان کیا گیا ہے، شرح صدر میں قلب و جگر، اطمینان، سکون اور اعتماد و علم و یقین کی کیفیت سے معمور رہا کرتے ہیں اور قساوتِ قلب اس کے برعکس حالت کو کہا جاتا ہے جس میں بے یقینی، شک و شبہ، پراگندی و بے لطفی کی کیفیات ہوا کرتی ہیں۔

(۶۵۱) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ الآیۃ

(الزمر آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ اللہ نے نہایت عمدہ کلام نازل کیا ہے جو ایسی کتاب ہے جو باہمی ملتی جلتی ہوئی اور بار بار دہرائی گئی ہوئی جس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ سے ڈرنے والے انسانوں کے دل اللہ کی آیات سنکر خوف اور اس کی عظمت سے کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے قلوب اللہ کی یاد و فکر میں جھک بھی جاتے ہیں یعنی وہ کتاب اللہ پر عمل کرنے لگتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ اہل تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے خوف سے مراد ایمانی و عقلی خوف ہے، جسمانی و ظاہری خوف مراد نہیں لہذا آیات اللہ کی تلاوت سے کسی کے جسم پر کوئی ظاہری اثر کپکپی یا بیقراری پیدا نہ ہو تو یہ خوف الٰہی کے خلاف نہیں۔

ملحوظہ:۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جن پر شاعروں کا کلام سُنکر وجد طاری ہو جاتا ہے اور وہ جھومنے لگتے ہیں اور قرآن حکیم کی آیات پڑھنے سے یہ اثر ظاہر نہیں ہوتا پھر اُس کی مختلف توجیہات کیں ہیں جن میں مذکورہ بالا توجیہہ بھی شامل ہے۔

امام رازیؒ نے امام غزالی کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے۔

"لیکن میں کہتا ہوں، میں تو اس تأثر سے ہمیشہ دُور رہا ہوں، میں نے جب بھی قرآنی مطالب پر غور وتدبّر سے کام لیا ہے اُسی وقت میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل کے اندر ہیبت وخشیتِ الٰہی پیدا ہو گئی، اور جب میں نے شاعروں کا کلام سُنا تو دل اُچاٹ ہو گیا اور طبیعت متأثر نہ ہوئی۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہی صراط مستقیم ہے"۔ (تفسیر کبیر)

(۶۵۲) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔

الآیۃ (الزمر آیت ۲۸)

ترجمہ:۔ قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تاکہ لوگ ڈرتے رہیں۔

تفسیر:۔ قرآن ایک صاف ستھری عربی زبان کی کتاب ہے اس کلام میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں، سیدھی اور صاف ستھری باتیں ہیں جنکو ہر عقلِ سلیم والا قبول کر لیتا ہے۔

سلوک:۔ قرآن حکیم کا پہلا وصف پڑھی جانے والی کتاب "قرآنًا" بیان کیا گیا ہے چنانچہ مسجدوں، محرابوں، منبروں، مدرسوں، گھروں میں اس کی تلاوت ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

یہ حقیقت صرف مسلمان ہی بیان نہیں کر رہے ہیں غیر مسلم بلکہ مخالفوں کا

بھی یہی بیان ہے۔
"قرآن دُنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے"۔
(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) تفسیر ماجدی۔

(۲۵۳) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ۔ الآیۃ (الزمر آیت ۲۹)

ترجمہ:۔ اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے جس میں کئی ضدی قسم کے شریک ہیں اور ایک غلام ایسا ہے جس میں کوئی شریک نہیں پورا ایک ہی شخص اس کا مالک ہے۔ کیا دونوں کی حالت یکساں ہے؟

تفسیر:۔ اللہ نے اس مثال میں مؤمن اور غیر مؤمن کی حالت کو واضح کیا ہے یعنی ایک غلام کے کئی ایک آدمی مالک ہیں جو سب کے سب ضدّی و جھگڑالو قسم کے ہیں ہر ایک چاہتا ہے کہ غلام صرف اسی کے کام میں لگا رہے دوسرے مالکوں سے سروکار نہ رکھے اس کھینچ تان میں ظاہر ہے غلام ہر وقت پریشان و پراگندہ حال رہے گا برخلاف اُس غلام کے جس کا صرف ایک ہی شخص مالک ہے ایسے غلام کو ہر طرح یکسوئی اور اطمینان حاصل رہیگا، اور کسی دوسرے آقا کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا، اب ظاہر ہے یہ دونوں غلام برابر نہیں، اسی طرح توحید پرست انسان اور شرک پسند انسان کے فرق کو سمجھ لیا جائے۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ دنیا پرست انسان اور آخرت پسند انسان کی زندگی کی یہی حالت ہے پہلا شخص دنیا کی کشاکشی میں مبتلا ہے تو دوسرا مطمئن اور پُرسکون ہے۔

(۲۵۴) وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ. الآیۃ (الزّمر آیت ۴۵)

ترجمہ:۔ اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل منقبض ہونے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اِسکے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُسی وقت خوش ہو جاتے ہیں۔

تفسیر:۔ شرک کی یہ خاصیّت ہے کہ مشرک آدمی بعض اوقات زبان سے اللہ کی عظمت و محبّت کا اعتراف تو کرتا ہے لیکن اس کا دل صرف اللہ کے ذکر اور اُس کی حمد و ثنا سے خوش اور مطمئن نہیں ہوتا اور جب اللہ کے سوا کسی اور معبود دیوی، دیوتاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے تو مارے خوشی کے اُچھلنے لگتا ہے جسکے آثار اُس کے چہرے پر نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

سلوک:۔ آیت میں توحیدی ذہن اور شرکی ذہن کی واضح شناخت ملتی ہے۔ اللّٰھم احفظنا منہ۔

ملحوظ:۔ آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ واحد کی قدرت و حکمت اور اُس کی عظمت و صفات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چہروں پر افسردگی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور وہ پریشان پریشان سے ہو جاتے ہیں اور انجان بن کر کھسک جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مگر کسی پیر فقیر، مجذوب، شہید، غوث و قطب اور اُن کی کچی پکّی کرامات اناپ شناپ بیان کر دی جاتی ہیں تو چہرے کھِل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات و مسرّت جوش مارنے لگتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات توحید خالص بیان کرنے والے کو منکرِ اولیاء سمجھا جاتا ہے۔

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھنے والے، مُصیبت میں

یا غوث یا غوث پکارنے والے، اجمیر کے مقبرہ کا طواف کرنے والے، یا خواجہ دے خواجہ، لیکر رہونگا، دینا پڑے گا کے نعرے لگانے والے اسلامی توحید کے پاکیزہ چہرے پر کیسے کیسے مکروہ داغ ہیں۔ الامان والحفیظ۔

آیت میں جس مکروہ و ناپاک کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اللّٰھم ثبتنا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ۔

(۶۵۵) فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا۔ الآیۃ (الزمر آیت ۴۹)

ترجمہ:۔ اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارنے لگتا ہے لیکن جب ہم اسے اپنی جانب سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ مجھے اپنی تدبیر سے ملی ہے۔

تفسیر:۔ شاہ عبدالقادر صاحب محدث رح لکھتے ہیں کہ آدمی جس نام سے چڑتا تھا مصیبت کے وقت اُسی کو پکارتا ہے۔

آیت میں جاہل انسان کی خصلت کا ذکر ہے مصیبت میں تو اللہ کو پکارتا ہے اور جب اس کو راحت و نعمت ملتی ہے تو اس کو اپنی قابلیت اور عقل و تدبیر کی جانب منسوب کرتا ہے کہ یہ سب میری تدبیر و محنت کا نتیجہ ہے۔

آیت سے اُس مدعی تصوف کی شناخت ہوتی ہے جو طریق کے ثمرات و فضائل کو جو حقیقتاً اللہ کے انعامات ہیں اپنے عمل و مجاہدے کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

(۶۵۶) قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ الآیۃ (الزمر آیت ۵۳)

ترجمہ:۔ اے نبی آپ (میری طرف سے) کہدیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے

اپنی جانوں پر ظلم زیادتیاں کرلی ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں بیشک
اللہ سارے گناہ معاف کردیگا بیشک وہ بڑا غفور بڑا رحیم ہے۔

تفسیر:- آیت ایک خاص واقعہ پر نازل ہوئی لیکن اس کا خطاب عام ہے
اسمیں قیامت تک کے گنہگاروں کی تسلّی کا سامان ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں، اُس کے وُسعتِ کرم و شفقت کی کوئی انتہا ہے
کہ جنھوں نے اللہ کے دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے ہوں انھیں کو دعوت
توبہ دی جارہی ہے۔ (ابن کثیر)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں وسعتِ کرم کی کوئی آیت مذکورہ آیت
سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔

ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں قرآن حکیم کی یہ آیت انتہائی
اُمید و آس والی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ایک اور آیت اس سے بھی
کہیں بڑھکر ہے۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْمَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ آپ کا
ربّ لوگوں کی ظلم و زیادتیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ (قرطبی)

سُلوک:- توبہ سے گناہ تو معاف ہو ہی جاتے ہیں ایسے ہی توبہ سے کفر و شرک
بھی معاف ہوجاتا ہے۔ (مرتب)

مسیحیت جسکو اپنے رحم و کرم اور کشادہ دلی ہونے پر ناز ہے خود انجیل کی زبانی سُنیئے:

"میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا گناہ تو معاف کیا جائے گا
مگر جو کفر رُوح القُدس کے حق میں ہو وہ معاف نہیں کیا جائیگا۔
(متّی ۱۲: ۳۲) تفسیر ماجدی

سورۃ المؤمن پارہ ۲۴

(۶۵۷) وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ۔ الآیۃ (المؤمن آیت ۵)

ترجمہ:۔ اور انھوں نے ناحق جھگڑے کئے تا کہ اُس ناحق سے حق کو دبالیں سو میں نے اُنکی گرفت کی سو میری سزا کیسی ملی۔

تفسیر:۔ ہر قوم نے چاہا کہ اپنے پیغمبر کو پکڑیں قید کریں قتل کریں یا جلاوطن کردیں، انبیاء کرام کی پچھلی ساری تاریخ یہی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ان کو ہر طرح دبایا گیا حتیٰ کہ بعض مرتبہ ایک ایک دن میں ستر ستر نبیوں کو قتل کیا گیا۔ الامان والحفیظ۔

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے ثابت کیا ہے کہ جدال (جھگڑا) جو اسلام میں ممنوع ہے وہ وہ جدال ہے جو ناحق و باطل قسم کا ہو آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

البتہ جو جدال حق کے لئے اور حق کی تائید و حمایت کے لئے ہو تو ایسا جدال مطلوب و پسندیدہ عمل ہے۔ اہل اللہ دونوں جدال کی رعایت کرتے ہیں۔ (اسلئے انکا جدال ناحق نہیں ہوتا۔)

(۶۵۸) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ (المؤمن آیت ۷)۔

ترجمہ:۔ جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اُس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کیا کرتے ہیں۔

تفسیر:۔ عرشِ عظیم کو اُٹھانے والے فرشتے اور اُس کے اطراف طواف کرنے والے بیشمار فرشتے دن رات اللہ کی تسبیح و بکا کی بیان کرتے ہوئے زمین کے اہلِ ایمان انسانوں کے لئے اللہ سے مغفرت کی اور رحمتوں کی دُعا کررہے ہیں اہلِ ایمان کا یہ عظیم رتبہ ہے کہ حاملانِ عرش ان کے گناہوں کی معافی کی دعا حضور رب میں طلب کررہے ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جیسا کہ حاملانِ عرش غائبانہ طور پر اہلِ ایمان کے لئے دُعا کررہے ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی دوسرے مسلمانوں کے لئے غائبانہ دُعا کرنی چاہیئے۔

(۶۵۹) وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ ۔ الآیۃ (المؤمن آیت ۲۸)

ترجمہ:۔ ایک مردِ مؤمن جو فرعون کے خاندان سے تھا اپنا ایمان چھپائے ہوئے کہنے لگا کیا تم لوگ ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔

تفسیر:۔ اس مردِ مومن کا نام سمعان بیان کیا جاتا ہے، یہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاچکا تھا لیکن فرعون اور آلِ فرعون کے خوف سے اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

اس نے جب یہ سُنا کہ فرعون سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس انتہائی نازک حالت میں اپنا ایمان ظاہر کردیا اور پھر وہ کلام کیا جو آیت میں مذکور ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ اہل باطل کے سامنے حق بات کا چھپانا ضرورۃً جائز ہے خصوصاً جبکہ دینی مصلحت بھی ہو۔

ملحوظ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صدّیقین چند ایک ہیں (یعنی ان کی تعداد قلیل ہے)

ایک حبیب نجار (جنکا قصہ سورۂ یٰسین میں آیا ہے) دوسرے رجل مومن (جسکا ذکر مذکورہ بالا آیت میں ہے) تیسرے ابوبکرؓ اور یہ اُن سب میں افضل ہیں۔ (قرطبی)

(۶۶۰) وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۔الآیۃ (المؤمن آیت ۲۸)

ترجمہ:۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اُسکا جھوٹ اسی پر پڑے گا۔

تفسیر:۔ یہ جملہ بھی اُسی رجل مومن کا ہے جو فرعون اور آل فرعون سے کہہ رہا تھا، مرد مومن کا یہ کہنا تھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا پہلے تو جرم ہی کیا ہے؟ ولو بالفرض وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں تو اُس کی سزا انھیں ضرور ملے گی لیکن اگر وہ سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو پھر تم اپنی خبر لو۔

سلوک:۔ امام رازی رحؒ لکھتے ہیں کہ جب کبھی مجھکو کسی شریر نے خواہ مخواہ نقصان پہنچانا چاہا تو میں نے اُس کی طرف قطعاً توجہ نہ کی بلکہ معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا تو اللہ نے میری تائید و نصرت کے لئے کچھ ایسے لوگ کھڑے کر دیئے جو اُس شر کو دفع کرنے کے لئے پوری طرح لگ گئے۔ (تفسیر کبیر)

(۶۶۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ۔۔ الآیۃ (المؤمن آیت ۵۵)

ترجمہ:۔ اور آپ اپنی تقصیر کی معافی طلب کیجئے۔

تفسیر:۔ آیت میں لفظ ذنب آیا ہے اہل لغت لکھتے ہیں کہ ذنب اور اثم میں فرق ہے۔ اِثم تو اُردو میں گناہ ہی کے معنی میں آتا ہے لیکن ذنب کوتاہی و تقصیر

کو کہا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ اس معنیٰ کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ دن میں سو سو مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔

ہر بندے کی تقصیر اس کے درجے کے موافق ہے اس لئے ہر شخص کو استغفار کرنا چاہیئے۔ (موضح القرآن)

سُلوک :۔ حکیم الامتؒ اس تفسیر پر لکھتے ہیں کہ اسمیں صوفیہ کے اُس مشہور قول کی تائید ملتی ہے جو وہ کہا کرتے ہیں حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ یعنی عام مسلمانوں کی نیکیاں خاصانِ خدا کی تقصیرات ہیں۔

(۶۶۲) اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا۔ الآیۃ (المومن آیت ۶۱)

ترجمہ :۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اُس میں سکون پاؤ اور دن کو روشن بنایا۔

تفسیر :۔ مشرک جاہلی قوموں نے جیسے سینکڑوں معبود بنا لئے تھے ایسے ہی دن و رات کو بھی اپنے معبودوں کی فہرست میں شامل کر لیا ہے اور اُن کی پُوجا بھی کرتے ہیں چنانچہ آج بھی بھارت (ہندوستان) کے ہندو چاند سورج کی پرستش کرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے ان احمقوں کے اس عمل کی تردید کی ہے کہ دن رات دیگر مخلوق کی طرح یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں جو انسانوں کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں گویا یہ چاند سورج ستارے انسانوں کے خادم ہیں مخدوم اور آقا نہیں۔

سُلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ رات کے وقت ہر شخص کا سکون

مختلف ہوا کرتا ہے۔

عوام کا سکون تو نفس و جسم کی راحت میں ہے، اور عبادت گزاروں کا سکون عبادت کی حلاوت و شیرینی ہوا کرتی ہے اور اہل محبّت و معرفت کا سکون قلب کا ذوق و شوق ہے۔ (رُوح المعانی)

(۶۶۳) وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ۔ الآیۃ (المؤمن آیت ۷۸)

ترجمہ:۔ اور کسی رسول سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی معجزہ بغیر اذنِ الٰہی ظاہر کریں۔

تفسیر کفّار قریش کا یہ مطالبہ کرنا کہ اگر آپ رسول ہیں تو فلاں فلاں معجزہ ظاہر کیجئے؟

حقیقت یہ ہے کہ انکا یہ مطالبہ اپنے آباء و اجداد کی روش پر تھا ان لوگوں نے بھی اپنے زمانے کے رسولوں سے ایسا ہی مطالبہ کیا ہے۔

آیت میں جواب دیا گیا کہ معجزات کا پیش کرنا کسی بھی نبی کے اختیار میں نہ تھا پھر اس نبی سے مطالبہ کرنا کیونکر درست ہے، البتہ تمہارا مطالبہ اُس وقت درست تھا جب نبی معجزات پیش کرنیکا دعویٰ کرتے، نبیوں نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم خود اپنے نفس کے مالک نہیں تو پھر دوسری چیزوں پر کیا قدرت رکھ سکتے ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت رحمہ اللہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جب انبیاء کرام معجزات و تصرّفات پر قادر نہیں تو پھر اولیاء اللہ بدرجۂ اولیٰ قادر نہیں ہو سکتے۔

(۶۶۴) وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ۔ الآیۃ (المؤمن آیت ۸۰)

ترجمہ :- اور تمہارے لئے ان جانوروں میں بہت سارے فوائد ہیں تاکہ تم سوار ہو کر اپنے مقاصد حاصل کر سکو۔

تفسیر :- حیوانات کو اللہ نے انسانوں کے نفع و راحت کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا تم ان سے سواری کا کام لو اور اُن کو اپنی غذائی ضرورتوں میں لاؤ یا خرید و فروخت کر کے اپنی معاش مضبوط کرو وغیرہ۔ لیکن یہ کیا جہالت بلکہ حماقت ہے کہ انسانوں نے اُن کو اپنا معبود بنا لیا اور حیوان پرستی میں پڑ گئے، جو خادم تھا اُس کو اپنا آقا و مولیٰ بنا لیا، بھارت (ہندوستان) میں آج بھی گاؤ پرستی کی حماقت زور و شور سے جاری ہے اور اُس کو مقدّس ماں کا درجہ دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بیل، بھینس، سانپ، بچھو اور دیگر حشرات الارض کی پوجا کرنے والے بکثرت موجود ہیں۔

آیت میں منافع کا لفظ آیا ہے یعنی جانوروں کی پیدائش میں انسانوں کے لئے کئی ایک فوائد ہیں، مثلاً تازہ گوشت کی تجارت، خشک گوشت کی تجارت، اُون کی تجارت، کھالوں کی تجارت، بالوں کی تجارت، دانت، آنت و ہڈیوں کی تجارت، دُودھ، دہی، پنیر، گھی، مکھن، کریم بالائی کی تجارت وغیرہ۔

سلوک :- حکیم الاُمّت نے آیت سے اُن جاہل صوفیہ کا رد کیا ہے جو تجارت اور اسبابِ معیشت سے نفع اُٹھانے کو طریق و سلوک کے خلاف سمجھتے ہیں۔

(۱۶۵) فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَٰتِ فَرِحُوا۟ بِمَا عِندَهُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ ۔ الآیۃ (المؤمن آیت ۸۳)

ترجمہ :- پھر جب اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی نشانیاں لیکر آئے تو وہ لوگ اپنے اُس علم پر نازاں ہوئے جو انھیں حاصل تھا۔

تفسیر:۔ آیت میں تاریخی استدلال ہے کہ گزشتہ زمانے کی بڑی بڑی متمدن و پرشوکت قوموں کے انجام کو دیکھو جب انھیں نبیوں نے توحید کی دعوت دی تو اُن مہذب قوموں نے اپنے علم پر ناز کیا اور دعوت توحید کو ٹھکرادیا، جس کی پاداش میں انھیں تباہ کیا گیا اور نام و نشان بھی مٹا دیا گیا یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ اس زمین پر کتنی قومیں آباد تھیں اور ان کا کیا کیا انجام ہوا قرآن حکیم کا یہ احسان ہے کہ اُس نے ایسی چند اقوام کی نشاندہی کی جو اپنے دور کی متمدن و پُرشوکت قومیں تھیں، آیت میں اسی تاریخی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت نے لکھا ہے کہ آیت سے ایسے علم پر فخر کرنے کی مذمّت ہے جو شریعت کے مخالف ہو اسی کے تحت باطل تصوف بھی آجاتا ہے (جو بے علموں میں رائج ہے۔)

سُورۃ حٰمٓ السّجدۃ پارہ ۲۴

(۶۶۶) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔ الآیۃ (حٰم السجدہ آیت ۸)

ترجمہ:۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے لئے ایسا بدلہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔

تفسیر:۔ غیر ممنون ایسے صلہ و بدلے کو کہا جاتا ہے جس کا سلسلہ ختم نہ ہو یعنی اہل ایمان کو جنّت کی وہ نعمتیں ملیں گی جو فنا یا بوسیدہ ہونے والی نہیں

ہیں، دائمی باقی اور ترو تازہ، یہ اس لئے کہ انکا عمل دائمی تھا اگرچہ موت نے انکی زندگی کا خاتمہ کر دیا جو اُنکے اختیار میں نہ تھی۔

سُلوک:۔ مشائخ طریقت نے سالکین کو اس سہولت سے تسلی دی کہ جب کسی عذر سے وہ اپنا وظیفہ پورا نہ کر سکیں تو انھیں پورا اجر ملیگا۔

ملحوظہ:۔ آیت اُن بوڑھے اور مریضوں کے حق میں نازل ہوئی جو مرض یا کمزوری کی وجہ سے عبادات کی کثرت نہیں رکھتے ہیں ایسے لوگوں کو خوشخبری ہے کہ اُن کو وہی ثواب دیا جائے گا جو صحت وقوت کی حالت میں عمل کرنے سے ملا کرتا تھا۔

(۶۶۷) قَالَتَآ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ۔ الآیۃ (حٰم السجدہ آیت ۱۱)

ترجمہ:۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں۔

تفسیر:۔ یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش کا واقعہ ہے اللہ نے ساتوں زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور دو دن میں پہاڑوں کو اور زمین میں انسانی غذاؤں کے ذخائر پیدا کئے اور دو دن میں ساتوں آسمان کی پیدائش کی اس طرح چھ دن میں کائنات کی تعمیر عمل میں آئی، جب یہ تعمیر مکمل ہو گئی تو زمین و آسمان کی طرف وحی اور سوال کیا گیا تم اپنی خدمات پر بخوشی راضی ہو جو تمہیں سپرد کی گئیں ہیں؟

یا بے دلی سے قبول کرتے ہو؟

دونوں نے عرض کیا ہم بسر وچشم حاضر ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ جمادات میں بھی ادراک و شعور ہے۔

(اگرچہ ان کی فطرت کے لحاظ سے سہی یہی وجہ ہے کہ کنکریوں نے رسول اللہ ﷺ کی

شہادت دی، درخت و پتھر نے آپؐ کو سلام کیا، پکّے بھُنے زہر آلود گوشت نے آپؐ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی وغیرہ)۔

ایسے کئی واقعات احادیث کی کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں۔

ملحوظہ:۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوال کا زمین و آسمان والا جواب (ہم بخوشی راضی ہیں) حقیقت ہے مجاز یا تمثیل نہیں جیسا کہ بعض اہلِ علم نے لکھا ہے یہ جواب سب سے پہلے زمین کے اُس خطہ نے دیا جہاں آج خانہ کعبہ کی عمارت ہے، اسی طرح آسمانوں کا وہ حصہ سب سے پہلے جواب دیا جہاں "بیت المعمور" (فرشتوں کا آسمانی قبلہ) ہے جو خانہ کعبہ کے بالکل اُوپر ہے۔ (ابن کثیر)

(۶۶۸) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ۔ الآیۃ (حٰم السجدہ آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ سو ہم نے اُن پر ایک تیز آندھی بھیجی ایسے دنوں میں جو منحوس تھے تاکہ دنیا کی زندگی ہی میں اُنھیں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو رسوا تر ہے ہی، اور انھیں کوئی مدد نہ پہنچ سکے گی۔

تفسیر:۔ ہوا کا یہ خوفناک طوفان جس قوم پر چلایا گیا تھا وہ قوم عاد تھی جس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر سیّدنا ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تھا یہ ہوائی طوفان اُن پر سات رات آٹھ دن تک مسلط رہا طوفانی ہواؤں کا ہر جھٹکا پہلے جھٹکے سے شدید تر اور بھیانک ہوا کرتا تھا حتّٰی کہ ان فرشتوں کے ہاتھوں سے یہ سرکش ہوائیں نکل جاتی تھیں جنکے انتظام پر یہ فرشتے مامور ہیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔

پوری قوم اپنے ساز و سامان کے ساتھ چورا چورا ہو گئی۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے نحوست کا عقیدہ باطل قرار دیا ہے

لکھتے ہیں کہ جب عذاب کے سات رات آٹھ دن (گویا پورا ہفتہ بلکہ ایک دن مزید اضافہ) منحوس تھے تو پھر ہفتہ کا کونسا دن نیک اور سعد ہوگا؟

(لہٰذا اسلام میں کوئی دن منحوس نہیں ممکن ہے سابق ملتوں میں کچھ دن منحوس رہے ہوں)

ملحوظہ :- آیت میں ان عذاب والے دنوں کو "نَحِسَاتٍ" کہا گیا ہے اس لئے ظاہراً شبہ ہوا کہ یہ دن منحوس تھے لیکن یہ حقیقت نہیں ہے کہ دن منحوس تھے بلکہ اس رسوا کن عذاب کی وجہ سے یہ تمام دن اس قوم کے لئے منحوس ہوگئے، عذاب منحوس تھا دن منحوس نہ تھے، دن و رات تو اللہ کے پیدا کردہ ہیں اور پھر وہ اللہ کی نشانیاں "آیات" بھی تو ہیں، بھلا نحوست کو اس سے کیا تعلق؟

(رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ)

(٦٦٩) إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ. الآیۃ

(حٰمٓ السجدہ آیت ع۳۰)

ترجمہ :- جن لوگوں نے دل سے اقرار کر لیا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے پھر اُس پر ثابت قدم رہے اُن پر فرشتے نزول کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) تم نہ اندیشہ کرو نہ رنج کرو اور خوشخبری سُنو اُس جنت کی جسکا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور تمہاری اُس جنت میں وہ سب کچھ موجود ہے جسکو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اُسمیں وہ سب کچھ ہے جو طلب کرو۔

تفسیر :- استقامت کے معنیٰ احکامِ الٰہی پر ثابت قدم رہنا ایسا نہیں کہ کبھی

راہ پر اور کبھی بے راہ، لومڑیوں کی طرح اِدھر اُدھر راہ فرار اختیار کرنا۔ (مظہری)

استقامت والوں کو فرشتوں کی یہ خوشخبری تین مواقع پر ہو گی۔

اوّل، موت کے وقت۔ دوم، قبر کے اندر سوال وجواب سے پہلے۔ سوم حشر میں قبروں سے اُٹھنے کے وقت۔ (معارف القرآن)

مفسر ابو حیّان اُندلسی نے لکھا ہے کہ اہل استقامت پر فرشتوں کا نزول ہر دن ہوا کرتا ہے جس کے آثار و برکات ان کے اعمال میں پائے جاتے ہیں البتہ فرشتوں کا کلام سُننا اور اُن کا مشاہدہ کرنا مذکورہ تینوں مواقع پر ہو گا۔

(تفسیر بحر محیط)

سُلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے "ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" کے اطلاق سے یہ اخذ کیا ہے کہ ہر مسلمان کی استقامت اُس کے حسب مرتبہ ہو گی لہٰذا ہر مؤمن صاحب استقامت ہے۔

امام رازی رحؒ نے لکھا ہے کہ مؤمن کو کوئی خوف و غم نہ موت کے وقت ہو گا نہ قبر کی زندگی میں نہ محشر میں ان تمام مواقع پر وہ مطمئن و مسرور رہے گا۔

(تفسیر کبیر)

(٦٧٠) وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ الآیۃ (حٰم السجدہ آیت ۳۳)

ترجمہ:۔ اور اُس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور خود نیک عمل کرے۔

تفسیر:۔ آیت میں دعوت و تبلیغ کرنے والوں کی شان بیان کی گئی ہے کہ اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں کہ انسانوں کو توحید کی دعوت دی جائے اور اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کروایا جائے اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں۔

سُلوک :- حکیم الامت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ داعی الی اللہ کا جن میں شیخ و مربی بھی شامل ہیں خود بھی عامل و پابند ہونا چاہیئے ورنہ اسکی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی (یعنی اسکا اثر ظاہر نہیں ہوتا)

ملحوظہ :- داعی الی اللہ کا مفہوم عام ہے خواہ حاکم عادل ہو یا فوجی مجاہد ہو یا معلم و مدرس ہو یا واعظ و خطیب ہو یا کتابوں کا مصنف ہو یا قاری و مقری ہو یا امام و مؤذن، سب داعی الی اللہ ہیں۔

(۶۷۱) وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ الآیۃ (حٰم السجدہ آیت ۳۶)

ترجمہ :- اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آنے لگے تو آپ اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔

تفسیر :- کسی بھی برائی یا گناہ کا آغاز وساوس سے ہوا کرتا ہے پھر یہی وساوس انسان کو بدعملی پر ڈال دیتے ہیں، وسوسہ اندازی کا بنیادی مصدر شیاطین الجن والانس ہوا کرتے ہیں۔ امدادِ الٰہی کے بغیر ایسے شیاطین سے دوری بشر کیلئے مشکل ہے اس لئے آیت میں اللہ سے پناہ طلب کرنیکا اور پناہ خداوندی میں آجانے کا حکم دیا گیا ہے۔

سُلوک :- حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ وساوسِ شیطانی کا ورود کاملین پر بھی ہو سکتا ہے اور یہ اُن کے کمال کے خلاف نہیں۔

آیت سے یہ بھی اخذ کیا گیا کہ وسوسہ اور غصہ کے وقت اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھ لیا جائے۔ (روح المعانی)

(۶۷۲) لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ الآیۃ (حٰم السجدہ آیت ۴۲)

ترجمہ:۔ اس قرآن میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے یہ نازل کردہ ہے حکمت والے تعریف والے اللہ کی طرف سے۔

تفسیر:۔ آیت میں قرآن حکیم کی شان بیان کی گئی ہے کہ یہ محفوظ ترین طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہر باطل سے محفوظ ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ۔ الآیۃ

سلوک:۔ بعض علماء راسخین نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جیسے قرآن ہر باطل سے محفوظ ہے اسی طرح جو لوگ قرآن سے وابستہ رہتے ہیں وہ بھی ہر باطل سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵

(۶۷۳) اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ الآیۃ (الشوریٰ آیت ۱۳)

ترجمہ:۔ اللہ اپنی جانب جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور اس شخص کو ہدایت دیتا ہے جو اسکی طرف رجوع کرتا ہو۔

تفسیر:۔ رسول جس دین کی دعوت دے رہے ہیں یہ کوئی نئی اور انوکھی دعوت نہیں ہے اِن سے پہلے سینکڑوں نبیوں نے بھی یہی کام انجام دیا ہے اب اگر مشرک و کافر اس کام کو اجنبی یا بھاری سمجھ رہے ہیں تو یہ اُن کی جہالت و بدبختی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہدایت نصیبی اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور یہ دو طریقوں سے دی جاتی ہے پہلا یہ کہ اللہ خود اپنے بندوں میں سے جسکو چاہے پسند کرلے اور اسکو

صراط مستقیم پر کھڑا کر دے اللہ کا یہ عمل اجتبار و اصطفار کہلاتا ہے، یعنی اللہ نے اسکو چن لیا جیسے انبیار کرام ہوا کرتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ کہ جو لوگ اپنی جد و جہد و عمل اخلاص سے اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اللہ ان کی اس جد و جہد کو ضائع نہیں کرتا انھیں بھی ہدایت و صراط مستقیم عطا کر دیتا ہے اللہ کے اس فضل و کرم کو ہدایت نصیبی اور سلوک کہا جاتا ہے۔

سُلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں "جذب و سلوک" کی طرف اشارہ نکلتا ہے جو تصوّف کی معروف اصطلاح ہے۔ (روح المعانی)

حکیم الامتؒ اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ "یجتبیٰ"، جبی کے معنیٰ جذب اور کھینچ لینا ہیں جیسا کہ انبیار کرام کو منتخب کر لیا جاتا ہے اسمیں ان کی عبادت ریاضت کو دخل نہیں یہ اپنی ذات میں ہدایت کے چراغ ہوا کرتے ہیں اور "یهدی" ہدایت کے معنیٰ سالک کو راہ دکھانا (راہِ عمل کا چلنے والا) اس طرح جذب و سلوک کی اصطلاح قائم ہوگئی۔

(٦٤٢) لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا۔ الآیۃ (شوریٰ آیت ۱۵)

ترجمہ:۔ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہماری تمہاری کوئی بحث نہیں اللہ ہی ہم سب کو جمع کریگا اور اُسی کے پاس جانا ہے۔

تفسیر:۔ حق اور باطل کے بحث و مناظرہ کے بعد بھی حق بات کو قبول نہ کیا تو اب بحث بیکار ہے قیامت ہی میں اس کا فیصلہ ہوگا کیونکہ وہاں سب کو حساب کتاب دینا ہے۔

سُلوک :۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ یہ نصیحت ایسے موقع کے لئے ہے جب بحث و مناظرہ ختم ہو جائے پھر بھی حق قبول کرنیکی توقع نہ رہے۔ (لَنَآ اَعْمَالُنَا

وَنَكُمْ اَعْمَالُكُمْ. کہدیا جائے)۔

(۶۴۵) اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ۔ الآیۃ (الشوریٰ آیت ۲۱)

ترجمہ:۔ کیا ان کے تجویز کئے ہوئے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے کوئی اجازت نہیں دی۔

تفسیر:۔ اللہ نے نبیوں کے ذریعہ آخرت اور دین کا راستہ بتلایا ہے تو پھر کیا اس کے سوا اور کوئی ہستی ایسی ہے جسے کوئی دوسرا دین مقرر کرنیکا حق واختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دے؟

تو پھر ان مشرکوں نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء کرام نے بتلائی ہے دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں؟

سلوک:۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ آیت سے بدعت کا مذموم اور حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(کیونکہ بدعت بھی اپنے دل وخواہشات سے گھڑلی جاتی ہے)

(۶۴۶) وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ۔ الآیۃ (الشوریٰ آیت ۲۷)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے روزی کی فراخی کر دیتا تو سب زمین پر سرکشی کرنے لگتے لیکن وہ جسقدر بھی مناسب سمجھتا ہے اسی انداز سے رزق نازل کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر بصیرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر:۔ اللہ سے بڑھکر اپنے بندوں کی مصلحتوں اور ضرورتوں کا جاننے والا

اور کون ہوسکتا ہے، وہ اپنے ہر بندے کی ضرورت اور اُس کے ظرف و مصلحت کے لائق روزی دیتا ہے اگر وہ بے تحاشا سب کو خوشحال اور فارغ البال کردے (جیسا کہ وہ قادر اور مقتدر ہے) تو عام انسانی طبائع ایسی ہیں کہ بجائے امن و امان فتنہ و فساد برپا کردیں اور ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر و بغاوت میں مُبتلا ہو جائیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح روزی کی کشادگی سے بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے ایسے ہی باطنی بسط (انوارات و احوالِ قلب) کی کثرت بھی بعض کے حق میں مُضر ہو جاتی ہے۔
(لہٰذا اگر کسی کو قلب کی یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو اُسکو مغموم نہ ہونا چاہیئے)

(۶۷۷) وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ. الآیۃ (الشوریٰ آیت ۳۷)

ترجمہ:۔ اور جب انھیں غصّہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف و اخلاق بیان کئے گئے ہیں اُن میں ایک خصلت معافی و درگزر کی بھی بیان کی گئی ہے کہ جب انھیں کسی جائز بات پر غصّہ آتا ہے تو ضبط و تحمل کر لیتے ہیں انتقام نہیں لیتے یہ کیفیت اخلاق و شرافت کی اُونچی علامت ہے، علاوہ ازیں یہ خصلت "اخلاقِ نبوّت" میں شمار کی جاتی ہے۔

سُلوک:۔ علّامہ آلوسی بغدادی رحؒ لکھتے ہیں کہ معاف کرنا یا برابر کا بدلہ لینا دونوں جائز ہیں۔ (اگرچہ معاف کردینا افضل و احسن ہے)۔ (رُوح المعانی)

ملحوظہ:۔ اللہ کے نیک و برگزیدہ بندوں کو غصّہ و طیش ضرور آتا ہے لیکن وہ اُس کا اظہار بے موقع نہیں کرتے اور جب اُنھیں بے محل و بے جا غصّہ آجائے تو اُس کے تقاضہ پر عمل نہیں کرتے بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھتے ہیں یہی خصلت

اُن کے کمال وخوبی کی علامت ہے۔

علاوہ ازیں غصّہ کا سرے سے نہ آنا کوئی اچھی بات بھی نہیں بلکہ یہ دل کی کمزوری اور بے حمیّتی کی علامت ہے، کمال نہیں نقص ہے، ہنر نہیں عیب ہے۔ کمال وخوبی یہ ہے کہ جب بے محل وبے جا غصّہ آجائے تو اُس کے تقاضے پر عمل نہ کرے، ضبط کرے اور اس مقام سے گزر جائے۔

(۱۴۸) وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ۔ الآیۃ (الشوریٰ آیت ۴۱)

ترجمہ:۔ اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔

تفسیر:۔ اوپر والی آیت ۴۰ میں بیان کیا گیا کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے لیکن جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرلے تو اُسکا اجر اللہ کے ذمّے ہوگیا بیشک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتے۔

دونوں آیتوں سے یہاں دو اصول ثابت ہوتے ہیں۔

ایک قانونِ عدل کہ جیسا کرے گا ویسا پائیگا، مثلاً دانت کا بدلہ دانت، آنکھ کا بدلہ آنکھ، لیکن یہاں یہ اہم نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس بدلہ میں یہ بھی شرط ہوگی کہ وہ بدلہ فی نفسہٖ جائز وحلال ہو، ممنوع یا حرام قسم کا نہ ہو مثلاً لوٹ مار کا بدلہ لوٹ مار نہ ہوگا، زنا کا بدلہ زنا نہ ہوگا، غیبت کا بدلہ غیبت نہیں ہوگا، حرام کاری کا بدلہ حرام کاری نہ ہوگی، یا کسی نے دھوکہ سے شراب پلا دی تو آپ کو شراب پلانا جائز نہیں۔

دوسرا اصول "قانونِ فضل" ثابت ہوتا ہے رحم ورعایت کا قانون کہ آدمی بُرائی کا بدلہ نہ لے معاف ودرگزر کردے یہ عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے۔

سلوک :۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ مجموعۂ آیات سے انتقام لینے کا صرف جواز ثابت ہوتا ہے (یعنی برابر کا بدلہ لیا جا سکتا ہے) انتقام لینے کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ (جصّاص)

(۶۷۹) اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ الآيۃ (الشوریٰ آیت ۴۲)

ترجمہ :۔ الزام تو صرف اُن پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے پھرتے ہیں ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر :۔ آیت کا تعلق احکام فوجداری سے متعلق ہے اُوپر کی آیات میں قانون عدل اور قانون فضل کا تذکرہ کیا گیا تھا اور یہ کہا گیا کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے لیا جا سکتا ہے البتہ معاف و درگزر کرنا بہتر اور اعلیٰ خصلت ہے۔ مذکورہ آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ابتداءً ظلم کرنا یا بدلہ لینے میں زیادتی کرنا سخت بات ہے البتہ ظلم ہونے پر بدلہ لینا اور بات ہے۔

سلوک :۔ مذکورہ آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ تشدّد کرنا مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ وہ تشدّد بُرا ہے جو بے جا اور ظالمانہ ہو۔

ملحوظہ :۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بُرائی پر انتقام لینا یا معاف و درگزر کرنا مختلف حالات کے تحت ہے جو شخص ظلم کرنے کے بعد شرمندہ و افسوس کرتا ہو اُس کو معاف کر دینا افضل ہے۔ اور جو اپنی ضد و عناد پر قائم رہتا ہو اُس سے انتقام لینا بہتر ہے۔ (بیان القرآن)

(۶۸۰) مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا۔ الآيۃ (الشوریٰ آیت ۵۲)

ترجمہ :۔ آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ الکتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ الایمان کیا

چیز ہے لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنا دیا کہ اس کے ذریعہ ہم ہدایت
کرتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں۔

تفسیر:۔ آیت میں اس حقیقت کا اظہار کیا جارہا ہے کہ کامل استعداد اور صلاحیت رکھنے والا بھی بغیر تائید و توفیق الٰہی کچھ نہیں پاتا، اپنے ہنر و قوّت بازو پر ناز کرنے والے عام طور پر ٹھوکر کھاتے ہیں، متکبّر انسانوں کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ نبی و رسول کی عظیم شخصیت بھی نبوّت سے پہلے ایمان و اسلام اور قرآن کی تفصیل سے واقف نہ تھی پھر اللہ نے آپ پر فیضان وحی کا القار کیا اور کمالات و فضائل و درجات سے سرفراز کیا گیا۔

سلوک:۔ حکیم الامّت ؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ کمالات و فضائل سب کے سب موہوب (عطائی) ہوا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جس ذات کو عطا کرنیکی قدرت ہے اسکو سلب کمالات کی بھی قدرت ہے لہٰذا کسی صاحب کمال کو اپنے فضل و کمال پر ناز نہ کرنا چاہیئے۔

سورۃ الزخرف پارہ ۲۵

(۶۸۱) بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ الآیۃ (الزخرف آیت ۲۲)

ترجمہ:۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک راہ پر پایا ہے
اور ہم انھیں کے نقش قدم پر راہ یافتہ ہیں۔

تفسیر:۔ قرآن حکیم نے بار بار ان مشرکین سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ شرک کی تائید میں کوئی ایک عقلی یا نقلی دلیل پیش کردیں لیکن اس کا جواب وہ ہمیشہ یہی

دیتے رہے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایسے ہی کہتے اور کرتے دیکھا ہے اگر یہ حق نہ ہوتا تو یہ قدیم زمانے کے لوگ اس پر قائم نہ رہتے۔

سُلوک:۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آباء پرستی کی مذمت میں اور کچھ نہ ہو تب بھی یہ آیت اس کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر کبیر)

(٦٨٢) وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ الآیۃ (الزخرف آیت ۳۱)

ترجمہ:۔ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو مشہور شہر کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟

تفسیر:۔ مشرکین عرب کا یہ ایک عام اعتراض تھا کہ نبوّت کسی ایسے شخص کو ملنی چاہئے تھی جو امیر و کبیر صاحب تخت و تاج ہوتا اس کے لئے کم از کم مکہ یا طائف کے کسی سردار کا انتخاب ہونا چاہئے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک غریب و یتیم آدمی ہیں ان کو نبوّت کیونکر مل گئی۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح انبیاء کرام کو اُن کی قوموں نے یہ طعنہ دیا تھا کہ وہ دولت و ثروت، شان و شوکت نہیں رکھتے ایسے ہی منکرین نے بھی یہی طعنہ اولیاء اللہ کو دیا ہے۔

(٦٨٣) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ الآیۃ (الزخرف آیت ۳٦)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی بھی اللہ رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اُس پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں جو اسکے ساتھ ہو جاتا ہے۔

تفسیر:۔ یعنی جو بھی شخص نصیحت اور ذکر الٰہی سے غافل ہو گیا اس پر ایک مخصوص شیطان مقرر ہو جاتا ہے جو اس کو ہر وقت یاد الٰہی سے غافل رکھتا ہے اور

اُس کے دل میں طرح طرح کے شبہات ڈالتا ہے۔

یہ شیطان موت تک اس کا ساتھی رہا کرتا ہے اور قیامت کے دن جب معلوم ہوگا کہ یہ بُرا ساتھی تھا تو اُس وقت حسرت وافسوس سے کہیگا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں تو شیطان کے مشورہ پر چلتا تھا آخرت میں اُس کی صحبت پر پچھتائیگا۔ اس طرح کا ساتھی شیطان کسی کو انسان کی شکل میں ملتا ہے اور کسی کو جن وغیرہ کی۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ لکھتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے منھ موڑنے پر اگرچہ فوری گرفت نہ ہو لیکن گناہوں میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ عذاب سے کم نہیں۔

(۶۸۳) وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ۔ الآیۃ (الزخرف آیت ۵۲)

ترجمہ:۔ فرعون کے اعتراضات میں ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) روانی سے تقریر بھی کرنا نہیں جانتے ہیں۔ (حالانکہ ایسی بات نہ تھی)

تفسیر:۔ کسی مسخرے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا "میرا کمال یہ ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں" اعتراض کی بھی کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے بس مُنھ کھولا اور بک دیا۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ آیت سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ زبان آوری وطلاقتِ لسانی یا عرفی ورواجی کمالات کا نہ ہونا عیب یا نقص کی علامت نہیں ہیں۔

(اولیاء اللہ میں بہت سے ایسے بھی ہوئے ہیں جو بہت کم کلام کرتے تھے تصوف میں اِن چار خصلتوں کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، قلتِ طعام، قلتِ کلام، قلتِ منام، قلتِ اختلاط مع الانام)۔

سُورۃ الدّخان پارہ ۲۵

(۶۸۵) وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ۔ الآیۃ (الدخان آیت ۲۰)

ترجمہ:۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے پروردگار کی اس بات سے کہ تم مجھکو سنگسار کرو۔

تفسیر:۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کا تذکرہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کی دھمکیوں پر یہ جواب دیا تھا کہ تم لوگوں نے میری سنگساری کا فیصلہ کرلیا ہے تو مجھے کچھ فکر نہیں ہے میں اپنے ربّ کی پناہ میں آچکا ہوں وہ میری حمایت کرے گا مجھکو یہ سہارا کافی ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کے آگے التجا کرتے رہنا اور اپنی قوّت وطاقت کا دعویٰ نہ کرنا عبدیّت (بندگی) کی علامت ہے (جو اخلاقِ انسانی میں بلند تر سمجھی جاتی ہے)۔

(۶۸۶) وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ۔ الآیۃ (الدخان آیت ۲۱)

ترجمہ:۔ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہوجاؤ۔

تفسیر:۔ یعنی اگر میری بات نہ مانتے ہو تو کم از کم مجھے ایذا نہ دو اور اپنے جرم کو سنگین نہ بنالو۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّتؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ جس سے اصلاح کی اُمّید نہ ہو اس سے قطع تعلق کرلیا جائے۔

(۶۸۷) اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۔ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۔ الآیۃ
(الدخان آیت ۴۳،۴۴)

ترجمہ :۔ بیشک زقوم کا درخت بڑے بڑے مجرموں کی غذا ہوگا۔
تفسیر :۔ زقوم جہنم کا ایک خاردار درخت ہے جو ہر قسم کی لذت وفائدے سے خالی، نہایت بدبودار کڑوا سوزش و آگ والا، یہ اہلِ جہنم کی ضیافت میں پیش کیا جائے گا۔
سلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ نے صوفیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ درخت حرص وحبّ دنیا کا درخت ہے جو قیامت کے دن اس شکل میں ظاہر ہوگا۔
(روح المعانی)
ملحوظہ :۔ جب قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل نے اپنے دوستوں سے کہا لو تمہارا دوست محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے کہ جہنم میں ایک درخت ہے حالانکہ آگ تو درخت کو جلادیتی ہے۔ (درّ منثور)
اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب نازل کیا، اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ۔ الآیۃ (الصّٰفّٰت آیت ۶۴) یعنی زقوم تو جہنم کی تہہ میں اُگنے والا درخت ہے (جیسا کہ بعض حیوانات آگ میں زندہ رہتے ہیں)۔

سُوْرَةُ الْجَاثِیَة
پارہ ۲۵

(۶۸۸) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا
الآیۃ (الجاثیہ آیت ۱۸)

ترجمہ :۔ پھر ہم نے آپکو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اسی راہ پر

قائم رہیئے اور بے عملوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔

تفسیر:۔ بے دین لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ہر راہ پر چلنے لگتے ہیں ان کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔

اے نبی ہم نے آپ کو ایک سیدھی بے غبار راہ پر کھڑا کر دیا ہے آپ خود بھی اس پر قائم رہیئے اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلائیے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت کی اتباع کا حکم دیا جارہا ہے تو دوسرا اور کون ہوگا کہ وہ شریعت کی مخالفت کرے اور دعویٰ کرے کہ مجھکو کمالات اور قربِ خداوندی حاصل ہے؟ یہ کسقدر باطل دعویٰ ہے۔

(۶۸۹) ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ الآیۃ (الجاثیۃ آیت ۳۵)

ترجمہ:۔ یہ سزا اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو ہنسی مذاق بنا رکھا تھا اور تم کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔

تفسیر:۔ آخرت میں سارے حقائق سامنے ہوں گے جن باتوں کو دنیا کی زندگی میں خواب وخیال بلکہ خوش خیالی سمجھا جاتا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے ہوں گے، دل یقین کر رہے ہوں گے اور آنکھیں دیکھ رہی ہوں گی۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ انکارِ آخرت کی بُنیاد یہی دُنیا کی مشغولی اور اُس کا انہماک ہے۔

سورۃ الاحقاف پارہ ۲۶

(۶۹۰) اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ الآیۃ (الاحقاف آیت ۴)

ترجمہ :۔ میرے پاس کوئی آسمانی کتاب لاؤ جو اس (قرآن) سے پہلے کی ہو یا کوئی علمی مضمون لاؤ اگر تم سچے ہو۔

تفسیر :۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ شرک میں سچے اور حق پر ہو تو کسی آسمانی کتاب کی دلیل پیش کرو یا اسے علمی اصول سے ثابت کرو کہ توحید کے سوا شرک بھی حق ہے؟

سلوک :۔ عارفین نے آیت سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ دین کے بارے میں کوئی بھی دعویٰ معتبر دلیل کے بغیر قابل قبول نہ ہوگا یہاں تک کہ دعویٰ کشف والہام بھی تسلیم نہیں کیا جائیگا۔

ملحوظہ :۔ قرآن حکیم نے یہاں ایک اہم تنبیہ کی ہے جس پر بہت سے اہل علم کو بھی توجہ نہیں۔

عام طور پر توحید کے اثبات کے لئے دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری بھی ہے لیکن قرآن کریم نے ایک قدم آگے بڑھکر مشرکوں سے الٹا مطالبہ کر دیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو شرک کے اثبات کے لئے دلیل پیش کرو؟

اور حقیقت یہ ہے کہ توحید کے ثبوت کے لئے علمی دلائل و براہین کی چنداں ضرورت نہیں کائنات کا سارا نظام خود دلیل و ثبوت ہے، ضرورت

تو اس کی ہے کہ شرک کی گنجائش کے لئے دلیل طلب کی جائے۔
اس طرز و عنوان سے قرآنی استدلال اور انسانی استدلال کا واضح فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۶۹۱) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ۔ الآیۃ (الاحقاف آیت ۹)

ترجمہ:۔ آپ کہدیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو نہیں ہوں، میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا اور تمہارے ساتھ کیا؟ میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

تفسیر:۔ نبوّت و رسالت ایسی اجنبی چیز نہیں کہ تم شک و شبہ میں پڑ جاؤ ہزاروں سال سے نبوّت کا سلسلہ چل رہا ہے پھر میری نبوّت پر کیوں تعجّب کرتے ہو، میں نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ غیب دانی اور مافوق الفطرت قوّتوں کا، جیسے اللہ کے سب بندے ہیں میں بھی اُس کا ایک بندہ ہوں تم میں اور مجھ میں فرق یہ ہے کہ میرے پاس اللہ کی وحی اور اُس کا کلام آتا ہے جس کی میں تم کو دعوت دیتا ہوں۔

سلوک:۔ حکیم الامّت رح لکھتے ہیں کہ آیت سے افراطِ عقیدت کا ردّ نکلتا ہے آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا تعارف بیان کر دیا گیا ہے، تو پھر اولیاء اللہ کو ہر کلّی و جزئی کا علم جاننے والا سمجھنا کسقدر گمراہ بات ہے۔

(۶۹۲) أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ الآیۃ (الاحقاف آیت ۲۰)

ترجمہ:۔ تم اپنی لذّت کی چیزیں دنیا ہی میں حاصل کر چکے ہو اور اُنکا

خوب مزہ اٹھا چکے ہو آج تمہیں ذلّت کا عذاب دیا جائے گا۔

تفسیر:۔ آیت میں مجرموں کو خطاب ہے کہ دُنیا کی حرام لذّتوں میں مبتلا ہو کر تم اپنے انجام سے بے خبر ہو گئے تھے حتّٰی کہ اپنے خالق کو بھی بھلا بیٹھے آج دُنیا کی اُس لذّت خوری اور آخرت فراموشی کے صلہ میں جہنّم کا عذاب چکھو۔

سلوک:۔ حکیمُ الامّت رح نے لکھا ہے کہ آیت سے زُہد کی ترغیب نکلتی ہے اور اس طرف اشارہ بھی ہے کہ دنیا کی لذّات میں اسقدر توسّع کرنا کہ معاصی میں ابتلا ہو جائے خطرے کی بات ہے۔

(۶۹۳) فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔ الآیۃ (الاحقاف آیت ۳۵)

ترجمہ:۔ آپ صبر کریں جیسا کہ ہمت والے نبیوں نے صبر کیا ہے اور ان لوگوں کے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔

تفسیر:۔ مخالف اور مُعَانِد کے لئے انتقامِ الٰہی کا تقاضہ پیدا ہونا ایک فطری بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں کبھی کبھی خیال آیا کرتا تھا کہ ان مخالفین و مُعاندین کی ضد و عناد پر انھیں فوری سزا ملجائے تو اچھا ہے یہ کسی صورت ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہیں۔

آیت میں آپکو صبر کرنیکی تلقین کی گئی، اور صبر خیر ہی پیدا کرتا ہے۔

سلوک:۔ عارفین نے لکھا ہے کہ کمال درجہ کا صبر کرنا نبیوں کی خصوصیات میں شامل ہے، نبیوں جیسی عالی ہمّتی و کُشادہ ظرفی نہ کسی کی قدرت میں ہے نہ اسکا کسی کو حوصلہ۔

سورۃ محمد پارہ ۲۶

(۶۹۴) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۔ الآیۃ (محمد آیت ۱۵)

ترجمہ :۔ جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ایسی نہریں ہیں جن کا پانی متغیر ہونے والا نہیں اور دودھ کی ایسی نہریں ہیں جنکا ذائقہ بدلنے والا نہیں اور شراب کی ایسی نہریں ہیں جو نوش کرنے والوں کے لئے صرف ذائقہ ہی ذائقہ والی ہیں، اور شہد خالص کی نہریں ہیں، اور وہاں ان لوگوں کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور اللہ کی خصوصی بخشش بھی۔

تفسیر :۔ خلاصہ یہ کہ اہل جنّت ہر قسم کی مادی دروحانی نعمتوں سے مالامال ہوں گے دنیا کی ہر مادّی نعمت فنا پذیر ہوتی ہے، پانی سڑ جاتا ہے، دودھ بگڑ جاتا ہے، شراب تلخ و تیز ہوجاتی ہے شہد گدلا اور میلا ہوجاتا ہے لیکن جنّت کی نعمتیں دائمی ابدی خوش ذائقہ و تروتازہ رہا کرتی ہیں۔

سلوک :۔ حکیم الامّت رح نے لکھا ہے کہ اہل اشارات نے پانی کو حیاتِ روحانی، دودھ کو علم الٰہی، اور شراب کو شوق و محبّت اور شہد کو وصل و قرب کی صورتِ مثالی تجویز کیا ہے۔

(۶۹۵) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتّٰى إِذَا خَرَجُوْا ۔ الآیۃ (محمد آیت ۱۶)

ترجمہ :۔ ان منافقین میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں

یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے باہر آجاتے ہیں تو جو لوگ علم والے (صحابہ) ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انھوں (نبی) نے کیا کہا تھا؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور وہ اپنی خواہشات پر چل رہے ہیں۔

تفسیر: منافقین کا ذکر ہے کہ یہ لوگ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا کرتے تھے لیکن نہایت بے دلی اور روارویی میں، ان کے چہرے مُہرے سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آپکی گفتگو کو توجہ سے سُن رہے ہیں حالانکہ واقعہ ایسا نہ تھا، مجلسِ رسول میں بیٹھنے کے بعد بھی ایسے کورے نکمے رہتے تھے کہ جب مجلس سے باہر نکلتے تو بناوٹ وتکلف میں اہلِ ایمان سے پوچھا کرتے کہ جناب ابھی جو ارشاد ہوا وہ کیا تھا؟

یہ ان کی منافقت تھی کہ وہ ایمان والوں میں اپنی نیک نامی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

سلوک: حکیم الامت رح نے لکھا ہے کہ صحبت وہم نشینی بڑے سے بڑے عالم ومرشد کے پاس بھی بے اثر ہو جاتی ہے جبکہ بیٹھنے والے کے دل میں استفادہ وطلب حق کا ارادہ نہ ہو۔

(۶۹۶) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔ الآیۃ (محمد آیت ۱۹)

ترجمہ: آپ اس کا یقین رکھئے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی قابلِ عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی طلب کرتے رہیے اور تمام ایمان والے مرد اور عورتوں کے لئے بھی، اور اللہ خوب باخبر ہے تم سب کے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے پر۔

تفسیر:۔ استغفار کے معنیٰ معافی اور بخشش طلب کرنا، یہ عمل صرف گناہ یا معصیت پر ہی نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ہر آن وہر شان اس کو جاری رکھا جاتا ہے کیونکہ بغیر اللہ کی دستگیری کے کسی کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ خطا میں نیّت شامل ہو یا نہ ہو، بہر صورت استغفار دُعا ہی ہے۔

ذَنْبٌ کا اردو ترجمہ خطا، لغزش کیا جاتا ہے جبکہ اس کا صدور معصوم شخصیت سے ہو اس لحاظ سے نبی ورسول کا ذنب غیر نبی سے بالکل مختلف ہوگا جسکا اردو ترجمہ خطا یا لغزش ہی ہو سکتا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ مشائخ اپنی دعاؤں میں اپنے متعلقین کو بھی شریک رکھا کریں۔

(۶۹۷) وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ۔ الآیۃ (محمد آیت ۳۰)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو ان کی پوری پوری نشاندہی کر دیتے سو آپ ان کے حلیہ سے پہچان چکے ہیں اور آئندہ اُن کے طرزِ کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

تفسیر:۔ منافقین کی رفتار و گفتار کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتے ہیں کہ باوجود ہمارے تفصیلی طور پر نہ بتانے کے آپ اپنی فراستِ ایمانی اور بصیرتِ قلبی سے اُن کے لب و لہجہ پر غور کر کے انھیں پہچان لیں گے، کیونکہ نفاق کفر کی طرح واضح اور ظاہر نہیں رہتا۔

سلوک:۔ صوفیہ اور عارفین نے لکھا ہے کہ آیت سے فراستِ مومن کی اصل معلوم ہوتی ہے۔

حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ فراست کی بنا پر کسی پر بدگمانی کرنا درست نہیں

البتہ مرشد و مصلح کو تفتیش کرنا جائز ہے جیسا کہ واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضہ اور بعض دیگر اصحاب سے تفتیش کی ہے۔

(واقعہ کی تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ پر دیکھئے)

(۶۹۸) وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۔ الآیۃ (محمدؐ آیت ۳۳)

ترجمہ:- اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔

تفسیر:- یعنی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر کے اپنے اعمال ضائع نہ کرلو۔

مخالفت، اصولِ دین اور اعمال دین دونوں میں ہوسکتی ہے آیت اگرچہ مطلق حکم بیان کرتی ہے لیکن اہل سنت علماء نے اُس کو اصولِ دین کی مخالفت پر شمار کیا ہے کہ کفر و شرک کر کے اپنے اعمال برباد نہ کرلو، حبط اعمال کا مسئلہ صرف کفر و شرک سے متعلق ہے

سلوک:- علامہ آلوسی بغدادی رح نے لکھا ہے کہ آیت کی تفسیر میں امام قتادہؒ کہتے ہیں کہ گناہ کر کے اپنا عمل برباد نہ کرلو، عمل سے مراد نفس عمل نہیں بلکہ نورِ عمل مراد ہے کہ معصیت و نافرمانی سے عمل کے انوار و برکات بجھ جاتے ہیں جبتک توبہ نہ کرلی جائے۔ (رُوح المعانی)

(۶۹۹) وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۔ الآیۃ (محمدؐ آیت ۳۸)

ترجمہ:- اور اگر تم روگردانی کروگے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کریگا پھر وہ تم جیسے نہ ہونگے۔

تفسیر:- اللہ نے جس حکمت و مصلحت کے تحت اپنے بندوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنیکا حکم دیا ہے اگر تم اس کی پابندی نہ کرو تو اس روگردانی کے باعث

کسی دوسری قوم کو یہ خدمت دے دیگا جو تمہاری طرح بخیل نہ ہوگی ایسی قوم سے اللہ دین کی یہ خدمت لے لیگا البتہ تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ دوسری قوم کون ہے؟

آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھکر فرمایا "اس کی قوم"۔
پھر فرمایا اللہ کی قسم ایمان اگر ثریّا ستارے پر جا پہنچے گا تو ملک "فارس" کے لوگ وہاں سے بھی اُسکو اتار لائیں گے۔

سُلوکؒ:۔ حکیمُ الامّتؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اس بات کی تعلیم ہے کہ انسان اپنی کسی دینی خدمت کو اپنی ذات پر موقوف نہ سمجھے کہ یہ کام میری وجہ سے ہو رہا ہے، یہ دعوت و تبلیغ، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت بحث و مباحثہ، اجتماعات، سیادت و قیادت، اتحاد و اتفاق، جنگ و جہاد وغیرہ میری جد و جہد و فکر سے قائم ہے ایسا خیال کرنا زعم و پندار ہے جو حرام و مذموم خصلت ہے۔

سُورۃ الفتح پارہ ۲۶

(۴۰۰) هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔
الآیۃ (الفتح آیت ۴)

ترجمہ:۔ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اہلِ ایمان کے دلوں میں سکینہ نازل کیا تاکہ اپنے پہلے ایمان کے ساتھ انکا دوسرا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

تفسیر:۔ سکینہ کے معنی تسلّی اور اطمینانِ قلب کے ہیں عربی لغت میں اسکے معنی نور، قوت اور روح کے آتے ہیں۔ یہ آیت صلح حدیبیہ سے متعلق ہے جو

ماہ رجب ۶ھ مطابق مارچ ۶۲۸ء کا واقعہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے مکۃ المکرمہ آرہے تھے، مشرکوں نے آپؐ کو روک دیا اور جنگ کی تیاری شروع کردی ایسے نازک وقت میں جبکہ صحابہ کے پاس ہتھیار تھے نہ ساز و سامان، مدینہ منورہ سے صرف عمرہ کرنے کی نیت سے چلے تھے ایسی حالت میں مقابلہ کرنا سخت مسئلہ تھا لیکن صحابہ کے اخلاص و اطاعت شعاری نے مشرکوں سے مقابلہ کرنا طے کرلیا پھر اللہ نے ان کے قلوب پر سکینہ نازل کیا جس کی وجہ سے ہمت و استقامت کے قدم جم گئے۔

سلوک: نزول سکینہ سے قلب کو طمانیت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں اعمال آسان ہوجاتے ہیں، اور ضبط و تحمل پیدا ہوتا ہے۔

(۱۰۷) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔ الآیۃ (الفتح آیت ۱۰)

ترجمہ:- جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

تفسیر:- صحابہ کرام کی یہ بیعت صلح حدیبیہ ۶ھ کے موقع پر بیعت علی الموت (شہادت فی سبیل اللہ) تھی یہ بیعت اُس وقت ہوئی جب یہ خبر اُڑی کہ سیدنا عثمانؓ کو کافروں نے شہید کردیا ہے۔

سیدنا عثمانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بات چیت کیلئے مکۃ المکرمہ بحیثیت سفیر روانہ کیا تھا، اس افواہ پر چودہ سو صحابہؓ نے جو بے ہتھیار، احرام کی حالت میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عہد کیا کہ یا ہم مکہ فتح کریں گے یا پھر اپنی جان دیدیں گے، اس بیعت کو "بیعت رضوان" بھی کہا جاتا ہے اس بیعت پر

اللہ نے اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا۔ (الفتح آیت ۱۸)
بیعت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ہو رہی تھی لیکن اللہ نے اس کو اپنے ہاتھ پر بیعت ہونا قرار دیا۔
سُلوک :- علامہ آلوسی بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ فنا و بقا کا۔

(۴۰۲) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ۔ الآیة
(الفتح آیت ۱۸)

ترجمہ :- بیشک اللہ خوش ہوا اُن مسلمانوں سے جو آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے، اللہ کو خوب معلوم تھا جو کچھ بھی اُن کے دلوں میں تھا سو اللہ نے اُن پر سکینہ نازل کیا۔
تفسیر :- وہی صلح حدیبیہ کا تذکرہ ہے آیت میں صحابہ کرام کے ایمان و اخلاص کی شہادت دی گئی ہے کہ ان کے قلوب دولتِ ایمان و اخلاص سے معمور ہیں صحابہ کرام کی صداقت کیلئے صرف ایک ہی آیت کافی ہے۔
سُلوک :- فقہاء نے لکھا ہے کہ نیّت اگر سچی ہو تو توفیق الٰہی ضرور دستگیری کرتی ہے۔ (جصّاص)

(۴۰۳) مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ الآیة (الفتح آیت ۲۹)

ترجمہ :- محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ زور آور ہیں کافروں پر اور نرم ہیں آپس میں (یعنی مہربان ہیں)۔
تفسیر :- آیت میں صحابہ کرام کی شان بیان کی گئی ہے بیان کرنے والا

ربّ العالمین ہے آیت میں صحابہ کرام کی پوری کی پوری جماعت کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط و قوی ہیں جس سے ان کی کفر و شرک بیزاری کا اظہار ہوتا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ان کا معاملہ نرم اور خلوص و محبت کا رہا کرتا ہے۔

سُلوک :۔ صحابہ کرام کی اس کیفیت کو اہل علم نے حُب فی اللہ و بُغض فی اللہ قرار دیا ہے جو تصوف میں کثرت سے لکھا و بولا جاتا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی خاص حالت میں مومن کے ساتھ سختی اور کافر کیساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا پڑے تو یہ عمل آیت کے عام حکم کے خلاف نہیں ہوگا۔

صوفیہ کرام نے کہا ہے کہ مومن کامل صفاتِ جلال و صفاتِ جمال کا جامع ہوا کرتا ہے۔

سورۃ الحجرٰت پارہ ۲۶

(۷۰۲) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ الآیۃ (الحجرات آیت ۱)

ترجمہ :۔ اے ایمان والو تم اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے کسی کام میں سبقت نہ کرو۔

تفسیر :۔ یعنی جس کسی معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم یا فیصلہ ملنے کی توقع ہو تو اپنی رائے پر کوئی فیصلہ نہ کرو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو نبی کے فرمانے سے پہلے کچھ بولنے کی جرأت نہ کرو پھر جو حکم آپ سے ملجائے اُس کو قبول کرو۔

سُلوک :۔ حکیم الامّت لکھتے ہیں کہ آیت میں احکامِ الٰہی اور احترامِ رسول کا ادب سکھایا گیا ہے اور اپنی طبیعت کے تقاضوں کو نبی کی موجودگی میں مغلوب رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۷۰۵) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ۔ الآیۃ
(الحجرات آیت ۲)

ترجمہ :۔ اے ایمان والو اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان سے ایسا کھل کر نہ بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہیں کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

تفسیر :۔ اپنی آوازوں کو پست رکھنے کا حکم اُس وقت ہے جب آپ مجلس میں بیٹھے ہوں اور گفتگو فرما رہے ہوں، مجلس نبوی کا یہ ادب ہے کہ اگر آپ سے خطاب کرنے کی ضرورت ہو تو نہایت ادب و احترام کیساتھ پست آواز میں عرض معروضہ کیا جائے، جیسا کہ ایک با ادب بیٹا اپنے باپ سے ایک لائق شاگرد اپنے استاذ سے، ایک مخلص خادم اپنے آقا سے، ایک فرمانبردار مُرید اپنے شیخ سے، ایک سپاہی اپنے افسر سے جس طرح بات کرتا ہے اُس سے کہیں زیادہ ادب و احترام کا معاملہ کیا جائے۔

سُلوک :۔ مذکورہ آداب تو آپکی حیاتِ طیّبہ سے وابستہ ہیں۔

آپکی وفات شریف کے بعد آپ کی احادیث پڑھنے، سُننے کیوقت بھی یہی آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ محدّثینِ کرام کا حدیث پڑھتے وقت یہی ادب ہوا کرتا تھا۔

اسی طرح قبر شریف کے پاس حاضری کے وقت بھی یہی آداب ملحوظ

رکھنے چاہئیں۔

اور تقریباً یہی معاملہ آپ کے خلفاء، علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ رکھنے کی ہدایت مفہوم ہوتی ہے۔

ملحوظہ :- ہندوپاک کے شہرۂ آفاق سیرت نگار علامہ سلیمان ندویؒ ان آداب کو اس طرح نظم کرتے ہیں

اے زائر بیت نبوی یاد رہے یہ ، بے قاعدہ یاں جنبش لب بے ادبی ہے
آہستہ قدم نیچی نگاہ پست ہو آواز ، خوابیدہ یہاں رُوح رسول عربی ہے

(۴۰۶) لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ۔الآیۃ (الحجرات آیت ۷)

ترجمہ :- بہت سی باتیں ایسی ہوا کرتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے

تفسیر :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تمہاری بات یا رائے پر عمل نہ کریں تو بُرا نہ مانو کیونکہ حق لوگوں کی خواہشات کے تابع نہیں ہوتا، رسولؐ جو فیصلہ کرتے ہیں وہی حق و صواب ہوا کرتا ہے۔

سلوک :- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ اپنے شیخ کو ہم رائے بنانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔

(۴۰۷) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ ۔ الآیۃ (الحجرات آیت ۱۱)

ترجمہ :- اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب کہ کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔

اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔
اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔

ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا بُرا ہے اور جو باز نہ آئے وہی لوگ ظالم ہیں۔
اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔
اور نہ سُراغ لگایا کرو (یعنی جاسوسی نہ کرو)
اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسکو ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

سُلوک :۔ حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ آیت مکارم اخلاق (بلند ترین اخلاق) کی تعلیم ملتی ہے۔ (جو علم تصوف میں خ[illegible] اہمیت رکھتی ہے)

ملحوظہ :۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ کسی کو عیب دار نام سے یاد کرنا اُس صورت میں حرام ہے جب وہ بلا غرض صحیح ہو، لیکن اگر کوئی شخص ایسے ہی نام سے جانا پہچانا جاتا ہو جو عیب دار ہے اور وہ شخص اس کو اپنی توہین نہیں سمجھتا تو اُس کو اس عیب دار نام سے پُکارنا جائز ہے۔ مثلاً نابینا حکیم صاحب لنگڑے حافظ صاحب، گنجے وکیل صاحب، سلیمان الاعرج (لنگڑا) سفیان الثوری (بیل) وغیرہ۔

تجسّس حرام ہے یعنی کسی کے عیب اور کمزوریوں کی تلاش میں پڑے رہنا، مسلمانوں کے عیب کی پردہ دری کرنا منع ہے پردہ پوشی واجب ہے۔
حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ تجسّس میں یہ عمل بھی شامل ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی باتیں سُننا یا اپنے آپ کو سوتا ہوا بنا کر دوسروں کی باتیں سُننا یہ سب حرام عادتیں ہیں۔

سورۃ ق پارہ ۲۶

(۷۰۸) مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۔ الآیۃ
(قٓ آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ وہ کوئی لفظ اپنے منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر یہ کہ اسکے آس پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا فرشتہ تیار رہتا ہے۔

تفسیر:۔ انسان کے منہ سے کوئی بات نکلی خواہ خیر کی ہو یا شر کی اُدھر لکھنے والا فرشتہ فوری نوٹ کر لیتا ہے، انسانی اعمال کے لکھنے والے فرشتوں کو "کراماً کاتبین" کہا جاتا ہے یہ فرشتے ہر انسان پر خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان مسلّط کر دیئے گئے ہیں داہنی جانب کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں جانب کا فرشتہ بُرے اعمال درج کر لیتا ہے۔ یہی نوشتے حشر کے دن ہر ایک کے ہاتھ میں دیدیئے جائیں گے۔

سلوک:۔ حکیم الامّت لکھتے ہیں کہ آیت میں زبان کی حفاظت کا حکم ہے۔ (انسان کی زبان جیسے نیکیوں کا سرچشمہ ہے ویسے ہی برائیوں کا پشتارہ بھی ہے)

(۷۰۹) لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ۔ الآیۃ (قٓ آیت ۲۲)

ترجمہ:۔ البتہ تو اس دن سے بے خبر تھا سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں کافروں سے خطاب ہے حشر کے دن ان پر غیبی حقیقتیں خوب واضح ہو جائیں گی ان سے کہا جائے گا کہ دنیا کے مزوں میں پڑ کر آج کے دن

سے غافل تھا تجھکو دنیا میں کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا آج ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ ہٹادیا ہے اور نگاہ تیز کردی ہے اب اپنی آنکھوں سے خود ہی دیکھ لے دنیا میں جو باتیں کہی جاتی تھیں وہ صحیح تھیں یا غلط؟

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ بلا کسی ریاضت و مجاہدہ کے کشف ہونا کافروں تک کو میسر ہے تو پھر مومن کا یہ مطلوب نہ ہونا چاہیئے۔

(۷۰) فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ. الآیۃ (قٓ آیت ۳۹)

ترجمہ:۔ سو آپ ان کافروں کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیئے سورج کے نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے۔

تفسیر:۔ قرآن حکیم کی یہ آیت جب نازل ہوئی کہ ہم نے زمین و آسمان و ساری کائنات کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور اس پیدائش میں اللہ کو کوئی زحمت یا مشکلات پیش نہیں آئیں۔

یہودیوں کے شریر عالموں نے مکۃ المکرمہ کے مشرکوں کو مسلمانوں پر یہ طعنہ دینے کے لئے جملہ کسا، ہفتے کے سات دن ہیں چھ دن میں تو زمین آسمان پیدا کئے پھر ساتویں دن اللہ نے تھکن سے آرام کیا۔

اس قسم کی بے ہودہ بکواس پر اللہ تعالیٰ نے آپکو صبر کرنے اور اپنے ربّ کی تسبیح و تہلیل کرنے کا مشورہ دیا۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت اللہ کی یاد میں مشغول ہوجانا سکون و تسلّی کا قوی ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

ملحوظہ:۔ تخلیقِ کائنات میں چھ یوم کا یہ شمار انسانی تفہیم کے لئے کیا گیا ہے مقصود تو یہ ہے کہ اتنے عظیم کارخانے کو مختصر وقت میں بنا دیا گیا۔

اعتراض تو ہر تعبیر میں کیا جا سکتا ہے کہ چھ دن کیوں چار دن میں بھی ہو سکتا تھا؟ اگر دو دن کہا جائے تو ایک دن میں کیوں ممکن نہ رہا اسی طرح ایک دن بھی کہا جاتا تو اس پر بھی اعتراض ہو سکتا کہ ایک دن کی کیا ضرورت؟

یہ دراصل شیاطینی وساوس ہیں جو حق کو مشتبہ کرنے کے لئے ڈالے جاتے ہیں۔

سورۃ الذٰریٰت پارہ ۲۶

(۲۱۱) كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ۔ الآیۃ

(الذاریات آیت ۱۷)

ترجمہ:۔ وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ کے نیک بندوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ان میں جہاں کئی ایک نیک خصلتیں ہیں ایک خصلت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو لہو و لعب، سیر و تفریح، کھیل تماشوں، رنگ رلیوں و فحش کاریوں میں جاگ جاگ کر وقت برباد نہیں کرتے بلکہ رات کا بڑا حصہ ذکر و فکر، تسبیح و تلاوت میں صرف کرتے ہیں۔

اس کے باوجود اپنی عبادت و ریاضت کو کوئی بڑا کارنامہ نہیں سمجھتے، بلکہ آخر شب استغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور اللہ سے معافی و مغفرت طلب کرتے ہیں۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت میں اہل اللہ کے بعض خصوصی اعمال کا ذکر ہے۔

جو لوگ شب میں نوافل تک کے لئے خصوصی اہتمام کرتے ہوں تو وہ فرائض

وواجبات کی ادائیگی میں شب و روز کتنا اہتمام کرتے ہوں گے۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

(۴۱۲) وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ. الآیۃ (الذاریات آیت ۲۱)

ترجمہ:- (زمین کی پیدائش میں بہت ساری نشانیاں ہیں بلکہ) خود تمہاری ذات میں بھی ہیں کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟

تفسیر:- انسان خود اپنے ظاہری و اندرونی اعضاء و نظام پر غور کرے تو وہ ضرور قائل ہو جائے گا کہ اس چھوٹے سے عالم کا بنانے والا ایسا حکیم و مدبّر ہے تو کائنات کے اس وسیع و عریض نظام کا بنانے والا کیسا کچھ عظیم و قدرت والا ہو گا؟

سلوک:- علم تصوّف میں انسانی نظام کو عالمِ اصغر اور آفاقی نظام کو عالم اکبر کہا جاتا ہے۔

ملفوظہ:- سیّدنا علیؓ سے چند اشعار مروی ہیں۔

دَوَآءُكَ فِيْكَ وَمَا تَشْعُرُ ۔ وَدَآءُكَ فِيْكَ وَمَا تُبْصِرُ
وَاَنْتَ الْكِتٰبُ الْمُبِيْنُ الَّذِيْ ۔ بِاَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ
وَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ ۔ وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ

(۴۱۳) فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. الآیۃ
(الذاریات آیت ۵۰)

ترجمہ:- سو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں۔

تفسیر:- اوپر کی آیات میں مشرک و گمراہ قوموں کے تذکرے اور ان کے انجام کو سنانے کے بعد کہا گیا اب تو اللہ کی طرف رجوع ہو جانا چاہیے غفلت و دوری

کی بھی ایک حد ہوتی ہے. فارسی کا مقولہ ہے تلبکے ؟
سُلوک :- حکیمُ الامّت رح نے لکھا ہے کہ فرار کے لفظ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ توجہ الی اللہ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ ہونی چاہیے (کیونکہ دوڑ میں توجہ وعجلت وتیزی ہوا کرتی ہے)

(۷۱۴) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. الآیۃ
(الذّاریات آیت ۵۶)

ترجمہ :- اور میں نے جنّات اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں.

تفسیر :- امام تفسیر قتادہ رح سے مروی ہے کہ لِيَعْبُدُوْنِ کے معنیٰ لِيَعْرِفُوْنِ ہیں یعنی انسان وجنّات کو اللہ نے اپنی معرفت حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے (کہ وہ اللہ کا حق پہچانے).

سُلوک :- حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ عبادت بغیر معرفت کے قابل لحاظ نہیں ہوتی اسی طرح معرفت بھی بغیر عبادت کے حاصل نہیں ہوتی.

اہلِ ظاہر علماء نے صرف صورت عبادت کو اختیار کیا ہے اور جاہل صوفیہ نے معرفت کا دعویٰ کیا ہے (دونوں ہی ناقص ہیں)

ملحوظہ :- آیت میں انسان کی پیدائش کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی بندگی واطاعت کے لئے پیدا کیا گیا ہے.

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بندگی کی کیا حکمت ہے؟ بندگی کیوں کروائی جارہی ہے؟

اس کا ایک جواب تو اہل علم نے "ابتلاء" (آزمائش) قرار دیا ہے کہ کون اطاعت پر قائم رہتا ہے تاکہ اس کو انعام دیا جائے. (جنّت)، اور کون انکار

کرتا ہے جس کو سزا دیجائے (جہنم)۔

صوفیہ کرام نے اس کا جواب "ظہور اسماء الٰہیہ" لکھا ہے یعنی اس بندگی سے اللہ کی صفاتِ رحم وکرم، فضل وعنایت کا ظہور ہو محل خیر پر فضل وکرم کا ظہور ہو اور محل شر پر نقمت وعذاب کا ظہور ہو۔ کتاب "حکیم الامت" از مولنا عبدالماجد دریا بادی۔ (ہر دو جواب کی قرآن وحدیث تائید کرتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ۔ الخ (یونس آیت ۱۴) قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ لَآ اَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا۔ الحدیث۔ ترمذی جلد ۲ ص ۱۹۸)

سُوْرَةُ الطُّوْر پارہ ۲۷

(۴۱۵) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ۔ الآیۃ (الطور آیت ۲۱)

ترجمہ:- اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُنکا ساتھ دیا ہم ان کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے اور ہم اُنکے عمل سے کچھ کم نہیں کریں گے ہر شخص اپنے اعمال کا پابند ہے۔

تفسیر:- اہلِ ایمان کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم رہیں اور انہی کی راہ پر چلتے رہیں ہوں اور جو خدمات اُن کے بزرگوں نے انجام دی تھیں انھوں نے بھی اُن کاموں کی تکمیل میں اپنی زندگی بسر کی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسی اولاد کو اُن بزرگوں کے ساتھ جنت میں یکجا کر دیں گے اگرچہ اُن کے اعمال اپنے بزرگوں کے اعمال سے کم تر ہوں، اس عزت افزائی میں ان بزرگوں کے اجر وثواب میں کمی نہ کی جائے گی۔

سُلوک :- حکیم الامّت نے آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نسبی شرافت آخرت میں کام آئے گی لیکن یہ شرافت دینی و ایمانی ہو، دنیوی شرافت مُراد نہیں ہے۔

(۵۱٦) یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ الآیۃ (الطور آیت ۲۳)

ترجمہ :- جنت میں جنتی آپس میں جام شراب پر چھینا جھپٹی کریں گے وہ شراب ایسی ہو گی جس میں نہ بک بک ہو گی اور نہ کوئی بیہودہ بات۔

تفسیر :- جنتی دوستوں میں دورِ شراب بھی چلے گا بطور خوش طبعی و انبساط ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے اس طرح یہ محفل شراب وکباب تفریح اور لُطف و سُرور کا ذریعہ رہے گی۔

آیت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جنت کی یہ شرابیں صرف اور صرف لذّت و نشاط و عیش کے لئے ہوں گی اِس کے منافی پہلو، نشہ، چکّر، متلی، بکواس، عقلی فتور وغیرہ کچھ نہ پیدا ہو گا نہ کوئی گناہ کی بات ہو گی۔

سُلوک :- حکیم الامّت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ دوستوں میں ہنسی مزاح اور اکل و شرب بُرا نہیں جیسا کہ زاہدانِ خشک نے اس کو وقار کے خلاف سمجھا ہے۔

آیت سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دوست کی خوشدلی کا علم ہو تو اس کے مال میں تصرّف بھی کیا جا سکتا ہے سورۃ النور کی آیت ۶۱ سے اس کی تائید بھی ملتی ہے۔

(۵۱۷) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ۔ الآیۃ (الطور آیت ۴۸)

ترجمہ:- اور آپ اپنے ربّ کی تجویز پر صبر سے قائم رہئے اس لئے کہ آپ تو ہماری عین حفاظت میں ہیں اور جب اُٹھیں تو اللہ کی تسبیح کیا کیجئے۔

تفسیر:- آیت کا لفظی ترجمہ تو یہ ہوگا کہ آپ ہماری آنکھوں میں ہیں لیکن اس کلام سے حفاظت و پناہ مُراد ہوتی ہے (رُوح المعانی) یعنی آپ اپنے کام میں مشغول رہئے آپ کی حفاظت و نصرت ہمارے ذمّے ہے۔

سُلوک:- حکیمُ الاُمّتؒ نے لکھا ہے کہ سکون و طمانیت کا تعلق "مُراقبہ حضوری" سے متعلق ہے۔

ملحوظہ:- مراقبہ حضوری کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ نفس یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ پر میرا ظاہر و باطن کھُلا ہوا ہے اور کوئی حرکت و سکون اُن سے پوشیدہ نہیں وہ ہر وقت و ہر آن مجھکو دیکھ رہا ہے اس دائمی فکر کو "مُراقبہ حضوری" کہا جاتا ہے گویا حدیث اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کی عملی صورت مراقبہ حضوری ہے۔

جس شخص کو یہ کیفیت نصیب ہو جائے یہی ایمان کی اعلیٰ صفت ہے، جس کو حدیث میں اِحسان کہا گیا ہے۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ پارہ ۲۷

(۴۱۸) فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔

الآیۃ (النجم آیت ۳۲)

ترجمہ:- سو تم اپنے آپ کو مُقدّس نہ سمجھو وہی خُوب جانتا ہے تقویٰ والوں کو۔

تفسیر:۔ قرآن حکیم کی اہم ترین نصائح میں ایک نصیحت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اللہ نے تمہیں تقویٰ کی توفیق دی ہے تو شیخی نہ مارو اور اپنے آپ کو بزرگ نہ بناؤ وہ سب کی بزرگی و پارسائی خوب جانتا ہے، آدمی کو چاہیئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے جسکی ابتدا ایک ضعیف و ناپاک قطرۂ آب سے تھی پھر بطن مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پائی پھر دنیا میں اللہ نے اُسے بلند مقام دیدیا ہو تو ایسے ضعیف البنا کو سر اونچا کرتے شرم آنی چاہیئے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ آیت سے اپنے آپکو مقدس و بزرگ سمجھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

(۷۱۹) وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی الآیۃ (النجم آیت ۳۹)

ترجمہ:۔ اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔

تفسیر:۔ انسانی کے عمل کا فائدہ خود اُسی کو ملتا ہے یہ نہیں کہ کوئی دوسرا لے اڑے، کرے کوئی پائے دوسرا یہ ظلم کا قانون ہے۔

دراصل آیت میں یہودیوں کی قدیم بدعقیدگی کی تردید کی گئی ہے، انکے بے عمل عالموں نے یہ بات عام کردی کہ نیک و بزرگوں کی اولاد سے ہونا نجات کے لئے کافی ہے لہٰذا جو لوگ پیغمبروں کی نسل سے ہیں انھیں ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت نہیں اپنے بزرگوں کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے۔

عیسائیوں نے تو نجات کا سارا مدار صلیب کو قرار دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر چڑھکر اپنی امت کی نجات حاصل کرلی ہے۔

جاہل مشرک قوموں میں تو یہ وبا عام ہی رہی ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت نے اس وہم و خیال کی شدت سے تردید کی ہے کہ ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئیگا۔ (معالم، روح المعانی)

سُلوک :- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ عمل سے مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنی ہے اور یہ خوشنودی غیر کے عمل سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ خود کو عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔
اور اگر اللہ کسی کو اپنی طرف سے خوشنودی دینا چاہے تو یہ اور بات ہے۔

سُورۃ القمر پارہ ۲۷

(۴۲۰) تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ کَانَ کُفِرَ۔ الآیۃ
(القمر آیت ۱۴)

ترجمہ :- (ہم نے نوحؑ کو کشتی میں سوار کر دیا) جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی یہ سب اُس شخص کا انتقام تھا جس کی بے قدری کی گئی تھی۔

تفسیر :- سیدنا نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم نے جھٹلا دیا اور سنگسار کر دینے کی دھمکی بھی دیدی تھی، انجام قوم کی غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا، یہ تباہی دراصل سیدنا نوح علیہ السلام کو ستانے اور اُن کو جھٹلانے کے صلہ میں پیش آئی حقیقت میں یہ اللہ کا انتقام تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے انتقام میں قوم سے لیا گیا۔

سُلوک :- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا انتقام خود لیا کرتے ہیں۔ (لہٰذا نیکوں کو اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیئے مخالفوں کے ستانے اور پریشان کرنے پر توجہ نہ دینی چاہیئے۔)

(۴۲۱) سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ۔ الآیۃ (القمر آیت ۲۶)

ترجمہ:- ان کافروں کو عنقریب معلوم ہوجائیگا کہ جھوٹا شیخی باز کون ہے؟
تفسیر:- سیّدنا صالح علیہ السّلام کا تذکرہ ہے آپ نے اپنی قوم کو اپنی رسالت اور توحید کی دعوت دی قوم کے سرداروں نے کہا ہمارے رہتے ہوئے صالح خود سردار بننا چاہتا ہے کیا سرداری کے لئے ہم کافی نہیں؟ یقیناً صالح جھوٹا و شیخی باز ہے۔ العیاذ باللہ۔

آیت میں اس بکواس کا جواب دیا گیا کہ بہت جلد اس کا فیصلہ ہوجائے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون ہے؟

پھر کیا تھا فرشتے کی صرف ایک چیخ نے ساری قوم کے دل گردے پھاڑ دیئے اور پوری قوم خس و خاشاک میں تبدیل ہوگئی۔ (القمر آیت ۲۱)

سُلوک:- حکیم الامت نے آیت سے ایک نکتہ اخذ کیا ہے کہ جب کسی کی اصلاح سے مایوسی ہوجائے اور وہ تسلیم کرنے کو تیار نہ ہو تو جواب میں ایسا عنوان اختیار کرنا چاہیئے جو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ (عنقریب معلوم ہوجائے گا) اہل اللہ اپنے مخالفین کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔

سُورۃ الرَّحمٰن پارہ ۲۷

(۷۲۲) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ. الآیۃ (الرحمٰن آیت ۱۳)

ترجمہ:- سو تم اے جن و انس اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟
تفسیر:- دنیا کی ساری نعمتیں انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں جن کا شمار انسانی علم سے باہر ہے، اتنی کثیر و عظیم نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا بلکہ ان کو بے قدر و بے قیمت سمجھنا کفرانِ نعمت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس سورت میں یہ آیت اکتیس مرتبہ آئی ہے اور ہر موقع پر نئی نعمت کے اظہار پر لائی گئی ہے۔ جیسا کہ آسمانی کتابوں کا طرز ہوا کرتا ہے کہ اہم امور کو بار بار دُہرایا جاتا ہے۔ سیدنا داود علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب زبور میں مناجات ۱۳۶ میں ایک فقرہ "اس کی رحمت ابتک ہے" چھبیس مرتبہ آیا ہے۔

سُلوک :- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا مطلوب ہے، یہ عمل زُہد اور تعلق مع اللہ کے خلاف نہیں جیسا کہ بعض اہل تقشف نے سمجھ رکھا ہے۔

ملحوظہ :- سورت میں اکتیس ۳۱ مرتبہ جن وانس سے مستقلاً خطاب کیا گیا ہے اس کے علاوہ قرآن حکیم میں جنات کا بکثرت ذکر آیا ہے ان صریح آیات سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی مستقل مخلوق ہیں، لیکن بعض مغربی ذہن یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ جن بھی کوئی مستقل مخلوق ہے انھوں نے جن کو انسانوں ہی کی شریر قسم قرار دیا ہے۔ ع

خرد کا نام جُنوں رکھدیا جُنوں کا خرد

چونکہ موجودہ فرنگی تحقیقات میں ان عقلمندوں کو جنات کا ثبوت نہیں ملا لہٰذا جن وِن کوئی چیز نہیں ہے۔

اکبر الہ آبادی نے ان روشن خیالوں کو یہ جواب دیا ہے۔

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز
جُغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا

(۴۲۳) يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۔ الآیۃ (الرحمٰن آیت ۴۱)

ترجمہ :- مجرم لوگ تو اپنے حُلیہ ہی سے پہچان لئے جائیں گے پھر پیشانیوں

اور پیروں کے بل پکڑ لئے جائیں گے۔

تفسیر:۔ قیامت کے حشر میں مجرم لوگوں کا چہرہ خود اُن کے جرائم کا آئینہ دار ہوگا، پکڑنے والے فرشتوں کو مزید تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہ ہوگی ایسے شریروں اور کپاٹیوں کو پکڑ پکڑ کر جہنم میں اوندھے مُنھ پھینک دیا جائیگا۔

سُلوک:۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ دنیا کی زندگی میں گناہ کے نقوش چہرے اور سارے بدن پر مُرتسم ہو جاتے ہیں اور آخرت میں یہی نقوش جو آج مخفی ہیں واضح اور نمایاں ہوں گے۔

(وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ الآیۃ الکہف کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے)

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ پارہ ۲۷

(۴۲۲) وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔

الآیۃ (الواقعہ آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجے ہی کے ہیں خاص قُرب والے ہیں۔

تفسیر:۔ اُن سے حضرات انبیاء کرام اور اُن کے بعد اولیاء اُمّت اور متقین کاملین لوگ مُراد ہیں، سابقون کے معنیٰ اپنی اطاعت وعبادت کے لحاظ سے درجہ اوّل والے۔ (روح المعانی)

سلوک:۔ حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ مقرّبین کا رُتبہ عام صلحاء مؤمنین سے اُوپر ہوگا، اہل تصوف کا یہی مقصود ہوا کرتا ہے کہ وہ مقرّبین میں شامل ہوں۔

(۴۲۵) لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. الآیۃ (الواقعہ آیت ۷۹)

ترجمہ:- اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔

تفسیر:- شاہ عبدالقادر صاحب محدثؒ لکھتے ہیں کہ وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو فرشتے ہاتھ لگاتے ہیں، یعنی لوح محفوظ جسمیں قرآن مجید محفوظ کیا گیا ہے فرشتوں کے سوا جو کہ ہر گناہ سے پاک ہیں اور کوئی وہاں تک رسائی نہیں پاتا۔

سلوک:- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ صوفیہ عارفین نے کہا ہے قرآن کے اسرار و دقائق تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو ہوائے نفس کی آلودگیوں کر پاک و طاہر ہیں۔

(۴۲۶) فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ فَرَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ۔ الآیۃ (الواقعہ آیت ۸۹)

ترجمہ:- سو جو کوئی مقربین میں سے ہوگا تو اس کے لئے راحت ہے عمدہ غذائیں اور عیش کی جنت ہے۔

تفسیر:- رُوح و ریحان کے معنی رحمت و خوشبو کے بھی ہیں اسی طرح مغفرت و استراحت کے معنی بھی بیان کئے گئے ہیں۔ (معالم)

سلوک:- حکیم الامتؒ لکھتے ہیں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا مقرب بندہ وہی ہوتا ہے جسکو اللہ اپنا مقرب بنالے، (نہ کہ عام لوگ اُس کو مقرب سمجھیں)۔

سورۃ الحدید پارہ ۲۷

(۴۲۷) اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ

لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۔ الآیۃ (الحدید آیت ۱۶)

ترجمہ :۔ کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے اُس کے آگے جھک جائیں، اور نہ وہ اُن لوگوں کی طرح ہو جائیں جنہیں اُن سے پہلے کتابِ الٰہی ملی تھی پھر اُن پر ایک طویل زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں کے بہت سارے نافرمان تھے۔

تفسیر :۔ اللہ کی کتاب کے آگے دِل جُھک جانے کا مطلب یہ کہ وعظ و نصیحت کو قبول کرنا اور اُس کی اطاعت کرنا اس میں سستی یا غفلت کو راہ نہ دینا مُراد ہے۔ (رُوح المعانی)

امام اعمش ؒ کہتے ہیں کہ مکۃ المکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد صحابہ کرام کو معاشی فراخی اور آرام ملا، بعض صحابہ میں عمل کی وہ جدوجہد کچھ کمزور پڑ گئی جس کی انہیں عادت تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اس آیت کو "آیتِ عتاب" کہا کرتے تھے۔ (رواہ ابن ابی حاتم)

حضرت شدّاد بن اوس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جو چیز اُٹھالی جائے گی وہ دل کا خشوع ہے۔ (ابن کثیر) یعنی اللہ کی طرف دل جھکنے کے لئے آمادہ ہی نہ ہو۔ قرآن حکیم نے ایسی کیفیت کو دلوں کا زنگ قرار دیا ہے۔

سُلوک :۔ حکیم الامت ؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) خشوع کا لزوم اور دوام (یعنی دل کی نرمی اور اسکی بقاء کا اہتمام)

(۲) طولِ غفلت سے دل میں قساوت (تنگی) پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) دل کی قساوت ذکر اللہ کی کثرت سے دور ہو جاتی ہے۔

(۷۲۸) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۔ الآیۃ (الحدید آیت ۱۹)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے ربّ کے ہاں صدّیق و شہید ہیں ان کے لئے ان کا خاص اجر و ثواب اور اُنکا خاص نور ہوگا۔

تفسیر:۔ اہلِ ایمان یعنی مومنین اللہ کے ہاں صدّیق اور شہید شمار کئے جاتے ہیں، صدیق ایسے مؤمن کو کہا جاتا ہے جس کے ہر ہر عمل میں سچائی و اخلاص ہو، اور شہید کے معنیٰ حق کی گواہی دینے والا۔ (یعنی توحید کا اقرار کرنا سب سے بڑی گواہی ہے) لہٰذا جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ صدّیق بھی ہیں اور شہید بھی ہیں کیونکہ ان لوگوں نے ایمان قبول کرکے حق کی شہادت دی اور سچّائی پر قائم رہے ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ مومنین کو صدّیق اور شہید قرار دینا اس بات کی علامت ہے کہ صدّیقین میں بھی مراتب اور درجات ہیں اور صدّیقیت کا سب سے ادنیٰ درجہ ہر مؤمن کو حاصل ہے جیسا کہ ولایتِ عامّہ کا ادنیٰ درجہ ہر مُومن کو حاصل ہے۔ (بقرہ آیت ۲۵۷)

(۷۲۹) لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۔ الآیۃ (الحدید آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ (یہ بات معلوم ہوجائے) تاکہ جو چیز تم سے لی جارہی ہے اس پر تم رنج نہ کرو اور جو چیز اُس نے تم کو دی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی بھی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر:- انسان کو اپنی زندگی میں جو بھی حالت پیش آتی ہو خواہ وہ خیر ہو یا شر، "لوحِ محفوظ" میں لکھی ہوئی ہے یہ اطلاع اس لئے دی جا رہی ہے کہ دُکھ و مصیبت یا ناموافق حالات پیش آنے پر غم نہ ہو اور راحت و چین کے وقت شیخی نہ ہو بلکہ اللہ کا شکر ادا ہو، کیونکہ جب انسان کا خیر و شر مقدّر ہو چکا ہے تو پھر غم و صدمہ کرنے اور اس طرح اترانے و شیخی کرنے سے کیا حاصل؟

آیت میں تقدیر پر ایمان رکھنے کا فائدہ بیان کیا گیا ہے۔

سُلوک:- حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ آیت میں حُزن و غم کا علاج بتایا گیا ہے کہ ایسے وقت تقدیر کو یاد کر لیا جائے رنج و غم دُور ہو جائیں گے۔

(۴۳۰) اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ. الآيَة (الحدید آیت ۲۴)

ترجمہ:- وہ لوگ ایسے ہیں جو خود بھی بُخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بُخل کی تعلیم دیتے ہیں۔

تفسیر:- آیت میں اترانے والے اور شیخی باز انسان کی عادت بیان کی گئی ہے کہ وہ خود بخیل ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی بُخل کی ترغیب دیا کرتا ہے۔

بُخل کے معنیٰ حقُ اللہ اور حقُ العباد کو ادا نہ کرنا۔ آیت میں خصوصیت سے اشارہ ہے کہ ضروری طاعات میں خرچ کرنے سے رُک جانا اللہ کے یہاں ناپسندیدہ اور مردُود ہے۔

سُلوک:- حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ آیت سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ حُبِّ دُنیا ایسی بُری چیز ہے کہ اس سے اکثر بُری صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً تشان و تکبّر، بُخل و غفلت وغیرہ۔

(۴۳۱) وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ

إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ. الآیۃ (الحدید آیت ۲۷)

ترجمہ:- اور رہبانیت کو اُن لوگوں نے خود ایجاد کر لیا تھا ہم نے اُن پر مقرر نہیں کیا تھا۔

تفسیر:- حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمانوں پر اٹھا لئے جانے کی ابتدائی صدیوں میں ان کے علماء اور مشائخ نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔

رہبانیت سے ترکِ لذّات، ترکِ حیوانات، ترکِ نکاح، ترکِ طہارت، ترکِ اختلاط، ترکِ دُنیا، گوشہ نشینی، صحرا نوردی وغیرہ جیسے نامانوس اعمال مُراد ہیں، اور اِن اعمال کو اُن لوگوں نے مقدّس اور عند اللہ بلند درجہ قرار دے لیا تھا۔

آیت نے پہلے تو یہ واضح کیا ہے کہ اللہ نے ایسے اعمال مقرر ہی نہیں کئے تھے کیونکہ ترکِ دنیا کا فلسفہ الٰہی تعلیم کے مطابق بھی نہ تھا بلکہ یہ تمام تر انسانی اختراع تھی جو بے علمی و کم علمی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، اسلام میں رہبانیت کی اجازت نہیں ہے۔

•سُلوک:- حکیمُ الاُمّتؒ نے لکھا ہے کہ صوفیہ نے لکھا ہے کہ سلوک و تصوّف سے مقصود رضائے الٰہی ہے نہ کہ مراتب و درجات عالیہ کا حصول (جیسا کہ بعض نادان خیال کرتے ہیں۔)

سُورَةُ الْمُجَادِلَةِ پارہ ۲۸

(۴۳۲) وَالَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا. الآیۃ (المجادلۃ آیت ۳)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہوں تو اُن کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، میاں بیوی کے ملنے سے پہلے۔

تفسیر:۔ اسلام سے پہلے عورتوں کو طلاق دینے کا ایک طریقہ "ظہار" تھا اور اس کا یہ طریقہ تھا کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کہہ دینے یا ماں بہن کے کسی پوشیدہ حصہ جسم سے اپنی بیوی کے جسم کو تشبیہہ دینے پر بیوی حرام ہوجایا کرتی تھی مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (تو میرے حق میں ایسی حرام ہے جیسے میری ماں کی پُشت مجھ پر حرام ہے) اس طرح کہنے پر ظہار کا حکم لاگو ہوجاتا تھا، پھر اگر اپنے اس قول سے رجوع کرنا چاہے تو ظہار کا کفارہ دینا پڑے گا اس کے بعد بیوی اپنی سابقہ نکاحی حالت پر لوٹ آجائے گی۔ کفّارہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھ لی جائے۔

اسلام میں بھی یہ طریقہ برقرار رکھا گیا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الاُمّت لکھتے ہیں کہ آیت میں ظہار کے اس کفّارہ کو موجب وعظ و زجر قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ نفس کی اصلاح میں مالی بار کو بھی دخل ہے۔

مشائخ طریقت نے اس تدبیر سے یہ اخذ کیا ہے کہ مُریدوں پر انکے کسی جُرم یا غفلت کی وجہ سے مالی جُرمانہ عائد کیا جائے تاکہ انھیں نصیحت و تنبیہ ہو۔

ملحوظہ:۔ بعض دنیا دار مُرشدوں نے اس بہانے اپنے مُریدوں سے ہر ماہ نذرانہ وصول کیا ہے۔

(۴۳۲) وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ الآیۃ
(المجادلۃ آیت ۸)

ترجمہ:- اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپکو سلام نہیں کیا ہے۔

تفسیر:- منافقین کی عادت کا ذکر ہے کہ پہلے تو یہ مجلس رسول میں بہت کم آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو سراپا حضوری میں آپ کو سلام کر دیتے ہیں لیکن سلام کے وہ معروف الفاظ استعمال نہیں کرتے بلکہ زبان موڑ توڑ کر السَّلامُ عَلَیکُمُ کے بجائے اَلسَّامُ عَلَیکُمُ کہتے ہیں۔ (یعنی تم پر موت آئے)۔

سلوک:- تفسیر ماجدی کے مفسر نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ مسلمانوں میں آج کل سلام کرنے کے جو غیر اسلامی الفاظ رائج ہو گئے ہیں مثلاً آداب عرض ہے، کورنش، بندگی، آداب آداب اور عربوں میں صَباحَ الخیر صَباحَ النّور وغیرہ، اور اس سے بڑھکر ہندوستان میں جے ہند، نمستے وغیرہ، یہ سب تعبیرات غیر اسلامی ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۴۳۲) وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ الآیۃ (المجادلۃ آیت ۹)

ترجمہ:- اور نیکی و پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشی کیا کرو۔

تفسیر:- آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی جارہی ہے کہ جب کسی سے سرگوشی کرنی ہو تو گناہ یا ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں سرگوشی کرنی جائز نہیں ہے نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں سرگوشی کرنی چاہیئے۔

ضرورت کے وقت مسلمانوں کو سرگوشی کی ضرورت پڑتی ہے یہ گناہ کی بات نہیں البتہ فساد و بگاڑ کے لئے منصوبہ بنانا حرام ہے۔

سلوک:- حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شیخ کو تخلیہ میں تعلیم وگفتگو کرنے کی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔

(جیسا کہ بعض مشائخ کا طریقہ رہا ہے)۔

(۴۳۵) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا۔ الآیۃ (المجادلہ آیت ۱۱)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو جگہ کھول دیا کرو اللہ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب کہا جائے اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔

تفسیر:۔ مجلس کے آداب بیان کئے گئے ہیں کہ صدرِ مجلس کو ہدایات دینے کے اختیارات ہیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ شیخ طریقت اپنی مجلس اور ملاقات کے کچھ آداب وضوابط مقرر کر دے تو آیت سے اس کی تائید نکلتی ہے۔

علاوہ ازیں شیخ کے لئے جائز ہے کہ اپنے اصحاب کے درمیان خواص اور عوام کے فرق کی رعایت رکھے۔

(۴۳۶) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ۔ الآیۃ (المجادلہ آیت ۱۹)

ترجمہ:۔ ان پر شیطان چھا گیا ہے سو اُس نے اللہ کی یاد انھیں بُھلا دی۔

تفسیر:۔ منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے مخالفتِ رسول اور غفلت و نسیان اور مسلمانوں کے خلاف سرگوشیاں یہ ان کے ایسے اعمال تھے جس نے اللہ کی یاد سے انھیں غافل کر دیا تھا پھر یہ احکامِ الٰہی بھول بیٹھے۔

حقیقت یہ تھی کہ شیطان اِن پر مسلّط ہو گیا اور اُس نے انھیں حق کی راہ سے دور کر دیا، یہ سب شیطانی جماعت کے کارندے ہیں، اور یہ واقعہ ہے کہ شیطانی طاقت بہت جلد مغلوب بھی ہو جاتی ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ اگر کبھی اللہ کی یاد سے بھول یا غفلت

محسوس ہو تو فوری ذکر اللہ کر کے اس کا تدارک کر لیا جائے، کیونکہ یہ غفلت شیطان کے غلبہ کا اثر ہے۔

سورۃ الحشر پارہ ۲۸

(۴۲۷) هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۔ الآیۃ (الحشر آیت ۲)

ترجمہ: اللہ وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب (یہودیوں کو) اُن کے گھروں سے پہلے اکٹھا کر کے نکال دیا، تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود اُن کا بھی یہ خیال تھا کہ اُن کے مضبوط قلعے اُن کو اللہ کی گرفت سے بچا لیں گے، سو اللہ کا عذاب اُن پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ اُنھیں خیال بھی نہ تھا۔

تفسیر: کفار اہلِ کتاب سے مراد مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ بنو نضیر والے یہودی ہیں، یہ قبیلہ مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا، دولت مند، طاقت و قوت والے تھے اِن کو اپنی دولت و حشمت پر ناز تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو منجملہ اور قبائل اس قبیلہ سے بھی معقول شرائط پر صلح کر لی تھی لیکن یہ بد باطن لوگ دو مرتبہ عہد شکنی کئے جن میں ایک سازش آپ کے قتل کی بھی تھی۔

آخر ان کی غداریوں کی وجہ سے آپ نے انھیں دس دن کی مہلت دی کہ اپنے ضروری سامان (بجز اسلحہ) لے کر قلعہ خالی کر دیں اور شہر چھوڑ دیں ورنہ شہر بدر کر دیئے جائیں گے۔

لیکن بنونضیر نے اپنے قلعوں سے نکلنے کا انکار کر دیا لیکن آپؐ نے اُن پر لشکرکشی کی اور اُن کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، پھر وہ بے بس ہو کر باہر نکل آئے اور ملک شام اور خیبر کی طرف منتقل ہو گئے۔

(تفصیل "ہدایت کے چراغ" جلد ۲ میں دیکھئے)

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تدابیر میں مستقل تاثیر و قوت نہیں کہ وہ کامیاب ہوں، عارفین کا مزاج بھی یہی ہوا کرتا ہے۔

(۴۲۸) وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ الآیۃ (الحشر آیت ۹)

ترجمہ:۔ اور وہ مقدم کرتے ہیں ان کو اپنی جانوں پر اگرچہ خود فاقہ ہی میں ہوں اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا گیا سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر:۔ انصار مدینہ کی تعریف کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ اپنے مہاجرین بھائیوں کے ساتھ جس ایثار و قربانی کا معاملہ کیا ہے وہ ان کے ایمان و اخلاص کی علامت ہے، مہاجرین کے تقاضوں کو پہلے پورا کیا اور خود فاقہ و تنگی اختیار کی حتیٰ کہ اُن میں فکر تک پیدا نہ ہونے دی۔

سُلوک:۔ آیت سے ایثار کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے (اپنی ضرورتوں کو دبا کر دوسروں کی ضرورتوں کو پوری کرنا) لیکن اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس ایثار سے کوئی شرعی واجب فوت نہ ہوتا ہو۔

حکیم الامتؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو بخل و حرص جبلّی و طبعی ہو وہ بُری نہیں، بُری طمع وہ ہے جو غیر شرعی ہو۔ (جیسے سود، رشوت، حرام کاروبار

سے نفع در نفع حاصل کرنا۔)

(۷۰) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا۔ الآیۃ (الحشر آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے وہ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

تفسیر:۔ صحابہ کرام کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں مہاجرین و انصار ایسے لوگ ہیں کہ اپنے سے پہلے اور بعد والے لوگوں کو دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں اور اُن سے محبّت رکھتے ہیں۔

سُلوک:۔ حضرات صوفیہ کے ہاں اپنے بزرگوں کے لئے دُعا رخیر کرتے رہنا معمولات میں شامل ہے۔

(۷۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ الآیۃ (الحشر آیت ۱۸)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کل (آخرت) کے لئے کیا بھیجا ہے۔

تفسیر:۔ قرآن حکیم کی یہ جامع آیت جس میں فکر آخرت کا عظیم درس ہے اس سے بہتر اور کوئی درس نہیں، انسان کو اسی زندگی میں یہ طے کر لینا ہے کہ وہ آخرت کی زندگی کے لئے طاعات عبادات کا کتنا ذخیرہ اب تک بھیج چکا ہے، آج عمل ہے لیکن کل صرف اور صرف حساب ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح نے آیت سے "مراقبہ" کی اصل ثابت کی ہے۔ (جو تصوف میں بکثرت رائج ہے)۔

سورۃ الممتحنۃ پارہ ۲۸

(۴۷۱) اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِىْ سَبِيْلِىْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِىْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ . الآیۃ (الممتحنۃ آیت ۱)

ترجمہ:۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضاجوئی کی طلب میں نکلے ہو تو تم اُن سے چپکے چپکے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ لوگ حق کا انکار کر چکے ہیں۔

تفسیر:۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ (یمنی ثم مکی) ایک بدری صحابی تھے خود تو مکۃ المکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آگئے تھے لیکن سارا خاندان جو اپنے سابقہ مذہب پر قائم تھا مکۃ المکرمہ ہی میں موجود رہا فتح مکہ سے چند دن پہلے انھوں نے اپنے خاندان والوں کو خاص طور پر بعض سربرآوردہ لوگوں کو خط لکھا کہ مسلمان عنقریب مکۃ المکرمہ پر حملہ کرنے والے ہیں ہوشیار و خبردار رہو، یہ خط ایک خاتون کے ذریعہ مکۃ المکرمہ روانہ کردیا یہ عورت شہر سے باہر نکلی ہی تھی کہ جبرئیل امین نے آپؐ کو اس راز کی اطلاع دی اور وہ مقام بھی بتادیا جہاں وہ عورت تیزی سے جارہی تھی آپؐ نے چند صحابہ کو اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا وہ عورت پکڑ کر لائی گئی، آپؐ نے حاطبؓ کو طلب فرمایا اور حقیقت جاننا چاہی، حاطبؓ نے اس خطا کا اعتراف کیا اور یہ بھی عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری نیت بُری نہ تھی اور نہ میں نے اسلام سے بغاوت کی ہے میں نے تو محض یہ خیال کرکے لکھا تھا کہ بہرصورت اللہ آپ کو فتح نصیب کریگا اور مکۃ المکرمہ اسلام کے تحت آجائیگا

البتہ میری اس اطلاع سے اہلِ مکّہ میرے کچھ مہربان ہوجائیں گے اور کم ازکم میرے خاندان والوں کا پاس و لحاظ رکھیں گے کیونکہ یہ غیر ملکی لوگ ہیں اہلِ مکّہ میں اِن کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بس اس سے زیادہ اور کوئی غرض نہ تھی۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جو فیصلہ فرمائیں گے حاطب رضؓ اس کو دل و جان سے قبول کرنے کو تیار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حُسن نیت کی تصدیق فرمائی اور اُنھیں معاف کر دیا اسی واقعہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو عام ہدایت کی گئی کہ ایمان لانے کے بعد کفر اور اہلِ کفر سے ساز باز کرنا درست نہیں، جو کوئی ایسے تعلقات قائم کریگا وہ راہِ حق سے دُور گر پڑے گا۔

سُلوک :- حکیم الامّت رحؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبّت کے بعد اُس کے مخالف سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔

(ایمان و اسلام اور کفر و شرک آگ پانی کی طرح متضاد ہیں، آگ، پانی کو اُڑا دیتی ہے اور پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ کافروں سے دوستی ایمانی غیرت کے خلاف ہے)۔

(۴۴۲) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ الآیۃ (الممتحنۃ آیت ۸)

ترجمہ :- اللہ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ حُسن سلوک اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں لڑے نہیں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا نہیں بیشک اللہ انصاف کا برتاؤ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

تفسیر:۔ ہجرت کے بعد مکۃ المکرمہ میں چند ایسے بھی لوگ تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن اُن سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی نقصان یا حرج نہیں پہنچا تھا یہ مرنج مرنجان قسم کے لوگ تھے مسلمانوں کو مکۃ المکرمہ سے باہر کرنے میں انکا کوئی حصہ نہ تھا۔

آیت میں ایسے ہی قسم کے کافروں کے ساتھ حُسن سلوک کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ اگر کافروں کی ایک جماعت نے مسلمانوں کو ستایا ہو تو دوسرے تمام کافروں کو ستایا جائے ایسا کرنا حکمت اور انصاف کے خلاف بھی ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامت رح نے لکھا ہے کہ بعض بزرگوں کی وہ عادت جو کافروں کے ساتھ نرمی اور مہربانی برتنے کی نقل کی جاتی ہے حتیٰ کہ انھوں نے کافروں کے ہدایا و تحفہ جات بھی قبول کئے ہیں

انکی سند مذکورہ آیت سے نکل آتی ہے۔

(۱۰) يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۔ الاٰیۃ (الممتحنۃ آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دارکفر سے) ہجرت کرکے آجائیں تو تم اُن کے ایمان کا امتحان لیا کرو، اللہ تو اُن کے ایمان سے خوب واقف ہے پس اگر تم جان لو کہ یہ مسلمان ہیں تو پھر انھیں (اُن کے کافر شوہروں) کی طرف واپس نہ کرو، ایسی عورتیں نہ کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران کے لئے حلال ہیں۔

تفسیر:۔ دلوں کا حال تو اللہ خوب جانتا ہے لیکن ظاہری طور پر ان عورتوں

کی جانچ کرلیا کرو آیا وہ واقعی مسلمان ہیں اور صرف اسلام کی خاطر انھوں نے وطن چھوڑا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ ایسی عورتوں کا امتحان لینے پر مقرر تھے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انھیں بیعت بھی کرلیا کرتے اور کبھی خود آپؐ بنفس نفیس بیعت فرمالیا کرتے تھے۔

بہرحال ایسی خواتین کو مدینہ منورہ میں مسلمانوں سے نکاح کرنیکی اجازت دیدی جاتی تھی کیونکہ اختلافِ دین سے ان کے کافر شوہروں کے نکاح باطل ہوچکے تھے اب یہ مسلمان خواتین اپنے پہلے شوہروں کیلئے حلال نہ تھیں۔

(۴۴۲) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا - الآیۃ (الممتحنۃ آیت ۱۲)

ترجمہ: اے نبی جب مسلمان عورتیں آپؐ کے پاس بیعت کرنے آئیں اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالیں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائینگی جسے انھوں نے اپنے آپ گھڑ لیا ہو (یعنی ولد الزنا) اور نہ کسی نیک کام میں آپکی نافرمانی کرینگی تو آپ انکو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے بیشک اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

تفسیر: عورتوں پر جیسے جمعہ، جماعت فرض نہیں ایسے ہی جہاد بھی فرض نہیں یہ اعمال مردوں پر ضروری ہیں البتہ ہنگامی حالات میں امیر المومنین عام جہاد کا حکم جاری کردیں پھر بلا استثنار سب پر جہاد فرض ہوجاتا ہے۔ (تفصیل کتب فقہ میں دیکھ لی جائے یا کسی عالم سے دریافت کرلی جائے۔)

عورتوں کا جہاد، بیعت علی الاعمال قرار دیا گیا ہے، جسکا تذکرہ مذکورہ آیت میں

تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔
سُلوک :۔ حکیمُ الامّت نے لکھا ہے کہ بیعت کے اغراض و مقاصد کے بارے میں مذکورہ آیت واضح بیان کرتی ہے۔ (اور یہ سارے احکام مرد اور عورتوں دونوں میں مشترک ہیں)۔
علاوہ ازیں آیت سے اُس رسمی بیعت کا غلط ہونا بھی ثابت ہوتا ہے جسمیں عمل کا اہتمام ہی نہ ہو۔
(صرف رسمی پیری مُریدی ہوا کرتی ہے ایسی بیعت فریب دھوکہ اور نفع خوری کے سوا کچھ بھی نہیں)۔
حکیمُ الامّت نے آیت سے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ مُرید کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسکا شیخ و مُربّی اس کی صلاح و فلاح کے لئے دُعا کیا کرے)۔

سُورۃ الصّف پارہ ۲۸

(۷۴۵) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔
الاٰیۃ (الصف آیت ۲)

ترجمہ :۔ اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے ہاں یہ بات سخت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔
تفسیر :۔ اسلام ہر مسلمان کو عملی انسان، سیرت کا پختہ اور کردار کا سچّا مجاہد بنانا چاہتا ہے۔ نفاق (دو رُخی) بلکہ شک و شُبہ سے بھی دور رکھنا چاہتا ہے اس لئے وہ قول و عمل کی یک جہتی پر شدّت سے ہدایات دیتا ہے۔
مدینہ طیّبہ میں بعض مسلمانوں نے آپس میں کہا تھا کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ

فلاں فلاں عمل اللہ کے یہاں محبوب تر ہیں تو ہم اُن کو ضرور اختیار کریں گے، حالانکہ اس سے پہلے معرکہ اُحد میں بعض حضرات ثابت قدم بھی نہ رہ سکے تھے، آیت میں اسی پر گرفت کی جا رہی ہے۔ (مظہری)

سُلوک:۔ اہلِ علم کہتے ہیں کہ آیت سے معلوم ہوا کہ واعظ اور داعی کیلئے باعمل ہونا اور زیادہ ضروری ہے۔ البتہ آیت سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ بے عمل یا ضعیف العمل کو وعظ و نصیحت کرنا درست نہیں، آیت عمل کی اہمیت و ضرورت کو اُجاگر کرتی ہے نہ کہ علم کی مذمت کرتی ہے۔ فَافْهَمْ

(۴۲۶) وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ الآيَة (الصف آیت ۵)

ترجمہ:۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم کو خوب معلوم ہے کہ میں اللہ کا تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول ہوں۔

تفسیر:۔ قوم بنی اسرائیل کی پوری تاریخ یہ شہادت دیتی ہے کہ انھوں نے اپنے رسولوں کے ساتھ بُرا سے بُرا سلوک کیا ہے، ستانا پریشان کرنا تو درکنار ضرب و قتل سے بھی نہیں چوکے، طبقہ انبیاء میں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو جتنا ستایا گیا اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے یہی شکایت کر رہے ہیں کہ لاعلمی اور ناواقفی میں کسی کو پریشان کرنا اور بات ہے لیکن تم لوگ تو میری نبوت و رسالت کو جانتے پہچانتے انکار کر رہے ہو اور ایذاء دہی کے جرم میں مُبتلا ہو۔

سُلوک:۔ حکیم الامت نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اپنے شیخ و مرشد کو ایذاء دینا بھی اسی قبیل سے ہے۔ (اپنا استاذ و شیخ نبی کا نائب و جانشین ہوا کرتا ہے)۔

(۴۴۷) وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ۔

الآیۃ (الصف آیت ۱۳)

ترجمہ:۔ اور ایک نعمت اور بھی ہے جس کو تم پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی ایک مدد اور قریبی فتح۔

تفسیر:۔ اصلی اور بڑی کامیابی تو وہی ہے جو آخرت میں ملے گی جس کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی البتہ دنیا کی زندگی میں بھی جو نعمت تم کو محبوب و پسند ہے یعنی اللہ کی کھلی مدد اور قریبی فتح وہ بھی تمہیں حاصل ہوگی اس قریبی فتح سے دولت مند یہودیوں کا شہر خیبر اور ملک عرب کی شہ رگ مکۃ المکرمہ مراد ہیں، جو اس خوشخبری کے بعد مسلمانوں کے اقتدار میں آگئے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحمہ اللہ نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ جس دُنیا سے دین کو تقویت ملے ایسی دُنیا طلبی مذموم نہیں اس کو طلب کیا جاسکتا ہے۔ (البتہ وہ دُنیا طلبی مذموم ہے جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہو)

سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ پارہ ۲۸

(۴۴۸) هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔

الآیۃ (الجمعۃ آیت ۲)

ترجمہ:۔ اللہ وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں اُنھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیات پڑھکر سُناتا ہے اور (بُرائیوں سے) پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے جبکہ یہ پہلے سے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

تفسیر:۔ اُمیّین (اَن پڑھ) اہلِ عرب کو کہا گیا ہے جن میں نہ علم و ہنر تھا نہ کوئی آسمانی کتاب، معمولی پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتے تھے ان کی ناواقفی اور بے علمی ضربُ المثل تھی، اللہ کو بالکل بھولے ہوئے بُت پرستی میں مُبتلا، فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے اِس کے باوجود اپنے آپ کو مِلّتِ ابراہیمی پر قائم سمجھے ہوتے تھے ایسی بے راہ و تاریک قوم میں اللہ نے انہی میں سے ایک رسول اٹھایا جس نے عرب ہی سے نہیں بلکہ سارے عالم سے جہالت و گمراہی کے نقوش مٹا دیئے اور عالم کو علم و حکمت، دیانت و صداقت سے سیراب کر دیا، حق و باطل جُدا جُدا ہوگئے، اور انسانوں میں اخلاق و کردار کے رہنما پیدا کئے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت رح نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ ولایت کا اُمّیت کے ساتھ جمع ہونا ممکن ہے۔ (یعنی اُمّی شخص بھی ولی ہوسکتا ہے) البتّہ ایسے شخص کو شریعت کا ضروری علم لازم ہے خواہ وہ علم علماء کی صحبت و مجلسوں سے حاصل کیا ہو)

(۴۷۹) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ الآیۃ (الجمعہ آیت ۵)

ترجمہ:۔ جن لوگوں کو کتاب تورات پر عمل کرنیکا حکم دیا گیا تھا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو کتابوں سے لدا ہوا ہو۔

تفسیر:۔ جس طرح کتابوں کے بوجھ سے لدا ہوا گدھا علم کے نفع سے محروم ہے اسی طرح یہ بے عمل لوگ بھی علم کے باوجود علمی نفع سے محروم ہیں، محرومیّت میں بے عمل انسان اور گدھا برابر ہوگئے۔

سُلوک:۔ قرآنی مثال سے بے عملی کی مذمّت ثابت ہوتی ہے علم کی مذمّت نہیں، علم بہر حال اللہ ہی کا نور ہے۔ (یعنی آیت میں بے عمل عالموں کی مذمّت کی

گئی ہے عالموں کی نہیں۔)
(سلوک ۴۵، پھر ایکبار دیکھ لیا جائے)۔

(۲۵۰) قُلْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ الآیۃ (الجمعۃ آیت ۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے یہودی ہونے والو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم ہی بلا شرکت غیر اللہ کے چہیتے ہو تو پھر موت کی تمنّا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔

تفسیر:۔ یہودیوں کے بدعمل عالموں نے آہستہ آہستہ یہ عقیدہ عام کر دیا تھا کہ ہم چونکہ نبیوں کی اولاد سے ہیں لہٰذا ہماری یہ فضیلت ضائع نہ جائے گی ہمیں کچھ زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں، بھلا کسی دوست نے دوست کو عذاب بھی دیا ہے؟

آیت میں اسی زعم کا جواب دیا گیا ہے کہ جب تم اللہ کے دوست ہو تو دوست سے ملاقات کرنے کے لئے موت کی تمنّا کرو کیونکہ یہ تمنّا بغیر موت کی پوری نہ ہوگی۔

بعض تفسیری روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ اگر ان میں سے کوئی یہودی موت کی تمنّا کر گزرتا تو اُسی وقت اس کے گلے میں غیبی پھندا پڑ جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتا، اس کے بعد اُن لوگوں نے موت کی تمنّا کرنا چھوڑ دیا اور موت سے سخت خوف اور نفرت کرنے لگے تھے۔

سلوک:۔ حکیمُ الامّت نے لکھا ہے کہ لقاءِ ربّ کے لئے موت کی تمنّا کرنا ولایت کی علامت میں شمار کیا گیا ہے (جیسا کہ بعض صحابہ اور نبیوں نے بھی تمنّا کی ہیں، البتہ دنیا کے رنج و غم سے موت کی تمنّا کرنا ممنوع اور بُرا ہے)۔

(۷۵۱) فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ الآيۃ (الجمعہ آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔

تفسیر:۔ نماز سے، جمعہ کی نماز مراد ہے یہ جمعہ کی نماز کا خاص حکم ہے کہ جب اس کی اذان دی جائے تو ہر مسلمان کو چاہیئے کہ جس حال میں اور جس مشغولیت میں ہو چھوڑ کر مسجد کا رُخ کرے، کاروبار کرنا یا بات چیت میں مشغول رہنا منع ہو جاتا ہے۔

فقہا نے لکھا ہے کہ یہ حکم نماز کا وقت شروع ہوتے ہی لاگو ہو جاتا ہے خواہ اذان ہو یا نہ ہو، چونکہ اذان وقت پر ہی دی جاتی ہے اس لئے اذان کے ساتھ ہی کاروبار بند کر دینا ضروری ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے آیت سے مریدین کی کیفیت تربیت کی طرف اشارہ ہے جب اُن سے کوئی غلطی ہو جائے۔

سورۃ المنفقون پارہ ۲۸

(۷۵۲) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا۔ الآيۃ (المنفقون آیت ۷)

ترجمہ:۔ یہی لوگ تو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ اپنے آپ ہی منتشر ہو جائیں گے۔

تفسیر :۔ یہ کمینہ بات کہنے والے مدینہ کے منافقین تھے یہ اپنے مسلمان پڑوسیوں سے کہا کرتے تھے کہ تم نے مکہ کے اِن غریب و فقیر مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دیکر اپنے سر چڑھالیا ہے اِن کا خرچہ بند کر دو جو انہیں مدد کے طور پر دیا کرتے ہو یہ خود بخود دُور ہو جائیں گے، کہاں کا اسلام اور کہاں کی خیر خواہی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اطراف انکا جمگھٹا اور ہجوم سب کچھ ختم ہو جائے گا، یہ مال و دولت کے حرص میں جمع ہیں۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔

سلوک :۔ حکیم الامت نے لکھا ہے کہ مال و دولت کی کمی کے باعث اہل اللہ کو حقیر اور بے قدر سمجھنا اپنی حماقت کا اظہار کرنا ہے۔ (بزرگی ایک بڑی نعمت ہے اور مال و دولت اور شئی ہے)

سورۃ التغابن پارہ ۲۸

(۷۵۳) مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۔ الآیۃ (التغابن آیت ۱۱)

ترجمہ :۔ کوئی بھی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے قلب کو (صبر و رضا کی) راہ دکھادیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر :۔ ایمان باللہ میں تاثیر یہی ہے کہ وہ قلب کو تسلیم و رضا کا راستہ دکھاتا ہے، جس کا ایمان جس قدر بھی مضبوط اور بلند ہوگا ہجوم مصائب میں اُسی قدر سکونِ قلب اور اطمینان حاصل ہوگا۔

وہ ناموافق حالات سے نا اُمید نہیں ہوتا اسکی نظر اللہ کی قدرت و رحمت

پر رہتی ہے وہ یقین رکھتا ہے کہ جس ذات نے ناموافق حالات پیدا کئے ہیں موافق حالات پر بھی قادر ہے۔ وہ جہاں حاکم ہے حکیم بھی ہے، ہمارے لئے جو مناسب تھا وہ فیصلہ کیا ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ آیت کی تفسیر لکھکر اعلان کرتے ہیں کہ تجربہ کی بات ہے جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔

(۷۵۲) فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَاَطِيْعُوا۔ الآیۃ (التغابن آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے احکام کو سنو اور مانو اور خرچ بھی کرتے رہو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

تفسیر:۔ اللہ نے مال و دولت دیکر تمہیں جانچا ہے کہ کون ان فانی و زائل چیزوں میں پھنس کر آخرت کی باقی و دائمی نعمتوں کو بھول جاتا ہے اور کس نے ان سامانوں کو آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اور آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی ہے لہٰذا جہاں تک ہو سکے ڈرتے رہو اور ثابت قدم رہو۔

سلوک:۔ تقویٰ الٰہی میں "مَا اسْتَطَعْتُمْ"، جہاں تک ممکن ہو کی قید لگا کر ضعیف و ناتواں بندوں کو آسانی و سہولت دیدی ورنہ تقویٰ الٰہی کا حق کون ادا کر سکتا تھا۔

صوفیہ محققین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ سلوک و اصلاحِ نفس میں تدریجی اقدام کافی ہے۔ (تکمیل ہو ہی جاتی ہے)۔

سورۃ الطلاق پارہ ۲۸

(۴۵۵) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ الآیۃ (الطلاق آیت ۳)

ترجمہ:- اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی شکل نکالدیتا ہے اور اسکو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اسکا گمان بھی نہ تھا اور جو اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسکی ضرورت کے لئے کافی ہے۔

تفسیر:- اللہ کا ڈر دخوف دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بے گمان وقیاس روزی ملتی ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں جنت ہاتھ آتی ہے، اجر بڑھتا ہے، اور قلب کو ہمیشہ سکون واطمینان نصیب رہتا ہے جس کے بعد کوئی سختی نہیں رہتی تمام تفکرات اندر ہی اندر کافور ہو جاتے ہیں، علاوہ ازیں حق و باطل کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تمام جہان کے لوگ اس آیت کو اختیار کرلیں تو اُن کو کافی ہو جائیگی۔ (روح المعانی)

اللہ پر توکل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جائز اسباب اختیار کئے جائیں پھر کام ہونے نہ ہونے کا یقین اللہ پر کرلیا جائے اور جو بھی فیصلہ ہو اُس کو اللہ ہی کی جانب سے یقین کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم حقیقی توکل اختیار کرلو تو اللہ تمہیں ایسے رزق دیگا جیسا کہ پرندوں کو رزق دیتا ہے صبح کے وقت وہ اپنے

گھونسلوں سے خالی پیٹ اڑتے ہیں اور شام کو جب واپس آتے ہیں تو انکے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ (ترمذی) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ توکل اور تقویٰ کے برکات کو اہلِ طریق ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں۔

سُورَۃُ التَّحْرِیْم پارہ ۲۸

(۴۵۶) یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔

الآیۃ۔ (التحریم آیت ۱)

ترجمہ:۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ اسکو کیوں حرام کر لیتے ہیں۔

تفسیر:۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ہر روز عصر کے بعد کھڑے کھڑے اپنی ازواج مطہرات کے حجروں میں خیر خیریت دریافت کریا کرتے تھے، حسبِ معمول ایک دن اُم المؤمنین سیدہ زینبؓ کے حجرے میں معمول سے کچھ زیادہ ٹھیر گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ سیدہ زینبؓ نے شہد پیش کیا تھا اُس کو نوش کرنے میں کچھ وقت صرف ہوا، پھر ہر روز تقریباً یہی معمول چلتا رہا۔

دیگر ازواج مطہرات پر یہ صورتِ حال گراں گزرنے لگی خاص طور پر سیدہ حفصہؓ اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اس کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا۔ ؏

عشق است ہزار بدگمانی

پھر دونوں نے باہم مشورہ کیا کہ اس صورتِ حال کو بدلنا چاہیے پھر یہ طے کیا کہ

سیّدہ زینب رضؓ کے حجرے سے جب آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تو انجان حالت میں یوں کہدیا جائے کہ غالبًا آپؐ نے مُغافیر نوش فرمایا ہے (یہ ایک گوند جیسا مادّہ ہوتا تھا جس میں تیز بُو ہوا کرتی تھی) ویسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر تیز بُو ناپسند تھی اور پھر اس گوند میں کچھ بُو بھی ہوا کرتی تھی۔

چنانچہ جب آپؐ سیّدہ زینب رضؓ کے حجرے سے دوسری بیوی کے حجرے میں تشریف لئے اُن بی بی نے مفروضہ جملہ کہدیا، آپؐ نے فرمایا ایسا تو نہیں میں نے تو زینب رضؓ کے گھر شہد پیا ہے، جب ہر بی بی صاحبہ نے ایسے ہی کہنا شروع کیا تو آپ کچھ متاثر ہوگئے، ایک بیوی صاحبہ نے اس کی یہ تاویل کی کہ شاید شہد کی مکھی نے مغافیر درخت کا جوس لیا ہوگا، اس پر آپؐ نے قسم کھالی کہ آئندہ زینب رضؓ کے گھر کا شہد نوش نہ کرونگا۔

اس حادثہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ کو اپنی قسم توڑنے کا حکم دیا گیا چنانچہ آپؐ نے قسم توڑ کر کفّارہ ادا فرمایا۔

سُلوکؒ: حکیم الامّت رحؒ لکھتے ہیں کہ کسی کی اتنی زیادہ رعایت نہ کی جائے کہ اُس سے خود کو دینی یا دُنیوی ضرر پہنچنے لگے، اس طرح دوسروں کے اخلاق کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

(۷۵۷) یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ الآیۃ (التحریم آیت ۸)

ترجمہ: وہ کہتے جاتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے اس نور کو آخر وقت تک قائم رکھئے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

تفسیر: یہ دعا پُلصراط پر اہل ایمان پڑھا کریں گے جبکہ اُس پر یہ گزر رہے ہونگے

کیونکہ اس پُل پر جو جہنّم کے اُوپر قائم ہے نہایت ہی گہری تاریکی ہوگی اس پر گزر کر ہی آگے جنّت کے حدود شروع ہوتے ہیں، اس گزرگاہ پر ہر نیک و بد، مومن و کافر سب کو گزرنا ضروری ہوگا، مومنین کا ایمان اس وقت نور و روشنی کا کام دے گا جس کا ایمان جسقدر قوی اور کامل ہوگا اُس کا نور بھی قوی اور دراز ہوگا ایسا شخص اُس سخت تاریکی میں تیز سے تیز تر گزر جائے گا، حتیٰ کہ کامل الایمان برق و بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔

اور بے ایمان و منافق لوگ اندھیری میں گرتے پڑتے نیچے جہنّم میں گر پڑیں گے کیونکہ ان کے پاس نور جیسی کوئی چیز نہ ہوگی، اہلِ ایمان کی روشنی میں چلنے کی کوشش کریں گے لیکن یہ روشنی ان کا ساتھ نہ دے گی اور وہ پیچھے رہ جائیں گے۔

اس طرح جہنّم ایسے بے ایمانوں سے پُر ہو جائے گی۔ (تفصیل سورۃ الحدید آیت ۱۲ تا ۱۴ میں پڑھ لی جائے۔)

سُلوک:۔ بعض علماء محققین نے عالم آخرت کی اسی دُعا سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بندے کی حاجت مندی اور عبودیت کسی حال اور کسی عالم میں بھی اُس سے زائل نہ ہوگی۔ (لہٰذا بندگی اور نیاز مندگی سے باہر نہ ہونا چاہیئے)۔

(۷۵۸) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ۔ الآیۃ (التحریم آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ اللہ اُن لوگوں کے لیئے جو کافر ہیں مثال بیان کرتا ہے نوح (علیہ السلام) کی بیوی کی اور لوط (علیہ السلام) کی بیوی کی یہ دونوں ہمارے خاص نیک بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن اُن دونوں نے اپنے شوہر کے حق ضائع کئے تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے

مقابلہ میں اُن کے ذرا بھی کام نہ آسکے۔

تفسیر:۔ آیت میں ایمان اور کفر کے انجام کو بتایا گیا ہے۔ سیّدنا نوح اور سیّدنا لوط علیہم السلام جلیل القدر انبیاء میں شمار کئے جاتے ہیں بلکہ سیّدنا نوح علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَوَّلُ الرُّسُلِ فِی الاَرضِ" روئے زمین کا پہلا "عظیم رسول" ارشاد فرمایا ہے۔ دونوں کی بیویاں منافق تھیں بظاہر اپنے شوہر کے ساتھ تعلق تھا لیکن دل سے کافروں کے شریک حال تھیں، پھر کیا ہوا؟ اللہ نے ان کے مرنے کے بعد انھیں دوزخ میں دھکیل دیا اور وہ اہل جہنّم میں شامل ہوگئیں، نبیوں کا رشتۂ زوجیّت ذرا بھی کام نہ آیا۔

کفر و نفاق ایسی بدترین خصلت ہے کہ نبی کے بستر پر سونے والی بھی نجات نہ پا سکی۔

پھر دوسری آیت میں اللہ نے فرعون کی بیوی سیّدہ آسیہ رضؓ بنت مزاحم کی مثال بیان فرمائی جو ایمان دار اور اللہ سے ڈرنے والی بندی تھی جن کا شوہر خدا کا سب سے بڑا باغی و سرکش فرعون تھا، وہ نیک بیوی (آسیہ رضؓ) اپنے کافر شوہر کو عذاب سے بچا نہ سکی اور وہ غرقاب ہوگیا، بیوی کی نیکی اور ایمانداری اسکو کام نہ آئی اور نہ شوہر کی بغاوت و سرکشی کا بیوی پر کچھ اثر پڑا۔

شاہ عبد القادر صاحب محدّث رحؒ لکھتے ہیں کہ اپنا ایمان درست کرلو نہ خاوند بچا سکے نہ جورو۔ (موضح القرآن)

سُلوک:۔ آیت میں سیّدنا نوح و سیّدنا لوط علیہم السّلام کو "عِبَادِنَا صٰلِحِیْنِ" "عبد صالح" کہا گیا ہے، نہ اوتار، نہ مظہر خُدا، نہ سایۂ خُدا، نہ ظلِ سُبحانی نہ ظلّی نہ بُروزی وغیرہ۔

دونوں بیویوں نے اپنے شوہر کی خیانت کی یعنی اُن کے حق کو تسلیم نہ کیا

اور سب سے بڑا حق یہی تھا کہ انکی نبوّت و رسالت کی تصدیق کر لیتیں اور ایمان لے آتیں۔
"تحت عبدین" سے واضح ہو گیا کہ بیوی شوہر کے ماتحت ہی ہوتی ہے برابری و ہمسری کا خیال غیر اسلامی نظریہ ہے۔

(۷۵۹) اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ ۔ الآیۃ (التحریم آیت ۱۱)

ترجمہ: جبکہ انھوں نے دعا کی اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں اپنے قریب ایک مکان بنا دیجئے اور مجھکو فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیجئے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچائیے۔

تفسیر: فرعون کی بیوی سیّدہ آسیہؓ کی دُعا نقل کی گئی ہے جب اُن کا مسلمان ہونا اسکو معلوم ہو گیا تو طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتا تھا تاکہ وہ اسلام کا انکار کر دے یہ وہی خاتون تھیں جس نے سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کو دریا سے اٹھایا تھا اور انکی پرورش کی تھی۔
سیّدہ آسیہؓ کو جب فرعون سخت سے سخت ایذار دیتا تو وہ اللہ کو پکارا کرتی تھیں اس پر انھیں جنّت کا وہ محل جو انھیں آخرت میں ملنے والا ہے دکھایا جاتا تھا کہ صبر کرو پھر تمہیں یہ عظیم نعمت ملنے والی ہے اس مشاہدے سے سیّدہ آسیہؓ کو سب سختیاں آسان ہو جاتی تھیں۔
آخر خبیث فرعون نے انھیں قتل کر دیا اور وہ جام شہادت نوش کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ ؏ ہزارہا ہزار رحمتیں ہوں اُس پاک روح پر۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ آسیہؓ کے کامل الایمان ہونے کی شہادت دی ہے۔ (الحدیث)

سُلوک: حکیمُ الاُمّت لکھتے ہیں آیت سے معلوم ہوا کہ ہر بلا و مصیبت سے نجات کی دُعا اور اللہ سے مناجات کرتے رہنا صالحین کی سیرت رہی ہے۔

سورۃ الملک پارہ ۲۹

(۷۶۰) اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ الآیۃ (الملک آیت ۳)

ترجمہ:۔ جس ذات نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے (اے مخاطب) تو اللہ رحمٰن کی صنعت میں کوئی فتور نہ دیکھے گا۔ لہٰذا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھکو کوئی خلل نظر آتا ہے؟

تفسیر:۔ آسمانوں کی پیدائش اللہ حکیم وقدیر کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے جو ہر عیب و ہر نقص سے پاک وصاف ہے اسمیں کہیں کوئی بوسیدگی خستگی، پستگی نہیں ملے گی نہایت مضبوط اور حسین و جمیل آسمان کا احاطہ کئے ہوئے گویا اس طویل و عریض زمین کو اُس نے اپنی گود لے لیا ہے۔ اللہ کی اس قدرت وصنعت کو دیکھو اور بار بار دیکھو کہ کسقدر منظم اور مرتب طور پر قائم ہے آسمان کی خوبیوں اور فوائد کا احاطہ کرنا انسانی عقل وفہم سے باہر ہے لیکن قرآن حکیم کی مذکورہ آیت یہ درس دیتی ہے کہ تم اسمیں کم از کم غور و فکر تو کرو اللہ کی صنعت و قدرت کا تمہیں یقین ہو جائے گا۔

سلوک:۔ اہل تحقیق علماء نے لکھا ہے کہ آیت میں تین مرتبہ اہل نظر کو دعوت غور و فکر دی گئی ہے۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ:۔ یہ پہلی نظر عوام کی ہے جو آسمانوں کے وجوہ اور اُس کے ظاہری حُسن کو دیکھکر اللہ تعالیٰ کی کمال صنعت کے قائل ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ:۔ یہ دوسری نظر اہل حکمت کی ہے جو ہر مخلوق کی مصلحتوں کو دیکھکر سمجھ جاتے ہیں کہ موجودہ تکوینی نظام سے بہتر اور کوئی نظام ممکن نہیں۔

يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ :۔ یہ تیسری نقل، خواص اہل حق کی ہے جو اپنی نظر و فکر پر نادم ہو کر اپنے عجز و جہل کا اعتراف کرنے لگتے ہیں۔ (بیضاوی)

(۷۱) وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ الآية (الملک آیت ۱۰)

ترجمہ :۔ اور (وہ کافر یہ بھی) کہیں گے کہ اگر ہم (دنیا کی زندگی میں) سُن لیتے یا عقل سے ہی کام لیتے تو آج ہم اہل جہنم میں نہ ہوتے۔

تفسیر :۔ حشر و نشر کے بعد جب جنّت و جہنم کے فیصلے ہو جائیں گے اور ہر فریق اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جائے گا تو اہلِ دوزخ اپنی بد بختی و شامتِ اعمال پر اس طرح نوحہ کرتے رہیں گے جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے لیکن ان کا یہ نوحہ و اعتراف کچھ بھی کام نہ دیگا کیونکہ آخرت صرف دار جزا ہے، دار عمل نہیں۔

سُلوک :۔ حکیم الامت ؒ نے لکھا ہے کہ اُخروی صلاح و فلاح کے دو طریقے ہیں ایک تقلید دوسرا تحقیق، یعنی بے علم انسان کے لئے کسی نیک و صالح انسان کی تقلید کرنی ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر خود علم و حکمت رکھتا ہو تو براہِ راست قرآن و حدیث کی پیروی کرنی چاہیئے۔

کافروں نے دنیا کی زندگی میں دونوں طریقوں سے اعراض کیا تھا لہٰذا آخرت میں ناکام و نامراد ہوئے۔

حکیم الامت ؒ لکھتے ہیں کہ جس مُرید میں تحقیق کی قابلیت نہیں اسکو اپنے شیخ سے مزاحمت یا دلیل کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

سورۃ القلم پارہ ۲۹

(۷۶۲) وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ الآیۃ (القلم آیت ۴)

ترجمہ:۔ اور بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔

تفسیر:۔ اللہ تعالیٰ نے جن اخلاق پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا ہے قرآن حکیم آپ کے اعمال واخلاق کی خاموش تفسیر ہے پیدائشی طور پر آپکی ساخت اور فطرت ایسے ہی واقع ہوئی تھی کہ آپ کا کوئی عمل اور سکون حدتناسب واعتدال سے اِدھر اُدھر ہونے والا نہ تھا، قول وعمل ہی کیا آپکی حرکات وسکنات تک میں اعتدال واستحکام پایا جاتا ہے۔

شیخ الہند ؒ نے مذکورہ آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خُلق پر"۔

قرآن حکیم کی یہ آیت آپؐ کی ساری زندگی کے تعارف کیلئے کافی ہے۔

سُلوک:۔ سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضؓ سے مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ منقول ہے۔

یَرْضٰی لِرِضَاہٗ وَیَسْخَطُ بِسَخَطِہٖ۔

اللہ کی رضا پر آپ راضی رہتے اور جس چیز پر اُسکی ناراضی ہے آپ بھی اُس سے ناراض رہتے۔

حکیمُ الامّت ؒ لکھتے ہیں آیت میں اشارہ ہے تخلّق باخلاق اللہ کی طرف جس کا حاصل فنا فی اللہ ہے۔

(۷۶۳) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ۔ الآیۃ (القلم آیت نمبر ۱۰تا۱۴)

ترجمہ:۔ اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جو بہت قسم کھانے والا ہو

بے وقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے گزرنے والا ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ حرام زادہ بھی ہو۔

تفسیر:۔ آیت کا مفہوم اگرچہ عام ہے لیکن اس کا شانِ نزول ایک کافر سردار کے بارے میں ہے۔ جس کا نام ولید بن مغیرہ المخزومی تھا یہ بداخلاق انسان مذکورہ صفات کا حامل تھا اور اپنی قوم کا سردار بھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بات نہ سننے اور اس سے دور رہنے کی تعلیم کی گئی۔

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت میں اصولی طور پر بُرے اخلاق کا ذکر ہے۔ (جو اُمّ الخبائث کی حیثیت رکھتے ہیں)۔

(۷۶۴) یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ الآیۃ (القلم آیت ۴۲)

ترجمہ:۔ جس دن ساق کی تجلّی فرمائی جائے گی اور لوگوں کو سجدہ کرنے کے لئے طلب کیا جائے گا تو وہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

سُلوک:۔ بخاری و مسلم میں اس آیت کی یہ تفسیر ملتی ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کی موجودگی میں اپنی ساق (پنڈلی) ظاہر فرمائیں گے، اس تجلّی کو دیکھکر تمام اہل ایمان مرد وعورتیں سجدہ میں گر پڑیں گے (کیونکہ ان لوگوں نے دنیا میں جو سجدہ کیا تھا دراصل وہ اللہ کے آگے سجدہ میں گر پڑے تھے یہی حقیقت اس تجلّی کے وقت ظاہر ہوگی) مگر جو لوگ دنیا میں سجدہ نہیں کرتے تھے یا ریاکاری و نفاق میں مُبتلا تھے وہ بھی سجدہ میں گرنے کی کوشش کریں گے لیکن ایسے وقت اُن کی پُشت تختہ بن جائے گی وہ خم بھی نہ ہو سکیں گے یہ سب اس لئے ہوگا کہ حشر میں مؤمن، کافر، مخلص و مُنافق واضح طور پر کُھل جائیں

اور ہر ایک کی قلبی کیفیت مشاہد ہو جائے۔
سُلوک :۔ حکیمُ الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ صوفیہ کرام نے اس تجلّی کو ظاہر پر محمول کر کے "تجلّی صُوری" کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن دیگر علماء نے اسکو اور اس جیسی آیات کو متشابہات میں شمار کیا ہے جن کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

(۶۱۵) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ - الآیۃ (القلم آیت ۴۸)

ترجمہ :۔ تو آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر کیجئے اور (تنگدلی میں) مچھلی والے پیغمبر کی طرح نہ ہوں جبکہ انھوں نے (مچھلی کے پیٹ میں) اللہ کو پکارا اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے۔

تفسیر :۔ کفار کی تکذیب اور ایذاء رسانیوں پر آپ کو صبر کرنے اور برداشت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی مزید تقویت کیلئے شہر نینوی کے پیغمبر سیدنا یونس علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا۔
جس کی مکمل تفصیل "ہدایت کے چراغ" حصہ دوم صفحہ پر مطالعہ کیجئے جو قرآنی قصص میں عظیم الشان قصہ ہے۔
سُلوک :۔ حکیمُ الامت رحؒ نے سیدنا یونس علیہ السلام کے واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ صاحبِ حال کا عمل صاحب مقام کے لئے اسوہ نہیں بنتا اسی طرح صاحب مقام عالی کا عمل صاحب مقام اعلیٰ کے لئے کبھی نقص و عیب شمار ہوتا ہے اور اس سے منع بھی کیا جاتا ہے۔
(آیت مذکورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب الحوت کیطرح پریشان وخوفزدہ ہونے سے منع کیا گیا۔)

(۴۶۶) وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ الآیۃ (القلم آیت ۵۱)

ترجمہ:۔ اور یہ کافر لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرادیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو مجنوں ہے مجنون۔

تفسیر:۔ آیت میں تلاوت قرآن پر کافروں کا تاثر بیان کیا گیا ہے کہ وہ آیات الٰہی سنتے ہی غیظ و غضب میں بھر جاتے ہیں اور آپؐ کی جانب اس قدر تیز نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں گویا آپ کو اپنی نظروں سے پٹک دیں گے اور پھر اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی آوازیں کستے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہوگیا ہے۔

بعض روایات میں یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ مکۃ المکرمہ کے بعض کافر سرداروں نے آپکو نظر و سحر سے متاثر کرنے کے لئے چند نظر بازوں کی خدمات حاصل کیں تھیں تاکہ آپؐ پر نظر عمل جاری کیا جائے چنانچہ ایسی ناکام سعی بھی کی گئی لیکن جب آپؐ کو یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا، نظر باز ناکام و نامراد واپس ہو گئے۔ (موضح القرآن)

سلوک:۔ حکیم الامت نے آیت کے اقتضاء سے یہ اخذ کیا ہے کہ اہل باطل سے بھی تصرفات ہو سکتے ہیں اور وہ کبھی اہل حق پر طبعی اثرات مرتب کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

(جیسا کہ ملعون لبید بن اعصم اور اسکی خبیث لڑکیوں نے آپ پر جادو کیا تھا جس کا چند ہفتے تک آپ پر اثر رہا ہے)

حکیم الامت یہ بھی لکھتے ہیں کہ کسی پر تاثیرات پیدا کرنا بزرگی کی علامت نہیں ہے۔ (عمل، رمل، جفر سے بھی متاثر کیا جاسکتا ہے۔)

سورۃ الحاقۃ پارہ ۲۹

(۶۶۷) وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ. الآیۃ

(الحاقۃ آیت ۴۴ تا ۴۸)

ترجمہ :- اور اگر (یہ پیغمبر) ہمارے ذمے کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوتا اور یہ قرآن بیشک نصیحت ہے متقیوں کے لئے۔

تفسیر :- آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن حکیم اللہ کا خالص کلام ہے جس میں ایک حرف تو کجا ایک حرکت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے شامل نہیں کی، آپ اللہ کے برحق پیغمبر ہیں بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ الٰہی امانت میں خیانت کریں جبکہ معمولی درجے کا انسان بھی خیانت کو جرم سمجھتا ہے۔

اس کے بعد بطور فرض یہ کہا گیا اگر ایسا ہوتا تو ہم خود نبی کو پکڑ لیتے اور انھیں ایسی سزا دیتے کہ ان کا بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔

سلوک :- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ نبوت چونکہ ایک ظاہری و کھلی حقیقت ہے لہٰذا اس کا جھوٹا مدعی بھی ظاہراً ہلاک کردیا جاتا ہے اور عوام میں مردود ہو جاتا ہے۔

لیکن ولایت کا جھوٹا مدعی باطناً ہلاک ہو جاتا ہے یہ اس لئے کہ ولایت ایک قلبی و باطنی چیز ہے اور اس باطنی کیفیت کا ادراک اہل اللہ ہی معلوم

کر لیتے ہیں۔

پھر حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ جس مدّعی ولایت سے اکثر اہل اللہ بیزار ہوں ایسے شخص سے دُور رہنا چاہیے۔

سُورۃ المعارج پارہ ۲۹

(۷۶۸) سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ الآیۃ (المعارج آیت ۱تا۳)

ترجمہ:۔ مانگا ایک مانگنے والے نے اُس عذاب کو جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے، جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں (اور وہ) اللہ کی طرف سے ہوگا جو بلندیوں والا (آسمانوں والا) ہے۔

تفسیر:۔ معارج کا واحد معرج ہے جس کے معنی آلہ عروج (سیڑھی، آسمان) ہیں، اللہ کی یہ ایک صفت ہے کہ وہ ذُو المعارج (آسمانوں والا، بلندیوں والا) ہے۔

آیت میں جس عذاب کے طلب کرنے والے کا ذکر ہے وہ کوئی معین شخص نہیں بلکہ عام کافر مُراد ہیں۔

یہ لوگ ازراہِ تمسخر مطالبہ کیا کرتے تھے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا جسکی دھمکی ہم کو دی جارہی ہے، کافروں کی یہ حماقت تھی کہ ایسی خطرناک بات کا مطالبہ کررہے ہیں جس کی آمد پر اُن کو کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا پھر یہ عذاب اُس اللہ کی طرف سے ہوگا جو بلند آسمانوں کا مالک ہے جس کی جناب میں پہنچنے کے لئے فرشتوں کو پچاس ہزار سال کا وقت درکار ہوتا ہے، بھلا ایسے زبردست اور

قادرِ مطلق کے عذاب کا کوئی متحمّل ہو سکتا ہے؟

سُلوک ۴:۔ حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ اہل لطائف مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں اللہ کی صفت ذی المعارج لانے میں دو نکتے ہیں۔

ایک۱ تو یہ کہ سالک کیلئے تسلّی وتسکین ہے کہ وہ اپنی سعی واستعداد کیمطابق جس مقام پر بھی قدم رکھے گا ذاتِ کبریائی اُسکی پذیرائی کرے گی۔

دوسرے۲ یہ کہ اس صفت میں سالک کے لئے شوق افزائی بھی ہے کہ وہ جس منزل پر بھی پہنچ چکا ہو اُس پر اس کو قناعت نہ کرنی چاہیئے بلکہ آگے ہی بڑھتے جانا چاہیئے۔ (کیونکہ اللہ کی ذات عالی بلند سے بلند تر ہے)۔

(۷۶۹) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ الآیۃ (المعارج آیت ۱۹ تا ۲۲)

ترجمہ:۔ بیشک انسان کم ہمّت پیدا ہوا ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں الانسان سے، کافر انسان مُراد ہے چونکہ اُس کا کوئی بنیادی عقیدہ نہیں ہوتا وہ ہر غم ومصیبت پر پریشان ہو جاتا ہے اپنے انجام کو اللہ کی طرف خیال نہیں کرتا ایسے ہی جب اُس کو فراخی وکشادگی میسّر آتی ہے تو اِترا جاتا ہے اور غفلت وشہوات میں مُبتلا ہو پڑتا ہے لیکن ایمان والے نمازی اس کیفیت سے دور رہتے ہیں۔

آیت میں کافر انسان کے تین وصف بیان کئے گئے ہیں۔

اوّل۱، هَلُوْعًا۔ بے ہمّت وپست۔

دوّم۲، جَزُوْعًا۔ گھبرانے والا، بزدل۔

سوم۳، مَنُوْعًا۔ بُخل وکنجوسی کرنے والا۔

سُلوک ۵:۔ حکیمُ الامّت نے لکھا ہے کہ کافر انسان کی اس پست اخلاقی سے

مسلمان نمازیوں کا علیحدہ ہونا یعنی اِن کا بد ہمّت، بُزدل و کنجوس نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ طاعات (نماز) کو دل کی تقویت اور تحمّل شدائد میں عظیم دخل ہے۔ اور یہ علامت نمازیوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

سُورۃ نُوح پارہ ۲۹

(۸۲۰) ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا۔ الآیۃ (نوح آیت ۸تا۹)

ترجمہ:۔ پھر (بھی) میں نے اُن کو باآواز بلند بُلایا پھر علانیہ طور پر بھی سمجھایا اور خفیہ طور پر بھی۔

تفسیر:۔ آیت میں سیّدنا نوح علیہ السّلام کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک سمجھایا، منایا اور ہدایت و نصیحت کے لئے وہ عنوانات اختیار کئے، جو ایک ناصح و خیر خواہ باپ اپنی اولاد کی نصیحت و رہبری کے لئے کیا کرتا ہے لیکن قوم نے جو متفقہ طور پر طے کر لیا تھا کہ نوح (علیہ السّلام) کی کوئی بات قطعاً قبول نہ کی جائے گی، آخر کار قوم کا انجام عظیم غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ("ہدایت کے چراغ" حصہ اوّل تذکرہ سیّدنا نوح علیہ السّلام مطالعہ کیجئے۔)

سلوک:۔ حکیم الامّت لکھتے ہیں کہ سیّدنا نوح علیہ السّلام کا یہ خیر خواہانہ عنوان ظاہر کرتا ہے کہ نبی اپنی اُمّت کیلئے کیسا کچھ خیر خواہ و مشفق ہوا کرتا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ جاہلوں کے ساتھ ایسے ہی شفقت و عنایت کا معاملہ کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد حکیم الامّت ایک اہم شبہ کو دُور کرتے ہیں جو آیت سے

بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ قرآن حکیم کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی ہدایت وصلاح وفلاح کے لئے اسقدر درپئے نہ ہونا چاہئے کہ بس یہی ایک کام رہ جائے اور باقی کام معطل ہو جائیں۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سالہ جدوجہد میں ایسا ہی کچھ محسوس ہوتا ہے۔ (ایسے عمل کو تصدی کہا جاتا ہے جو شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ عمل نہیں ہے)۔

اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں دو علیحدہ باتیں ہیں۔ ایک دعوت وتبلیغ دوسری بات دعوت وتبلیغ کے نتائج وثمرات،

دعوت وتبلیغ میں تو سراپا مشغول رہنا چاہئے، البتہ نتائج وثمرات کے درپئے نہ ہونا چاہئے۔

مذکورہ آیت میں سیدنا نوح علیہ السلام کی جدوجہد دعوت وتبلیغ میں منحصر ہے، نتائج وثمرات سے متعلق نہیں لہٰذا یہ تصدی نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے عنوان میں تین طریقے مفہوم ہوتے ہیں جس سے انہوں نے کام لیا۔

اوّل، عوام میں علی الاعلان تقریریں کیں اور خطاب عام سے کام کیا۔
دوم، خطاب خاص سے کام لیکر افراد سے الگ الگ بھی کھلم کھلا گفتگو کی۔
سوم، بالکل نجی اور تخلیہ کی صحبتوں میں فرداً فرداً سمجھایا۔

دعوت وتبلیغ کے یہ تین عنوان سیدنا نوح علیہ السلام کی حکمت عملی کا ثبوت ہیں۔ اللّٰھم اجعلنا منھم

(۷۷۱) وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا۔ الآیۃ (نوح آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ (قوم کے سرداروں نے) کہا تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا (خاص طور پر) ودّ کو نہ سواع کو نہ یغوث و یعوق و نسر کو۔

تفسیر:۔ یہ قومی بتوں کے نام ہیں جو سیّدنا نوح علیہ السّلام کے بعد قوم نے گھڑ لئے تھے اور ان کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے یہ سلسلہ نزول قرآن کے عہد میں بھی جاری تھا۔

وَدًّا:۔ یہ اُن مشرکین کے زعم میں قوّت و طاقت اور عشق و محبّت کا دیوتا تھا۔ اسکی مورتی قوی ہیکل مرد کے شکل پر تھی، اہل عرب بھی اس سے خوب مانوس تھے اسکی پوجا شمالی عرب میں بھی کی جاتی تھی۔

سُوَاعًا۔ یہ حُسن و جمال کی دیوی تھی اسکی مورت بھی حسین عورت کی شکل پر تھی اس کی پوجا قبیلہ ہذیل میں جاری تھی۔

یَغُوْثَ:۔ یہ بُت قوّت و طاقت جسمانی کا معبود سمجھا جاتا تھا اسکی شکل شیر اور قدآور بیل کی شکل پر تھی ملک یمن میں اسکی پوجا جاری تھی۔

یَعُوْقَ۔ یہ بھاگ دوڑ کا دیوتا تھا اسکی مورتی بھی گھوڑے کی شکل کی تھی اس کی پوجا بھی اہل یمن کیا کرتے تھے۔

نَسْرًا۔ دُور بینی اور تیز نظری کا دیوتا سمجھا جاتا تھا اس کی مُورت باز یا عقاب کی شکل پر تھی۔

عرب کے جاہل لوگوں نے بھی ان قدیم معبودوں کی پُوجا کو اپنے ملک میں رائج کر لیا تھا اور اپنے مقاصد کو ان دیوتاؤں سے وابستہ کر رکھا تھا۔

ہندوستان میں بھی اسی قسم کے پانچ بُت بشنوؔ، برہمؔا، اندرؔ، شیوؔ، ہنومانؔ کے نام سے رائج ہوگئے اور آج بھی انہی کی پوجا کی جاتی ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ قوم نوح

کے یہ معبود دراصل ملّت نوح کے بزرگان دین تھے ان کی وفات کے بعد شیطان نے انکی یادگاری کے طور پر ان کی تصویریں عام کیں پھر رفتہ رفتہ انکا تقدّس عام ہوا اور انجام ایک زمانۂ دراز کے بعد اُن کی بت پرستی کی بھیانک صورت میں ظاہر ہوا۔

پھر حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ نیک و بزرگ لوگوں کی تصویریں رکھنے کا یہ بُرا انجام بُت پرستی کی شکل میں ظاہر ہوا، اس لئے صلحاء کے آثار و برکات کا زیادہ اہتمام کرنا جبکہ دین میں بگاڑ کا اندیشہ ہو واجب الترک ہے۔

(۲۸۲) وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا۔ الآیۃ (نوح آیت ۲۴ تا ۲۶)

ترجمہ:- اور اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے، اور نوح نے یہ بھی عرض کیا اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی زندہ نہ چھوڑیئے۔

تفسیر:- سیّدنا نوح علیہ السّلام کی یہ دعا اپنی قوم کی مسلسل نافرمانی و بغاوت کی انتہاء پر آپ کی زبان سے جاری ہوئی، گمراہی و ہلاکت کی یہ دُعا یا تو خود اپنے تجربہ کے بعد ضروری سمجھی گئی یا پھر وحی الٰہی کی اس اطلاع کے بعد کہ اے نوح اب تمہاری قوم سے کوئی ایک بھی اطاعت قبول کرنے والا نہیں ہے تو سیّدنا نوح علیہ السّلام نے دُعا کر دی۔

چنانچہ سیّدنا نوح علیہ السّلام نے ایسی دُعا کی کہ طبقۂ انبیاء میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔

سُلوک:- حکیمُ الامّت نے لکھا ہے کہ اپنے مخالفوں پر اضلال اور اہلاک کی دُعا کرنا صاحب وحی کے لئے تو جائز ہے دوسروں کو یہ حق نہیں کہ اپنے مخالفوں پر ایسی دُعا کریں۔

لیکن بعض نادان و رواجی مشائخ نے یہ عنوان اپنے لئے بھی اختیار کرلیا ہے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ۔

سورۃ الجن پارہ ۲۹

(۴۷۳) وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا۔ الآیۃ (الجن آیت ۶)

ترجمہ:۔ اور انسانوں میں بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں کہ انھوں نے جنات میں سے بعض جنوں کی پناہ پکڑ لی ہے سو اُن لوگوں نے ان جنات کی نخوت و زعم کو اور بڑھا دیا ہے۔

تفسیر: عرب میں یہ جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی کہ جنات غیب کی خبریں جانتے ہیں پھر ان کی نذر و نیاز چلنے لگی اور اثنائے سفر جب کسی وادی میں رات کو قیام کرنا پڑتا تو ندا لگاتے کہ اس وادی کے سردار جن کی ہم پناہ چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے ماتحت جنات سے ہماری حفاظت کرے ان باتوں سے جنات کے دماغ اور سڑ گئے اور وہ غرور و تکبر میں انسانوں کے سر چڑھ گئے۔ آخر قرآن حکیم نازل ہوا اور انکی حقیقت ظاہر کردی اور انسانوں کو ان سے بے خوف کردیا۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ بعض لوگ جو زبردستی صوفیہ میں شمار کئے جاتے ہیں وہ ایسے ایسے تعویذات و عملیات میں مشغول ہیں کہ جن میں جنات و موکلات کی ندا اور اُن سے پناہ حاصل کی جاتی ہے، ایسے اعمال کا مذموم ہونا آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

(۲۱) قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا. آیت ۲۱
قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ
لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا. الآیۃ (الجن آیت ۲۵)

ترجمہ:۔ آپ کہدیں کہ میں تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی خیر و بھلائی کا۔

آپ کہدیں کہ مجھکو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی خاص مدّت مقرر کی ہے۔

تفسیر:۔ اُوپر کی آیات میں توحید کا ذکر تھا اور ہر قسم کے شرک کی تردید تھی مذکورہ آیت میں اس قدیم جاہلی عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ نبی و رسول بھی عالم الغیب ہوا کرتے ہیں، آیت واضح طور پر ایسے تصوّر کی نفی خود نبی کی زبان مبارک سے کروا رہی ہے کہ میں نہ نفع کا مالک ہوں نہ تمہارے نقصان کا (بلکہ اگر مجھے علم ہوتا تو میں خیر کے خزائن جمع کرلیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہونچتی) میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ عذاب کا جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ کب آنے والا ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ آیت میں صراحت سے یہ نفی کردی گئی ہے کہ قدرتِ مستقلّہ اور علم غیب کسی مخلوق کو حاصل نہیں، نفع و نقصان اور غیب کا علم صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

(البتہ اللہ تعالیٰ اپنا غیب کسی نبی و رسول پر ظاہر کردیتا ہے اسکو قرآن حکیم نے اِظہار علی الغیب یا اِطّلاع علی الغیب قرار دیا ہے علم غیب نہیں، عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ الآیۃ الجن آیت ۲۶)

سورۃ المزمّل پارہ ۲۹

(۷۷۵) یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ الآیۃ
(المزمّل آیت ۱تا۲)

ترجمہ:۔ اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کر

تفسیر:۔ عربی زبان میں مزمّل اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے چادر وغیرہ کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔

آغاز وحی میں آپ دہشت و بوجھ محسوس فرما کر کانپنے لگے اور اپنے گھر والوں سے کہا زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی چادر اڑھادو چادر اڑھادو پھر اللہ نے آپکو اسی نام سے مخاطب کیا اور تسلّی دی۔

سلوک:۔ شاہ عبدالعزیز محدّثؒ لکھتے ہیں کہ آیت سے خرقہ پوشی کے لوازم اور شروط معلوم ہوتے ہیں۔

حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیات میں صوفی کے مشاغل پر روشنی پڑتی ہے، یعنی رات میں نمازوں کے لئے کھڑے ہونا، قرآن کی تلاوت خوب صاف صاف کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، اور سب سے قطع ہوکر اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا اور اللہ ہی کو اپنا کارساز قرار دے لینا، صبر سے کام لینا، مخالفوں سے درگزر کرنا۔ (المزمّل آیت ۱تا۱۰)

(۷۷۶) وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا۔ الآیۃ (المزمّل آیت ۸)

ترجمہ:۔ اور اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے اور سب سے ٹوٹ کر اُسی کی طرف متوجہ رہئے۔

تفسیر: آیت میں اسم ربّ (یعنی اللہ) کا ذکر کیا گیا ہے، ذکر اللہ خواہ زبان سے ہو یا قلب وجوارح سے ہو یا احکام الٰہی کی پابندی کا نام ہو سب مفہوم مُراد ھیں۔

سُلوک:۔ صوفیہ کرام نے آیت سے دوام ذکر کا مسئلہ اخذ کیا ہے، (یعنی ہر وقت اللہ اللہ کہنا)۔

عارفین نے آیت سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مقامِ ذکر، مقامِ فکر سے مقدّم ہے۔ (تبتل غور وفکر ہی کا نام ہے۔)

تفسیر مظہری کے مفسّر نے لکھا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کی تکرار کرنا بھی مطلوب و مامور بہ ہے۔

(جن علماء نے اسم ذات (اللہ اللہ کی تکرار) کو بدعت کہا ہے وہ کچھ درست نہیں ہے۔)

سورۃ المدثر پارہ ۲۹

(۶۶۷) وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ الآیۃ (المدثر آیت ۶)

ترجمہ:۔ اور کسی کو اس غرض سے نہ دیں کہ زیادہ معاوضہ ملے گا۔

تفسیر: کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کرنا چاہیئے کہ جو کچھ اسکو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائے گا جیسے کسی کو ہدیہ یا تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے بدلے میں اُس سے زیادہ معاوضہ دے گا مذموم اور مکروہ نیت ہو گی۔

سُلوک:۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ کوئی نیک عمل کر کے اس کو زیادہ نہ خیال

کرنا چاہیئے، اور بعض دوسروں نے کہا ہے کہ اپنی نیکیوں کو زیادہ سمجھکر احسان نہ جتایا جائے۔

(۷۷۸) فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ۔ الآیۃ
(المدثر آیت ۴۹)

ترجمہ:- تو ان کو کیا ہوا کہ اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں۔
تفسیر:- نصیحت و خیر خواہی سے اعراض کرنا دراصل قلب کے اُس روگ کی علامت ہے جو آخرت سے غفلت و بیزارگی کے صلہ میں پیدا ہوا ہے۔
سُلوک:- حکیم الامت نے لکھا ہے کہ جو لوگ کاملین کی اتباع سے عار محسوس کرتے ہیں اور خود اپنے احوال و واردات کی توقع و طلب میں لگے رہتے ہیں آیت سے اس کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔

سُورۃ القیٰمۃ پارہ ۲۹

(۷۷۹) وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ الآیۃ (القیٰمۃ آیت ۲)

ترجمہ:- اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔
تفسیر:- مرنے کے بعد دوسری حیات کے مضمون کو قیامت اور نفسِ لوّامہ کی قسم سے بیان کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد سارے انسانوں کا حشر ہوگا اور وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اپنی زندگی کے اعمال کے مطابق جزا و سزا کے مستحق ہوں گے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسمیں شبہ نہیں۔
سُلوک:- قرآن حکیم نے نفسِ انسانی کی تین قسم بیان کی ہیں۔
نفسِ امارہ:- (بُرائی کا تقاضہ کرنے والا نفس) یہ نفس سرکشوں، باغیوں

اور مجرموں کا ہوا کرتا ہے۔

نفسِ لوّامہ (ملامت وندامت کا تقاضہ کرنے والا نفس) غفلت یا شامت سے کوئی لغزش ہو گئی تو توبہ وندامت کا تقاضہ کرتا ہے، یہ نفس مومنین صالحین کا ہوا کرتا ہے۔

نفسِ مطمئنہ:۔ (محفوظ اور پرسکون نفس) یہ نہ وساوس سے متزلزل ہوتا ہے نہ نفسانی تحریکات سے منتشر ہوتا ہے ایسا نفس انبیاء کرام اور خاصانِ خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔

(نفس لوّامہ اور مطمئنہ اللہ کی بڑی نعمتوں میں شمار کئے جاتے ہیں)

(۷۸۰) بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ۝ الآیۃ (القیمۃ آیت ۱۴،۱۵)

ترجمہ:۔ اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہے اگرچہ حیلہ حوالے پیش کرے۔

تفسیر:۔ مطلب یہ کہ ہر انسان اپنی حالت پر خود گواہ ہوگا بغیر جتلائے ہوئے بھی اُسے اپنا حال خوب معلوم ہوگا یہ اور بات ہے کہ حیلے اور حجت بھی اپنے بچاؤ کے لئے تراشتا رہے لیکن حشر میں سب کچھ عیاں ہو جائیگا وہاں اپنی زندگی کے اعمال خود ہی نہیں دوسرے بھی دیکھ لیں گے۔

نکتہ:۔ عارفین نے لکھا ہے کہ حق کی معرفت ہر انسان میں ودیعت کر دی گئی ہے کوئی عارف بالفعل (موجودہ حالت میں) ہوتا ہے کوئی عارف بالقوہ (فطر کی صلاحیت میں) یہی استعداد قیامت کے دن ہر ایک کیلئے حجت ثابت ہوگی۔

(۷۸۱) وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ۝ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ ۝ الآیۃ (القیمۃ آیت ۲۲،۲۳)

ترجمہ:- اور کتنے ہی چہرے اُس دن ہشّاش بشّاش ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

تفسیر:- دیدارِ الٰہی کا مسئلہ موجودہ دنیا میں مختلف فیہ ہے لیکن آخرت میں دیدارِ الٰہی سب کو نصیب ہوگا وہاں اہلِ ایمان اس نعمت سے سرفراز ہوں گے اور اُس کی لذّت وسُرور سے کامران ہوں گے۔ آیت میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

سُلوک:- عارفین نے آیت سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ کمالِ قُرب اور کثرتِ انوار کے باوجود دیدارِ الٰہی کرنے والوں میں احساسِ تشخص اور دَرک باقی رہے گا اور لذّت وکیف پوری طرح محسوس ہوگا۔ انتہاءِ قُرب کے باوجود فنائے محض کی کیفیت طاری نہ ہوگی۔

سُورۃ الدّھر پارہ ۲۹

(۷۸۲) وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ الآیۃ (الدھر آیت ۸)

ترجمہ:- وہ نیک لوگ اللہ کی خوشنودی کے لئے محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

تفسیر:- اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے اپنا کھانا باوجود خواہش وضرورت نہایت ذوق وشوق اور اخلاص سے ضرورتمندوں کو کھلادیتے ہیں ان میں مسلم وغیر مسلم کا بھی فرق روا نہیں رکھتے جو بھی ضرورت مند ہوتا ہے اس کی مدد کردیتے ہیں، نبیوں کے اخلاق دراصل ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

سُلوک :۔ فقہاء نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ غیر مسلم قیدیوں کی امداد واعانت کرنا بھی موجب ثواب ہے اگرچہ بعض دوسرے فقہاء نے اس میں چند ایک قیدیں لگائی ہیں۔ (رُوح المعانی)

(۷۸۳) إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا۔ الآیۃ (الدھر آیت ۲۷)

ترجمہ :۔ یہ لوگ تو بس دنیا سے دل لگائے بیٹھے ہیں اور آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑے ہوئے ہیں۔

تفسیر :۔ کافر لوگ اُس دن کو جو اُن پر بڑا بھاری اور سخت ہوگا بھولے ہوئے ہیں اور دنیا کی آنی وفانی نعمتوں پر مطمئن ہیں یہ ان کی سخت غفلت ولاپرواہی ہے قیامت کے دن اُنھیں کون کیا نفع دے گا جبکہ وہ خود اپنے نفع کو پہچان نہ سکے۔

سُلوک :۔ آیت میں لامذہبی ذہنیت کو واضح کیا گیا ہے کہ ان دین بیزاروں اور آخرت فراموش انسانوں کی عقلی وفکری پروازیں کتنی سطحی اور کھوکھلی ہوتی ہیں یہ صرف "حاضر پرست" بلکہ "آج پرست" ہوا کرتے ہیں دُور اندیشی سے ان کو دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر ماجدی)

سُورَۃُ المُرسلٰت پارہ ۲۹

(۷۸۴) اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۔ الآیۃ (المرسلات آیت ۳۰۔۳۱)

ترجمہ :۔ (اے کافرو) ایک ایسے سائبان کیطرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ ٹھنڈا سایہ ہے اور نہ وہ سوزش سے بچاتا ہے وہ انگارے برسائیگا

جیسے بڑے بڑے محل گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

تفسیر۔ آیت میں میدان حشر کا ذکر ہے وہاں کل انسان دو حصّوں میں بٹ جائیں گے یا مومن ہوں گے یا کافر، مومن ایک جماعت ہوگی اور کافر تمام مذاہب والے ہوں گے۔

اہل ایمان کو اس میدان میں ٹھنڈا فرحت بخش سایہ نصیب ہوگا اور وہ اس میں خوش و مطمئن حساب و کتاب کا انتظام کر رہے ہوں گے، یہ ٹھنڈا سایہ عرش الٰہی کا ہوگا

کافروں کے لئے جہنم سے ایک سیاہ اور گھنا دھواں نکلے گا اور اس شدّت وکثرت سے نکلے گا کہ اوپر جاکر تین ٹکڑوں میں بٹ جائے گا اور حساب کتاب ہونے تک کافر اسی دھواں کے احاطہ میں گھرے رہیں گے اس دھویں میں نہ سایہ ہوگا اور نہ سوز و تپش سے نجات رہے گی اسی کرب و تپش میں ان کا حساب ہوگا اور پھر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

حشر کے اس دھویں کو "ظِلٍّ ذِی ثَلٰثِ شُعَبٍ" کہا گیا تین شاخوں والا (سرمئی)۔

سلوک:۔ روح المعانی کے مفسّر نے لکھا ہے کہ تین عدد کی تخصیص میں یہ نکتہ ملحوظ ہے کہ علم صحیح کی راہ میں حجابات تین ہوا کرتے ہیں حسؔ، خیالؔ، وہمؔ

اسی طرح عمل صحیح کی راہ میں بھی تین حجابات ہوتے ہیں، قوتِ وہمیہ، قوتِ غضبیہ، قوتِ شہوانیہ یہی تقاضے گمراہی و بے عملی کے اسباب بنتے ہیں۔

اس عنوان کو اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ انسان کو عذاب کی طرف لیجانے والی تین قوتوں کا غلط استعمال ہے۔ عقل وادراک کی گمراہیاں، جذبات و شہوات کی لغزشیں، قوتِ ارادی کی کجراہیاں۔

(۷۸۵) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ الآیۃ (المرسلات آیت ۴۸)۔

ترجمہ:۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

تفسیر:۔ دنیا میں کافروں کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ جب انھیں نماز کا حکم دیا جاتا تو انکار کرتے ہیں اور نماز ادا نہیں کرتے، آیت میں رکوع کا لفظ آیا ہے جو نماز کا ایک رکن ہے یعنی رکوع کرنا۔ لیکن اس کے لغوی معنی خشوع خضوع و تواضع کے بھی ہیں اگر آیت میں یہی مُراد لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جب کبھی انھیں اطاعت و فرمانبرداری اور حق قبول کرنے کا درس دیا جاتا تو یہ تکبر و اعراض کیا کرتے تھے ایسے انکار کرنے والوں کی آخرت میں بڑی خرابی ہے،

سلوک:۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ کسی بھی حق بات کو قبول کرنے کا مقدمہ خشوع و تواضع ہے اور اس کی بڑی رکاوٹ کبر و نخوت ہے (جو خشوع و تواضع کی ضد ہے)۔

سورۃ النبا پارہ ۳۰

(۷۸۶) اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًاۙ حَدَآىِٕقَ وَ اَعْنَابًاۙ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًاۙ وَّ كَاْسًا دِهَاقًاؕ الآیۃ (النبا آیت ۳۱ تا ۳۴)

ترجمہ:۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بیشک کامیابی ہے یعنی باغات اور انگور اور بھر پور جوانی والی یکساں عمر عورتیں اور لبالب جام شراب۔

تفسیر:۔ آیت میں اہل جنت کے انعامات کا بیان ہے انھیں وہ ساری مادی لذتیں و نعمتیں حاصل ہوں گی جن سے وہ دنیا میں لذت یاب ہوا کرتے تھے سبز باغات ایک نہیں کئی کئی عدد شیریں انگور اور حسین و جمیل نوخیز لڑکیاں، شراب سے بھرپور لذت و سرور والے پیالے، وغیرہ یہ سب نعمتیں اہل جنت

کے لئے پروردگارِ عالم کی عطاو بخشش ہوں گی۔

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت میں جنّت کی نعمتوں کو کامیابی قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ جنّت سے لاپرواہی یا استغناء ظاہر کرنا باطل اور گمراہی ہے۔

البتہ جن متبع سنّت بزرگوں سے ایسا ثابت ہے یہ اُن کا اپنا غلبۂ حال ہے جس میں وہ معذور ہیں اور دوسروں کے لئے قابلِ حجّت نہیں۔

ملحوظ:۔ جنت کی ان نعمتوں کو ذکر کرکے تین مختلف کلمات سے اُنکی کیفیتوں کو ظاہر کیا گیاہے۔ جَزَآءً۔ عَطَآءً۔ حِسَابًا۔

جَزَآءً:۔ یعنی جنّت کی یہ نعمتیں اُن نیک اعمال کا بدلہ ہیں جو دُنیا کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ (اسمیں عمل کی ضرورت اور اہمیت ثابت ہوتی ہے)۔

عَطَآءً:۔ یعنی جنت کی یہ نعمتیں اللہ کی عطاو بخشش ہیں (جو عمل سے کئی گنا زیادہ ہیں لہٰذا اپنے عمل کے وزن پر کامل بھروسہ نہ کرنا چاہئیے۔)

حِسَابًا:۔ یعنی جنّت میں جو کچھ بھی ملے گا بے قاعدہ نہیں حسب مراتب و اخلاص ملے گا۔ (ماجدی)

سُورۃ النّٰزعٰت پارہ ۳۰

(۴۸۷) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰىؕ ۔ الآیۃ (النازعات ۴۱)

ترجمہ:۔ اور جو شخص اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہشات سے روکا ہوگا، اُس کا ٹھکانہ جنّت ہوگا۔

تفسیر:۔ ربّ کے سامنے کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں حرام خواہشات اور ناجائز اعمال سے بچتا رہا اور یہ اس لئے کہ اس کو یقین تھا کہ آخرت میں ذرّہ ذرّہ کا حساب دینا ہوگا اور حضورِ ربّ میں اس کا فیصلہ ہوگا تو ایسے شخص کا انجام جنّت کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت لکھتے ہیں کہ آیت میں ضبطِ نفس کی اہمیّت ثابت ہوتی ہے۔

ملحوظہ:۔ محققین اہلِ سُنّت لکھتے ہیں کہ ہر وہ ذکر یا مجاہدہ جو لذّتِ نفس کے لئے اختیار کیا جاتا ہے وہ بھی ہوٰی (خواہشاتِ نفس) کے حکم میں داخل ہے، اس لئے اہلِ بدعت کو اہلِ ہوٰی کہنا درست ہے۔ (کیونکہ ان کے اکثر اعمال صرف اپنی لذّت اور عوامی تقاضوں کے لئے ہوا کرتے ہیں۔)

صوفیہ عارفین نے "خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ" سے خوف کے تین درجے لکھے ہیں۔

پہلا درجہ:۔ یہ کہ اپنے قول وعمل میں آخرت کے مواخذہ کا دھڑکا لگا رہے۔ یہ مقام اہلِ تقوٰی کا ہے۔

دوسرا درجہ:۔ یہ کہ گناہ ولغزش میں اللہ کی نظرِ کرم سے گر جانیکا اندیشہ لگا رہے، یہ مقام اہلِ محبّت کا ہے۔

تیسرا درجہ:۔ یہ کہ محض عظمت وہیبتِ الٰہی سے لرزتا رہے، یہ مقام عبدیّت ہے۔

عبدیّت کا مرتبہ اہلِ تقوٰی اور اہلِ محبّت دونوں سے بلند تر ہوا کرتا ہے انبیاء کرام کو یہی کیفیت حاصل رہتی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

سورۂ عبس پارہ ۳۰

۴۸۸ عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی -الآیۃ (عبس آیت ۱و۲)

ترجمہ:۔ پیغمبر ترش رُو ہوگئے اور متوجہ نہ ہوئے جبکہ اُن کے پاس نابینا آیا۔

تفسیر:۔ نبوّت کے ابتدائی دور میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قریش کے چند سردار بیٹھے تھے آپ انھیں اسلام کی دعوت و تبلیغ کررہے تھے ایسے وقت ایک نابینا صحابی عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ آگئے اور آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن کا بے موقع سوال کرنا گراں گزرا، علاوہ ازیں اُن قریشی سرداروں نے بھی اس کو اپنی عزّت وشان کے خلاف سمجھا کہ ایک غریب وفقیر انسان ہماری صفوں میں بیٹھ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبطِ نفس سے کام لیا اور اُن صحابی کو کچھ جواب نہ دیا اور اپنے سابقہ کام میں مشغول رہے وہ نابینا صحابی اٹھکر چلے گئے کچھ دیر نہ لگی تھی کہ آپؐ پر قرآن کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور آپؐ کو آگاہ کیا گیا کہ نفع عاجل کو نفع آجل پر مقدّم کرنا چاہیئے تھا یعنی نابینا صحابی تو نقد نصیحت وہدایت لینے کے لئے آئے تھے اور قریشی سرداروں کا نفع حاصل کرنا یقینی نہ تھا۔

لہٰذا آپؐ کو نابینا صحابی کی آمد پر ترش رُو نہ ہونا چاہیئے تھا بلکہ اُن کے سوالات کا جواب دیدیا ہوتا۔

سلوک:۔ حکیم الامّتؒ نے واقعہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر کسی ناواقف سے کوئی لغزش سرزد ہوجائے تو اُسپر مواخذہ نہ کرنا چاہیئے۔

ملحوظہ:۔ آیات کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نابینا صحابی عبد اللہ بن اُمّ مکتوم رضؓ کی دلجوئی فرمایا کرتے اور ان کا لحاظ رکھا کرتے تھے اور وہ جب کبھی آپکی مجلس میں آتے تو آپؐ اُن کا خیر مقدم کرتے اور ان کے سلام کا جواب وَعلیکمُ السَّلامُ بِمَنْ عَاتَبَنِیْ فِیْہِ رَبِّیْ فرمایا کرتے۔ وعلیکم السلام اُس شخص پر جسکے بارے میں میرے ربّ نے مجھکو عتاب فرمایا۔

سورۃ التکویر پارہ ۳۰

(۴۸۹) وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ الآیۃ (تکویر آیت ۷)

ترجمہ:۔ اور جب ایک ایک قسم کے لوگ یکجا جمع کر دیئے جائیں گے۔

تفسیر:۔ یوم حشر کا تذکرہ ہے وہاں ہر شخص اپنے ہم مذہب و ہم ملّت کے ساتھ اکٹھا ہوگا، مثلاً مومن مومنین کے ساتھ، یہودی یہودیوں کے ساتھ، کافر کافروں کے ساتھ، ظالم ظالموں کے ساتھ، قاتل قاتلوں کے ساتھ، اسی طرح ہر مجرم اپنے ہم پیشہ مجرموں کے ساتھ ہوگا، تاکہ ہر گروہ وہاں ممتاز ہو جائے پھر اُسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ دوسری آیت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ الآیۃ (یٰسین آیت ۵۹)

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح آخرت میں تناسب وارتباط، اجتماع کا سبب ہوا اسی طرح دنیا میں بھی یہی مناسبت ارتباط و تناسب کا سبب ہوا کرتی ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ شیخ و مرید میں بھی ارتباط و تناسب نفع کا مدار ہوا کرتا ہے۔

سُورَۃُ الانفطار پارہ ۳۰

(۷۹۰) وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ۔ الآیۃ (انفطار آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ تم پر نگہبان عمل لکھنے والے معزز فرشتے مقرر ہیں۔

تفسیر:۔ ہر انسان پر دو نگراں فرشتے مقرر ہیں جو اُس کی دن رات کی نیکی و بدی لکھ لیا کرتے ہیں ان کو قرآنی زبان میں "کراماً کاتبین" کہا جاتا ہے یعنی معزز و باخبر فرشتے جو انسانی اعمال کو بروقت لکھتے ہیں نہ ان میں کچھ خیانت کرتے ہیں نہ بھول چوک کی وجہ سے لکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی امانت و دیانت کی وجہ سے اُنھیں "کراماً" معزز کے لقب سے ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے باخبر ہیں کہ باریک سے باریک اور خفی سے خفی عمل بھی اُن پر پوشیدہ نہیں رہتا اللہ نے اسی کام کے لئے اُنھیں پیدا کیا ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ اصلاح عمل کے لئے اِن آیات کا مُراقبہ (غور و فکر) نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

سُورَۃُ التطفیف پارہ ۳۰

(۷۹۱) کَلَّا بَلْ (سکتہ) رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ الآیۃ (التطفیف آیت ۱۴)

ترجمہ:۔ (ایسا ہرگز نہیں کہ جزا و سزا نہ ہو) اصل یہ ہے کہ ان کے قلوب پر اِن کے کرتوتوں کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

تفسیر:۔ کافروں کی بغاوت وعناد کا ذکر ہے کہ ان کا یہ انکار دراصل اُس مسخ شدہ ذہنیت کا انجام ہے جو انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اختیار کر رکھی ہے۔
انھیں نہ حق کی تلاش ہے نہ اُس کو قبول کرنے کا جذبہ ہے پھر انھیں کیونکر ہدایت مل سکتی ہے۔ اسی انکار و تکذیب کی وجہ سے قلوب میں صلاحیت ہی فاسد ہوگئی ہے، اور دل زنگ آلود ہوگیا۔
سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ "ظلمت قلب" جس کا ذکر صوفیہ کے ہاں بکثرت آیا ہے، اسکی سند اسی آیت میں ملتی ہے۔

(۷۹۲) كَلَّآ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ۔
الآیۃ (التطفیف آیت ۱۵)

ترجمہ:۔ (ہرگز ایسا نہیں کہ جزا و سزا نہ ہو) یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کی زیارت سے روک دیئے جائیں گے۔

تفسیر:۔ یعنی کافر لوگ انکار و تکذیب کے انجام سے بے فکر نہ ہوں وہ وقت ضرور آنے والا ہے کہ اُس وقت اہل ایمان اپنے ربّ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور یہ بدبخت کافر محروم دیدار ہوجائیں گے۔
سلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، جیسا کہ اہل سنّت کے اکثر علماء کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(۷۹۳) وَمِزَاجُهٗ مِنۡ تَسۡنِيۡمٍ۝ عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ۔ الآیۃ (التطفیف آیت ۲۷،۲۸)

ترجمہ:۔ اور اُس شراب خالص میں آبِ تسنیم کی آمیزش ہوگی جو جنّت

کا ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے مقرب بندے پیا کریں گے۔

تفسیر: تسنیم، جنت کے ایک عظیم الشان چشمہ کا نام ہے جس کا پانی خاصانِ خدا پیا کریں گے اور اللہ کے نیک بندوں (ابرار) کو بھی شراب خالص کے ساتھ آبِ تسنیم مرحمت ہوگا۔

اس پانی کی حلاوت و فرحت دنیا جہان کی لذتوں سے بلند تر ہوگی، یہ اہل جنت کے اکرامات و انعامات میں سے ایک خاص انعام ہوگا۔

سلوک: حکیم الامت لکھتے ہیں کہ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ آبِ تسنیم میں شاید ایسی کوئی خاص کیفیت ہوگی جو لذاتِ جسمانی اور خواہشاتِ نفسانی سے چھڑا کر تمام تر ذوق و شوق لقاءِ رب کے لئے پیدا کر دیتی ہو۔

ملحوظہ: مقربون، اہل جنت کے افضل ترین مرتبہ والے ہیں جن کا ذکر سورۂ واقعہ پارہ ۲۷ میں آچکا ہے۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ جنت میں مقربین تو مشاہدۂ حق کی لذتوں میں مستغرق رہیں گے اور اصحاب الیمین یعنی (ابرار) مشاہدۂ حق کے ساتھ مشاہدۂ خلق میں بھی۔ (تفسیر کبیر)

(۷۹۲) فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ۔

الآیۃ (التطفیف آیت ۳۴)

ترجمہ: سو آج کے دن ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے اپنی مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔

تفسیر: دنیا کی زندگی میں تو کافر اور بے دین لوگ غریب مسلمانوں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ لیکن قیامت کے دن یہی غریب کمزور مسلمان ان پر ہنس رہے ہونگے اور انکو انکی بیوقوفی اور حماقت یاد دلا رہے ہوں گے۔

سُلوک ؎ :۔ تفسیر ماجدی کے مفسّر نے لکھا ہے کہ بعض بے ادب شاعروں نے اپنی حماقت سے جنّت اور اہلِ جنّت پر چوٹیں لگائیں ہیں انھیں آیت کے مضمون سے ڈرنا چاہیئے۔

سورۃ الانشقاق پارہ ۳۰

(۷۹۵) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ الآیۃ (الانشقاق آیت ۱۹)

ترجمہ:۔ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔

تفسیر:۔ اُوپر کی آیات میں کافروں کی دنیوی زندگی کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنی لیل ونہار میں نہایت مست وبے فکر رہا کرتے ہیں اور یہ یقین کئے ہوئے ہیں کہ مرنے کے بعد جی اُٹھنا نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ دُنیا کی بڑی بڑی چیزوں چاند، سورج، ستاروں، لیل ونہار کی قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان ایسی مخلوق نہیں ہے کہ جس پر شروع سے آخر تک ایک ہی حالت قائم رہے، سارا عالم گواہ ہے کہ انسان ایک ترقی پسند مخلوق ہے آج معدوم تھا پھر زندہ کیا گیا پھر مُردہ ہوا اس کے بعد زندہ کیا جائے گا۔

انسان کی تدریجی ترقی وتنزلی خود اپنے آپ دلیل ہے کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت پر جاتا ہے۔

سُلوک ؎ :۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی سے مروی ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لئے مخصوص ہے اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو آیت سے مراتب

قرب میں ترقی مراد ہوگی اور یہی شان وارثین رسول کے مراتب واحوال میں ہوا کرتی ہے۔

سُورَۃُ البُرُوج پارہ ۳۰

(۷۹۶) ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۔ الآیۃ (البروج آیت ۱۱)

ترجمہ:- یہی بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر:- جنت اور جنت کی نعمتوں کو حقیر اور خواب وخیال تصور کرنے والے خواہ قدیم جاہل صوفیہ ہوں یا جدید روشن خیال (مستشرقین) ہوں بہرحال اگر انکا ایمان قرآن پر ہے تو غور کریں کہ قرآن حکیم نے جنت اور جنت کی نعمتوں کا ذکر کیسے کیسے شوق ورغبت دلانے والے کلمات سے کیا ہے اور کس طرح جنت ہی کو انسانی عمل کا منتہائے مقصود بتلایا ہے اور انسان کی حقیقی ودائمی کامیابی کو یہی جنت قرار دیا ہے۔ (کیا یہ ایسی حقیقت ہے جسکو حقیر یا خواب وخیال تصور کیا جائے؟)

سلوک:- حکیم الامت لکھتے ہیں کہ جنت انسانی کوششوں کی معراج ہے اس کے سوا اور کوئی درجہ نہیں۔

(وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔ الآیۃ اور ایسی ہی چیزوں میں حرص کرنے والے کو حرص کرنی چاہیے۔)

سُورَۃُ الطَّارِق پارہ ۳۰

(۷۹۷) وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۔ الآیۃ (الطارق آیت ۱،۲،۳)

ترجمہ:- قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی، اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی کیا چیز ہے؟ وہ ایک روشن ستارہ ہے، کوئی شخص ایسا نہیں جس پر اعمال کا یاد رکھنے والا فرشتہ نہ ہو۔

تفسیر:- یعنی قیامت کے دن اعمال پر محاسبہ ہونا ایسے ہی یقین وقطعی ہے جیسے رات کو آسمان پر ستارے روشن ہوتے ہیں، ستاروں کا روشن ہونا ایک حقیقت ہے اگرچہ وہ دن میں نظر نہیں آتے، لیکن بہرحال موجود ہیں، اسی طرح انسانوں کے اعمال ایک صحیفہ میں درج ہو رہے ہیں جن کو کراماً کاتبین لکھ کر محفوظ کر دیتے ہیں یہی اعمال قیامت کے دن روشن ہوں گے اور اسی پر فیصلے کئے جائیں گے۔

سلوک:- جیسے آسمان پر ستارے موجود تو ہر وقت ہیں مگر ان کا ظہور رات کے وقت ہوا کرتا ہے اسی طرح انسانوں کے اعمال سب کے سب نامۂ اعمال میں محفوظ ہیں لیکن ان کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔ (وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ الآیۃ)

(۷۹۸) وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ - الآیۃ (الطارق آیت ۱۱تا۱۲)

ترجمہ:- قسم ہے بارش والے آسمان کی اور پھٹ جانے والی زمین کی یہ قرآن قول فیصل ہے۔

تفسیر:- عربی کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تاکید اور یقین کے لئے بڑی بڑی چیزوں کی قسم کھاتا ہے، جو انسانوں کی نگاہ میں عظیم شمار کئے جاتے ہیں آسمان اور زمین کی قسم کھا کر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ قرآن حکیم ایک قولِ فیصل یعنی حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا کلام اور ایک مضبوط پیام ہے۔

حکیم الامت رحؒ نے لکھا ہے کہ پھٹ جانے والی زمین جو پودوں کے نکلتے وقت

پھٹ جاتی ہے جبکہ وہ اتنی زبردست ومضبوط ہے کہ ہزاروں ٹن وزن اس کی پشت پر رکھدیا جائے لیکن وہ ایک انچ بھی پھٹ نہیں پاتی یہ اللہ کی کیسی عظیم صنعت ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ جس طرح بارش آسمان سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے اسی طرح قرآن حکیم بھی آسمان سے اترا اور جس کے سینے میں قبولیت کی صلاحیت ہوتی ہے اُسے مالامال کردیتا ہے۔

ملحوظہ:۔ شیخ سعدیؒ قرآن کی اس تاثیر کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

باراں کے درلطافت طبعش خلاف نیست۔ درباغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔

بارش کی لطافت وپاکیزگی میں کوئی کلام نہیں ہے جب وہ باصلاحیت زمین (باغ وکھیت) پر گرتی ہے تو پھل پھول پیدا کرتی ہے لیکن یہی بارش جب بنجر وویران زمین پر پڑتی ہے تو خس وخاشاک پیدا کرتی ہے (قصور بارش کا نہیں ہے بلکہ زمین خراب ہے۔)

سُورۃ الاعلیٰ پارہ ۳۰

(۷۹۹) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ﴿﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ۔

الآیۃ (الاعلیٰ آیت ۱۴-۱۵)

ترجمہ:۔ بامراد ہوگیا وہ جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیا اور نماز پڑھتا رہا۔

تفسیر:۔ یعنی صحیح عقائد پر اور اعمال خیر پر قائم رہا اور نفس کو بداخلاقی اور خباثتوں سے پاک رکھا ایسا شخص کامیاب ہوا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

سُلوک:- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ یہ دو مختصر آیتیں اہل طریق کے اعمال کی جامع تعلیمات ہیں۔ ذکر اللہ، تزکیۂ نفس۔

سُورۃ الغاشیۃ پارہ ۳۰

(۸۰۰) وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ الآیۃ

(الغاشیہ آیت ۲ و ۳)

ترجمہ:- بہت سے چہرے اُس دن ذلیل و خوار، مصیبت جھیلنے والے خستہ پستہ ہوں گے۔

تفسیر:- آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ایک طبقے کے چہرے بارونق اور خوش و خرم ہوں گے اور دوسرے طبقے کے بے رونق خستہ پستہ ذلیل و خوار۔

بارونق چہرے والے اہل ایمان ہوں گے اور بے رونق اور ذلیل و خوار قوم نصاریٰ کے اُن مرتاض و گمراہ عبادت گزاروں کے چہرے ہوں گے جو حق پر قائم نہ تھے اور جو مذہب کی آڑ میں دنیا حاصل کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رض سے آیت کی تفسیر ایسے ہی نقل کی گئی ہے۔

(ابن کثیر)

سُلوک:- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ جو شخص عبادت و ریاضت کرتا ہو لیکن صراطِ مستقیم پر قائم نہ ہو، جیسا کہ اہلِ بدعت کے پیشوا اور رہنما ہیں وہ بھی اس طبقے میں شامل ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الفجر پارہ ۳۰

(۸۰۱) فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ۔ الآیۃ (الفجر آیت ۱۵تا۱۷)

ترجمہ:- سو آدمی کو جب اُسکا پروردگا آزماتا ہے یعنی اُسکو انعام واکرام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے ربّ نے میری عزّت بڑھادی اور جب اُس کو آزماتا ہے یعنی اُس کی روزی تنگ کردیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے ربّ نے میری عزّت گھٹادی، ایسا ہرگز نہیں ہے۔

تفسیر:- ناشکرے انسان کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ اپنے فضل وکرم سے اُس کو نوازتا ہے تو اپنی حماقت سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ملا ہے وہ میری قابلیّت ومحنت کا نتیجہ ہے، اور میں تو اُس کے فضل وکرم کا مستحق تھا۔

لیکن اگر اس پر مال ومتاع کی تنگی کردی جاتی ہے تو وہ ہر طرف شکوہ شکایات کے دفتر کھولے پھرتا ہے حالانکہ یہ حالت اس کے امتحان اور صبر وتسلیم کی تھی لیکن اُس نے اِسکو اپنی توہین اور ناانصافی سمجھا۔

آیت میں اس پر تنبیہ کی گئی کہ یہ دونوں خیال ہرگز درست نہیں ہیں (کَلَّا) حقیقت یہ ہے کہ مال ومتاع وخوشحالی نہ اترانے کی چیز ہے نہ بدحالی بے نصیبی کی دلیل ہے۔

مقصود تو انسان کے ظرف کا امتحان ہوا کرتا ہے کہ کون اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور کون پھسل جاتا ہے۔

سلوک :- بعض جاہل مرید یہ جو کہا کرتے ہیں کہ جب سے ہم فلاں حضرت کے سلسلے میں داخل ہوئے ہیں مال و متاع میں ترقی ہوگئی ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ سلسلہ اللہ کے یہاں مقبول و پسندیدہ ہے۔

حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ ایسا تصور جہل خالص ہے (کیونکہ خوشحالی یا فقر و فاقہ رضائے الٰہی یا غضب الٰہی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ الآیۃ (الرعد آیت ۲۶)

(اللہ جس کو چاہے رزق زیادہ دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے اور یہ کفار لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں اور یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک متاع قلیل کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔)

(۸۰۲) يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ الآیۃ (الفجر آیت ۲۸،۲۷)

ترجمہ :- اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل خوش ہوتی ہوئی اور خوش کرتی ہوئی۔

تفسیر :- یہ بشارت ہر مومن کو عین اس وقت ملتی ہے جب اس کی روح قبض کرنے کے لئے فرشتے آتے ہیں۔ فرشتوں کی اس عظیم جانفزا خوشخبری کو سنکر مومن کی روح لقائے رب کے لئے بیقرار ہو جاتی ہے اور فرشتوں سے کہنے لگتی ہے کہ جلد سے جلد مجھے لے چلو۔

سلوک :- نفوس مطمئنہ وہ مقدس نفوس ہیں جو زندگی بھر رضائے الٰہی کی طلب میں اور احکام شرعیہ کی پابندی میں ایسے مطمئن ہو گئے تھے کہ مخالفت تو کیا کرتے ناگواری کا بھی وہم باقی نہ رہا تھا۔ ایسے نفوس قدسیہ انبیاء کرام کے علاوہ اولیاء کاملین کے بھی ہوا کرتے ہیں۔

ملحوظہ:۔ تفسیر ماجدی کے مفسرؒ لکھتے ہیں کہ سورۃ الفجر کی یہ آخری چار آیات گنہگار مسلمان کے لئے زندگی کا آخری سہارا اور تن مُردہ کیلئے حیات بخش ہیں۔
اے اللہ آپ اس نامہ سیاہ راقم تفسیر کو بھی آخری وقت اس صدائے دلنواز سے مشرف فرمائیے اور اسکے ہر عزیز و قریب، مخلص و متوسل کو بلکہ ہر کلمہ گو کو بھی، زیر مطالعہ کتاب کے مرتب کی بھی یہی دُعا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔

سورۃ البلد پارہ ۳۰

(۸۰۳) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۔ الآیۃ (البلد آیت ۱۱)
ترجمہ:۔ مگر وہ شخص گھاٹی سے ہو کر نہیں نکلا۔
تفسیر:۔ اَلْعَقَبَة کے لفظی معنیٰ پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں، آیت میں دین کی گھاٹی مراد ہے۔
دین کو گھاٹی اس لئے کہا گیا کہ اسکے احکام بھی نفس پر شاق گزرتے ہیں۔
یعنی انسان پر اللہ کے اتنے کثیر در کثیر انعامات و احسانات ہیں جس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ انسان دین کی گھاٹی عبور کرتا اور ایمان و اسلام قبول کرتا، لیکن اُس نے بغاوت و سرکشی اختیار کی اور راہِ حق سے دُور ہو گیا۔
سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں دین کو پہاڑ کی گھاٹی کہا گیا اس تشبیہ میں مجاہدہ کی ترغیب نکلتی ہے اگرچہ اسمیں گو نہ مشقت ہو۔

(۸۰۴) ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ۔ الآیۃ (البلد آیت ۱۷، ۱۸)
ترجمہ:۔ اور تو اور یہ کہ ان لوگوں میں نہ ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے

ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی یہی لوگ آخرت میں داہنی جانب والے ہیں۔ (یعنی عرش الٰہی کی داہنی جانب والے کامیاب لوگ)۔

سلوک:- تواصوا بالصبر تمام حقوق اللہ کی ادائگی کا جامع عنوان ہے اسی طرح تواصوا بالمرحمۃ تمام حقوق العباد کی ادائگی کا جامع ہے۔

اہل تحقیق صوفیہ نے کہا ہے کہ تصوف کی اصل یہی دو چیزیں ہیں "صدق مع الحق، خلق مع الخلق"۔ (تفسیر کبیر)

سورۃ الشمس پارہ ۳۰

(۸۰۵) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ الآیۃ (الشمس آیت ۸)

ترجمہ:- پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کا اسکو الہام کیا۔

تفسیر:- انسان کی تخلیق کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ نے چند ایک چیزوں کی قسم کھا کر یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس نے انسان کے اندر نیکی اور بدی کا رجحان پیدا کیا ہے دونوں رجحان کا خالق اللہ ہی ہے، گو نیکی کا القاء فرشتوں کے واسطہ سے ہوتا ہے اور بدی کا القاء شیطان کی جانب سے۔

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

سلوک:- حکیم الامت ؒ لکھتے ہیں کہ نفس کو جس فجور و تقویٰ کا الہام ہوتا ہے وہ وہی نفس ہے جس میں پیدائش کے وقت استعداد رکھی تھی، یعنی انسان کی طبیعت میں یہ القاء کردیا گیا کہ نجات و فلاح اس کے لئے ہے جس نے اپنے نفس کو راہ فجور سے پاک رکھا اور تقویٰ و طہارت اختیار کی، دوسرے لفظوں

میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نجات وہلاکت دونوں کی کوشش انسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں۔

سورۃ الیل پارہ ۳۰

(۸۰۶) فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔ الآیۃ (الیل آیت ۷)

ترجمہ:۔ سو ہم اس کے لئے راحت کی چیز آسان کردیں گے۔

تفسیر:۔ اُوپر کی آیات میں بیان کیا گیا کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتے رہا اور نیک بات کی تصدیق کی یعنی ایمان لے آیا تو ہم اُسے جنّت تک آسانی سے پہنچا دیں گے اور اُسے ایسی توفیق دیں گے کہ راہ کی مشکلات آسانی سے طے کرتا چلا جائے گا۔

سلوک:۔ حکیم الامّت رح لکھتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی دلالت ہے کہ عمل کا دار ومدار توفیق الٰہی پر منحصر ہے۔ (اور توفیق الٰہی انسان کے اپنے ارادے واختیار سے نصیب ہوجاتی ہے۔)

(۸۰۷) وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى۔ الآیۃ

(الیل آیت ۱۹ تا ۲۱)

ترجمہ:۔ اور اُس کے اُوپر کسی کا احسان نہیں ہے کہ وہ اُس کا بدلہ اُتارے بلکہ وہ صرف اپنے عالیشان پروردگار کی خوشنودی کے لئے عمل کرتا ہے اور وہ عنقریب خوش بھی ہوجائے گا۔

تفسیر:۔ اکثر مفسرین نے ان آیات کا مصداق سیّدنا ابوبکر صدیق رض کو قرار دیا ہے کہ یہ آیات اُن کے بارے میں نازل ہوئیں، اگرچہ ان کا حکم

عام ہے۔ (ابن کثیر، روح المعانی)

صدیق اکبرؓ نے اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کی تصدیق کی اور عمل کر دکھایا یہ سب اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے تھا احسان کا بدلہ چکانا مقصد نہ تھا نہ احسان جتانا تھا اس کے صلہ میں اللہ نے انھیں دنیا و آخرت کی اتنی بھلائی دی کہ وہ خوش ہو گئے۔

(خوشی کی تفصیل کے لئے ملحوظ سلوک ۸۰۸ مطالعہ کیجئے۔)

سلوک: حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ کسی کا احسان اتارنا اگرچہ جائز عمل ہے لیکن مزید شرف و فضیلت کی بات تو یہ ہے کہ اپنے خرچ سے سوائے رضائے الٰہی کے کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔

سورۃ الضحیٰ پارہ ۳۰

(۸۰۸) وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ الآیۃ (الضحیٰ آیت ۴ و ۵)

ترجمہ: اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور عنقریب آپکا ربّ آپ کو اتنا عطا کریگا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

تفسیر: نبوت کے ابتدائی دور میں چند یوم وحی کا سلسلہ رک گیا تھا اسپر آپ طبعی طور پر مغموم دبے چین سے تھے اسپر مشرکین نے طعنہ زنی اور بدشگونی شروع کردی تھی ایک خبیث عورت نے یہ جملہ کسا تھا کہ محمد کو اسکے ربّ نے چھوڑ دیا ہے، پھر بہت جلد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور آپ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ آپ کی ہر اگلی حالت پچھلی حالت سے بہتر و خیر ہی خیر ہے

آپ کو غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

سُلوک: آیت سے صوفیہ کے قبض وبسط کی اصطلاح کا ثبوت ملتا ہے انقطاع وحی کی مدت قبض سے تعلق رکھتی ہے اور نُزول وحی کا زمانہ بسط کی حالت ہے۔ (تفسیر ماجدی)

حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حالت لاحقہ، ہر حالتِ سابقہ سے افضل و اکمل ہے۔ عارف کو بھی اسی کا معتقد رہنا چاہئے تو پھر وہ حالتِ قبض سے غمگین نہ ہوگا۔

ملحوظ: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۔ الآیۃ عنقریب آپ کا ربّ آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں۔

وہ عطا کیا ہے؟ کب ملے گی؟ کہاں ملے گی؟ اور آپ کی وہ خوشی کیا ہوگی؟ قرآن اِن تفصیلات سے ساکت ہے

مفسرین کرام نے حالات وواقعات سے بہت ساری تفاصیل لکھی ہیں ممکن ہیں وہ سب مُراد ہوں۔

راقم الحروف کا احساس ہے کہ جب آیت اس تفصیل سے ساکت ہے تو غالبًا اس سکوت کی یہ وجہ ہوگی کہ جب کسی بڑے عظیم الشّان بادشاہ کی جانب سے بے حد وحساب دیا جانے والا ہوتا ہے تو ایسے موقع پر تحدید وتعیین نہیں ہوتی کہ اتنا اور اتنا دیں گے بلکہ اجمالاً کہدیا جاتا ہے کہ آپکو خوش کردینگے۔

مذکورہ آیت کا منشاء بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا وآخرت کی ہر مرغوب وپسندیدہ چیزیں آپ کو ملیں گی جس پر آپ خوش ہو جائیں گے یہاں آپکو دینے والا خزائن ارضی وسماوی کا مالک بھی تو ہے جب وہ بے تعیین دیگا تو کیا کچھ نہ دے گا؟ فَصَلَوٰاتُ رَبِّي وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِذًا لَّا اَرْضٰی وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِی النَّارِ۔ (الحدیث)

جب یہ بات ہے تو پھر میں اُس وقت تک خوش نہ ہوں گا جبتک کہ میری اُمّت کا ایک شخص بھی جہنّم میں باقی ہے۔

(۸۰۹) وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ الآیۃ (الضحیٰ آیت ۱۱)

ترجمہ:۔ اور اپنے ربّ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

تفسیر:۔ اس سلسلے میں اللہ نے آپ پر بیشمار انعامات فرماتے ہیں اُن میں سے چند ایک کا تذکرہ مذکورہ سورت میں موجود ہے، لہٰذا آپ اپنے ربّ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہیں جس سے مزید انعامات حاصل ہوتے رہیں گے۔

قرآن حکیم نے یہ حقیقت بھی ظاہر کردی ہے کہ اگر نعمت کا شکر ادا کیا جاتا رہے تو نعمت میں اضافہ ہوا کرتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ الآیۃ (ابراہیم)

سُلوک:۔ حکیم الامّتؒ لکھتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ جب کبھی اپنے کمالات کا اظہار کرتے ہیں تو اُن کا مقصود شکر کی ادائیگی ہوا کرتی ہے نہ کہ عُجب وریا۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاح پارہ ۳۰

(۸۱۰) اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ الآیۃ (الانشراح آیت ۱ تا ۳)

ترجمہ:۔ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپکا سینہ کشادہ نہیں کیا، اور ہم نے آپ پر

سے وہ بوجھ اُتار دیا جس نے آپکی کمر توڑ رکھی تھی، اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا شہرہ بلند کیا ہے۔

تفسیر: آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے انعامات کا اظہار کر رہے ہیں، ان میں پہلی نعمت "شرح صدر" (سینہ کشادہ کردینا) ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپکا حوصلہ کشادہ کر دیا گیا ہے جسمیں علوم ومعارف کے سمندر اتار دیئے ہیں اور لوازم نبوّت اور فرائض رسالت برداشت کرنیکا اتنا بڑا حوصلہ عطا کیا ہے کہ سینکڑوں دشمنوں اور مخالفوں کی مخالفت وعداوتوں سے گھبرانہ پائیں اور دنیا وآخرت کے حقائق پر پورے اعتماد ویقین سے قائم رہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدّث رح لکھتے ہیں کہ آپؐ کی عالی ہمّت اور پیدائشی استعداد جن کمالات ومقامات پر پہنچنے کا تقاضہ کرتی تھی اس کے لئے آپکا سینہ کشادہ کردیا تاکہ وہ سارے فضائل وکمالات آپؐ کے قلب مبارک میں جمع ہوجائیں اس کے ساتھ ساتھ وہ بوجھ وگرانی بھی جو راہ حق کی راہ پیمائی میں آپ محسوس فرمارہے تھے دور کردی گئی پھر اس راہ کی مشکلات ومصائب کا برداشت کرنا آسان ہوگیا۔ اسی مفہوم کو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ الآیۃ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ نعمتوں کے علاوہ آپکا ذکر بھی بلند کردیا گیا یعنی انسانوں کے علاوہ فرشتوں میں بھی آپکا ذکر خیر جاری کردیا اللہ کے مقدّس فرشتے رات دن آپ پر رحمتوں کی دعا کرتے رہتے ہیں اور خود ربّ العالمین بھی آپ پر رحمتیں نازل کررہا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ الآیۃ

(الاحزاب آیت ۵۶)

علاوہ ازیں اذانوں میں، اقامت میں، خطبات میں، کلمۂ طیبہ میں، التحیات میں، منبروں و محرابوں پر اور میدانوں میں آپ کا نام لیا جاتا ہے، اللہ نے قرآن حکیم میں بندوں کو جہاں اپنی عبادت و اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا بھی حکم دیا ہے۔

سُلوک: حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ اہل تحقیق صوفیہ کے ہاں جس "شرح صدر" کا تذکرہ رہا کرتا ہے وہ یہی عظیم نعمت ہے (جس کی تفسیر آیت میں کی گئی ہے)

رفع ذکر بھی ایک بڑی نعمت ہے، اہل اللہ کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوتی ہے وہ بھی رفع ذکر میں شامل ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ سالک کو مقصود کے حصول سے پہلے جو ضیق و ثقل اور حیرانی پیش آتی ہے اور جو اس کی کمر توڑے رکھتی ہے وہ بھی "وزر" میں داخل ہے پھر مقصود کے حصول کے بعد جو نشاط و اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ "شرح صدر" ہے جو اللہ کے فضل عظیم کی علامت ہے۔

حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ مجاہدہ کرنے والوں کو عادۃً ان نعمتوں سے حصّہ ملا کرتا ہے۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ الآیۃ میں اس جانب اشارہ ہے۔

(۸۱۱) فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

الآیۃ (الانشراح آیت ۷، ۸)

ترجمہ: تو آپ جب فارغ ہو جایا کریں تو محنت و ریاضت کیا کیجئے اور اپنے ربّ ہی کی طرف توجہ کیجئے۔

تفسیر: یعنی نبوّت و رسالت کے فرائض و واجبات سے فارغ ہو لیں تو خلوت

(تنہائی) میں بیٹھکر اپنے ربّ کی طرف لو لگائیں اور کثرت سے عبادات ومجاہدات میں مشغول رہا کریں۔

(غالباً یہ حکم آپؐ کے ابتدائی دورِ نبوّت کا تھا آپ راتوں میں اپنی نمازوں کے اندر اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پیر مبارک متورّم ہو جاتے پھر یہ حکم اُٹھا لیا گیا)۔

آپ کی دعوت وتبلیغ اگرچہ آپ کی عبادات ومجاہدات میں شامل ہے لیکن اس میں ایک واسطہ مخلوق کا بھی رہتا تھا آیت میں یہ حکم مل رہا ہے کہ اس نوعیت کی عبادت کے علاوہ براہ راست توجہ الی اللہ کے لئے بھی وقت نکالیں۔

سُلوک:۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ شیخ جب اپنے ارشادات وافادات سے فارغ ہو جائے تو چاہیے کہ خلوت میں ذکر وفکر ومناجات میں لگ جائے اور خود کو مجاہدات سے مستغنی نہ سمجھے۔

سُورۃ التّین پارہ ۳۰

(۸۱۲) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ الآیۃ

(التّین آیت ۴)

ترجمہ:۔ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

تفسیر:۔ یعنی انسان کی پیدائش یونہی بے مقصد نہیں کی گئی بلکہ وہ انتہائی حکمتوں اور صناعیوں کا مجموعہ ہے بہترین ساخت شکل وصورت کے علاوہ زمینی خلافت کا اہل بنایا ہے گویا وہ اللہ کی زمین پر اُسکا نائب ومنتظم ہے۔

سُلوک:- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ تصوّف میں یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ انسان صفاتِ خداوندی کا مظہر ہے، آیت میں اِس کی تائید ہوتی ہے۔

سُورَةُ العَلَق پارہ ۳۰

(۸۱۳) وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ الآیۃ (العلق آیت ۱۹)

ترجمہ:- اور آپ نماز پڑھتے رہیئے اور اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔

تفسیر:- اللہ سے قرب و خوشنودی حاصل کرنیکا قوی ترین ذریعہ نماز ہے آیت میں اسی کی کثرت کا حکم دیا جارہا ہے، آیت میں سجدہ سے نماز مراد ہے۔ (معالم، راغب)

آیت میں سجدہ کی یہ خاصیت بیان کی گئی ہے کہ اُس سے قربِ الٰہی بڑھتا ہے اس لئے فقہاء کرام نے آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ سجدہ میں ثواب کی نیّت کے ساتھ قربِ الٰہی کی بھی نیّت کرنی چاہیئے۔

سُلوک:- حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ خشوع (اللہ کے آگے عاجزی و نیازمندی) جو سجدہ کی رُوح ہے وہی قربِ الٰہی کا مدار ہے۔

سُورَةُ القَدر پارہ ۳۰

(۸۱۴) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ الآیۃ (القدر آیت ۳)

ترجمہ:- شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

تفسیر:- رمضانُ المبارک کے آخری عشرہ کی کسی طاق رات کو شبِ قدر

کہا جاتا ہے۔

شب قدر دراصل نزول قرآن کی پہلی رات ہے اسی رات غار حرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رمضان ۱۳ قبل ہجرت (مطابق جولائی ۶۱۰ء) رمضان المبارک کی طاق رات تھی قرآن حکیم کی پہلی آیت اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ الآیۃ پانچ آیات مَا لَمْ يَعْلَمْ تک نازل ہوئیں۔

اس مقدس رات کو سال بھر کی تمام راتوں میں افضل رات قرار دیا گیا ہے، اس رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بہتر کہا گیا ہے۔

اس رات سال بھر کے انسانی فیصلے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں، حیات، موت، صحت، بیماری، رزق، کامیابی، خیروشر وغیرہ جملہ احوال۔

سلوک:۔ حکیم الامت رحؒ لکھتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ فضیلت والے دن رات میں عبادت کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے، یہی اہل طریق کی عادت ہے۔

سورۃ البینۃ پارہ ۳۰

(۸۱۵) رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ۔ الآیۃ (البینۃ آیت ۸)

ترجمہ:۔ اللہ ان لوگوں سے خوش ہوا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا ہے۔

تفسیر:۔ اوپر کی آیات میں یہ بیان کیا گیا کہ جو لوگ قانون الٰہی کے باغی

اور منکر ہیں گو ان کا ماضی کیسا کچھ بھی رہا ہو، وہ حشر کے دن اللہ کی عدالت میں بدترین مخلوق ہوں گے۔ اور جو لوگ قانونِ الٰہی کی تصدیق کرنے والے اور وفادار ہیں خواہ وہ دنیاوی حیثیت سے جیسے بھی ہوں وہ اللہ کی عدالت میں بہترین مخلوق شمار ہوں گے انھیں جنّت کے اعلیٰ درجات ملیں گے اور وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ شاد کام رہیں گے اور سب سے بڑی کامیابی و نعمت یہ ہوگی کہ اللہ اُن سے خوش و راضی رہے گا۔

اِن کا یہ اُخروی انجام دُنیا میں خشیتِ الٰہی پر قائم رہنے کی وجہ سے ہوا۔

سُلوک :۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ آخرت کا بلند ترین درجہ رضائے الٰہی ہے جو دنیا میں خشیتِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور خود خشیتِ الٰہی معرفتِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا معرفتِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ (رُوح المعانی)

ملحوظہ :۔ سچی معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وَحدانیّت کے ذریعہ پہچانو، یعنی اس کی ذات کو بھی واحد و یکتا جانے اور اُس کی صفات کو بھی یکتا و بے نظیر یقین کرے، اپنا مقصود و مطلوب بھی صرف اُسی کو بنائے، فاعل و مؤثر حقیقی بھی صرف اُسی کو سمجھے۔ (معرفت ہی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے)

سُوْرَۃُ الزِّلْزَال پارہ ۳۰

(۸۱۶) یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا الآیۃ (الزلزال آیت ۴)

ترجمہ :۔ اُس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی۔

تفسیر :۔ سُورت میں قیامت کے احوال بیان کئے گئے ہیں، یہ سب واقعات نفخِ اوّل (پہلا صُور) کے وقت پیش آئیں گے، زمین پر پئے در پئے

زلزلے آئیں گے زمین کی اس مسلسل جنبش و اضطرابی حالت سے سارا عالم زیر و زبر ہو جائے گا، زمین اپنے اندر کا بوجھ باہر نکال ڈالے گی یہ بوجھ زمین کے دفینے و معدنیات و خزائن ہوں یا انسانی مُردے ہوں، انسان گھبرا کر اور سراسیمہ ہو کر پکار اُٹھے گا کہ آخر زمین کو کیا ہو رہا ہے، اُس وقت زمین کو اللہ گویائی کی طاقت دیں گے وہ مومن و کافر ہر انسان کے اچھے و بُرے عمل جو اُس کی پشت پر کئے گئے تھے نام بنام شمار کروائے گی کہ فلاں نے فلاں عمل فلاں وقت میری پشت پر کیا تھا وغیرہ۔

سلوک :۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ تکلم (بات چیت کرنا) عادۃً ایسے جسم کی صفت ہے جس میں حیات و ادراک و شعور ہو لیکن آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمادات (خاک و آگ) میں بھی یہ صفت ہے اگرچہ اس کا ظہور قیامت کے دن ہو۔

ملحوظہ :۔ روایات صحیحہ میں بکثرت یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ایک درخت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا، کنکریوں نے آپ کی نبوّت کی شہادت دی، مکۃ المکرمہ میں ایک پتھر تھا جو آپ کے گزرتے وقت آپ کو سلام کیا کرتا تھا۔

سورۃ العٰدیٰت پارہ ۳۰

(۸۱۷) اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ الآیۃ (العٰدیٰت آیت ۶)

ترجمہ :۔ بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

تفسیر :۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں مطلق اَلْاِنْسَان کا لفظ آیا ہے تو اس سے

عموماً کافر انسان مُراد ہوتا ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی اَلْاِنْسَان سے کافر انسان مُراد ہے۔

کافر اپنے ربّ کا جو اس کی پرورش کر رہا ہے روزی، ہوا، پانی آگ، دن رات کی نعمتیں بے حد وحساب ہیں اُس کا شکر ادا نہیں کرتا اور نہ اسکو اللہ کی طرف سے خیال کرتا ہے بلکہ اِن نعمتوں کو اپنی قابلیت وصلاحیت کا حق سمجھا کرتا ہے۔ آیت میں اسی ناشکری کا ذکر ہے۔

سُلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ مذکورہ سورت میں انسان کی ایک طبعی خامی کا ذکر ہے کہ وہ شکر گزاری نہیں کرتا لیکن مُجاہد فی سبیل اللہ اس عیب ونقص سے پاک ہوا کرتا ہے وہ خلاف طبع سعی کرتا ہے اور اُس کا شکر بھی ادا کرتا ہے۔

حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ انسان میں طبعی موانع ہونے کے باوجود عمل کرنے سے زیادہ اجر ملتا ہے۔

سورۃ القارعۃ پارہ ۳۰

(۸۱۸) فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۔ الآیۃ (القارعۃ آیت ۶ و ۷)

ترجمہ:۔ پھر جس شخص کا پلّہ بھاری ہوا وہ تو خاطر خواہ عیش میں ہوگا۔

تفسیر:۔ حشر کے دن اعمال کے وزن کئے جانے کا ذکر ہے اُس دن ہر عمل تولا جائے گا، آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر میں اعمال وزن کئے جائیں گے شمار نہیں کئے جائیں گے، اعمال کا وزن یا بے وزن ہونا اخلاص اور سنت

کی مطابقت پر منحصر ہوگا جس عمل میں دونوں چیزیں ہوں اُس عمل کا وزن بھاری ہوگا اور جو عمل اِن دونوں سے خالی ہوگا کمزور ہوگا وہ وزن بھی ہلکا اور بے وزن ہوگا۔

سُلوک ۲ :- حکیمُ الامّت رحؒ لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اعمال وزن کئے جائینگے جیسا کہ دیگر آیات میں بھی اسکی تصریح ہے۔ (جبکہ دنیا میں اعمال کا کوئی مادّی جسم نہ تھا جو وزن کئے جاسکیں)۔

معلوم ہوا کہ دنیا کے یہ اعمال آخرت میں اپنا جسم اختیار کرلیں گے (قرآن کی ایک اور آیت سے یہی مفہوم ہوتا ہے وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ الآیۃ (کہف آیت ۴۹) اور جسم کی شکل اُسی روز معلوم ہوگی)۔

سُوۡرَۃُ التَّکَاثُر پارہ ۳۰

(۸۱۹) اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ الآیۃ

(التکاثر آیت ۱ و ۲)

ترجمہ :- فخر کرنا تمہیں (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔

تفسیر :- زمانۂ قدیم میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر اپنی کثرت آبادی اور مال و دولت کی کثرت پر فخر و شان ظاہر کرتا تھا اور اسی اُدھیڑبن میں اپنی زندگی ختم کردیا کرتے تھے۔

دُنیا کی زندگی کا ان کے یہاں بس یہی تصوّر تھا۔

قرآن حکیم نے اِس جاہلی تصوّر کا نہایت تاکید کے ساتھ ردّ کیا ہے

اور یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ، ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے۔

سُلوک: حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ مباحات (دنیا کی جائز چیزوں کی کثرت) پر فخر کرنا مذموم ہے۔

تفسیر ماجدی کے مفسّر لکھتے ہیں کہ آج بیسوی صدی کی مہذّب حکومتوں کو فخر و ناز بھی اپنی اپنی MAN POWER پر ہی رہا کرتا ہے، یہ قدیم جُرثومہ آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

سُورَۃُ العَصر پارہ ۳۰

(۸۲۰) وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ الآیۃ (العصر آیت ۱و۲)

ترجمہ: قسم ہے زمانے کی بیشک انسان خسارے میں ہے۔

تفسیر: عصر زمانے کو کہتے ہیں اور خود زمانہ ایک وقت ہے جو تیزی کیساتھ گزرتا چلا جا رہا ہے، گویا زمانہ وقت کا ظرف ہے جس کے اندر انسان سب ہی کچھ کرتا رہتا ہے اسی میں وہ کھوتا ہے اور اسی میں وہ پاتا بھی ہے، نفع و نقصان، رنج و الم، خیر و شر سب کچھ اسی میں اُس پر واقع ہوتے ہیں۔

انسانی عمر کے لمحات دیکھتے دیکھتے گزر جاتے ہیں اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اسی زمانے کو گواہ قرار دے کر قرآن مجید کہتا ہے کہ کافر انسان کیسا بے نصیب ہے کہ وہ آخرت سے غافل ہو گیا اور خسارے میں پڑ گیا۔

سُلوک: حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ عمر کے لمحات عظیم نعمت ہیں لہٰذا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونا چاہیئے، ساری زندگی تحصیل کمال یا تکمیل کمال میں

بسر ہونی چاہیئے۔

اس حقیقت پر اہل اللہ خوب متنبہ ہوئے ہیں۔

ملحوظہ:- روایات میں آیا ہے کہ مکۃ المکرمہ کے مشہور تاجر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب دعوتِ اسلام کے شروع ہی میں ایمان لائے تو اُن کے ایک دوست نے کہا، ابوبکر رضی اللہ عنہ تم تو معاملات میں بڑے ہوشیار تھے لیکن ایمان قبول کرکے سخت دھوکہ کھا گئے اور فلاں وفلاں دیوتاؤں کی توجہ وعنایت سے محروم ہوگئے۔

اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ محروم رہ جانے والے حقیقتاً کون لوگ ہیں؟

سورۃ الھمزۃ پارہ ۳۰

(۸۲۱) اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۔ الآیۃ (الھمزۃ آیت ۲)

ترجمہ:- (بڑی خرابی ہے اُس شخص کیلئے) جس نے مال سمیٹا اور اُس کو گن گن کر رکھا۔

تفسیر:- مال ودولت کی حرص وہوس کبھی قناعت نہیں چاہتی جہنم کی ہوس کی طرح ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ۔ الآیۃ کا تقاضہ کرتی رہتی ہے، مال جمع کرنے والا کبھی مطمئن نہیں ہوتا اُس پر بیس ایکیس کا چکر ہر وقت سوار رہتا ہے، علاوہ ازیں مال کی یہ دائمی حرص وخواہش بُخل پیدا کرتی ہے اور اسی بخل کی وجہ سے وہ مال کو بار بار شمار کرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی پیسہ خرچ نہ ہوجائے یا نکل کر بھاگ نہ جائے اکثر مالداروں کو بخیل دیکھا گیا ہے کہ وہ ہر وقت حساب وکتاب کے چکر میں پڑے رہتے ہیں اسی میں اُن کو مزہ آتا ہے۔ بخیل مالداروں کی غذا بس یہی

مزہ ہوا کرتا ہے۔
فائدہ: حکیم الامت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایسا مال جمع کرنا مذموم ہے جو محض مال کی محبت اور خصوصی شغف کے ساتھ ہو جس کی علامت یہ ہے کہ اس کو بار بار شمار کرتا رہے (اور خرچ نہ کرے نہ حق اللہ نہ حق العباد)۔

سورۃ الفیل پارہ ۳۰

(۸۲۲) وَاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ۔ الآیۃ (الفیل آیت ۳)

ترجمہ:- اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے۔

تفسیر:- اصحاب الفیل کا یہ مشہور زمانہ واقعہ ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند ہفتے پہلے پیش آیا (واقعہ "ہدایت کے چراغ" جلد ۱ صفحہ ۲۹۴ پر مطالعہ کیجئے جو مستند تاریخی حوالجات سے مرتب کیا گیا ہے) اللہ نے اپنے گھر کعبۃ اللہ کی حفاظت اپنی مخلوقات میں سے کمزور اور چھوٹی سی مخلوق پرندوں سے لی۔

حاکم یمن ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں کا لشکر لیکر آیا تھا اس سے پہلے کہ وہ خانہ کعبہ کو ڈھاتے سمندر (بحر احمر) سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ٹڈی دل اڑتا آیا جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں تھیں ابرہہ کے لشکر پر برسانے لگا۔ پرندے خود چھوٹے تھے اور کنکریاں ان سے کہیں چھوٹی لیکن ہاتھیوں کا یہ غول بیابانی بھوسہ کی طرح خاک آلود ہو گیا جس پر بھی یہ کنکری پڑتی آرپار ہو جاتی ابرہہ پریشان ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔

سُلوک:۔ حکیم الامّت رح لکھتے ہیں کہ مؤثر حقیقی صرف حق تعالیٰ ہیں، اسباب وذرائع مؤثر نہیں۔

تفسیر ماجدی کے مفسّر لکھتے ہیں "شعائر اسلامی کی بے حُرمتی کرنیوالوں کو عتابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیئے۔

ملحوظہ:۔ ہاتھیوں کے مقابلے کے لئے کم ازکم ہاتھیوں کا لشکر ہونا چاہیئے تھا چھوٹی چھوٹی چڑیوں کا کیا حوصلہ؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کائنات کی کسی بھی چیز میں ذاتی قدرت وطاقت نہیں ہے۔ اب جس میں بھی قدرت وطاقت نظر آرہی ہے وہ خدائی عطا ہے جو حسب منشاء چیزوں میں ڈال دی گئی ہے پھر جب اللہ کی مرضی ہوتی ہے تو یہی قدرت وطاقت اُن اشیاء سے چھین لی بھی جاتی ہے۔

ہاتھی چڑیا ہوجاتا ہے اور چڑیا ہاتھی

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (یٰسین)

سُوْرَةُ قُرَیْشٍ پارہ ۳۰

(۸۲۳) فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔ الآیۃ

(القریش آیت ۳و۴)

ترجمہ:۔ انھیں چاہیئے تھا کہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے اُن کو بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن دیا۔

تفسیر:۔ قبیلہ قریش جو زمانہ قدیم سے خانہ کعبہ کے پاسبان اور خدمت گزار تھے انھیں اسلامی دعوت مل جانے کے بعد شرک و بُت پرستی سے توبہ کر کے صرف اس گھر کے مالک رب العالمین کی عبادت کرنی چاہیئے تھی جبکہ اس نے عرصہ دراز تک اس خدمت کے صلہ میں رزق کی فراوانی اور دشمنوں کے اندیشوں اور خوف سے نجات بھی دی ہے نعمت کا یہ حق تھا کہ وہ شکر بجالاتے نہ کہ فخر و مباہات میں مبتلا رہتے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو دینی خدمات کے صلہ میں مال و جاہ نصیب ہو تو اس کو بجائے تفاخر، اللہ کا شکر اور اطاعت کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

سورۃ الماعون پارہ ۳۰

(۸۲۷) فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ. الآیۃ (الماعون آیت ۲)

ترجمہ:۔ سو وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

تفسیر:۔ آیت میں کسی خاص آدمی کا حال نہیں بیان کیا گیا بلکہ دین اسلام کو جھٹلانے والے ہر کافر کا حال بیان کیا گیا ہے، پھر جو حق اللہ ادا نہیں کرتا وہ حق العباد (بندوں کا حق) کیا ادا کرے گا، یتیم جو بے سہارا ہوا کرتا ہے بھلا اس کا کیا حق ادا کرے گا ایسے ہی غریب مسکینوں کا حال ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامت رح لکھتے ہیں کہ دل کی قسوت (تنگی) ہی ان مذموم اعمال کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

سورۃ الکوثر پارہ ۳۰

(۸۲۵) إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ - الآیۃ (الکوثر آیت ۳)

ترجمہ:- یقیناً آپ کا بدخواہ ہی بے نام و نشان ہے۔

تفسیر:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمسن صاحبزادے ابراہیمؓ کا انتقال ہوگیا تو عام طور پر کافروں نے شگون لیا کہ بس چند دن اور صبر کرلو جب یہ بھی انتقال کرجائیں گے تو ان کے کام کا کوئی بھی نام لینے والا باقی نہ رہے گا، یہ نیا دین اپنی موت آپ ہوجائے گا۔

ایسا شخص جس کی نرینہ اولاد نہ ہو اُس کو عربی زبان میں اَبتر کہا جاتا ہے یعنی (لاولد) جس کی وفات کے بعد اُس کا کوئی نام لینے والا نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ایسا کہنے والوں کو خود ابتر قرار دیا ہے جو حرف بحرف پورا ہوچکا ہے۔ ایسا طعنہ دینے والوں کا حسب و نسب تو کیا نام و نشان بھی گم ہوچکا ہے۔

سُلوک:- حکیم الامت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے دوستوں کی مخالفت کرنے والوں کا نام و نشان مٹ جاتا ہے ان کا ذکر خیر کہیں نہیں ہوتا۔

سورۃ الکٰفرون پارہ ۳۰

(۸۲۶) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ - الآیۃ (الکافرون آیت ۲)

ترجمہ:- نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے، تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

تفسیر:۔ دینِ اسلام اور شرک کی ملتوں میں کسی بھی اتحاد کی صورت ممکن نہیں دونوں بالکل الگ الگ راہیں ہیں مکۃ المکرمہ کے چند کافر مصالحت کے شریفانہ عنوان سے ایسی کوئی صلح چاہتے تھے کہ ہمارا مذہب بھی باقی رہے اور دینِ اسلام بھی چلتا رہے تاکہ باہمی اختلاف ختم ہو جائے۔

غالباً اکبر کا دینِ الٰہی بھی اس جیسی کوشش کا ایک نمونہ تھا اور آج (۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء میں) بھی بعض نام نہاد اسلامی ممالک کے سربراہوں کا ذہن و فکر اسی جانب جا رہا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سلوک:۔ حکیم الامت لکھتے ہیں کہ آیت میں بُغض فی اللہ کا ثبوت ملتا ہے کہ اہلِ کفر و شرک سے تبرّی اور متارکت (بیزارگی اور دوری) ضروری ہے۔

سورۃ النصر پارہ ۳۰

(۸۲۷) اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ الآیۃ (النصر آیت ۱)

ترجمہ:۔ جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو اپنے ربّ کی تسبیح و تہلیل کیجئے اور اُس سے بخشش طلب کیا کیجئے بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر:۔ اکثر مفسّرین لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی سورتوں میں سب سے پہلی مکمل سُورت "سُورۃُ الفاتحہ" نازل ہوئی اور آخری سُورت یہی سورۃ النصر ہے۔ (قرطبی، مسلم)

ان آیات میں آپ کو عنقریب ہونے والی نُصرت اور فتحِ عظیم کی خوشخبری دی گئی ہے۔

اور اُسکی یہ علامت بتلائی گئی کہ لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہونگے اور اسلام تیزی سے پھیل جائے گا، ایسے وقت آپ اللہ کی حمد و تسبیح کثرت سے کرتے رہیں اور استغفار بھی۔

سیّدہ عائشہ صدّیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحٰنَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ۔ (بخاری)

چنانچہ ۸ھ میں مکّۃ المکرّمہ جو گویا زمین پر اللہ کا دارُالسلطنت ہے اسلام کے زیرنگین آگیا اور اللہ کا دین پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت لکھتے ہیں کہ اسی طرح سالکین طریق کو بھی چاہیئے کہ جب تعلیم و تبلیغ، وعظ و ارشاد سے فارغ ہوں تو کثرت ذکر و فکر اور تقرب الی اللہ کے لئے کچھ وقت مقرر کرلیں۔

ملحوظہ:۔ تفسیر ماجدی کے مفسّر علامہ عبدالماجد صاحب دریا آبادیؒ لکھتے ہیں کہ سارے مذاہب میں اسلام کا یہ منفرد عنوان ہے کہ انتہائی فتح مندی اور کامیابی و کامرانی کے وقت یہ ارشاد نہیں ہوتا کہ اس فتح و کامیابی کا جشن دھوم دھام سے منایا جائے، جلسے جلوس نکالے جائیں، نقارے بجائے جائیں، روشنی و چراغاں کا اہتمام کیا جائے، زندہ باد، پائندہ باد کے نعرے بلند کئے جائیں، دفاتر اور مدارس کو چھٹی دیدی جائے وغیرہ وغیرہ۔

بلکہ یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ اس کامیابی و فتح عظیم کی مسرّت میں اللہ کی یاد اور اُس کی حمد و ثنا کثرت سے کی جائے بلکہ ایسے وقت کچھ زیادہ ہی تسبیح و تہلیل سے کام لیا جائے۔ اللہُ اکبر۔

زمینی و آسمانی فکر میں کسقدر بُعد و تفاوت ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَار۔

سورۃ اللہب پارہ ۳۰

(۸۲۸) تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ. الآیۃ (اللہب آیت ۱)

ترجمہ:- ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہوگیا۔

تفسیر:- قریشی سردار ابولہب کا نام عبدالعزّٰی بن عبدالمطلب تھا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اپنے کفر و شرک کی وجہ سے آپؐ کے شدید ترین دشمنوں میں شامل تھا، جب کسی مجمع میں آپ پیغام حق سناتے تو یہ آپؐ پر پتھر پھینکا کرتا تھا، آپؐ بارہا اس کی اس خبیث حرکت سے زخمی بھی ہوئے ہیں۔

عام لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات نہ سنو یہ جھوٹا، اور بے دین آدمی ہے۔

ایک دفعہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہنے لگا تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ اے محمد تو ہمیشہ برباد رہے۔ اس کے اس خبیث عنوان کو اللہ نے خود اسکے گلے کا ہار بنا دیا، اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب سردار قریش ابوسفیان کی بہن تھی آپؐ کی دشمنی میں حد پار کر چکی تھی۔

مذکورہ سورت میں اِن دونوں خبیثوں کا انجام بتایا گیا ہے۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔

سلوک ف:- حکیم الامت ؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جیسے اپنے نبیوں کا انتقام لیتا ہے ایسے ہی اپنے اولیاء کا بھی انتقام لیا کرتا ہے۔

سورۃ الاخلاص پارہ ۳۰

(۸۲۹) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ الآیۃ (اخلاص آیت ۱)

ترجمہ:۔ آپ کہدیں کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اُس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نہ اُسکے کوئی برابر ہے۔

تفسیر:۔ یہ مستقل پانچ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تعارف کیلئے بیان کی گئی ہیں۔

امام فخرالدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ جس طرح سورۃ الکوثر شانِ رسالت میں جامع ہے اسی طرح سورۃ الاخلاص شانِ توحید میں جامع ہے۔

سلوک:۔ حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ یہ پوری سورت اپنے اختصار کے باوجود معارف وعقائد توحید پر مشتمل ہے۔

ملحوظہ:۔ دنیا کی قدیم قوموں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے تعارف میں بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں، انھوں نے اللہ کے تعارف کیلئے انسانی حدود کا سہارا لیا ہے۔

جس طرح انسانوں کے بہت سارے افراد ہوتے ہیں اور اُن میں ضرورت واحتیاج، توالد وتناسل کا سلسلہ چلتا ہے اسی طرح ربّ العالمین کو بھی انہی قیود وبندھنوں میں سمجھنے کی کوشش کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بڑے بڑے خدا پیدا ہوگئے۔

قرآن حکیم نے اللہ کے تعارف کے لئے نہایت سیدھا سادہ عنوان اختیار کیا ہے جو ایک عام انسان سے لے کر ایک بڑے فلسفی دانا فرزانہ کو بھی

مطمئن کر دیتا ہے۔

اصولی طور پر کسی بھی شخصیت کے تعارف سے پہلے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے ایک اُسکا ذاتی تعارف، دوسرا اُسکا صفاتی تعارف۔

اللہ کی ذاتی تعارف اس لئے ممکن نہیں کہ انسان کی ذہنی وعقلی پرواز خود اسقدر ضعیف ومحدود قسم کی ہے کہ وہ خود اپنا ذاتی تعارف حاصل نہ کر سکا کیونکہ انسان جسم وروح کا مجموعہ ہے لیکن روح کی حقیقت سے آج تک کوئی واقف نہ ہو سکا، تو پھر اپنے خالق کا ذاتی تعارف کیونکر پاسکتا ہے؟

سورت میں اللہ تعالیٰ کا صفاتی تعارف ملتا ہے جس سے اُس کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔

اَحَدٌ، صَمَدٌ، لَمْ یَلِدْ، لَمْ یُوْلَدْ، لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

وہ یکتا ہے، بے نیاز (غیر محتاج) ہے اُس کی کوئی اولاد نہیں نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اُسکا کوئی ثانی وہمسر نہیں اللہ کی صفات میں پہلا لفظ اَحَدٌ ہے، اَحَدٌ کے معنیٰ واحد نہیں جو دو کا مقابل ہوتا ہے، بلکہ اس کا ترجمہ "یکتا" کیا جاتا ہے اَحَدٌ ایسے عدد کو کہا جاتا ہے جو شمار وگنتی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اُردو میں "لاثانی"، یکتا سے اسکا مفہوم ادا ہو سکتا ہے۔

لطیفہ:۔ دنیا کی قدیم قوموں نے خدائیت کی تقسیم اسطرح کی ہے۔

ہندوؤں نے کائنات کی تخلیق وپیدائش کو "برہماجی" کے ذمہ کیا ہے۔

ربوبیت وپرورش کا حق "وشنوجی" کے قبضہ میں دیا ہے۔

اہلاک وفنا (موت وہلاکت) کو "شوجی" کے حوالہ کیا ہے۔

اور دنیا کی ایک تہائی آبادی عیسائیوں نے حشر کے دن آخری فیصلہ کو اللہ کے اکلوتے بیٹے مسیح علیہ السّلام کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ فَتَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔

سُورۃ الفلق پارہ ۳۰

(۸۳۰) وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ۔ الآیۃ (الفلق آیت ۴)

ترجمہ:۔ پناہ چاہتا ہوں گرہوں پر پڑھ پڑھکر پھونکنے والیوں کے شر سے۔

تفسیر:۔ زمانہ قدیم میں سحر جادو کا عام رواج تھا اور اُس کو فنون لطیفہ میں شمار کیا جاتا تھا، آج بھی متعدد قوموں میں یہ بیماری موجود ہے۔

عام طور پر جادو کرنے والے رسّیوں، دھاگوں، بالوں پر گرہ ڈال ڈالکر عمل کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مدینہ طیّبہ کے منافق یہودی لبید بن اعصم اور اس کی خبیث لڑکیوں نے آپؐ کے موئے مبارک کسی طرح حاصل کرکے اسپر جادو کے گرہ لگائے تھے جسکا اثر چند ہفتوں تک آپ پر رہا پھر جبرئیل امین نازل ہوئے اور سُورہ فلق و سُورۃ النّاس آپ کو پڑھکر سنائیں آپؐ صحت یاب ہوگئے۔ آیت میں انہی پھونک مارنے والیوں کا ذکر ہے۔

سُلوک:۔ حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ اسباب طبعی سے اہلِ باطل کا اثر اہلِ حق پر بھی پڑسکتا ہے۔ (جیسا کہ منافقین کے جادو کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑا تھا)

پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس قسم کی تاثیرات، حق و باطل کا ہرگز ہرگز معیار نہیں بن سکتیں جیسا کہ بعض لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔

(۸۳۱) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ الآیۃ (الفلق آیت ۵)

ترجمہ:۔ اور پناہ چاہتا ہوں حسد کرنے والے کے حسد سے جب کہ وہ

حسد کرنے لگے۔

تفسیر: آیت میں حسد سے پناہ طلب کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اسکے شر سے حفاظت نصیب رہے۔

حسد دراصل اُس مکروہ و حرام جذبہ کا نام ہے جو کسی کی خوشحالی، خوش عیشی، کامیابی و سرفرازی دیکھکر دل میں پیدا ہو اور یہ تقاضہ ہو کہ یہ نعمت اُس سے زائل ہو جائے چاہے خود کو ملے یا نہ ملے۔

آیت میں اُس حاسد کے حسد سے پناہ طلب کرنے کی ہدایت دی جارہی ہے جبکہ وہ حسد کرنے لگے یعنی زوالِ نعمت کے اسباب اختیار کرے ایسی صورت میں حاسد کا حسد کسی بھی خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔

اس لئے یہ تعلیم دی گئی کہ حاسد کے حسد سے پناہ طلب کی جائے جب کہ وہ حسد کرنے لگے۔ ورنہ فقط حاسد خود اپنے عذاب و غم میں مبتلا ہے جس کا وہ رات دن مزہ چکھ رہا ہے۔

سلوک:۔ رزیلہ اخلاق میں حسد بدترین خصلت ہے۔

ملحوظہ:۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلا گناہ جو آسمان پر کیا گیا یہی حسد تھا ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا، اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اور زمین پر بھی سب سے پہلا گناہ یہی حسد تھا حضرت آدم علیہ السلام کے بڑے بیٹے قابیل نے اپنے چھوٹے بھائی ہابیل پر حسد کیا اور پھر بھائی کو قتل کر دیا۔ (قرطبی)

سورۃ الناس پارہ ۳۰

(۸۳۲) مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ۔ الآیۃ (الناس آیت ۴)

ترجمہ:- پناہ چاہتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے۔

تفسیر:- ہر شر و گناہ کی ابتدا کسی نہ کسی وسوسہ سے ہی ہوا کرتی ہے، اگرچہ وسوسہ ایک خیال ہے لیکن اس کا قرار عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے، وسوسہ اگر دل میں آکر فوری نکل گیا تو انسان محفوظ رہ گیا لیکن یہی وسوسہ اگر دل میں قرار پکڑ گیا تو آدمی کو کسی نہ کسی دینی یا دُنیوی مضرّت میں پھانس لیتا ہے۔

ایسے بُرے وسوسے شیاطین یا جنّات و شریر انسانوں کی طرف سے ہوا کرتے ہیں۔ کسی خبیث انسان نے کسی کے بارے میں شُبہ ڈال دیا بس شُبہ والا ناچنے لگا، اس لئے وسوسہ سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی۔

سلوک:- حکیمُ الامّت رح لکھتے ہیں کہ وسوسہ اندازی غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا غفلت کا علاج ذکر اللہ سے کیا جانا چاہیے۔

(حدیث میں ہے کہ اللہ کی یاد سے شیطان دُور ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے یہ حقیقت ظاہر کی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا۔ الآیۃ (اعراف آیت ۲۰۱) یقیناً جو لوگ خُدا ترس ہیں جب انھیں کوئی خطرہ پیش آجاتا ہے تو وہ اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں)۔

خادم الکتاب و السنّۃ
محمد عبد الرحمٰن غفرلہٗ
حال مقیم جدہ سعودی عرب
فون 6896059

حدیث پاک کے طلبہ کے لئے

بیش قیمت علمی تحفہ

تجرید بخاری شریف بہترین اردو ترجمہ کے ساتھ

علماء حدیث کا یہ فیصلہ ہے کہ تجرید بخاری، بخاری شریف کی نہایت مستند تجرید اور نہایت ذمہ دارانہ اختصار ہے۔

تجرید البخاری کے ﴿مؤلف﴾ علامہ ابو العباس زین العابدین احمد زبیدی الحنفی (متوفی ۸۹۳ھ) اپنے عہد کے نہایت بلند پایہ محدث تھے۔

حدیث کی اس اہم اور مفید مترجم کتاب کی تحقیق و تنقیح میں بحرالعلوم حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ العالی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی کاوش شامل ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی مہتمم مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی نے تجرید البخاری کے اردو ترجمہ کے آسان اور سہل ہونے کے ساتھ متن احادیث کی صحیح تفہیم کا حق ادا کرنے پر پاکستان کے مترجم عالم کی محنت وکاوش کی تعریف و تحسین کی ہے۔

تجرید البخاری طباعت وکتابت کے اعلیٰ معیار کے مطابق

۲۔ دو خوبصورت سنہری جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔

جس کا سہرا ربانی بک ڈپو کے سر ہے۔ رعایتی قیمت کے ساتھ دیوبند کے ہر مکتبہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ سائز ۳۰ X ۲۰ قیمت ۳۰۰ روپے

ناشر

مولانا محمد عبد الرحمٰن استاذ حدیث و تفسیر کی

تصنیفات

(۱) ہدایت کے چراغ۔ حصہ اول دوم۔ نبیوں کی دعوت و تبلیغ اور قرآنی واقعات پر محققانہ کتاب۔ صفحات ۱۴۰۰۔

(۲) فرامینِ رسولؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو جوابات اور اس کی تشریح۔ صفحات ۵۱۲۔

(۳) یومٌ عظیمٌ۔ عقیدہ آخرت قیامت کی قرآنی تشریح۔ صفحات ۳۱۱۔

(۴) منتخب دعائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع دعاؤں کا مجموعہ اور اس کی تشریح۔ صفحات ۲۰۰۔

(۵) قرآنی تعلیمات۔ نو سو سے زائد اخلاقی آیات قرآنی کی تفسیر اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح کی کتاب "مسائل السلوک" کی عام فہم توضیح و تشریح۔ صفحات ۷۵۰۔

(۶) فتاویٰ الرسولؐ الاکرمؐ (عربی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ۔ صفحات ۴۰۸

(۷) کاروانِ حیات جدید مصنف کے تحصیل علم اور تبلیغی جدوجہد کی صبر آزما آپ بیتی۔ صفحات ۲۵۰۔

(۸) سراجاً منیراً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ نسب، ولادت پاک، رضاعت و کفالت، اسم پاک، صورت پاک، حیات پاک، ازواج پاک، بنات پاک، اولاد پاک، اثاثہ جات، وفات پاک اور آپؐ کے ایک سو ایک پاکیزہ و مقدس عادات و اطوار کا مستند و تحقیقی تذکرہ۔ صفحات ۱۵۰۔

(۹) آیۃ الکرسی۔ قرآنی آیت آیۃ الکرسی کا مکمل تعارف اور ترجمہ۔ (کتابچہ)

(۱۰) دعاؤں کی چہل حدیث۔ احادیث کی جامع دعاؤں کا مجموعہ۔ (کتابچہ)

:- ملنے کے پتے :-

ربانی بک ڈپو
کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی ۶

سرتاج پیلرس۔ تلک روڈ عابد شاپ۔ حیدرآباد۔ فون نمبر ۲۳۱۳۹۷